تحقیقی، اصلاحی اور علمی

مقالات

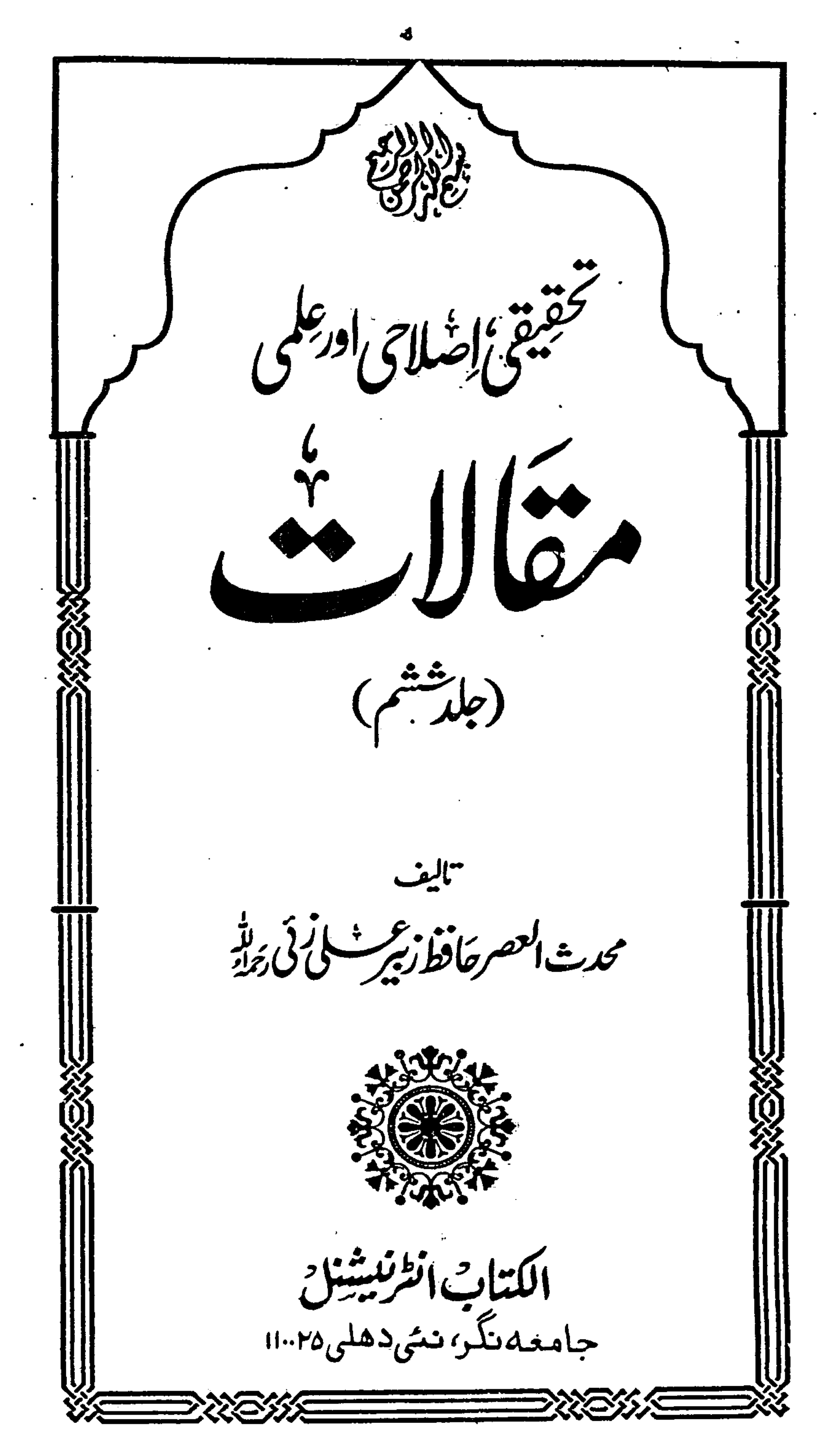
جلد ششم

تالیف

حافظ زبیر علی زئی

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دھلی ۱۱۰۰۲۵



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحقیقی، اصلاحی اور علمی

مقالات

(جلد ششم)

تالیف

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

نام کتاب : مقالات تحقیقی، اصلاحی اور علمی
تالیف : حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ
ناشر : سید شوکت سلیم سہوانی
جلد : ششم 6
اشاعت : مئی ۲۰۱۴ء
قیمت : -/350 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

F-50 B، مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۲۵
Phone:-9312508762,011-26986973
E-mail:. alkitabint@gmail.com

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ دار السلام، گاؤکدل، سرینگر، کشمیر
۲۔ القرآن پبلیکیشنز، میسومہ بازار، سرینگر، کشمیر
۳۔ مکتبہ دار السلام، اننت ناگ، کشمیر
۴۔ مکتبہ المعارف، محمد علی رو، ممبئی
۵۔ مکتبہ ترجمان، اردو بازار، دہلی ۔ ٦

فہرست

توحید وسنت

تذکرۃ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

طہارت ونماز

تذکرۂ علمائے حدیث

تذکرۃ الراوی

اصولِ حدیث وتحقیق روایات

باطل مذاہب و مسالک اور ان کا رد

متفرق مضامین

حرف اول

الحمد للّٰہ ربّ العلمین والصّلوٰة والسّلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

آج سے تقریباً چھ سات سال پہلے علمی مقالات کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا جو بڑی تیزی سے جاری تھا کہ اچانک محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً بیمار ہو گئے اور دو ماہ کی طویل علالت کے بعد اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ **إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون اللھم اغفرلہ وارحمہ.**

زیرِ نظر کتاب علمی مقالات (جلد ٦) اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے استاذ محترم رحمہ اللہ کی بیماری کے ایام سے پہلے تیار کر لیا گیا تھا لیکن آپ کی بیماری اور پھر جدائی اس کی اشاعت میں تاخیر کا سبب بن گیا۔ محدث العصر کا ہم سے بچھڑ جانا ایسا غم عظیم ہے کہ دوبارہ قلم اٹھانے کی ہمت ہی نہ رہی لیکن بعض احباب کے بار بار توجہ دلانے پر اس حرف اول کو لکھنے بیٹھا ہوں جو ہمیشہ ان کی زندگی میں ان کی دلجوئی، حوصلہ افزائی اور اعتماد سے لکھتا تھا اور شاید آج یہ علمی مقالات کے لئے حرف آخر ہی ہو....

ع اب کون کہے گا، تیرے جانے کے بعد

جس طرح محدث العصر رحمہ اللہ کی تحریروں کو علمی مقالات کی صورت میں یکجا کر دیا گیا ہے اسی طرح کا ایک سلسلہ ”فوائد علمیہ“ بھی ہے جس میں استاذ محترم رحمہ اللہ کے شذرات و افادات اور ان بکھرے علمی و تحقیقی موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر منظر عام پر لایا جائے گا جو ابھی اوجھل ہیں۔ اس پروگرام کا میں نے شیخ محترم رحمہ اللہ کے سامنے اظہار کیا تھا جسے آپ نے نہ صرف پسند کیا بلکہ خوب سراہا بھی تھا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ بھی مقبول عام ہو گا اور استاذ محترم رحمہ اللہ کے لئے صدقہ جاریہ بنے گا۔ (ان شاء اللہ)

مقالات کی یہ جلد بھی حسب معمول علمی، تحقیقی، تنقیدی اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے جسے استاذ محترم رحمہ اللہ نے شب و روز کی انتھک محنت کے بعد احاطۂ تحریر کیا ہے۔

اے اللہ! محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی قبر باغیچۂ جنت بنا دے، انھیں جنت الفردوس عطا فرما، ان کی حسنات کو قبول اور سیئات سے درگزر فرما۔ ان کے علم و فنون سے ہمیں فائدہ پہنچا اور ان کے لئے انھیں صدقۂ جاریہ بنا دے۔ آمین

خادم العلم والعلماء

حافظ ندیم ظہیر

۲۵/نومبر ۲۰۱۳ء بمطابق ۲۰/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

عقائد (توحید وسنت) سے متعلق مسائل



اہلِ حدیث اور آثارِ سلف صالحین: صحابہ وتابعین

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسّلام علی رسوله الأمین و رضي اللّٰہ عن الصحابة أجمعین و رحمة اللّٰہ علی التابعین و أتباع التابعین و من تبعهم بإحسان إلی یوم الدین . أما بعد:

اہلِ حدیث یعنی اصلی اہلِ سنت کے خلاف بعض لوگ یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اہلِ حدیث سلف صالحین کو نہیں مانتے، اکابر پر اعتماد نہیں کرتے اور اپنی مرضی وخواہشات پر عمل کرتے ہیں۔ وغیر ذلک من الأکاذیب والافتراءات

یہ بالکل جھوٹا پروپیگنڈا ہے اور اس کے برعکس اہلِ حدیث کا یہ اصول ہے کہ قرآن، حدیث اور اجماع کو حجت سمجھتے ہیں، اجتہاد کو جائز سمجھتے ہیں اور ہر بات میں سلف صالحین کا فہم ہمیشہ مدِ نظر رکھتے ہیں۔

چودھویں صدی ہجری کے ایک اہل حدیث عالم حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے: ''خلاصہ یہ کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں۔''

(فتاویٰ اہل حدیث ۱/۱۱۱، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱ص ۴)

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ عقیدہ ہو یا احکام ومسائل، اہلِ حدیث کا ہر متفقہ مسئلہ صحابہ وتابعین اور سلف صالحین سے ثابت ہے۔

آلِ دیوبند وآلِ بریلی کے مقابلے میں اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کے بیس (۲۰) مشہور عقائد ومسائل اور ان کا ثبوت صحابہ وتابعین اور سلف صالحین سے پیشِ خدمت ہے:

۱) استواء الرحمٰن علی العرش

جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو سیدنا ابوبکر (الصدیق) رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" أیها الناس! إن کان محمد إلٰهکم الذي تعبدون فإن إلٰهکم قدمات و إذ

كان إلٰهكم الله الذي فی السماء فإن إلٰهكم لم يمت ...“

اے لوگو! اگر محمد (ﷺ) تمھارے معبود (خدا) تھے جن کی تم عبادت کرتے تھے تو بے شک تمھارا معبود فوت ہو گیا ہے اور اگر اللہ تمھارا معبود ہے جو آسمان پر ہے تو بے شک تمھارا معبود فوت نہیں ہوا۔ الخ

(کتاب الرد علی الجہمیہ للامام عثمان بن سعید الدارمی: ۷۸ وسندہ صحیح واللفظ لہ، التاریخ الکبیر للبخاری ۱/ ۲۰۱۔۲۰۲)

اس اثر کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: ” أخرجه هكذا الدارمي بإسناد صحيح ...“ (کتاب العرش للذہبی ص ۱۲۵ ح ۱۰۱)

☆ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، عرش پانی پر ہے اور اللہ عرش ہے، وہ تمھارے اعمال جانتا ہے۔ (کتاب التوحید لابن خزیمہ ص ۱۰۵، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۴۲۔۲۴۳ ح ۱۴۹، تیسرا نسخہ ۱/ ۲۲۲ ح ۱۷۸، وسندہ حسن لذاتہ، الاسماء والصفات للبیہقی ۲/ ۱۸۶۔۱۸۷ ح ۷۵۱ وقال الذہبی فی کتاب العرش ص ۱۲۹ ح ۱۰۵: ” بإسناد صحيح عنه “)

یہ اثر (قولِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ) بہت سی کتابوں مثلاً المعجم الکبیر للطبرانی (۹/ ۲۲۸) اور الرد علی الجہمیہ لعثمان بن سعید الدارمی (۸۱) وغیرہما میں بھی موجود ہے۔

دیگر آثارِ صحابہ، نیز آثارِ تابعین ومن بعدہم کے لئے کتاب العرش اور کتاب العلو للعلی الغفار للذہبی وغیرہ کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔

امام مالک نے فرمایا: ” الله في السماء و علمه في كل مكان ، لا يخلو من علمه لكان .“ اللہ آسمان پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ کو محیط ہے، اس کے علم سے کوئی جگہ بھی خالی (باہر) نہیں۔ (مسائل ابی داود ص ۲۶۳ وسندہ حسن لذاتہ، کتاب الشریعہ للآجری: ۶۵۲۔۶۵۳)

یہ اثر بھی بہت سی کتابوں میں ہے اور حافظ ذہبی نے اسے "ثابت عن مالك رحمه الله" قرار دیا ہے۔ (کتاب العرش ص ۱۸۰ ح ۱۵۵)

امام عبداللہ بن المبارک المروزی نے فرمایا:

"نعرف ربنا فوق سبع سمٰوات على العرش استوى ، بائن من خلقه و لا نقول كما قالت الجهمية :إنه هاهنا - و أشار إلى الأرض ."

ہم اپنے رب کو جانتے ہیں وہ سات آسمانوں پر عرش پر مستوی ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے اور ہم جہمیہ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ وہ یہاں ہے، اور آپ نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔

(الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۲۷ دوسرا نسخہ ص ۵۳۸ وسندہ صحیح وصححہ الذہبی فی العلو للعلی الغفار ۲/ ۹۸۶ قبل ح ۳۶۱ وابن تیمیہ فی الحمویہ ص ۲۶۹ وغیرہما)

یہ اثر بھی بہت سی کتابوں مثلاً کتاب التوحید لابن مندہ (ح ۸۹۹) وغیرہ میں موجود ہے۔

۲) ائمہ اربعہ میں سے صرف ایک امام کی تقلید شخصی

تقلید کا لغوی معنی "بلا دلیل پیروی کرنا، آنکھ بند کر کے کسی کے پیچھے چلنا" اور بے سوچے سمجھے یا بے دلیل پیروی، نقل اور سپردگی ہے۔ (دیکھئے القاموس الوحید ص ۱۳۴۶)

تقلید کا اصطلاحی معنی درج ذیل ہے:

"هو تعظيم الرجال و ترك الأدلة" یہ رجال کی (حد سے زیادہ) تعظیم اور دلائل کو ترک کرنا ہے۔ (کتاب الفنون لابن عقیل ۲/ ۶۰۴ بحوالہ ماہنامہ التوحید ص ۹ جولائی ۲۰۰۶ء)

یعنی قرآن وحدیث کے خلاف کسی کی بات کو ماننا تقلید کہلاتا ہے۔

تنبیہ: اہلِ حدیث کے نزدیک اگر کسی امتی کا کوئی قول یا فعل قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہو، سلف صالحین سے بھی اس کی مخالفت ثابت ہو اور تطبیق ممکن نہ ہو تو یہ قول وفعل ہرگز حجت نہیں، بلکہ ایسی حالت میں قرآن وحدیث پر ہی عمل کیا جائے گا اور ایسے تمام اقوال و افعال کو چھوڑ دیا جائے گا۔

☆ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" أما العالم فإن اهتدى فلا تقلّدوه دينكم ... "اگر عالم ہدایت پر (بھی) ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔ الخ (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ۲/۲۲۲ ح ۹۵۵ وسندہ حسن)

اس حدیث کے راوی عبداللہ بن سلمہ المرادی جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں اور یہ روایت ان کے اختلاط سے پہلے کی ہے۔ (نیز دیکھئے فتح الباری ۱/۴۰۸ ح ۳۰۵)

اس روایت کو امام دارقطنی اور حافظ ابونعیم الاصبہانی وغیرہما نے صحیح قرار دیا ہے۔

(دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۷ طبع جدید)

☆ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" لا تقلّدوا دينكم الرجال ... "اپنے دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو۔ الخ

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۰، وسندہ صحیح، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۵)

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا۔

(دیکھئے کتاب الام مختصر المزنی ص ۱)

نیز فرمایا:" ولا تقلّدوني " اور میری تقلید نہ کرو۔

(آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۵۱ وسندہ حسن)

امام احمد بن حنبل نے امام ابوداود سے فرمایا:

" لا تقلّد دينك أحدًا من هؤلاء..."

اپنے دین میں، ان لوگوں میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کر۔ الخ (مسائل ابی داود ص ۲۷۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: دین میں تقلید کا مسئلہ

۳) جرابوں پر مسح

سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے (سیدنا) علی (بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، انھوں نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔

(الاوسط لابن المنذر ۱/۱۱۵ ح ۴۷۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۱/۴۶۲ ح ۴۷۹)

☆ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے وضو کیا تو جرابوں پر مسح کیا۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۹ ح ۱۹۸۴، وسندہ صحیح)

نیز سیدنا ابو مسعود عقبہ بن عمرو الانصاری، سیدنا سہل بن سعد الساعدی اور سیدنا ابو امامہ صُدی بن عجلان الباہلی رضی اللہ عنہم وغیرہم سے بھی مسح علی الجوربین ثابت ہے۔

(دیکھئے اشاعۃ الحدیث حضرو: ۱۰۱ص ۴۰۔۴۱ مضمون: موٹی جرابوں پر مسح جائز ہے)

کئی تابعین عظام مثلاً سعید بن جبیر اور عطاء بن ابی رباح وغیرہما رحمہم اللہ سے بھی مسح علی الجوربین ثابت ہے۔

٤) سورۃ الفاتحہ خلف الامام

ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب "

جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز نہیں ہوتی۔ (صحیح بخاری: ۷۵٦)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبادہ بن الصامت البدری رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھی اور بعد میں سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر بتایا:

" أجل ، أنه لا صلوۃ إلا بها "

جی ہاں (میں نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہے) بے شک جو اسے نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۵ ح ۳۷۷۰ وسندہ صحیح)

اس اثر کے بارے میں محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا: "صحیح ہے" (درس ترمذی ۲/ ۷٦)

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

"بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا۔ مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں۔" الخ (احسن الکلام ۲/ ۱۴۲، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۵٦، نیز دیکھئے الکواکب الدریہ ص ۹٦)

اس اثر پر تفصیل کے لئے دیکھئے آئینۂ دیوبندیت (ص ۱۷۹۔۱۸۰)

☆ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو شخص ایسی نماز پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ ناقص ہے، پوری نہیں۔
(صحیح مسلم ۱/۱۶۹ ح ۳۹۵ ملخصاً)

اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
" إذا قرأ الإمام بأم القرآن فاقرأ بها و اسبقه ... " جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی اسے پڑھو اور امام سے پہلے پڑھ لو۔ الخ (جزء القراءۃ للبخاری: ۲۳۷، ۲۸۳ وسندہ صحیح)
اس اثر کے بارے میں ایک غالی حنفی محمد بن علی النیموی التقلیدی نے بھی لکھا ہے:
" و إسناده حسن " (آثار السنن: ۳۵۸)

☆ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " اِقرأ خلف الإمام بفاتحة الكتاب " امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۵ ح ۳۷۷۳، کتاب القراءت للبیہقی: ۲۳۶ وقال: " و هذا إسناد صحيح ، لا غبار عليه " الاوسط لابن المنذر ۳/۱۰۹، وسندہ صحیح)

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔
(دیکھئے جزء القراءۃ للبخاری: ۱۱، ۱۰۵، وسندہ حسن)

سیدنا انس بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ (پڑھنے) کا حکم دیتے تھے۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۳۱ وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فاتحہ خلف الامام کا حکم دیا۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۳۷، مصنف عبدالرزاق: ۲۷۸۹)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے امام عروہ بن الزبیر المدنی رحمہ اللہ فرماتے تھے:
امام کے سکتے میں پڑھو، کیونکہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔
(کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۳۸ وسندہ حسن)

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے آخری قول میں فرمایا:
کسی آدمی کی نماز جائز نہیں جب تک وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ لے، چاہے امام ہو یا

مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر یہ ضروری ہے کہ سری اور جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۲/ ۵۸ ح ۹۲۸ وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جہری نمازوں میں قراءت خلف الامام کے بارے میں فرمایا: سورۂ فاتحہ پڑھو۔ (تاریخ نیسابور للحاکم بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۵۰۔ ۵۵۱، وسندہ صحیح)

ملک شام کے عظیم فقیہ امام اور محدث عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ (م ۱۵۷ھ) نے فرمایا: امام پر یہ حق (یعنی لازم) ہے کہ وہ نماز شروع کرتے وقت، تکبیر اولیٰ کے بعد سکتہ کرے اور سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بعد ایک سکتہ کرے تاکہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے سورۂ فاتحہ پڑھ لیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ (مقتدی) اسی کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھے اور جلدی پڑھ کر ختم کرلے، پھر کان لگا کر (قراءت) سنے۔

(کتاب القراءت للبیہقی: ۲۴۷ وسندہ صحیح)

فاتحہ خلف الامام کے مسئلے پر مفصل دلائل کے لئے درج ذیل دو کتابیں پڑھ لیں:

۱: نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری۔

۲: الکواکب الدریہ یعنی مسئلہ فاتحہ خلف الامام۔

۵) نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۷۳۹ وسندہ صحیح، مسائل الامام احمد روایۃ عبداللہ بن احمد ۱/ ۲۴۴ وسندہ صحیح، نور العینین طبع جدید ص ۱۵۹)

سلیمان الشیبانی (ثقہ راوی) سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا، سالم بن عبداللہ (بن عمر) جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے، پھر جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے، پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ میں نے اپنے والد (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے

ہوئے دیکھا ہے۔ (حدیث السراج ۲/۳۴۔۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح)

☆ سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۷۳۷، صحیح مسلم: ۳۹۱)

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع یدین کرتے تھے۔

(سنن دارقطنی ۱/۲۹۲ ح ۱۱۱۱، ملخصاً وسندہ صحیح، الاوسط لابن المنذر ۳/۱۳۸)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ۲۰ ملخصاً وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۵ ح ۲۴۳۶ وسندہ حسن لذاتہ)

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۷۳ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۷۳ وسندہ صحیح)

امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۷۵ ملخصاً وسندہ صحیح)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تکبیر (تحریمہ) رکوع اور (رکوع سے) اٹھنے پر رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین: ۲۲ وسندہ صحیح)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی نماز کے بارے میں فرماتے تھے:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہی نماز تھی حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (صحیح بخاری: ۸۰۳)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: نور العینین فی اثبات رفع الیدین (طبع جدید)

کسی ایک صحابی سے بھی ترکِ رفع یدین یعنی رفع یدین کا نہ کرنا ثابت نہیں۔

(دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری: ۴۰، ۷۶)

امام صالح بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے پوچھا:
ایک علاقے میں لوگ رفع یدین کا انکار کرتے ہیں اور اگر کوئی رفع یدین کرے تو اسے رافضیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، کیا ایسے آدمی کے لئے ترکِ رفع یدین جائز ہے؟
امام احمد (بن حنبل) نے فرمایا:
وہ رفع یدین ترک نہ کرے اور ان لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔

(مسائل صالح ۱/ ۲۶۸ فقرہ ۲۰۹)

امام صالح بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے پوچھا:
آپ کا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو لوگوں کا امام ہے، نماز میں رفع یدین کرتا ہے، آمین بالجہر کہتا ہے اور تین وتر اس طرح پڑھتا ہے کہ دو پڑھ کر سلام پھیر دیتا ہے، اس کے مقتدی اس پر راضی نہیں حتیٰ کہ بعض لوگ اس کے پیچھے وتر نہیں پڑھتے بلکہ مسجد سے نکل جاتے ہیں تو کیا یہ آدمی مقتدیوں کی بات مانے گا یا اہلِ فقہ (یعنی محدثین) کے احکامات پر ثابت قدم رہے گا؟
تو امام احمد بن حنبل نے جواب دیا:
وہ اپنی نماز پر ثابت قدم رہے گا اور مقتدیوں کی پروانہیں کرے گا۔

(مسائل صالح ۲/ ۱۲۰، فقرہ: ۶۸۳)

امام احمد بن حنبل نے رفع یدین کے بغیر نماز کو ناقص قرار دیا۔

(دیکھئے مسائل ابی داود ص ۳۳)

معلوم ہوا کہ کسی حالت میں بھی رفع یدین ترک نہیں کرنا چاہئے اور اس معاملے میں مخالفت کرنے والے لوگوں کی ذرا بھی پروانہیں کرنی چاہئے۔
امام احمد بن حنبل سے اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا جو رفع یدین نہیں کرتا، تو انھوں نے فرمایا: " أيش يصنع ؟ قد أخطأ السنة "
یہ کیا کرے گا؟ اس (امام) نے تو سنت کی مخالفت کی ہے۔ (مسائل ابن ہانی ۱/ ۴۹ رقم ۲۳۵)

٦) جہری نمازوں میں آمین بالجہر

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہی حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھی۔

(صحیح بخاری مع فتح الباری ۲/ ۲۰۸ قبل ح ۷۸۰، تغلیق التعلیق ۲/ ۳۱۸)

اس روایت کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے میری کتاب : القول المتین فی الجہر بالتأمین (ص ۴۷۔ ۵۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب امام کے ساتھ ہوتے (تو) سورۂ فاتحہ پڑھتے، پھر جب لوگ آمین کہتے تو ابن عمر بھی آمین کہتے اور اسے سنت سمجھتے تھے۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۵۷۲ وسندہ حسن)

امام ابن خزیمہ نے اس اثر پر ''**باب الجهر بآمين عند انقضاء فاتحة الكتاب في الصلوة التي يجهر الإمام فيها بالقراءة**'' باندھا ہے، یعنی جس نماز میں امام جہری قراءت کرتا ہے اُس میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے اختتام پر آمین بالجہر کا باب۔

(ج ۱ ص ۲۸۶)

اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ (نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۲۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

میں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ جب امام ولا الضالین کہتا تو لوگوں کے آمین کہنے سے مسجدیں گونج اٹھتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۲۵ وسندہ حسن لذاتہ)

امام ترمذی نے امام شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا کہ مرد آمین اونچی آواز سے کہیں اور خفیہ آواز سے نہ کہیں۔ (سنن الترمذی: ۲۴۸)

یاد رہے کہ سری نمازوں میں آمین بالسر کہنے پر اجماع ہے اور اجماع بذاتِ خود شرعی دلیل و حجت ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

" يجهر الإمام و من خلفه بآمين "امام اوراس کے مقتدی آمین بالجہر کہیں۔

(مسائل احمد روایۃ صالح بن احمد ۱/ ۲۷۱ فقرہ: ۲۹۴)

تنبیہ: کسی صحابی سے جہری نمازوں میں آمین بالسر باسند صحیح یا حسن لذاتہ ہرگز ثابت نہیں۔

۷) نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا

سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں (صحابہ) کو حکم دیا جاتا تھا کہ مرد نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھیں۔ (صحیح بخاری: ۷۴۰)

ہاتھ کی درمیانی انگلی سے لے کر کہنی تک کے مکمل حصے کو عربی میں ذراع کہتے ہیں۔

(دیکھئے القاموس الوحید ص ۵۶۸)

اس طریقے پر ہاتھ باندھنے یعنی حالتِ قیام میں دائیں ہاتھ کو اپنی پوری بائیں ذراع پر کہنی تک رکھنے سے خود بخود ہاتھ سینے پر آجاتے ہیں۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: نماز میں ہاتھ ناف سے اوپر رکھنے چاہئیں۔

(امالی عبدالرزاق: ۱۸۹۹، وسندہ صحیح)

امام اسحاق بن راہو یہ رحمہ اللہ (رمضان کا) پورا مہینہ دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھاتے، رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی پستانوں (چھاتیوں) پر یا اُن سے نیچے رکھتے تھے، آپ (نماز میں) دعا کرتے اور آپ کے مقتدی آمین کہتے تھے۔ الخ

(مسائل احمد و اسحاق، روایۃ الکوسج ۲/ ۵۹۱ ح ۳۴۶۸ ملخصاً)

یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ اپنا یہ (ہاتھ) اس (دوسرے) ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

(التحقیق فی اختلاف الحدیث لابن الجوزی ۱/ ۲۸۳ ح ۴۷۷، دوسرا نسخہ ۱/ ۳۳۸ ح ۴۳۴ وسندہ حسن لذاتہ)

امام بیہقی نے فرمایا: باب: نماز میں سینے پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ (السنن الکبریٰ ۲/ ۳۰)

مفصل دلائل کے لئے دیکھئے میری کتاب: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام

٨) قیام رمضان یعنی تراویح

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ دونوں کو حکم دیا کہ لوگوں کو (رمضان کی راتوں میں) گیارہ رکعات پڑھائیں۔

(موطأ امام مالک ۱/۱۱۴ ح ۲۴۹ وسندہ صحیح)

اس روایت کو عینی حنفی اور نیموی نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

(دیکھئے نخب الافکار ۵/۱۰۳، دوسرا نسخہ ۳/۲۷۷، آثار السنن: ۷۷۶)

سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں کو اُبی (بن کعب) اور تمیم (الداری رضی اللہ عنہما) پر اکٹھا کیا، وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۲ ح ۷۶۷۰)

امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک لمبے قول میں یہ بھی آیا ہے کہ اس چیز (تراویح) میں کوئی تنگی نہیں اور نہ کوئی حد ہے کیونکہ یہ نفل نماز ہے، اگر رکعتیں کم اور قیام لمبا ہو تو بہتر ہے اور یہ مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر رکعتیں زیادہ ہوں تو بھی بہتر ہے۔

(مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۲۰۲۔۲۰۳ وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل نے تراویح (کی رکعتوں) کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

(دیکھئے سنن الترمذی: ۸۰۶)

اور فرمایا: اس پر چالیس تک رکعتیں روایت کی گئی ہیں، یہ تو صرف نفلی نماز ہے۔

(مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۲۰۲)

تنبیہ: کسی ایک صحابی سے باسند صحیح بیس رکعتیں تراویح پڑھنا ہرگز ثابت نہیں اور نہ کسی تابعی یا تبع تابعی سے یہ ثابت ہے کہ ''تراویح صرف بیس رکعات ہی سنت مؤکدہ ہے، اس سے کم یا زیادہ جائز نہیں۔''!

تفصیلی دلائل اور احادیث مرفوعہ کے لئے دیکھئے میری کتاب: تعدادِ رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ۔

۹) ایک رکعت وتر

سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وتر حق ہے، لہٰذا جو شخص پانچ وتر پڑھنا چاہے وہ پانچ پڑھے، جو شخص تین وتر پڑھنا چاہے تو وہ تین وتر پڑھے اور جو شخص ایک وتر پڑھنا چاہے تو وہ ایک وتر پڑھے۔

(سنن النسائی ۳/ ۲۳۸۔۲۳۹ ح ۱۷۱۳، وسندہ صحیح)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک وتر پڑھا۔ (صحیح بخاری: ۶۳۵۶ وسندہ صحیح)

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک وتر پڑھا۔

(صحیح بخاری: ۳۷۶۴ وسندہ صحیح)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت پڑھ کر فرمایا: یہ میرا وتر ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۲۵ وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور فرمایا: میری فلاں اونٹنی لے آؤ۔ پھر آپ نے اُٹھ کر ایک وتر پڑھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۹۲ ح ۶۸۰۶ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے صحیح بخاری (۹۹۱) اور صحیح ابن حبان (الاحسان: ۴/ ۷۰ ح ۲۴۲۶)

امام ترمذی نے فرمایا کہ (امام) مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ اس بات کے قائل تھے کہ آدمی دوسری رکعت پر سلام پھیر دے (اور) ایک وتر پڑھے۔

(دیکھئے سنن الترمذی: ۴۶۱)

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے:

''وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباس وغیرہما صحابہؓ اس کے مقر اور مالکؒ وشافعیؒ واحمدؒ کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا...'' (براہین قاطعہ ص ۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے شیخ ابو عمر عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ کی اردو میں کتاب:

الدلیل الواضح علی ان الایتار برکعۃ واحدۃ مستقلۃ شرعۃ الرسول الناصح صلی اللہ علیہ وسلم

۱۰) تکبیراتِ عیدین

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز پڑھی، آپ نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں۔ (موطأ امام مالک ۱/۱۸۰ ح ۴۳۵ وسندہ صحیح)

آپ یہ ساری تکبیریں قراءت سے پہلے کہا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۷۳ ح ۵۷۰۲ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی بارہ تکبیریں ثابت ہیں۔

(احکام العیدین للفریابی: ۱۲۸، وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عیدین میں تکبیر سات اور پانچ ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۷۵ ح ۵۷۲۰ وسندہ حسن)

امام مکحول رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا: عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں تکبیر قراءت سے پہلے سات اور (دوسری رکعت میں) پانچ ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۲/۱۷۵ ح ۵۷۱۴ ملخصاً وسندہ صحیح)

ابوالغصن ثابت بن قیس الغفاری المکی نے فرمایا:

میں نے عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ) کے پیچھے عید الفطر کی نماز پڑھی تو انھوں نے پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں پڑھیں۔

(ابن ابی شیبہ ۲/۱۷۶ ح ۵۷۳۲ وسندہ حسن وھو صحیح بالشواہد)

امام ابن شہاب الزہری نے فرمایا:

سنت یہ ہے کہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

(احکام العیدین للفریابی: ۱۰۶، وسندہ حسن لذاتہ وھو صحیح بالشواہد)

امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ (دیکھئے احکام العیدین: ۱۳۱، وسندہ صحیح)

امام مالک اور امام اوزاعی دونوں نے فرمایا کہ ان تکبیروں کے ساتھ رفع یدین بھی

کرنا چاہیے۔ (احکام العیدین: ۱۳۶۔۱۳۷، والسندان صحیحان)

۱۱) خطبۃ الجمعہ کے دوران میں دو رکعتیں پڑھنا

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے خطبۂ جمعہ کے دوران میں آ کر دو رکعتیں پڑھیں اور بعد میں فرمایا: میں انھیں چھوڑ نہیں سکتا۔ الخ

(مسند الحمیدی بتحقیقی: ۷۴۱ ملخصاً وسندہ حسن، المستدرک ۱/ ۲۸۵، ۲۱۳۔۲۱۴)

حسن بصری رحمہ اللہ جب آتے اور امام (جمعہ کا) خطبہ دے رہا ہوتا تو وہ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۱۱ ح ۵۱۶۵ وسندہ صحیح)

امام ترمذی نے فرمایا:

شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ اسی کے قائل ہیں۔ (سنن الترمذی: ۵۱۱)

۱۲) نماز کی صف بندی کے دوران میں ساتھ والے کے کندھے سے اپنا کندھا اور قدم سے اپنا قدم ملانا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے صف بندی کے بارے میں فرمایا:

اور ہم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے کندھے سے کندھا اور اس کے قدم سے قدم ملاتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۷۲۵ وسندہ صحیح)

اس حدیث پر امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری نے درج ذیل باب باندھا ہے:

"باب الزاق المنکب بالمنکب و القدم بالقدم فی الصف" صف میں کندھے سے کندھا ملانا اور قدم سے قدم ملانا۔ (طبع دار السلام ص ۱۱۸)

کسی ایک صحابی یا تابعی سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ وہ صف بندی کے وقت اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم نہیں ملاتے تھے اور کچھ فاصلہ چھوڑ کر ہٹ کر کھڑے ہوتے تھے، بلکہ روایت مذکورہ سے صریح ثابت ہے کہ صف بندی کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملاتے تھے اور اسی پر اہلِ حدیث کا عمل ہے۔ والحمد للہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کو بھیج کر صفیں برابر کرواتے تھے اور جب انھیں اطلاع ملتی کہ صفیں برابر ہوگئی ہیں تو تکبیر (اللہ اکبر) کہتے تھے۔ (موطأ امام مالک ۱/ ۱۵۸ ح ۳۷۵ ملخصاً وسندہ صحیح)

۱۳) طاق رکعتوں میں دو سجدوں کے بعد بیٹھ کر اٹھنا

سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اور عمرو بن سلمہ بن قیس الجرمی البصری رضی اللہ عنہما دونوں جب (طاق رکعت میں) دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو زمین پر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۸۲۴ باب کیف یعتمد علی الارض إذا قام من الرکعۃ)

امام ترمذی نے ایک صحیح حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ طاق رکعت میں بیٹھ کر اٹھتے تھے اور فرمایا: "حديث حسن صحيح ... و به يقول [إسحاق و بعض] أصحابنا " یہ حدیث حسن صحیح ہے ... اور اسحاق بن راہو یہ اور ہمارے بعض ساتھی اسی کے قائل ہیں۔ (ح ۲۸۷)

امام شافعی بھی طاق رکعت میں بیٹھ کر اٹھنے کے قائل تھے۔

(دیکھئے کتاب الام نسخہ جدیدہ محققہ ۱/ ۲۶۸۔ ۲۶۹ باب القیام من الجلوس)

۱۴) نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ کے صحابہ مغرب (کی فرض نماز) سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۶۲۵ ملخصاً)

اور فرمایا: اور ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ الخ (صحیح مسلم: ۸۳۶ [۱۹۳۸])

سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما دونوں مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (مشکل الآثار للطحاوی ۱۴/ ۱۲۱ ح ۵۵۰۱ ب وسندہ حسن، تحفۃ الاخیار ۲/ ۲۷۴ ح ۹۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۵۶ بسند آخر وھو حسن لأن شریک القاضی تابعہ شعبہ)

ابو تمیم عبداللہ بن مالک بن ابی الاثم الجیشانی رحمہ اللہ، تابعی کبیر مخضرم (م ۷۷ھ) نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۱۸۴ ملخصاً)

امام حسن بصری رحمہ اللہ (تابعی) سے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا: جو شخص یہ پڑھنا چاہے تو یہ دو رکعتیں اچھی خوبصورت ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۵۷ ح ۷۳۸۴ وسندہ صحیح)

۱۵) حالتِ نماز میں سلام کا جواب اشارے سے دینا

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سلام کیا اور وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس آدمی نے زبان سے جواب دے دیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کسی آدمی کو سلام کیا جائے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو زبان سے جواب نہ دے، بلکہ ہاتھ سے اشارہ کرے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۲۵۹ وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۷۴ ح ۴۸۱۶ مختصراً، الاوسط لابن المنذر ۳/ ۲۳۵ ح ۱۵۸۵، مطولاً وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ حالتِ نماز میں سلام کا جواب اشارے سے دینا جائز سمجھتے تھے۔ (دیکھئے مسائل احمد واسحاق روایۃ الکوسج ۱/ ۱۵۷ فقرہ: ۲۶۹)

۱۶) نابالغ قاریٔ قرآن کی امامت

سیدنا سلمہ بن قیس الجرمی رضی اللہ عنہ چھ یا سات سال کی عمر کے قاریٔ قرآن تھے اور آپ اس حالت میں اپنی قوم والے صحابہ کرام وغیرہم کو نماز پڑھاتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۴۳۰۲ ملخصاً)

امام شافعی نے فرمایا: اگر نابالغ قاری جو نماز جانتا ہے، بالغوں کو نماز پڑھا دے تو جائز ہے۔ الخ (کتاب الام ۱/ ۱۶۶، باب امامۃ الصبی لم یبلغ)

اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کو امامت کے لئے آگے کیا تھا۔

(دیکھئے الاوسط لابن المنذر ۴/ ۱۵۱ ث ۱۹۳۵، وسندہ صحیح)

امام اسحاق بن راہویہ نے دس سال کے بچے کی امامت کو جائز قرار دیا۔

(دیکھئے مسائل احمد واسحاق روایۃ الکوسج: ۴۴۳ مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۲۲۳)

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

نابالغ کی امامت جائز ہے، اگر وہ نماز جانتا ہے اور نماز قائم کر سکتا ہے۔ (الاوسط ۴/ ۱۵۲)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (۲/۱۵۴۔۱۶۲، نابالغ قاری قرآن کی امامت)

۱۷) حالتِ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا غلام رمضان میں قرآن دیکھ کر انھیں نماز پڑھاتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۳۸ ح ۷۲۱۶ وسندہ صحیح ح ۷۲۱۵ وسندہ صحیح، صحیح بخاری تعلیقاً قبل ح ۶۹۲)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تو ان کا غلام قرآن پکڑے ہوئے لقمہ دیتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۳۸ ح ۷۲۲۲ وسندہ حسن)

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (تابعی) قرآن مجید دیکھ کر نماز پڑھانے کو جائز سمجھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ: ۷۲۱۴ وسندہ صحیح)

عائشہ بنت طلحہ (بن عبید اللہ التیمیہ) رحمہا اللہ اپنے غلام یا کسی کو حکم دیتیں، وہ قرآن دیکھ کر انھیں نماز پڑھاتا تھا۔ (ابن ابی شیبہ: ۷۲۱۷ وسندہ صحیح)

حسن بصری، محمد بن سیرین اور عطاء بن ابی رباح قرآن مجید دیکھ کر نماز پڑھانے کو جائز سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ: ۷۲۱۸۔ ۷۲۲۰ واسانید الآثار المذکورۃ حسنۃ)

امام محمد بن سیرین نماز پڑھاتے اور ان کے قریب ہی ایک مصحف (قرآن مجید) ہوتا تھا، جب انھیں کسی (آیت) میں تردد ہوتا تو مصحف دیکھ لیا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ۲/ ۴۲۰ ح ۳۹۳۱ وسندہ صحیح)

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا قرآن مجید دیکھ کر نماز پڑھائی جا سکتی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں! جب سے اسلام ہے، لوگ یہ کر رہے ہیں۔

(المصاحف لابن ابی داود ص ۲۲۲ ح ۸۰۶۔ ۸۰۷ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۷۸۱۔ ۷۸۲)

یحییٰ بن سعید الانصاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

میں رمضان میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

(المصاحف لابن ابی داود: ۷۸۰ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۸۰۵)

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۵ ص ۵۴۔۵۵

۱۸) جمع بین الصلاتین فی السفر والمطر

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو شفق غائب ہو جانے کے بعد (یعنی عشاء کے وقت میں) مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۴۳/۷۰۳[۱۶۲۲] واللفظ لہ، نیز دیکھئے صحیح بخاری: ۱۱۰۹)

یہ جمع تاخیر کی زبردست دلیل ہے۔

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) جب سفر کرتے تو ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، ایک کو مؤخر کر دیتے اور دوسری کو معجّل کر کے پڑھ لیتے تھے۔ (الاوسط لابن المنذر ۲/ ۴۲۸ ت ۱۱۵۴، وسندہ صحیح)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں سفر میں جمع کر کے پڑھتے تھے، ایک کو مقدم اور دوسرے کو مؤخر کر دیتے تھے۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/ ۱۶۶، وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سفر میں شفق غائب ہونے سے ایک گھڑی بعد مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۱۶۰، وسندہ صحیح)

شفق غائب ہونے کے بعد ستارے اچھی طرح نظر آنے لگے تھے۔

(دیکھئے السنن الکبریٰ ۳/ ۱۶۰۔۱۶۱، وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۱۲۱۷)

یہ بھی جمع تاخیر کی زبردست دلیل ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سفر میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۵۷ ح ۸۲۳۵ وسندہ صحیح)

نافع سے روایت ہے کہ جب ہمارے حکمران بارش والی رات مغرب کی نماز لیٹ کر کے اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے جلدی پڑھتے تو ابن عمر (رضی اللہ عنہ) ان کے ساتھ پڑھ لیتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

قاسم (بن محمد بن ابی بکر) اور سالم (بن عبداللہ بن عمر) بھی ایسی رات میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۴ ح ۶۲۶۶ وسندہ صحیح)

یہ جمع تقدیم کی زبردست دلیل ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عطاء بن ابی رباح، ابوالشعثاء جابر بن زید، زید بن اسلم، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، محمد بن المنکدر اور ابوالزناد رحمہم اللہ وغیرہم بھی سفر میں جمع بین الصلاتین کے قائل وفاعل تھے۔

(دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۵۲ ص ۲۰، تحقیقی مقالات ۲/ ۱۹۲، سفر میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے)

جمع بین الصلاتین فی السفر کی ایک حدیث بیان کرنے کے بعد امام ترمذی نے فرمایا: اسی حدیث کے مطابق (امام) شافعی فتویٰ دیتے تھے، احمد (بن حنبل) اور اسحاق (بن راہویہ) دونوں کہتے تھے: سفر میں دونوں نمازوں کے اوقات میں سے کسی کے وقت میں (مثلاً ظہر کے وقت میں عصر اور عصر کے وقت میں ظہر) دو نمازیں جمع کرنا جائز ہے۔

(سنن الترمذی: ۵۵۴)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا سفر اور حضر میں دو نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں اور یہ کیسے جمع ہوں گی؟ انھوں نے فرمایا:

ظہر کو مؤخر کیا جائے تا کہ عصر کا اول وقت داخل ہو جائے تو اُتر کر دونوں نمازیں جمع کر لی جائیں اور اسی طرح مغرب کو مؤخر کیا جائے گا۔ اگر جمع تقدیم کر لے تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: جس طرح (امام) احمد نے کہا ہے بات اسی طرح ہے سوائے: میرے خیال میں کے، یعنی یہی بات یقیناً صحیح ہے۔

دیکھئے مسائل احمد و اسحاق روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج (۱/ ۱۲۳، فقرہ: ۱۶۴) اور سنن الترمذی (۵۵۴)

مفصل دلائل کے لئے راقم الحروف کا مضمون: ''سفر میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے'' دیکھیں۔

۱۹) نمازِ جنازہ کی تکبیرات پر رفع یدین

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنازے کی ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۹۶ ح ۱۱۳۸۰، وسندہ صحیح)

قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ۱۱۲، وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ مکتبۃ الرشد ۴/۲۸۷ ح ۱۱۴۹۳، وسندہ صحیح، نسخہ عوامہ ۷/۲۵۴۔۲۵۵ ح ۱۱۵۰۳)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ جنازے کی ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۳/۲۹۷ ح ۱۱۳۸۹، وسندہ صحیح)

نافع بن جبیر بن مطعم رحمہ اللہ جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین: ۱۱۴، وسندہ حسن)

امام مکحول (تابعی) رحمہ اللہ جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین: ۱۱۶، سندہ حسن لذاتہ)

امام زہری رحمہ اللہ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین: ۱۱۸، وسندہ صحیح)

حسن بصری رحمہ اللہ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین: ۱۲۲، وسندہ صحیح)

امام ترمذی نے اکثر صحابہ وغیرہم سے جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین نقل کیا اور فرمایا: ''هو قول ابن المبارك والشافعي و أحمد و إسحاق'' اور ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (سنن الترمذی: ۱۰۷۷)

۲۰) نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھی۔

(صحیح بخاری: ۱۳۳۵، سنن نسائی: ۱۹۸۹، وسندہ صحیح)

امام ترمذی نے فرمایا:

اور شافعی، احمد (بن حنبل) اور اسحاق (بن راہویہ) کا یہی قول ہے۔ (سنن الترمذی: ۱۰۲۷)

ایک روایت میں آیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نمازِ جنازہ میں قراءت نہیں کرتے تھے۔

اس سے تین چیزیں مراد ہو سکتی ہیں:

۱: آپ نمازِ جنازہ میں جہری قراءت نہیں کرتے تھے۔

۲: آپ نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ کے علاوہ دوسری قراءت نہیں کرتے تھے۔

۳: آپ نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر میں قراءتِ قرآن نہیں کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں اس گھر (بیت اللہ) کے رب سے حیا کرتا ہوں کہ میں ایسی کوئی نماز پڑھوں جس میں قراءت نہ کروں، اگرچہ (صرف) سورۂ فاتحہ ہی کیوں نہ ہو۔ (جزء القراءۃ للبخاری تحقیقی: ۴۸ وسندہ صحیح، کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۲۷، ۲۱۳، ۲۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۶۱ ح ۳۶۳۰)

اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ہر نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل و فاعل تھے۔

نیز مراد نمبر ۳ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض تابعین مثلاً مکحول رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ وہ پہلی دونوں تکبیروں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور حسن بصری رحمہ اللہ جنازے کی ہر تکبیر میں سورۃ الفاتحہ پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۲۹۸ بسندین صحیحین)

ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں (جنازے میں) تکبیر کے بعد اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس کے نبی پر درود پڑھتا ہوں۔ الخ (موطأ امام مالک ۱/ ۲۲۸ ح ۵۳۶ وسندہ صحیح)

اس اثر یعنی موقوف روایت میں حمد سے مراد سورۃ الحمد یعنی فاتحہ ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ کی اپنی بیان کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھئے الموطأ ۱/ ۸۵ ح ۱۸۵، صحیح مسلم: ۳۹۵)

ان بیس (۲۰) مذکورہ حوالوں کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔ مثلاً:

۱: وتر سنت ہے، واجب نہیں۔

۲: سجدہ تلاوت سنت ہے، واجب نہیں۔

۳: تین وتر دو سلاموں سے پڑھنا۔ (صحیح بخاری:۹۹۱)

ایک حوالہ اسی مضمون میں بھی گزر چکا ہے۔

۴: جہری نمازوں میں بعض اوقات بسم اللہ جہراً پڑھنا۔

۵: پگڑی پر مسح کرنا۔

۶: اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔

۷: نماز میں باآواز بلند ہنسنے سے وضو کا نہ ٹوٹنا۔

۸: اپنی بیوی کا شہوت سے بوسہ لینے سے وضو ٹوٹ جانا۔

۹: اپنی شرمگاہ چھونے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔

۱۰: نمازِ جمعہ کی قراءتِ سورۃ الاعلیٰ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا۔ وغیر ذلک

یہ سب مسائل سلف صالحین یعنی صحابہ و تابعین وغیرہم بھی سے ثابت ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے میرا مضمون: آثارِ صحابہ اور آلِ تقلید (تحقیقی مقالات ۱/ ۲۰۰۔۲۱۲)

راقم الحروف کے مذکورہ مضمون میں آلِ تقلید سے ہند و پاکستان کے مقلدین یعنی آلِ دیوبند و آلِ بریلی مراد ہیں۔

اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کا ہر متفقہ عقیدہ و ہر مسئلہ ادلۂ شرعیہ سے ثابت ہے۔ قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے، نیز آثارِ سلف صالحین سے بھی ثابت ہے۔

اہلِ حدیث کے نزدیک سلف صالحین یعنی اکابر ائمہ مسلمین کا فہم و تفقہ معتبر و مقدم ہے اور جو لوگ اس سبیل المومنین کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلتے ہیں، ہم انھیں گمراہ و باطل اور غلط وغیرہ سمجھتے ہیں۔

یہ پروپیگنڈا کہ اہلِ حدیث کے نزدیک سلف صالحین پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے، بالکل جھوٹا اور باطل پروپیگنڈا ہے۔

آلِ دیوبند و آلِ بریلی کے بہت سے عقائدی و فقہی مسائل سلف صالحین سے ہرگز

ثابت نہیں، بلکہ انھوں نے زمانۂ خیر القرون کے بہت بعد کے خلف خالفین سے انھیں لے رکھا ہے، مثلاً آلِ دیوبند کے بیس عقائد ومسائل پیشِ خدمت ہیں جو خیر القرون کے سلف صالحین سے ہرگز ثابت نہیں:

۱: خدا ہر جگہ ہے۔

۲: اللہ کے ہاتھ سے مراد قدرت ہے۔

۳: وحدت الوجود حق اور صحیح ہے۔

۴: مقلد کے لئے قولِ امام حجت ہوتا ہے، نہ کہ ادلۂ اربعہ۔
نیز رجوع الی الحدیث وظیفۂ مقلد نہیں۔

۵: رسول اللہ ﷺ سے خطاب: اے میرے مشکل کشا فریاد ہے۔

۶: ''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی پر کچھ فرق نہ آئے گا'' (تحذیر الناس ص ۳۴)

۷: امکانِ کذب سے مراد دخولِ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔

۸: ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے۔
حوالہ جات کے لئے دیکھئے میری کتاب: بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم

۹: قبر کی مٹی سے شفا (حکایاتِ اولیاء ص ۳۳۹ حکایت نمبر ۳۶۶)

۱۰: آلِ دیوبند کے عمل سے یہی ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک مسلمانوں پر ائمہ اربعہ میں سے صرف ایک امام کی تقلید واجب ہے اور اس مقلد کے لئے دوسرے تین اماموں کی بات ماننا جائز نہیں۔

۱۱: اللہ سے دعا میں اموات کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے۔

۱۲: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اب آپ کی زندگی دنیاوی ہے، برزخی نہیں۔

۱۳: صرف رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے نیت کرنے کے ساتھ دور دراز سے سفر کرنا جائز ہے۔

۱۴: قبروں سے باطنی فیوض پہنچنا (جو اس کے اہل و خواص کو معلوم ہے) بے شک صحیح ہے۔

۱۵: نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کا جو حصہ قبر کی مٹی پر ہے۔ قبر کی یہ مٹی کعبہ، عرش اور کُرسی سے بھی افضل ہے۔ (۱۱ سے ۱۵ تک حوالہ جات کے لئے دیکھئے المہند علی المفند)

۱۶: نماز میں صفیں قائم کرتے وقت ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑا نہ ہونا، بلکہ ایک دوسرے سے ہٹ کر کھڑا ہونا۔

۱۷: مردوں کا ناف کے نیچے اور عورتوں کا سینے یا چھاتی پر ہاتھ باندھنا۔

۱۸: کتے کی کھال کو دباغت کے بعد پاک سمجھنا اور اس کھال سے جانماز یا پانی کا ڈول بنانا جائز سمجھنا۔

۱۹: گھروں میں اُڑنے والے دیسی یعنی عام کوے کو حلال سمجھنا۔

۲۰: عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھنا۔ وغیر ذلک

اس مضمون میں مذکورہ عقائد و مسائل کے عنوانات کی فہرست علی الترتیب درج ذیل ہے:

۱) استواء الرحمٰن علی العرش

۲) ائمہ اربعہ میں سے صرف ایک امام کی تقلید شخصی

۳) جرابوں پر مسح

۴) سورۃ الفاتحہ خلف الامام

۵) نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین

۶) جہری نمازوں میں آمین بالجہر

۷) نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا

۸) قیام رمضان یعنی تراویح

۹) ایک رکعت وتر

۱۰) تکبیراتِ عیدین

۱۱) خطبۃ الجمعہ کے دوران میں دو رکعتیں پڑھنا

۱۲) نماز کی صف بندی کے دوران میں ساتھ والے کے کندھے سے اپنا کندھا اور قدم سے اپنا قدم ملانا

۱۳) طاق رکعتوں میں دو سجدوں کے بعد بیٹھ کر اٹھنا

۱۴) نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا

۱۵) حالتِ نماز میں سلام کا جواب اشارے سے دینا

۱۶) نابالغ قاریٔ قرآن کی امامت

۱۷) حالتِ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا

۱۸) جمع بین الصلاتین فی السفر والمطر

۱۹) نمازِ جنازہ کی تکبیرات پر رفع یدین

۲۰) نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا

یہ چند عقائد و مسائل مشتے از خروارے ہیں، جن کا کوئی ثبوت قرآن، حدیث اور اجماع میں نہیں، نیز یہ آثارِ سلف صالحین سے بھی ثابت نہیں بلکہ آلِ دیوبند کے ''مزعوم'' امام ابوحنیفہ سے بھی ایسے عقیدے اور مسائل ہرگز ثابت نہیں۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ انور شاہ کشمیری دیوبندی نے کہا:

''ہم نے عقائد میں تو امام تسلیم کیا ہے۔ حضرت مولانا نانوتویؒ کو، اور فروع میں امام تسلیم کیا ہے۔ حضرت حافظ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو اور دونوں سے ہم کو صاف اور مبیض علم ملا تو اب معلوم ہوا کہ دیوبندیت منحصر ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے اتباع میں۔ اب ایک کے تو اتباع کا دعویٰ کرنا اور ایک میں نقائص نکالنا، یہ کوئی دیوبندیت نہیں۔''

(عقائد علمائے دیوبند از عبدالشکور ترمذی دیوبندی ص ۱۷۹، تقریظ نمبر ۱۴)

اس سے ثابت ہوا کہ دیوبندیت اصل میں اہلِ سنت سے ہٹ کر ایک علیحدہ مسلک و مذہب ہے۔

(۲۱/ اگست ۲۰۱۳ء)

صفاتِ باری تعالیٰ اور سلفی عقائد

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

دیوبندی مدرسے ''جامعہ مدنیہ لاہور'' کے ''مفتی'' ڈاکٹر عبدالواحد دیوبندی (ایم بی بی ایس) نے ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں خیر القرون کے بعد پیدا ہو جانے والے فرقے ''ماتریدیہ'' کا دفاع اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیخ محمد بن صالح ابن العثیمین السعودی و سلفی عقائد کا رد کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کی چند بنیادی خامیاں درج ذیل ہیں:

۱: عبدالواحد صاحب نے خیر القرون کے علمائے سنت مثلاً صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اتباع تبع تابعین کے صحیح و ثابت شدہ اقوال جمع کرنے میں کوئی تگ و دو نہیں کی ، بلکہ ''سلفیوں کی تاریخ'' اور ''تاریخ کا پہلا دور'' کے تحت چھٹی صدی ہجری کے حافظ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کی طرف منسوب بعض عبارات لکھ کر اپنے استنباطات و استدلالات شروع کر دیئے ہیں۔

سلفی، اثری، اہل حدیث اور اہل سنت کے القاب کا مطلب یہ ہے کہ قرآن، حدیث علیٰ فہم السلف الصالحین، اجماع امت اور آثار سلف صالحین پر بغیر تاویل و تعطیل اور بغیر تشبیہ کے عمل کرنے والے لوگ ہیں جو حافظ ابن الجوزی کی پیدائش سے پہلے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اتباع تبع تابعین اور سلف صالحین کی صورت میں روئے زمین پر موجود تھے۔

۲: حدیث ہو یا صحابی کا اثر، تابعی کی روایت ہو یا کسی شخص کا قول سب کے لئے صحیح و ثابت ہونا ضروری ہے اور بے سند اقوال و روایات کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں، مگر عبدالواحد دیوبندی صاحب نے اپنی اس کتاب میں بے سند، غیر صحیح اور غیر ثابت روایات سے بکثرت استدلال کیا ہے۔ مثلاً:

عبدالواحد صاحب نے ''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک سلفیوں کے مسلک سے مختلف ہے'' کے عنوان کے تحت اثبات الحد للہ، العقیدہ وعلم الکلام، طبقات الحنابلہ، اہل السنۃ الاشاعرۃ اور الملل والنحل کتابوں سے بے سند اور غیر ثابت حوالے پیش کئے ہیں، حالانکہ امام احمد رحمہ اللہ کے ثقہ و مستند شاگردوں مثلاً امام ابوداود، صالح بن احمد بن حنبل، عبداللہ بن احمد بن حنبل اور اسحاق بن منصور الکوسج وغیرہم کی کتابیں اور روایات مطبوع ہیں۔

علمی تحقیق تو یہ ہے کہ وہ پہلے امام احمد کے صحیح و ثابت اقوال جمع کرتے اور پھر اُن کی تائید یا تردید کرتے۔

کیا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک دیوبندیوں کے موافق ہے؟

امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے سات حوالے پیش خدمت ہیں، جن سے صاف ثابت ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ میں اُن کا مسلک دیوبندیوں کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے:

۱) امام ابوبکر الخلال رحمہ اللہ نے کتاب السنۃ میں فرمایا:

'' حدثنا یوسف بن موسی :أخبرنا عبد اللّٰہ بن أحمد قال قیل لأبي: ربنا تبارك و تعالٰی فوق السماء السابعة علٰی عرشه، بائن من خلقه و قدرته و علمه بکل مکان؟ قال: نعم، لا یخلو شيئ من علمه. '' عبداللہ بن احمد (بن حنبل) سے روایت ہے کہ میرے والد سے کہا گیا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ساتویں آسمان سے اوپر اپنے عرش پر ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اس کا علم وقدرت ہر مکان پر ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! اس کے علم سے کوئی چیز خالی نہیں۔ (اجتماع الجیوش الاسلامیہ لابن القیم ۲/۲۰۰ شاملہ)

یوسف بن موسیٰ سے مراد القطان ہیں۔ (دیکھئے العلو للعلی الغفار للحافظ الذہبی ۲/۱۱۱۳ ح ۴۳۸)

یوسف بن موسیٰ بن راشد القطان ثقہ ہیں، لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔

نیز امام الخلال رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: '' **وأخبرني عبد الملك بن عبد**

الحميد الميموني قال: سألت أبا عبد الله أحمد عمن يقول: إن الله تعالیٰ ليس على العرش، فقال: كلامهم كله يدور على الكفر."

عبدالملک بن عبدالحمید المیمونی سے روایت ہے کہ میں نے ابوعبداللہ احمد (بن حنبل) سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کہتا ہے: اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں۔ تو انھوں نے فرمایا: ان لوگوں کا سارا کلام کفر کے اردگرد پھر رہا ہے۔ (اجتماع الجیوش الاسلامیہ ۲/۲۰۰ شاملہ)

عبدالملک المیمونی ثقہ فاضل ہیں، لہٰذا یہ سند بھی صحیح ہے۔

ایک سوال کے جواب میں خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے:

"اس قسم کی آیات میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ ان پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیت سے بحث نہیں کرتے، یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مخلوق کے اوصاف سے منزّہ اور نقص و حدوث کی علامات سے مبرّا ہے جیسا کہ ہمارے متقدمین کی رائے ہے اور ہمارے متاخرین اماموں نے ان آیات میں جو صحیح اور لغت وشرع کے اعتبار سے جائز تاویلیں فرمائی ہیں تا کہ کم فہم سمجھ لیں مثلاً یہ کہ ممکن ہے استواء سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد قدرت۔ تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے۔ البتہ جہت ومکان کا اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا ہم جائز نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ وُہ جہت ومکانیت اور جملہ علاماتِ حدوت سے منزہ وعالی ہے۔"

(المہند علی المفند ص ۴۲، جواب: تیرھواں اور چودھواں سوال)

محمود حسن گنگوہی دیوبندی نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

"خداوند کریم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہر شے میں حلول کئے ہوئے ہیں، کفر ہے اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عرش پر یا کسی اور مکان میں ہے جس طرح کہ بادشاہ لندن میں ہے یہ بھی کفر ہے، ان دونوں عقیدوں سے توبہ اور اجتناب واجب ہے خداوند تعالیٰ کسی مکان میں محدود نہیں، وہ مکان سے منزہ اور بالاتر ہے۔" (فتاویٰ محمودیہ ج ۳ ص ۷۰ جواب سوال نمبر ۲۶۷)

مذکورہ حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ آلِ دیوبند جس راستے پر گامزن ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کے سراسر برعکس راستے پر ہیں۔

۲) جو شخص قرآن مجید کو مخلوق کہے، اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا:
"أقول هو كافر" میں کہتا ہوں: وہ کافر ہے۔

(مسائل الامام احمد، روایۃ ابی داود ص ۲۶۲ باب فی الجہمیۃ)

اس کے مقابلے میں آلِ دیوبند کے ممدوح زاہد الکوثری نے لکھا ہے:

"والواقع أن القرآن فی اللوح و في لسان جبريل عليه السلام و في لسان النبي ﷺ و ألسنة سائر التالين و قلوبهم و ألواحهم مخلوق حادث محدث ضرورة..."

اور واقعی یہ ہے کہ لوحِ محفوظ، زبانِ جبریل علیہ السلام، زبانِ نبی ﷺ اور تمام تلاوت کرنے والوں کی زبانوں، دلوں اور تختیوں پر قرآن مخلوق حادث ہے جو کہ ضروریات (بدیہی حقیقتوں) کا مسئلہ ہے۔ (مقالات الکوثری ص ۲۷)

۳) امام احمد سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا، جو کہتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ ہمارے الفاظ مخلوق ہیں تو انھوں نے فرمایا: "هم شر من قول الجهمية" وہ جہمیہ کے قول سے زیادہ بُرے ہیں۔ (مسائل الامام احمد، روایۃ ابی داود ص ۲۷۱ وسندہ صحیح)

امام احمد سے پوچھا گیا کہ جو شخص لفظی بالقرآن مخلوق کہے، کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے؟ انھوں نے فرمایا: اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، نہ اس کے پاس بیٹھا جائے، نہ اس کے ساتھ کلام کیا جائے اور نہ اسے سلام کیا جائے۔ (مسائل ابن ہانی ۱/۶۰ فقرہ: ۲۹۵)

امام احمد کے نزدیک، قرآن کو مخلوق کہنے والے شخص کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کو دہرانا چاہیے۔ (دیکھئے الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۵۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ص ۳۲۹)

۴) جو شخص قرآن کے بارے میں توقف کرتا ہے، یعنی نہ اسے مخلوق کہتا ہے اور نہ غیر مخلوق کہتا ہے تو امام احمد بن حنبل نے ایسے آدمی کے سلام کا جواب نہ دیا اور فرمایا:
میری نظروں سے دُور ہو جا، میں آئندہ تجھے اپنے دروازے پر کبھی نہ دیکھوں۔

(مسائل احمد، روایۃ ابی داود ص ۲۶۴)

۵) امام احمد نے اہلِ بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں فرمایا:

" لا يصلي خلفهم مثل الجهمية و المعتزلة" جہمیہ اور معتزلہ جیسے لوگوں کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد مخطوط مصور ص۲ فقرہ:۶)

المہند کے حوالے سے متاخرین (جہمیہ) کے بارے میں دیوبندی موقف (فقرہ نمبرا میں) بیان کیا جا چکا ہے، اب اشرف علی تھانوی دیوبندی کا بیان پڑھیں:

"مولانا صاحبؒ فرماتے تھے کہ بہت سے اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اپنے ظاہر پر رکھی جائیں یعنی یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھی ہیں اور پَیر بھی اور آنکھ اور کان سب چیزیں ہیں۔ مگر ہم اُن کی کیفیات سے آگاہ نہیں ہیں جیسا وہ خدائے بے مثل ہے اور جیسا اس کی ذات کا کما حقہ ادراک نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی اس کے صفات کا ادراک بھی محال ہے اور سلف صالحین و علماء متقدمین کا یہی مذہب تھا اور جہمیہ جو ایک فرقہ اسلامیہ ہے وہ ان سب امور میں تاویل کرتے ہیں۔ مثلاً یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ میں ید سے مراد قوت کہتے ہیں۔ اور متاخرین نے ان مبتدعین کے مذہب کو اختیار کیا ہے ایک خاص ضرورت سے اور وہ یہ ہے کہ نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہوتی تھی..."

(تقریر ترمذی اردو ص۲۰۳۔۲۰۴ تحقیق وتحشیہ عبدالقادر کبیر والہ، تقدیم محمد تقی عثمانی)

اس عبارت میں تھانوی صاحب نے دو باتیں تسلیم کی ہیں:

۱: احادیث کو ظاہر پر رکھ کر صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان لانا سلف صالحین کا مذہب ہے۔

۲: متاخرین (یعنی دیوبندیہ وغیرہ) نے جہمیہ و مبتدعین کے مسلک و مذہب کو اختیار کر رکھا ہے۔

۶) امام احمد بن حنبل سے اسد بن عمرو کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"كان صدوقًا و أبو يوسف صدوق ولكن أصحاب أبي حنيفة لا ينبغي أن يروى عنهم شئ" وہ سچا تھا اور ابو یوسف سچا ہے، لیکن اصحابِ ابی حنیفہ سے کوئی چیز بھی روایت نہیں کرنی چاہئے۔ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد ۳/۳۰۰ فقرہ:۵۳۳۲)

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک (حنفیت کی طرف منسوب)

دیوبندیوں کا کیا مقام ہوگا؟ جنھوں نے ایک ضرورت کی وجہ سے جہمیہ کا مذہب اختیار کیا؟

۷) امام اسحاق بن منصور الکوسج رحمہ اللہ نے امام احمد سے پوچھا:

"یؤجر الرجل علٰی بغض أصحاب أبي حنیفة؟" کیا آدمی کو اصحابِ ابی حنیفہ (حنفیوں) سے بغض پر کوئی ثواب ملے گا؟ انھوں نے فرمایا: "إي واللّٰه." ہاں ضرور ملے گا، اللہ کی قسم! (مسائل الامام احمد، روایۃ الکوسج ۲/ ۵۶۵ فقرہ: ۳۳۸۵)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں مثلاً ایمان میں زیادت ونقصان کا مسئلہ۔

(دیکھئے السنۃ للخلال: ۱۰۱۰، وسندہ صحیح)

ان صحیح وثابت حوالوں کے مقابلے میں اثبات الحد للہ اور کوثری کی العقیدہ وعلم الکلام وغیرہما کے بے سند حوالوں کی کوئی حیثیت نہیں۔

ڈاکٹر کہلانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی بے سند اور جھوٹے حوالے بطورِ استدلال پیش کر کے عامۃ المسلمین کو ورغلانے کی کوشش شروع کر دے۔

بعض صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں سلف صالحین یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اتباع تبع تابعین (خیر القرون) کے چند حوالے بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہیں، جن سے حقیقی اہلِ سنت کا مسلک ومذہب ثابت ہوتا ہے اور جہمیہ ومرجیہ کا زبردست رد ہوتا ہے:

الاستواء علی العرش

۱) جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: " أیها الناس، إن کان محمد إلٰهکم الذي تعبدون فإن إلٰهکم قدمات، و إن کان إلٰهکم الذي فی السماء فإن إلٰهکم لم یمت..." اے لوگو! اگر محمد (ﷺ) تمھارے معبود تھے جن کی تم عبادت کرتے تھے تو بے شک تمھارے معبود فوت ہو گئے ہیں اور اگر تمھارا معبود وہ ہے جو آسمان پر ہے تو تمھارا معبود فوت نہیں ہوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۴/ ۵۵۳ ح ۳۷۰۱۰ وسندہ صحیح، وقال الذہبی: "ھذا حدیث صحیح" العلو للعلی الغفار ص ۱۰۰ ح ۱۵۰)

یہ روایت کئی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً:

الرد علی الجہمیہ للامام عثمان بن سعید الدارمی (۷۸) مسند البزار (۱/۱۸۲ ح ۱۰۳) وغیرہما

اس اثر سے صاف ثابت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کو (ہر جگہ نہیں بلکہ) آسمان پر مانتے تھے۔

۲) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور آسمان و زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، عرش پانی پر ہے اور اللہ عرش پر ہے، وہ تمھارے اعمال جانتا ہے۔

(کتاب التوحید لابن خزیمہ ۱/۲۴۲۔۲۴۳ ح ۱۴۹، دوسرا نسخہ ص ۱۰۴)

اس اثر کی سند حسن لذاتہ ہے اور یہ بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً:

المعجم الکبیر للطبرانی (۹/ ۲۲۸ ح ۸۹۸۷ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۱/ ۸۶ واسنادہ حسن)

الرد علی الجہمیہ للامام عثمان بن سعید الدارمی (ص ۴۶ ح ۸۱)

کتاب العظمۃ لابی الشیخ (۲/ ۶۸۸ ح ۲۷۹)

التمہید لابن عبدالبر (۷/ ۱۳۹) خلق افعال العباد للبخاری (۸۱)

العلو للعلی الغفار (۱/ ۴۱۷ ح ۶۷ وقال ص ۶۱۷ ح ۱۵۷: "وإسنادہ صحیح")

الاسماء والصفات للبیہقی (۲/ ۲۹۰ ح ۸۵۱) وغیر ذلک

۳) مشہور مفسرِ قرآن امام مجاہد رحمہ اللہ (تابعی) نے ﴿استوی﴾ کی تشریح میں فرمایا: "علا" وہ (عرش پر) بلند ہوا۔

(صحیح بخاری ۱۳/ ۴۰۳ قبل ح ۷۴۱۸، تغلیق التعلیق ۵/ ۳۴۵ بحوالہ تفسیر الفریابی)

۴) امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ نے معتزلہ کے بارے میں فرمایا: ان لوگوں کا یہی کہنے پر دارومدار ہے کہ آسمان پر کوئی چیز نہیں۔ (العلو للعلی الغفار ۲/ ۹۱۴ ح ۳۲۴ وسندہ صحیح وقال الذہبی: "هذا إسناده كالشمس وضوحًا و كالأسطوانة ثبوتًا عن سيّد أهل البصرة و عالمهم")

۵) امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

" اللّٰه فی السماء و علمه في كل مكان، لا يخلو من علمه مكان."

اللہ آسمان پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے، اس کے علم سے کوئی مکان خالی نہیں۔

(مسائل ابی داود ص ۲۶۳ وسندہ حسن، سریج بن النعمان ثقہ وشیخہ حسن الحدیث)

یہ اثر بہت سی کتابوں میں ہے۔ مثلاً:

کتاب التوحید لابن مندہ (۳/ ۳۰۷ ح ۸۹۳)

کتاب الشریعۃ للآجری (ص ۲۸۹ ح ۶۵۲)

۶) علی بن الحسن بن شقیق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ہم اپنے رب کو کس طرح پہچانیں؟

انھوں نے فرمایا: یہ کہ وہ عرش پر ہے، ساتویں آسمان سے اوپر عرش ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ (الرد علی الجہمیہ للامام عثمان بن سعید الدارمی: ۱۶۲، وسندہ صحیح)

یہ اثر بہت سی کتابوں میں اس مفہوم اور بعض اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔ مثلاً:

التوحید لابن مندہ (۳/ ۳۰۸ ح ۸۹۹)

الاسماء والصفات للبیہقی (۲/ ۳۳۵ ح ۹۰۲، دوسرا نسخہ ص ۴۲۷ تیسرا نسخہ ص ۵۳۸)

عقیدۃ السلف للامام ابی عثمان الصابونی (ص ۲۰ ح ۲۸) وغیر ذلک

ایک روایت میں ہے کہ امام عبداللہ بن المبارک نے فرمایا:

" ولا نقول كما تقول الجهمية: أنه هاهنا فی الأرض."

اور ہم جہمیہ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ وہ یہاں زمین پر ہے۔

(کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۲۲، العلو للعلی الغفار ۲/ ۹۸۷ ح ۳۶۱)

۷) امام یزید بن ہارون الواسطی رحمہ اللہ سے جہمیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: " من توهم الرحمٰن علی العرش استوی خلاف ما في قلوب العباد فهو جهمي." جس نے یہ گمان کیا کہ رحمٰن عرش پر مستوی ہوا، بندوں کے دلوں میں جو ہے اس

کے برخلاف تو یہ شخص جہمی ہے۔ (مسائل احمد روایۃ ابی داود ص ۲۶۸۔۲۶۹ وسندہ حسن)

یہ قول بھی کئی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً:

السنۃ لعبداللہ بن احمد (۵۴، ۱۱۱۰)

۸) امام ابورجاء قتیبہ بن سعید الثقفی رحمہ اللہ نے فرمایا: **معلوم ہے کہ اللہ ساتویں آسمان پر اپنے عرش پر ہے۔** (شعار اصحاب الحدیث لابی احمد الحاکم: ۱۷، وسندہ صحیح)

۹) امام ابوحاتم الرازی اور امام ابوزرعہ الرازی دونوں نے فرمایا:

اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے...الخ (اصول الدین: ۷ وسندہ صحیح)

۱۰) صحیح ابن خزیمہ اور کتاب التوحید کے مصنف شیخ الاسلام امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (م ۳۱۱ھ) نے فرمایا: "**من لم يقر بأن الله تعالىٰ على عرشه قد استوى فوق سبع سماواته فهو كافر بربه ...**" جو شخص اس بات کا اقرار نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے تو یہ شخص اپنے رب کا کافر (منکر) ہے۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۸۴ فقرہ: ۱۸۷، وسندہ صحیح)

یہ قول بہت سی کتابوں میں ہے۔ مثلاً:

عقیدۃ اصحاب الحدیث للصابونی (۲۹) اثبات العلو لابن قدامہ (۱۱۲) ذم الکلام للہروی (ص ۲۷۲ دوسرا نسخہ ۴/ ۷۷ ۳ ح ۱۲۴۵، تیسرا نسخہ ۶/ ۲ ۱۷۔ ۳ ۱۷ ح ۱۲۳۶)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔ مثلاً دیکھئے حافظ ذہبی کی کتاب: العلو للعلی الغفار اور سنن الترمذی (۳۲۹۸) وغیرہما

ابوالحسن الاشعری نے بھی لکھا ہے: "**لأنه مستو على العرش الذي فوق السماوات**" کیونکہ وہ (اللہ) عرش پر مستوی ہے جو آسمانوں پر ہے۔

(الابانۃ عن اصول الدیانۃ ص ۳۲ باب ذکر الاستواء علی العرش)

سلف صالحین کی ان عبارات و تصریحات کے بعد بھی یہ کہنا کہ استواء علی العرش سے مراد غلبہ ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ ہے، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ فرقۂ

دیوبندیہ سلف صالحین کے فہم سے دور اور اہل سنت والجماعت سے خارج فرقہ ہے۔

محمود حسن گنگوہی دیوبندی نے ''خدا ہر جگہ موجود ہے'' کی سرخی کے تحت حافظ ابن الجوزی سے نقل کیا کہ انھوں نے ''خدا کہاں ہے'' کے جواب میں فرمایا:

''کہ ہر جگہ ہے'' (ملفوظات فقیہ الامت ۲/۱۴)

حالانکہ یہ بات ابن الجوزی پر افتراء ہے اور اس کے برعکس انھوں نے جہمیہ کے ایک فرقے ملتزمہ کے بارے میں لکھا ہے: '' **والملتزمة جعلوا الباري سبحانه و تعالیٰ في كل مكان.** '' ملتزمہ نے باری سبحانہ وتعالیٰ کو ہر جگہ (موجود) قرار دیا ہے۔

(تلبیس ابلیس ص ۳۰، اقسام اہل البدع)

تمام سلف صالحین کے برعکس عبدالواحد دیوبندی نے لکھا ہے:

''اس لئے کسی صفت یا تجلی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے آسمانوں پر ہونے کو مراد لیا ہے۔ اسی صفت یا تجلی کے اعتبار سے اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر بھی ہے اور زمین پر بھی ہے یعنی ہر جگہ ہے تو یہ بھی غلط نہیں ہے۔'' (صفات متشابہات اور سلفی عقائد ص ۱۲۲)

ید اللہ اور نزول باری تعالیٰ

ایک صحیح حدیث میں ید اور عرش کا ذکر آیا تو امام ترمذی نے فرمایا: اماموں نے فرمایا: اس حدیث پر تفسیر اور گمان کے بغیر ایمان لانا چاہیئے۔ (سنن الترمذی: ۳۰۴۵)

ایک اور مقام پر امام ترمذی نے فرمایا: ''یہ حدیث اور اس طرح دوسری روایات جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات (ہاتھ پاؤں وغیرہ) اور ہر رات آسمان دنیا پر اترنے کا ذکر ہے، کے بارے میں علماء فرماتے ہیں یہ روایات ثابت ہیں اور ان پر ہمارا ایمان ہے ان میں کسی قسم کا وہم نہ کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ کیونکر ہے مالک بن انس، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن مبارک سے اسی طرح مروی ہے وہ فرماتے ہیں ان احادیث کو کیفیت کے بغیر ہی پڑھنا (اور ماننا) چاہیئے، اہل سنت وجماعت کا یہی قول ہے جہمیہ فرقہ نے ان روایات کا

انکار کیا اور کہا یہ یہ تشبیہ ہے امام ترمذی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ہاتھ، سمع اور بصر کا ذکر فرمایا جہمیہ نے ان آیات کی تفسیر و تاویل اہل علم کے تفاسیر کے خلاف کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے نہیں پیدا کیا بلکہ ہاتھ سے مراد قدرت ہے اسحاق بن ابراہیم فرماتے ہیں تشبیہ تب ہوتی جب یہ کہا جاتا کہ (اس کا) ہاتھ (دوسرے) ہاتھوں کی طرح ہے یا (اس کی) سمع (دوسروں کی) سمع کی طرح ہے یہ تو تشبیہ ہے۔ لیکن جب یہ کہا جائے یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ، سمع اور بصر ہے لیکن بلا کیفیت ہے اور کیفیت و مثلیت کا ذکر نہ ہو تو تشبیہ نہ ہوگی اور یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا: اس کی مثل کوئی چیز نہیں وہی سننے دیکھنے والا ہے۔''

(سنن ترمذی مترجم ج ۱ ص ۳۷۰۔۳۷۱ تحت ح ۶۶۲، ترجمہ محمد صدیق ہزاروی بریلوی)

ان ائمہ کے برعکس آلِ دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ ید سے قدرت مراد لینا بھی حق ہے!

امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب غیر ثابت کتاب ''الفقہ الاکبر'' میں لکھا ہوا ہے:

" ولہ ید ووجہ و نفس فما ذکرہ اللّٰہ تعالٰی فی القرآن من ذکر الوجہ والید والنفس فھو لہ صفات بلا کیف ولا یقال إن یدہ قدرتہ أو نعمتہ لأن فیہ ابطال الصفۃ وھو قول أھل القدر والاعتزال ولکن یدہ صفتہ بلا کیف..." إلخ

''اور اس کے لئے ہاتھ منہ اور نفس ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے لیکن ان کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ید سے قدرت اور نعمت مراد ہے کیونکہ ایسا کہنے سے اس کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ منکرینِ تقدیر اور معتزلہ کا مذہب ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہاتھ اس کی مجہول الکیفیت صفت ہے...''

(ص ۳۶۔۳۷، دوسرا نسخہ ص ۸۴۔۸۶، البیان الازہر ص ۳۲، ترجمہ: عبدالحمید سواتی دیوبندی)

اس عبارت کو عبدالواحد صاحب نے بحوالہ ملا علی قاری نقل کیا اور پھر ملا صاحب کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ (دیکھئے صفات متشابہات اور سلفی عقائد ص ۲۶۵۔۲۶۶)

ہم کہتے ہیں کہ کاش عبارت مذکورہ بالا امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت ہوتی، نیز آلِ

دیوبند سے ہمارا مطالبہ ہے کہ کیا وہ کسی صحیح یا حسن سند سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ استواء سے غلبہ اور ید سے قدرت ونعمت مراد لیتے تھے؟

عبدالواحد دیوبندی صاحب کا علمی مقام

آخر میں ''مفتی'' اور ''ڈاکٹر'' کہلانے والے عبدالواحد دیوبندی صاحب کا علمی مقام ان کی اسی کتاب (صفات متشابہات اور سلفی عقائد) سے پیشِ خدمت ہے:

۱) عبدالواحد صاحب نے لکھا ہے:

''پھر شیخ الاسلام انصاری رحمہ اللہ نے مذکور شرح میں جو کلام کیا ہے وہ ابن تیمیہ کی تشنیع و تقبیح سے براءت پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے:

اسماء وصفات کی نصوص کو ان کے ظاہر پر جاری کر کے ابن تیمیہ نے ان کی حفاظت کی ہے اور وہ اس طرح کہ عام عقلیں ...'' (صفات متشابہات اور سلفی عقائد ص ۲۶۴)

شیخ الاسلام ابواسماعیل الانصاری الہروی رحمہ اللہ ۴۸۱ھ میں فوت ہوئے تھے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے تھے، لہٰذا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ابواسماعیل الانصاری نے ابن تیمیہ کے بارے میں کوئی بات لکھی ہو اور نہ شرح منازل السائرین ان کی کتاب ہے، بلکہ وہ تو منازل السائرین کے مصنف ہیں اور شرح منازل السائرین (یعنی مدارج السالکین) کے مصنف سے مراد حافظ ابن القیم ہیں، لہٰذا ملا علی قاری کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ پھر ابن القیم نے شرح مذکور میں جو کلام کیا ہے وہ ابن تیمیہ کی براءت پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا عبدالواحد صاحب کو عربی عبارت سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔

۲) وہ جلیل القدر صحابیہ جنھوں نے فرمایا تھا کہ اللہ آسمان پر ہے اور آپ (محمد ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے آقا سیدنا معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''**أعتقها فإنها مومنة**'' اسے آزاد کردو، کیونکہ یہ مومنہ ہے۔

(صحیح مسلم: ۵۳۷ [۱۱۹۹] باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ)

ان صحابیہ کے بارے میں عبدالواحد دیوبندی نے لکھا ہے:

"اس کم علم اور کم عقل باندی کا سا عقیدہ رکھے تو جہنم سے نجات دلانے میں تو شاید یہ اس کو بھی مفید ہو لیکن پھر یہ علم و عقل کی بات تو نہ رہی۔" (صفات متشابہات اور سلفی عقائد ص ۲۵۸۔۲۵۹)

اس عبارت میں مومنہ صحابیہ کو کم علم اور کم عقل کہہ کر ان کی توہین کی گئی ہے۔

عبدالواحد صاحب کی اس کتاب میں اور بھی بہت سی باتیں غلط اور خلافِ تحقیق ہیں، لہٰذا اس کتاب پر اعتماد غلط ہے۔ مثلاً:

عبدالواحد صاحب نے اپنے خاص دیوبندی انداز میں لکھا ہے: "اہلحدیث (یعنی غیر مقلد) برصغیر میں ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید شخصی شرک ہے"

(صفات متشابہات اور سلفی عقائد ص ۷)

حالانکہ یہ اہلِ حدیث کا دعویٰ نہیں، بلکہ تقلید شخصی کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً

۱: بدعت ہے۔

۲: جب اقامتِ حجت کے باوجود صراحتاً قرآن و حدیث کے مقابلے میں کسی کی تقلید کی جائے تو بے شک یہ شرک فی الرسالت ہے، جیسا کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

"کوئی بدبخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ لا شك فيه ..." (الکلام المفید فی اثبات التقلید ص ۳۱۰)

سرفراز خان نے اشرفعلی تھانوی دیوبندی سے نقل کیا ہے کہ

"بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطأ و مصیب وجوباً مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے..." (الکلام المفید ص ۳۰۵)

ایسے کسی خاص شخص (غالی مقلد) کے بارے میں اقامتِ حجت کے بعد اگر کسی اہل

حدیث نے شرک کا لفظ استعمال کرلیا تو اس پر ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ ایسا فتویٰ تو سرفراز خان صفدر کڑمنگی نے بھی لگا رکھا ہے۔

تنبیہ بلیغ: اہل حدیث کو دیوبندیہ و بریلویہ وغیرہم کا ''غیر مقلد'' کہنا توہین ہے، کیونکہ رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے لکھا ہے:

''کیونکہ لامذہب اور غیر مقلد کلمہ اہانت کا ہے'' (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۰۹ رقم ۷۹۲)

ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

''لیکن جو شخص نہ امام ہو نہ مقتدی، کبھی امام کو گالیاں دے کبھی مقتدیوں سے لڑے یہ غیر مقلد ہے۔'' (تجلیات صفدر ج ۳ ص ۲۷۷)

اوکاڑوی نے مزید لکھا ہے: ''اس لئے جو جتنا بڑا غیر مقلد ہوگا، وہ اتنا ہی بڑا گستاخ اور بے ادب ہوگا'' (تجلیات صفدر ج ۳ ص ۵۹۰)

ثابت ہوا کہ دیوبندیوں کا اہل حدیث یعنی اہل سنت کو غیر مقلدین کے لقب سے ملقب کرنا باطل و مردود ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ کے اہم عقیدے میں قرآن مجید کی آیات، احادیث صحیحہ، صحیح ثابت آثارِ سلف صالحین اور ائمہ مسلمین کی تشریحات جمع کرکے عوام کے سامنے پیش کرنا اور جہمیہ و متاخرین کے خلاف سلف صالحین کے اقوال کو دیوار پر دے مارنا ہی صحیح تحقیق اور مسلک حق ہے۔

عبدالواحد دیوبندی صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ ان اصول صحیحہ کے مطابق صفاتِ باری تعالیٰ میں حوالے جمع کرتے، پھر سلف صالحین کے مذہب کو ترجیح دیتے، لیکن اصول صحیح کو پس پشت ڈال کر جہمیہ کے بے سند و بے دلیل مسلک و مذہب کو اپنانا اور پھر اپنے بارے میں ''اہل سنت'' ہونے کا پروپیگنڈا کرنا علمی و تحقیقی میدان میں رُسوائی، نیز دنیاوی و اخروی خسران و ہلاکت ہی ہے۔

(۴/ جنوری ۲۰۱۳ء)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا مقام ہے، جیسا کہ صحیح روایات میں آیا ہے کہ سیدنا و مولانا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نبی ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر ہیں، پھر عمر ہیں۔ رضی اللہ عنہما

اس مفہوم اور الفاظ کے معمولی اختلاف والی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے درج ذیل راویوں نے بیان کی ہے:

۱: محمد بن علی بن ابی طالب یعنی ابن الحنفیہ رحمہ اللہ [ثقہ عالم]

۲: ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ الخیر السوائی رضی اللہ عنہ [صحابی]

۳: عبد خیر بن یزید الہمدانی الکوفی رحمہ اللہ [ثقة، مخضرم من کبار التابعین]

٤: عبداللہ بن سلمہ المرادی الکوفی رحمہ اللہ [صدوق، تغیر حفظہ/ حدث بہ قبل اختلاطہ]

٥: عمرو بن حریث بن عمرو بن عثمان المخزومی رضی اللہ عنہ [صحابی]

٦: علی بن ربیعہ بن نضلہ الوالبی الکوفی رحمہ اللہ [ثقة]

۷: نزال بن سبرہ الہلالی الکوفی رحمہ اللہ [ثقة]

۸: ابوالجعد رافع الغطفانی الاشجعی رحمہ اللہ

[صدوق وثقہ ابن حبان والامام مسلم وقیل: ھو صحابی]

۹: ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ [صحابی]

اب ان روایات کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ سے درج ذیل راویوں نے یہ روایت بیان کی ہے:

ا: ابویعلیٰ منذر بن یعلیٰ الثوری الکوفی رحمہ اللہ [ثقہ]

صحیح بخاری (۳۶۷۱ وسندہ صحیح) سنن ابی داود (۴۶۲۹ وسندہ صحیح) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۲/۱۲ ح ۳۱۹۳۶) زوائد القطیعی علیٰ فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل (ح ۱۳۶۲، وسندہ صحیح)

صحیح بخاری میں اس روایت کا متن درج ذیل ہے:

محمد بن الحنفیہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد (سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں کون (سب سے) بہتر ہے؟ انھوں نے فرمایا: ابوبکر۔ میں نے کہا: پھر کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: پھر عمر ہیں۔ (مع فتح الباری ۷/۲۰)

امام دارقطنی نے فرمایا: "وھو صحیح عنہ" اور وہ آپ سے صحیح (ثابت) ہے۔ (کتاب العلل ۴/۱۲۴ اسوال ۴۶۴)

۲: ابوکلین نوح بن ربیعہ الانصاری البصری رحمہ اللہ [صدوق]

کتاب السنۃ لابن ابی عاصم (۱۲۰۴، نسخہ محققہ: ۱۲۳۸، وسندہ حسن)

۲) ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ الخیر السوائی رحمہ اللہ سے درج ذیل راویوں نے یہ حدیث بیان کی ہے:

۱: عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ [ثقة مشهور فقية فاضل]

زوائد مسند الامام احمد (۱/ ۱۱۰ ح ۸۷۸ وسندہ صحیح، ۱/۱۰۶ ح ۸۳۴ بسند آخر وسندہ حسن) مسند احمد (۱/۱۰۶ ح ۱۳۵، وسندہ صحیح علیٰ شرط مسلم)

۲: زر بن حبیش الاسدی الکوفی رحمہ اللہ [ثقة جليل مخضرم]

زوائد مسند احمد (۱/ ۱۰۶ ح ۸۳۳ من حدیث عاصم بن ابی النجود عنہ وسندہ حسن، ۱/۱۱۰ ح ۸۷۱ وسندہ حسن)

۳: عون بن ابی جحیفہ رحمہ اللہ [ثقة]

زوائد مسند احمد (۱/۱۰۶ ح ۸۳۷ وسندہ حسن) الغیلانیات (ح ۴۷ بسند آخر وسندہ حسن، نسخہ اخریٰ: ۶۸) المخلصیات (۲/ ۹۸ ح ۱۱۱۹، وسندہ حسن)

۴: حکم بن عتیبہ الکندی الکوفی رحمہ اللہ [ثقة ثبت فقيه إلا أنه ربما دلس]

فضائل الصحابہ للامام احمد بن حنبل (۴۴ وسندہ صحیح، الحکم بن عتیبہ صرح بالسماع)
تاریخ دمشق (۴۴/۲۰۲ وسندہ صحیح)

۵: عبداللہ بن ابی السفر رحمہ اللہ [ثقة]
تاریخ دمشق لابن عساکر (۴۴/۲۰۲ وسندہ حسن)

۳) عبد خیر بن یزید الہمدانی رحمہ اللہ سے درج ذیل راویوں نے یہ روایت بیان کی ہے:

۱: المسیب بن عبد خیر رحمہ اللہ [ثقة]
زوائد مسند احمد (۱/۱۱۵ ح ۹۲۶ وسندہ صحیح، ۱/۱۲۵ ح ۱۰۳۰)

۲: خالد بن علقمہ ابو حیۃ الوادعی رحمہ اللہ [صدوق]
زوائد مسند احمد (۱/۱۲۵ ح ۱۰۳۱، وسندہ صحیح)

۳: عبدالملک بن سلع الہمدانی رحمہ اللہ [صدوق]
کتاب الشریعۃ للآجری (۵/۲۳۱۹ ح ۱۸۰۴، وسندہ حسن) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۴/۵۷۱ ح ۳۷۰۴۲ وسندہ صحیح)

۴: طلحہ بن مصرف بن عمرو بن کعب الیامی الکوفی (ثقۃ قاری فاضل]
الخلعیات (۳/۳۳۹ ح ۲۶۶۳)

۵: ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف [ثقة، رضی اللہ عنہ]

(فضائل الصحابۃ، زیادات القطیعی: ۵۳۳ وسندہ حسن)

۴) عبداللہ بن سلمہ المرادی رحمہ اللہ [صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور]

"خير الناس بعد رسول الله ﷺ أبو بكر و خير الناس بعد أبي بكر عمر." رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر ابو بکر ہیں اور ابو بکر کے بعد سب سے بہتر عمر ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۰۶، وسندہ حسن)

عبداللہ بن سلمہ نے یہ حدیث اختلاط سے پہلے بیان کی۔ (دیکھئے مسند الحمیدی بتحقیقی: ۵۷)

۵) سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ

" خير هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر و عمر ... "

اس امت میں نبی (ﷺ) کے بعد سب سے بہتر ابو بکر اور عمر ہیں۔

(زوائد فضائل الصحابۃ: ۳۹۷ وسندہ حسن، البحر الزخار ۲/ ۱۳۰ ح ۴۸۸، المعجم الکبیر للطبرانی ۱/ ۱۰۷ ح ۱۷۸)

٦) علی بن ربیعہ الوالبی رحمہ اللہ

" إني لأعرف أخيار هذه الأمة بعد نبيها :أبو بكر و عمر ... "

(فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل: ۴۲۸ وسندہ حسن، وقاء بن ایاس الاسدی وثقہ الجمہور فھو حسن الحدیث)

۷) نزال بن سبرہ رحمہ اللہ

" ألا أخبركم بخير هذه الأمة بعد نبيها ثلاثة ، ثم ذكر أبا بكر و عمر ... "

(زوائد فضائل الصحابۃ: ۴۲۹ وسندہ حسن)

۸) ابوالجعد رافع الغطفان الاشجعی رحمہ اللہ

" ألا أخبركم بخير الناس بعد نبيكم ﷺ :أبو بكر ثم عمر "

(التاریخ الکبیر للبخاری ۳/ ۳۰۶ ت ۱۰۳۹، وسندہ حسن)

۹) سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ

" ألا أخبركم بخير هذه الأمة بعد نبيها ﷺ ؟ ... أبو بكر رضي الله عنه ... ثم قال ... عمر " (المعجم الکبیر للطبرانی ۱/ ۱۰۷ ح ۱۷۷، وسندہ حسن)

روایتِ مذکورہ میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر پھر عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان روایات میں سے ایک روایت بھی ضعیف نہیں اور یہ سب روایات باہم مل کر متواتر کے درجے پر پہنچ گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متواتر قرار دیا ہے۔

(دیکھئے الوصیۃ الکبریٰ ص ۴۰ فقرہ: ۶۲، نظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی ص ۲۰۳ ح ۲۲۷)

یعنی اہلِ سنت کے نزدیک یہ روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متواتر ہے۔ (۱۴/ اپریل ۲۰۱۳ء)

مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ کا عقیدہ

شیخ عبدالوہاب بن عبدالجبار الدھلوی (م۱۳۸۱ھ) نے لکھا ہے: "فاخبرني أنه اضطر إليها للرد العقلي على الطائفة الشيطانية الآرية لأنهم لا يقتنعون بآيات القرآن والأحاديث ولا ينفع في إلزامهم وإفحامهم طريقة السلف إنما ينفع في الرد عليهم طريقة الخلف من المتكلمين أي الحجج العقلية المنطقية والفلسفية ، وحكى لي حكاية طريفة عن مناظرة له معهم ،قال رحمه الله :إنه حصلت مناظرة بين المسلمين وطائفة الآرية الشياطين وانعقد مجلس المناظرة بحضور جم غفير من المسلمين وغير المسلمين ،وكان المناظر عن الآرية رجلاً سفيهًا وداهية من دهاتهم ، والمناظر عن المسلمين كان عالمًا مشهورًا- ولم يسمه لي- ولكنه كان خيرًاساذجًاعلى الفطرة ،فقام الشيطان الآري وسأل عن معنى آية من الآيات المتشابهات، فأجابه المناظر المسلم بأنه لايعلم معناهاإلا الله . فماكان من ذلك الشيطان اللعين إلا أن قال:فلماذا لا تدعون الله للمناظرة حتى يجيب عنكم، وإنكم إذا كنتم لا تعلمون معاني آيات كتابكم ولا تفهمونها فلماذا تدعون الناس إلى ذلك الكتاب الذيهو لغز من الألغاز حسب زعمكم ؟فسكت العالم المسلم ، وحزن المسلمون الحاضرون حزنًاشديدًا لهذه الحالة .قال الشيخ ثناء الله :فلم أستطع السكوت على هذه الحالة المؤسفة وقمت واستأذنت رئيس الجلسة في الجواب ،فأذن لي،فقلت للمناظرعن الآرية :إن الجواب الذي أجابك به حضرة الشيخ هو جواب صحيح في حد ذاته ولكنكم لا تستطيعون فهمه لقصور أفهامكم ،فأنا أجيبكم على قدر عقولكم ،ثم شرحت معنى الآية على طريقة المتكلمين ، وأوردت الحجج

العقلية في رد شبهاته واعتراضاته على تلك الآية ،فبهت ذلك الشيطان وانقطع عن المناظرة ، ففرح المسلمون . ثم قال الشيخ ثناء الله :وللتخلص من مثل هذه المآزق الحرجة كنت أستفيد من علم الكلام ،وأستعمل حجج المتكلمين في إفحام المخالفين وإلا فأنا اعتقادي مثل اعتقاد أهل السنة في عدم الحاجة إلى تأويل المتشابهات وتفويض معناها إلى الله لكن الضرورات تبيح المحظورات .''

اور میں ہر رات عشاء کے بعد ان (مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ) کے ساتھ اکٹھا ہوتا تھا، کیونکہ ہمارے محلے کے حرم کے قریب ہونے کی وجہ سے وہ ہمارے پاس سوتے تھے۔ پھر میں نے اُن سے ان مسائل کے بارے میں پوچھا جن کی وجہ سے علمائے حدیث اُن کی سخت مخالفت کر رہے تھے تو انھوں نے مجھے بتایا: وہ شیطانی گروہ آریہ پر عقلی رد کی وجہ سے اس (طرزِ عمل) پر مجبور ہو گئے تھے، کیونکہ یہ گروہ قرآنی آیات واحادیث کا منکر ہے اور ان کے مقابلے میں بطورِ الزام اور ساکت کرنے کے لئے سلف صالحین کا طریقہ مفید نہیں بلکہ ان پر رد کے لئے متکلمینِ خلف یعنی عقلی منطقی و فلسفی دلائل کا طریقہ مفید ہے۔

انھوں نے میرے سامنے ایک مناظرے کا قصہ بیان کیا جس میں وہ موجود تھے۔ یہ مناظرہ مسلمانوں اور شیطان صفت آریہ گروہ کے مابین ہوا تھا۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے جم غفیر کے سامنے مجلسِ مناظرہ منعقد تھی اور آریہ کا مناظر بیوقوف آدمی اور چالاک عیار حیلہ ساز تھا جبکہ مسلمانوں کا مناظر مشہور عالم لیکن نیک اور سلیم الفطرت سادہ انسان تھا، انھوں نے عالم کا نام مجھے نہیں بتایا۔ پھر آریہ کے شیطان مناظر نے اُٹھ کر آیات متشابہات میں سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا تو مسلمان مناظر نے جواب دیا کہ اس کا معنی صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر اس ملعون شیطان نے فوراً کہا: تم اپنی طرف سے اللہ کو مناظرے کے لئے کیوں نہیں بلا لیتے تاکہ وہ تمھاری طرف سے جواب دے؟ اور تم جب اپنی کتاب کے معنی نہیں جانتے اور نہ سمجھتے ہو تو لوگوں کو اس کتاب (قرآن) کی طرف کیوں دعوت دے رہے ہو جو تمھارے گمان میں پہیلیوں میں سے ایک پہیلی ہے؟

مسلمان عالم تو خاموش ہو گئے اور وہاں موجود مسلمان اس حالت کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہوئے۔

شیخ ثناء اللہ (امرتسری رحمہ اللہ) نے فرمایا: اس قابلِ افسوس حالت کی وجہ سے میں خاموش نہ رہ سکا تو کھڑا ہو کر جلسہ کے منتظم سے جواب دینے کی اجازت مانگی۔ انھوں نے مجھے اجازت دے دی تو میں نے آریہ مناظر سے کہا: حضرت شیخ نے جو جواب دیا ہے وہ اُن کی ذات کے لحاظ سے صحیح ہے، لیکن تم اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اسے سمجھ نہیں سکتے، لہٰذا میں تمھاری عقلوں کے لحاظ سے تمہیں جواب دیتا ہوں۔

پھر میں نے متکلمین کے طریقے پر اس آیت کی تشریح بیان کی اور اس آیت پر اس کے اعتراضات وشبہات کے عقلی جوابات دیئے تو وہ شیطان ہکا بکا رہ گیا اور مناظرے سے پیچھے ہٹ گیا اور مسلمان (بہت) خوش ہوئے۔

پھر شیخ ثناء اللہ (امرتسری رحمہ اللہ) نے فرمایا: اس پریشان کن تنگ گلی اور دشوار گزار مقام سے نکلنے کے لئے میں علمِ کلام سے فائدہ اُٹھاتا تھا اور مخالفین کو بُڑ (ساکت، لاجواب) کرنے کے لئے میں متکلمین کے دلائل استعمال کرتا تھا، ورنہ میرا بھی وہی عقیدہ ہے جو اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ متشابہات کی تاویل کی ضرورت نہیں اور ان کا معنی اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے لیکن (بعض اوقات) ضرورت کی وجہ سے ممنوع کام بھی جائز ہو جاتے ہیں۔ (استفدت من حولاء ماالمولفین ص ۳۱۱۔۳۱۲ طبع دار الصمیعی الریاض)

تفسیر ثنائی کے شروع میں ہاتھ کی تحریر سے عربی زبان میں ایک بیان لکھا ہوا ہے، جس کا ترجمہ ومفہوم درج ذیل ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام (حاکم) عبدالعزیز بن سعود کی زیرِ نگرانی منعقد ہونے والی مجلس شریف میں شیخ مولوی ثناء اللہ حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ شیخ عبدالواحد غزنوی حاضر ہوئے تو سب نے حاکم ایدہ اللہ سے مطالبہ کیا کہ وہ علماء کی ایک جماعت کی حاضری میں اُن کے درمیان اختلاف کا جائزہ لیں اور ان کے اقوال کا جائزہ لینے کے بعد اس بات پر اتفاق ہوا کہ شیخ

ثناء اللہ نے اپنی تفسیر میں تاویلِ استویٰ اور اس جیسی آیاتِ صفات میں متکلمین کی اتباع کرتے ہوئے جو کچھ لکھا تھا اُس سے رجوع کرلیا ہے اور اس باب میں انھوں نے سلف (صالحین) کی اتباع کرلی ہے اور یہ اقرار کیا ہے کہ بلاشبہ یہی حق ہے اور انھوں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ یہ بات ان کی تفسیر میں لکھ دی جائے (یا اپنی تفسیر میں اسے لکھنے کا التزام کیا ہے) اور شیخ عبدالواحد غزنوی اور ان کے ساتھیوں نے شیخ ثناء اللہ کے حق میں جو کلام کیا تھا، جس سے ان (شیخ ثناء اللہ) پر طعن لازم آتا تھا تو انھوں نے اس سے رجوع کر لیا ہے اور (یہ کہہ دیا ہے کہ) انھوں نے ان (شیخ ثناء اللہ) کے خلاف جو اربعین لکھی تھی اُسے جلا دیا جائے اور دونوں (گروہوں) نے اس پر رجوع کرلیا ہے کہ وہ دوبارہ (باہمی) بھائی چارہ قائم کریں گے اور اس کے منافی (امور) سے اجتناب کیا جائے۔

اس بات پر (فریقین میں) قرار (اتفاق) ہوا اور انھوں نے حاکم کے سامنے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے اور علماء نے تصدیق کی۔ اس توفیق پر حمد و ثناء اللہ ہی کے لئے ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے اور بہترین وکیل (کارساز) ہے۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔ ۱۳۴۴ھ (ص ۲ قبل ص ۱/ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن طبع ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ)

۱۳۴۴ھ کو ۱۹۲۵ یا ۱۹۲۶ء کا دور تھا۔ ثابت ہوا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے خلاف اربعین وغیرہ کتابوں کے تمام حوالے منسوخ ہیں، لہٰذا بعض آلِ تقلید کی طرف سے یہ منسوخ کتابیں شائع کرنا یا منسوخ حوالے پیش کرنا مردود و باطل ہے۔

مروی ہے کہ ایک مصالحتی مجلس میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی بعض غلطیوں کو تسلیم کیا اور فرمایا: ''بمقام آرہ میرے حق میں میری تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کے بعض مضامین کی وجہ سے علمائے اہلحدیث ہندوستان نے جو فیصلہ صادر فرمایا ہے، میں اس کو مانتا ہوں اور میرا عمل درآمد اس پر رہے گا۔ اگر اس کے علاوہ میری کوئی غلطی، خلافِ اصول محدثین اہلسنت والجماعت ہو، ثابت کی جاوے گی تو مجھ کو اس کے مان لینے میں اور رجوع کرنے میں بھی تامل وعذر نہ ہوگا۔'' (دیکھئے سیرت ثنائی ص ۱۶۷، مقدمہ برہان التفاسیر ص ۴۲)

تذکرۃ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم



نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کا تذکرہ صحیح روایات کی روشنی میں

الحمد لله ربّ العالمين والصّلاة والسّلام على رسوله الأمين ، أما بعد:
نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور حسن و جمال کا پیارا تذکرہ اور جھلک صحیح روایات کی روشنی میں پیشِ خدمت ہے:

۱) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (تمام) لوگوں میں سب سے خوبصورت چہرے اور سب سے اچھے اخلاق والے تھے، آپ نہ تو بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ پستہ قد تھے۔ (صحیح بخاری:۳۵۴۹، صحیح مسلم:۲۳۳۷[۶۰۶۶])

آپ درمیانے قد اور چوڑے کندھوں والے تھے، آپ کے بال کانوں کی لو تک لمبے تھے اور میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں دیکھا۔

(صحیح بخاری:۳۵۵۱ ملخصاً، صحیح مسلم:۲۳۳۷[۶۰۶۴])

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے (سرِ مبارک کے) بال کندھوں تک تھے۔
(صحیح مسلم:۶۰۶۵)

آپ کا چہرہ مبارک چاند جیسا (خوبصورت) تھا۔ (صحیح بخاری:۳۵۵۲)

۲) بنو مالک بن کنانہ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دو سرخ چادریں پہنے ہوئے دیکھا، آپ درمیانے قد کے (اور) پُرگوشت تھے، آپ کا چہرہ خوبصورت تھا، آپ کے بال پورے (اور) بہت زیادہ کالے تھے، آپ بہت زیادہ سفید تھے۔ (مسند احمد ۴/۶۳ ح ۱۶۶۰۳، ۵/۳۷۶ ح ۲۳۱۹۲ وسندہ صحیح)

۳) کعب بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کہا تو آپ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا، جب رسول اللہ ﷺ خوش ہوتے تو آپ کا

چہرہ مبارک ایسے چمکتا کہ گویا چاند کا ٹکڑا ہے اور ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے تھے۔

(صحیح بخاری:۳۵۵۶)

٤) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس خوشی کی حالت میں تشریف لائے، آپ کے رخسار چمک رہے تھے۔ (صحیح بخاری:۳۵۵۵)

٥) سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور داڑھی کے کچھ بال سفید ہوئے تھے، آپ جب تیل لگاتے تو یہ نظر نہ آتے اور جب سر کے بال کھلے ہوتے تو یہ نظر آتے تھے، آپ کے سر کے بال بہت زیادہ تھے، آپ کا چہرہ مبارک سورج اور چاند جیسا اور گول تھا۔ میں نے آپ کے کندھے پر کبوتری کے انڈے جیسی مہر نبوت دیکھی تھی جو کہ آپ کے جسم مبارک کے مشابہ تھی۔ (صحیح مسلم:۲۳۴۴[۶۰۸۴])

ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ دھن، سیاہ آنکھوں والے جن کی سفیدی میں لمبے سُرخ ڈورے ہوں اور تھوڑے گوشت کی ایڑیوں والے تھے۔

(صحیح مسلم:۲۳۳۹، سنن الترمذی:۳۶۴۷ وقال: حسن صحیح)

"و کان کثیر شعر اللحیة" یعنی آپ کی داڑھی مبارک کے بال بہت زیادہ تھے۔

(صحیح مسلم:۲۳۴۴[۶۰۸۴])

٦) سیدنا ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گورے چٹے رنگ، جاذب وخوشنما چہرے اور درمیانے قد والے تھے۔ (صحیح مسلم:۲۳۴۰[۶۰۷۱۔۶۰۷۲])

٧) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم درمیانے قد کے تھے، آپ نہ تو لمبے تھے اور نہ پست قامت تھے۔ آپ کا رنگ نہ تو چونے کی طرح نرا سفید تھا اور نہ گندمی سانولا بلکہ گورا سفید چمک دار تھا، آپ کے (سر کے) بال نہ تو گھونگریالے تھے اور نہ سیدھے تنے ہوئے تھے یعنی سیدھے بال ہلکا سا خم لئے ہوئے تھے۔

جب آپ فوت ہوئے تو آپ کے سر مبارک اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

(صحیح بخاری:۳۵۴۷ ملخصاً، صحیح مسلم:۲۳۴۷[۶۰۶۸])

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا ہاتھ ریشم سے نرم اور بے حد خوشبودار تھا۔

(صحیح بخاری: ۳۵۶۱، صحیح مسلم: ۲۳۳۰)

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کا رنگ گلاب کے پھول جیسا سرخ و سفید تھا۔

(صحیح بخاری: ۳۵۴۷، صحیح مسلم: ۲۳۴۷)

ایک روایت میں ہے کہ آپ (ﷺ) کا جسم بہت خوبصورت تھا اور آپ کے بال نہ گھنگرالے تھے اور نہ بہت سیدھے اکڑے ہوئے تھے، آپ کا رنگ سرخ و سفید گندمی (یعنی سنہری) تھا، جب آپ چلتے تو کھلے کھلے قدموں سے آگے کی طرف جھکے ہوئے تیز چلتے تھے۔ (سنن الترمذی: ۱۷۵۴، وقال: ''حسن صحیح غریب'' شمائل ترمذی: ۲ وسندہ صحیح)

۸) سیدنا ابو جحیفہ وھب بن عبداللہ الخیر السوائی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ کا رنگ سفید تھا (سر کے) کچھ بال سفید ہو گئے تھے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے مشابہ تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۴۴، صحیح مسلم: ۲۳۴۳ ملخصاً)

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے نچلے ہونٹ کے نیچے اور ٹھوڑی کے درمیان کچھ بال سفید ہوئے تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۵۴۵، صحیح مسلم: ۲۳۴۲)

سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ لے کر اپنے چہرے پر رکھا، یہ برف سے ٹھنڈا اور مشکِ کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۵۵۳)

ایک روایت میں ہے کہ گویا میں آپ کی پنڈلیوں کی چمک دیکھ رہا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۳۵۶۶)

۹) سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان کچھ بال سفید تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۵۴۶)

۱۰) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد میں سر کے درمیان مانگ نکالی تھی۔ (صحیح بخاری: ۳۵۵۸، صحیح مسلم: ۲۳۳۶ ملخصاً)

ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا جسم مبارک سفید گندمی، سرگیں آنکھیں، خوبصورت (موتیوں جیسے) دانت، خوبصورت گول (کتابی) چہرہ تھا، آپ کی داڑھی اس

اوراس کے درمیان (یعنی گھنی) تھی اس سے آپ کے سینے کا بالائی حصہ بھرا ہوا تھا۔
(شمائل ترمذی تحقیقی: ۴۱۲ وسندہ حسن)

۱۱) عبداللہ بن مالک یعنی ابن بحینہ الاسدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کے درمیان فاصلہ کرتے، حتیٰ کہ ہم آپ کے بغلوں کی سفیدی دیکھ لیتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۵۶۴)

بغلوں کی سفیدی والی حدیث سیدنا انس بن مالک سے بھی ثابت ہے۔
(دیکھئے صحیح بخاری: ۳۵۶۵)

۱۲) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت لمبے تھے اور نہ چھوٹے قد والے تھے، آپ کی ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے پُر گوشت اور مضبوط تھے، آپ کا سر مبارک بڑا مضبوط اور ہڈیوں کے جوڑ چوڑے تھے، سینے اور ناف کے درمیان بالوں کی لمبی باریک لکیر تھی، جب آپ چلتے تو آگے کی طرف جھکے ہوئے چلتے گویا کہ آپ ڈھلان سے نیچے اُتر رہے ہیں، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔
(سنن الترمذی: ۳۶۳۷ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' وسندہ حسن، شمائل ترمذی تحقیقی: ۵۔۶)

۱۳) سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۷ [۴۲۳] شمائل ترمذی: ۱۳)

۱۴) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوبصورت کوئی نہیں دیکھا، گویا کہ آپ کے چہرے پر سورج کی روشنی چمک دمک رہی ہے اور میں نے آپ سے زیادہ تیز چلنے والا کوئی نہیں دیکھا، گویا کہ زمین آپ کے لئے لپٹی جارہی ہوتی تھی۔ ہم (سفر میں) تھک جاتے اور آپ (تھکاوٹ سے) بے نیازی کے ساتھ سفر جاری رکھتے تھے۔ (صحیح ابن حبان: ۶۲۷۶ [۶۳۰۹] وسندہ صحیح)

۱۵) عبید بن جریج رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے (سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ آپ مونچھیں کاٹ کر (بالکل) صاف کر دیتے ہیں؟ تو انھوں نے

فرمایا: "رأيت النبي ﷺ يحفي شاربه" میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے، آپ مونچھیں کاٹ (کر صاف کر) دیتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۱/۴۴۹ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں سے اوپر، مونچھیں کاٹنے کے بعد جلد کی سفیدی نظر آتی تھی۔ (صحیح بخاری تعلیقاً قبل ح ۵۸۸۸، ولہ شاہد حسن فی تغلیق التعلیق ۵/۷۲)

۱۶) محرش الکعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کو عمرہ کیا، پھر میں نے آپ کی پشت کی طرف دیکھا، گویا کہ چاندنی کا ڈھلا ہوا ٹکڑا ہے۔

(مسند الحمیدی: ۸۶۵ وسندہ حسن، نسخہ دیوبندیہ: ۸۶۳)

۱۷) سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! میری بہن (علیہ بنت شریح) کا بیٹا بیمار ہے، تو آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی، آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی پی لیا اور آپ کی پیٹھ کی طرف کھڑا ہو گیا، پھر میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان فاختہ کے انڈے جتنی (ختم نبوت کی) مہر ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۳۵۲ صحیح مسلم: ۲۳۴۵ سنن ترمذی: ۳۶۴۳، وسندہ صحیح)

۱۸) اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پیالہ تھا، جس میں نبی ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال تھے اور ان کا رنگ سرخ تھا، جب کسی آدمی کو نظر لگ جاتی یا کوئی بیماری ہوتی تو وہ اپنا پانی کا برتن اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیتا (تو وہ اس میں نبی ﷺ کے بال ڈبو دیتی تھیں) یہ بال عثمان بن عبداللہ بن موہب رحمہ اللہ تابعی نے دیکھے تھے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۵۸۹۶)

۱۹) سیدنا سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث (دیکھئے عنوان: مہر نبوت)

۲۰) سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کی حدیث (دیکھئے عنوان: مہر نبوت)

سابقہ روایات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کا خلاصہ مختلف عنوانات کی صورت میں درج ذیل ہے:

چہرہ مبارک:

آپ کا چہرہ مبارک خوبصورت، سورج اور چودھویں کے چاند جیسا، قدرے گول اور گلاب کے پھول جیسا سرخ وسفید چمکدار تھا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے فقرات: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ابوطالب کا ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔
اور سفید (چہرے والا) جس کے چہرے کے ذریعے سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے، وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں (اور مسکینوں) کے سرپرست ہیں۔ (صحیح بخاری: ۱۰۰۸)

اس حدیث کا امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الاستسقاء میں لائے ہیں، یعنی لوگ نبی کریم ﷺ سے درخواست کرتے تھے کہ آپ اللہ سے بارش کے لئے دعا فرمائیں۔

خوبصورت و پرکشش آنکھیں:

آپ کی آنکھیں سیاہ تھیں جن کی سفیدی میں لمبے ڈورے تھے۔ (دیکھئے فقرہ: ۵)
آپ کی آنکھیں سرمگیں تھیں۔ (دیکھئے فقرہ: ۱۰)

دندان مبارک:

آپ کے دندان مبارک خوبصورت (موتیوں جیسے) تھے۔ (دیکھئے فقرہ: ۱۰)

رخسار مبارک:

آپ کے رخسار مبارک گورے سرخ وسفید اور (انتہائی) چمکدار تھے۔ (دیکھئے فقرہ: ۴، ۷)

سر مبارک:

آپ کا سر مبارک بڑا (اعتدال وتناسب کے ساتھ) مضبوط تھا۔ (دیکھئے فقرہ: ۱۲)

چوڑے (مضبوط) کندھے:

آپ کے کندھے چوڑے تھے۔ (دیکھئے فقرہ: ۱)

مضبوط خوبصورت پنڈلیاں:

آپ کی پنڈلیاں چمکدار تھیں۔ (فقرہ: ۸)

خوبصورت ایڑیاں:

آپ کی ایڑیوں پر تھوڑا گوشت تھا۔ (دیکھئے فقرہ:۵)

یعنی بے حد خوبصورت ایڑیاں تھیں۔

ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے:

آپ کی ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے پُر گوشت اور مضبوط تھے۔ (فقرہ:۱۲)

آپ کا ہاتھ ریشم سے زیادہ نرم اور بے حد خوبصوت تھا۔ (فقرہ:۷)

آپ کی ہتھیلیاں چوڑی، ہاتھ اور قدم (تناسب کے ساتھ) بڑے تھے۔

(صحیح بخاری:۵۹۰۷)

جب آپ کسی چھوٹے بچے کے چہرے پر ہاتھ رکھتے تو وہ ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کرتا تھا۔ (دیکھئے صحیح مسلم:۲۳۲۹، نیز دیکھئے فقرہ:۸)

کالے سیاہ بال:

آپ کے بال کندھوں تک تھے۔ (فقرہ:۱)

آپ کے بال کانوں کی لو تک تھے۔ (فقرہ:۱)

یہ روایات مختلف حالتوں پر محمول ہیں اور آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سر کے بال منڈوائے بھی تھے۔

آپ کے بال نہ گھونگریالے تھے اور نہ سیدھے تنے ہوئے تھے بلکہ ہلکا سا خم لئے ہوئے تھے۔ (فقرہ:۷)

آپ سر کے درمیان میں مانگ بھی نکالتے تھے۔ (دیکھئے فقرہ:۱۰)

گھنی داڑھی:

آپ کی داڑھی مبارک سے آپ کے سینے کا بالائی حصہ بھرا ہوا تھا۔

(دیکھئے فقرہ:۱۰)

اور آپ کی داڑھی کے بال بہت زیادہ تھے یعنی آپ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔

(دیکھئے فقرہ:۵، نیز دیکھئے فقرہ:۸)

تراشیدہ مونچھیں:

آپ مونچھیں کاٹ کر انتہائی پست کر دیتے تھے۔ (دیکھئے فقرہ:۱۵)

رسول اللہ ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی لمبی مونچھوں کو اُن کے نیچے مسواک رکھ کر کاٹنے کا حکم دیا تھا۔ (دیکھئے سنن ابی داود:۱۸۸، وسندہ صحیح، شمائل ترمذی بتحقیقی:۱۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مونچھیں انتہائی پست نہ کرنا بھی جائز ہے، نیز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ اپنی مونچھوں کو (بعض اوقات) تاؤ بھی دیتے تھے۔

(دیکھئے شمائل ترمذی بتحقیقی ص ۱۹۵۔۱۹۶ تحت ح ۱۶۵)

سرخ خضاب یعنی مہندی والے بال:

آپ کے چند بال (بیس سے بھی کم) سفید ہوئے تھے اور آپ (کبھی کبھار) انھیں وَسمہ ملی ہوئی مہندی لگاتے تھے جس سے ان بالوں کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

(دیکھئے صحیح بخاری:۵۸۹۶۔۵۸۹۸، اور فقرہ سابقہ:۷)

آپ نے (بعض اوقات) ورس اور زعفران والی یعنی زرد مہندی بھی لگائی ہے۔

(دیکھئے سنن ابی داود:۴۲۱۰ وسندہ حسن)

کستوری سے زیادہ خوشبودار پسینہ:

آپ کا پسینہ بے حد خوشبودار تھا۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۳۵۶۱)

آپ کا پسینہ کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا اور موتیوں جیسا یعنی بہت خوبصورت تھا۔

(دیکھئے صحیح مسلم:۲۳۳۰ [۶۰۵۳۔۶۰۵۴])

ام سلیم رضی اللہ عنہا (آپ کی رضاعی خالہ) نے آپ کا پسینہ (چارپائی پر چمڑے کی چادر سے اتار کر) ایک شیشی میں اکٹھا کیا تھا اور وہ اسے تمام خوشبوؤں سے زیادہ خوشبودار سمجھتی تھیں۔

(دیکھئے صحیح بخاری:۶۲۸۱، صحیح مسلم:۲۳۳۱ [۶۰۵۵])

نبی کریم ﷺ کا پیشاب بھی بدبودار نہیں تھا، جیسا کہ اُمیمہ بنت رُقیقہ التیمیہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے کہ نبی ﷺ (رات کو) ایک برتن میں پیشاب کرتے تھے جو آپ کی چارپائی کے نیچے ہوتا تھا، ایک دفعہ اُم حبیبہ (ؓ) کی خادمہ برہ (حبشیہ ؓ) نے اسے (پانی سمجھ کر) پی لیا تھا۔ (دیکھئے الاستیعاب لابن عبدالبر المطبوع علی الاصابہ ۴/ ۲۵۱)

اس روایت کی سند حکیمہ بنت اُمیمہ تک بالکل صحیح ہے اور حکیمہ کو درج ذیل محدثین نے تصحیحِ حدیث وغیرہ کے ذریعے سے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے:

۱: ابن حبان (الاحسان: ۱۴۲۳، موارد الظمآن: ۱۴۱)
نیز دیکھئے کتاب الثقات (۴/ ۱۹۵)

۲: حاکم (المستدرک ۱/ ۱۶۷ ح ۵۹۳)

۳: ذہبی (تلخیص المستدرک)

۴: نووی (حسن حدیثہا فی خلاصۃ الاحکام ۱/ ۱۴۶۔۱۴۷ ح ۲۰۶)

اس توثیق کے بعد حکیمہ مذکورہ کو مجہولہ ولا تعرف کہنا غلط ہے۔

درمیانہ جسم اطہر:

آپ کا جسم مبارک درمیانہ تھا۔ (دیکھئے فقرہ: ۱، ۷)

آپ کا جسم بہت خوبصورت تھا۔

(سنن الترمذی: ۱۷۵۴، وقال: ''حسن صحیح غریب من حدیث حمید'' شمائل ترمذی: ۲ وسندہ صحیح)

ایک صحابی نے آپ کو عمرہ کرنے کی حالت میں رات کو دیکھا، آپ کی پشت مبارک اس طرح تھی گویا کہ چاندی کا ڈھلا ہوا ٹکڑا ہے۔ (دیکھئے فقرہ: ۱۶)

آپ کا قد درمیانہ تھا۔ (مثلاً دیکھئے فقرہ: ۱، ۷)

خوبصورت بغلیں:

سجدے کی حالت میں (بعض اوقات) آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ جاتی۔

(دیکھئے فقرہ: ۱۱)

دعائے استسقاء میں آپ جب دونوں ہاتھ بلند کرتے تو آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر

آتی تھی۔ (صحیح بخاری:٣٥٦٥، صحیح مسلم:٨٩٥۔٨٩٦)

جسم مبارک کی خوشبو کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (٣٥٦١)

رفتار:

جب آپ چلتے تو کھلے قدموں سے آگے کی طرف جھکے ہوئے تیز چلتے تھے۔

(دیکھئے فقرہ:٧)

آپ مضبوطی سے قدم اٹھاتے اور رکھتے تھے۔ (صحیح مسلم:٢٣٣٠[٦٠٥٤])

نیز دیکھئے سنن ابی داود (٤٨٦٣ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین ٤/ ٢٨٠۔٢٨٠ ووافقہ الذہبی)

مہر نبوت:

آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان فاختہ کے انڈے جتنی مہر یعنی ختمِ نبوت کی مہر تھی۔ (دیکھئے فقرہ:١٧)

اس پر چند بال بھی تھے۔

(دیکھئے شمائل ترمذی بتحقیقی:٢٠ عن ابی زید عمرو بن اخطب الانصاری رضی اللہ عنہ وسندہ صحیح، وصحیح ابن حبان:٢٠٩٦)

سیدنا سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ نے آپ کی مہرِ نبوت کو خاص طور پر دیکھا تھا اور اسے چومتے بھی تھے اور روتے بھی تھے۔ (مسند احمد ٥/ ٤٤٣ وسندہ حسن)

یہ ختم نبوت آپ کے جسم مبارک کے مشابہ تھی۔ (دیکھئے فقرہ:٥)

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے مہر نبوت کے بارے میں فرمایا:

آپ کی پشت پر ابھرے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ (شمائل ترمذی بتحقیقی:٢٢ وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ نے مہر نبوت دیکھی جو کہ بند مٹھی جتنی تھی اور اس پر مَسوں کی طرح تیل تھے۔ (صحیح مسلم:٢٣٤٦[٦٠٨٨]، شمائل ترمذی:٢٣)

مہر نبوت کا یہ مطلب ہے کہ آپ آخری نبی ورسول ہیں اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی یا رسول پیدا نہیں ہوگا۔

وفات مبارک:

جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حجرۂ مبارک میں داخل ہوکر آپ کے جسم مبارک کو ہاتھ لگایا اور آپ کے چہرہ مبارک سے کپڑا ہٹا کر وہ آپ پر جھک گئے اور آپ کو چوم رہے تھے، رو رہے تھے پھر انھوں نے فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کرے گا، جو موت آپ کے مقدر میں لکھی ہوئی تھی وہ تو آ گئی ہے اور آپ فوت ہو گئے ہیں۔

(صحیح بخاری: ۴۴۵۲۔۴۴۵۳)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا بوسہ لیا تھا۔

(صحیح بخاری: ۴۴۵۵۔۴۴۵۷)

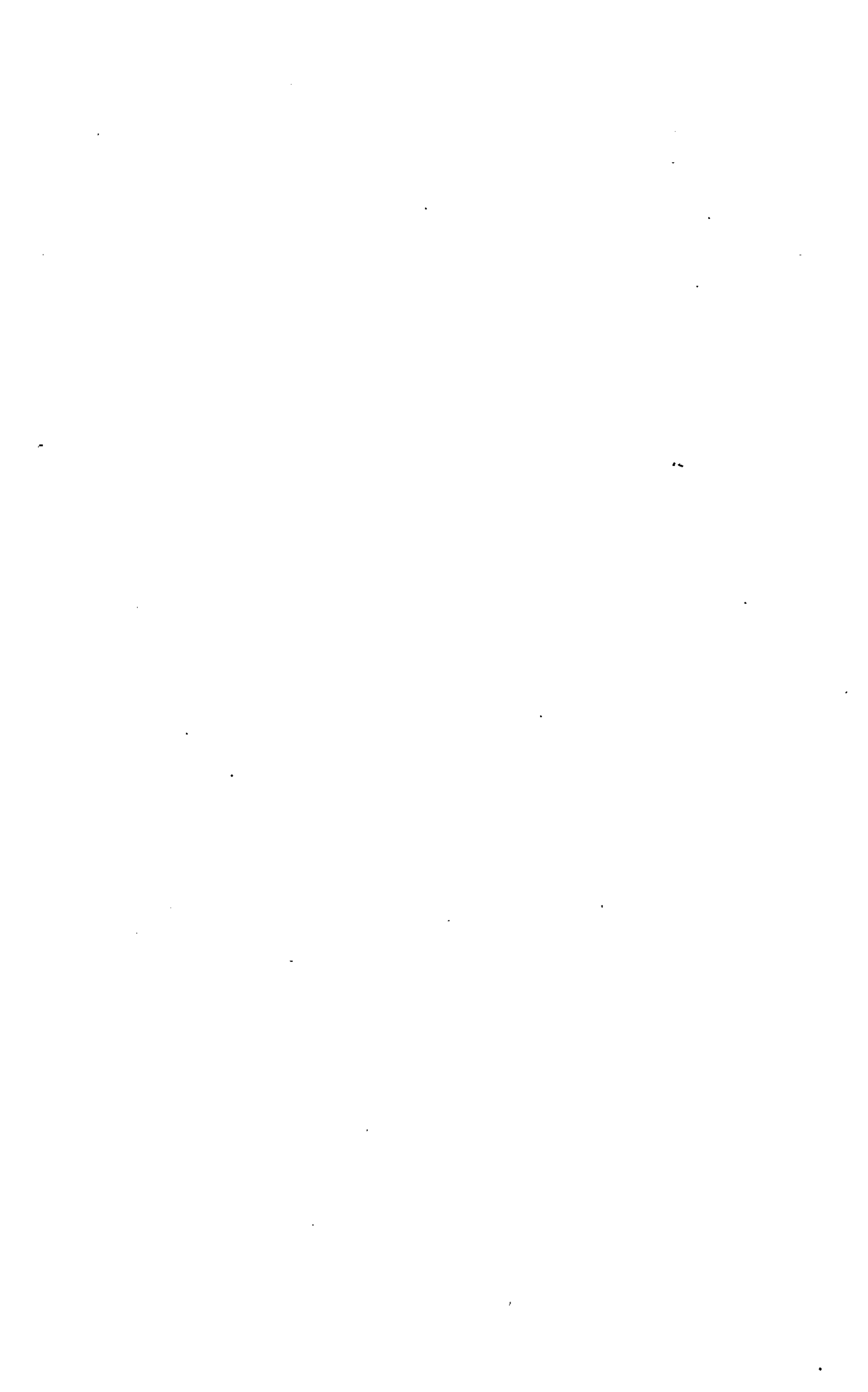
اختتام:

اس مضمون میں صرف صحیح یا حسن لذاتہ احادیث سے استدلال کیا گیا ہے اور اصل مصادر حدیث کی طرف رجوع کے ساتھ ابراہیم بن عبداللہ الحازمی کی کتاب ''الرسول كأنك تراه'' کی ترتیب کو عام طور پر مدنظر رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نبی کریم سیدنا و محبوبنا محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت پر زندہ رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ ہو۔ آمین (۲۶/ اگست ۲۰۱۳ء)



طہارت ونماز سے متعلق بعض مسائل



موٹی جرابوں پر مسح جائز ہے

الحمد لله ربّ العالمين والصلوٰة والسّلام علٰى رسوله الأمين ،أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلے تو وہ جدھر پھرتا ہے ہم اُسے اُسی طرف پھیر دیتے ہیں اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ (جہنم) بُرا ٹھکانہ ہے۔

(سورۃ النساء:۱۱۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ میری اُمت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت (اجماع) پر ہے۔

(المستدرک للحاکم ۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح، ولہ شاہد حسن لذاتہ عند الطبرانی فی الکبیر ۱۲/۴۴۷ ح ۱۳۶۲۳)

اس آیت کریمہ اور حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ اجماعِ اُمت حجت ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۵ ص ۷۴-۱۱۰)

اُمت مسلمہ کا سب سے بہترین حصہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) صحیح العقیدہ تابعین عظام اور تبع تابعین کی جماعت ہے اور صحابہ وتابعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ موٹی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اس اجماع کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱) سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **"رأيت عليًّا بال ثم توضأ ومسح على الجوربين"** میں نے علی (بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، انھوں نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۲ ح ۴۷۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۱/۴۶۲ ث ۴۷۹)

عینی حنفی نے لکھا ہے: **"الجورب هو الذي يلبسه أهل البلاد الشامية الشديدة البرد وهو يتخذ من غزل الصوف المفتول ، يلبس فى القدم إلى مافوق الكعب."** جراب وہ ہے جسے ملک شام کے لوگ شدید سردی میں پہنتے ہیں، یہ بٹی ہوئی

اُون سے بنائی جاتی ہے، ٹخنوں تک پاؤں میں پہنی جاتی ہے۔ (البنایہ فی شرح الہدایہ ۱/ ۵۹۷)
محمد تقی عثمانی نے کہا ہے:
''جَورَب سوت یا اون کے موزوں کو کہتے ہیں، اگر ایسے موزوں پر دونوں طرف چمڑا بھی چڑھا ہوا ہو تو اس کو مجلّد کہتے ہیں، اور اگر صرف نچلے حصّہ میں چمڑا چڑھا ہوا ہو تو اسے منعّل کہتے ہیں، اور اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں، یعنی سُوت وغیرہ کا اُن میں بالکل دخل نہ ہو تو ایسے موزوں کو خفین کہتے ہیں، خفین، جوربین مجلّدین اور جوربین منعّلین پر باتفاق مسح جائز ہے...'' (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۳۴۔۳۳۵)

۲) رجاء بن ربیعہ الزبیدی الکوفی (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ "رأیت البراء توضأ فمسح علی الجوربین" میں نے براء (بن عازب رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، انھوں نے وضو کیا تو جرابوں پر مسح کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸۹ ح ۱۹۸۴، وسندہ صحیح)
اس روایت کی سند میں سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

۳) ابو وائل شقیق بن سلمہ الاسدی الکوفی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (ابو مسعود) عقبہ بن عمرو (الانصاری رضی اللہ عنہ) نے وضو کیا ''ومسح علی الجوربین'' اور جرابوں پر مسح کیا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸۹ ح ۱۹۸۷، وسندہ صحیح)

حنفیہ کے لئے بطورِ فائدہ عرض ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ (ثقہ مدلس) کی منصور بن المعتمر عن خالد بن سعد والی روایت میں ہے کہ عقبہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) نے بالوں کی (بنی ہوئی) جرابوں پر مسح کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ محمد عوامہ الحنفی ج ۲ ص ۲۷۴ ح ۱۹۸۴)

٤) ابو حازم (سلمہ بن دینار) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سہل بن سعد (رضی اللہ عنہ) نے جرابوں پر مسح کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸۹ ح ۱۹۹۰، وسندہ حسن)
اس روایت کی سند میں زید بن حباب اور ہشام بن سعد دونوں جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

۵) ابو غالب البصری الاصبہانی الراسبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ''رأیت أبا أمامة

یمسح علی الجوربین. ''میں نے ابوامامہ (صُدَی بن عجلان الباہلی رضی اللہ عنہ) کو جرابوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۸ ح ۱۹۷۹، وسندہ حسن)

ابوغالب جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ''أنه کان یمسح علی الجوربین والخفین والعمامة'' وہ جرابوں، موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے تھے۔

(الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۲ ح ۴۸۳ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ۱/۴۶۳ ث ۴۸۵)

٦) فرات (بن ابی عبدالرحمٰن القزاز التمیمی البصری الکوفی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ''رأیت سعید بن جبیر توضأ ومسح علی الجوربین والنعلین'' میں نے سعید بن جبیر (تابعی رحمہ اللہ) کو دیکھا، انھوں نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ عوامہ ۲/۲۷۸ ح ۲۰۰۱ وسندہ صحیح)

اس کی سند میں ابوالعمیس سے مراد عتبہ بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود المسعودی ثقہ راوی ہیں۔ رحمہ اللہ

۷) ابن جریج نے عن کے ساتھ عطاء (بن ابی رباح رحمہ اللہ تابعی) سے روایت کی، انھوں نے فرمایا: ''المسح علی الجوربین بمنزلة المسح علی الخفین'' جرابوں پر مسح موزوں پر مسح کے قائم مقام ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ عوامہ ۲/۲۷۸ ح ۲۰۰۲، دوسرا نسخہ ح ۱۹۹۱)

ابن جریج تک سند صحیح ہے اور ابن جریج کی عطاء سے روایت قوی ہوتی ہے، چاہے سماع کی تصریح ہو یا نہ ہو۔ دیکھئے التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ (ص ۱۵۲، ۱۵۷) اور الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۵٦)

۸) ابراہیم بن یزید النخعی (تابعی صغیر، رحمہ اللہ) نے فرمایا: ''الجوربان والنعلان بمنزلة الخفین'' جُرابیں اور جُوتے (بوٹ) موزوں کے قائم مقام ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۷۵ ح ۱۹۸۷، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ۱/۱۸۸ ح ۱۹۷۵)

حصین بن عبدالرحمٰن (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ ''أنه کان یمسح علی

الجوربین" وہ (ابراہیم نخعی) جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۶ ح ۱۹۸۹، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۱/۱۸۸ ح ۱۹۷۷)

۹) سفیان (بن سعید الثوری، تبع تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: "والنعلین والجوربین بمنزلة الخفين يمسح عليها ويمسح أيضًا على الجوربين إن لم يكن عليه نعلين" جُوتے (بُوٹ) اور جرابیں موزوں کے قائم مقام ہیں، اُن پر مسح کیا جاتا ہے اور اگر جُوتے نہ ہوں تو بھی جرابوں پر مسح کیا جائے۔

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۶۲۵ ح ۱۴۶۹، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۳/۲۴۱ ح ۳۶۵۸)

عبدالرزاق (ثقہ مدلس) نے عن کے ساتھ سفیان ثوری سے نقل کیا کہ "ويمسح على جوربيه" اور وہ آدمی جرابوں پر مسح کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ۱/۲۱۸ ح ۸۴۸)

۱۰) امام ترمذی رحمہ اللہ نے جرابوں پر مسح کے بارے میں فرمایا: "وهو قول غير واحد من أهل العلم وبه يقول سفيان الثوري وابن المبارك والشافعي وأحمد وإسحاق قالوا: يمسح على الجوربين وإن لم يكن نعلين إذا كانا ثخينين" اور یہ کئی علماء کا قول ہے۔ سفیان ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق (ابن راہویہ) اس کے قائل ہیں، انھوں نے فرمایا: اگرچہ جوتے نہ بھی ہوں تو جرابوں پر مسح کیا جائے بشرطیکہ وہ موٹی ہوں۔ (سنن ترمذی: ۹۹ باب فی المسح علی الجوربین والنعلین)

سفیان ثوری کا قول فقرہ نمبر ۹ میں گزر چکا ہے، ابن المبارک کے قول باسند صحیح کی تلاش جاری ہے اور امام شافعی کے قول کی صحیح اسانید کتاب العلل الصغیر للترمذی (ص ۲، مع السنن ص ۱۱۵۵) میں موجود ہیں۔

امام اسحاق بن منصور الکوسج نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ اگر جوتے نہ ہوں تو جرابوں پر مسح کیا جائے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! اور اسحاق بن راہویہ نے سختی کے ساتھ ان کی تائید کی۔ (مسائل احمد واسحاق، روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۱/۴۷، رقم ۲۳)

ان صریح وصحیح آثار سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام وتابعین عظام کا اس پر اجماع ہے کہ

(موٹی) جرابوں پر مسح جائز ہے۔

یاد رہے کہ موٹی سے صرف یہ مراد ہے کہ جو عرف عام میں موٹی جرابیں کہلائی جاتی ہیں، جن کے پہننے سے پاؤں نظر نہیں آتے۔ جارجٹ کے دوپٹے جیسی جرابیں (جو بعض کھلاڑی وغیرہ پہنتے ہیں) جن میں پاؤں نظر آتے ہیں، وہ پتلی جرابیں ہیں اور ان پر بالاجماع مسح جائز نہیں۔

ابن حزم الاندلسی (م ۴۵۶ھ) نے صحابہ کرام کے بارے میں لکھا ہے:

''**لا مخالف لهم من الصحابة ممن يجيزا لمسح**'' جو صحابہ (جرابوں پر) مسح کو جائز سمجھتے تھے، صحابہ میں اُن کا کوئی مخالف نہیں۔ (المحلی ۲/ ۸۷ مسئلہ ۲۱۲)

ابن قدامہ الحنبلی نے لکھا ہے: اور چونکہ صحابہؓ نے جرابوں پر مسح کیا ہے اور ان کے زمانے میں ان کا کوئی مخالف ظاہر نہیں ہوا، لہٰذا اس پر اجماع ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا صحیح ہے۔ (المغنی ۱/ ۱۸۱ مسئلہ: ۴۲۶)

ابن القطان الفاسی (م ۶۲۸ھ) نے بحوالہ کتاب النیر للقاضی ابی العباس احمد بن محمد بن صالح المنصوری (م ۳۵۰ھ تقریباً) اور بطورِ جزم لکھا ہے:

''**وأجمع الجميع أن الجوربين إذا لم يكونا كثيفين لم يجز المسح عليهما**'' اور سب کا اس پر اجماع ہے کہ اگر جرابیں موٹی نہ ہوں تو ان پر مسح جائز نہیں۔

(الاقناع فی مسائل الاجماع ج ۱ ص ۲۲۷ فقرہ: ۳۵۱)

جو آدمی جتنی بھی کوشش کرلے، کسی ایک صحابی سے صحیح یا حسن لذاتہ سند کے ساتھ صراحتاً یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ موٹی جرابوں پر مسح جائز نہیں، لہٰذا جرابوں پر مسح کے منکرین یہ سوچ لیں کہ وہ اجماعِ صحابہ کے خلاف کن راستوں اور پگڈنڈیوں پر دوڑے جارہے ہیں؟!

اگر کوئی کہے کہ امام ابن المنذر نے لکھا ہے:

ایک گروہ نے جرابوں پر مسح کا انکار کیا ہے اور اسے ناپسند کیا ہے۔ ان میں مالک بن انس، اوزاعی، شافعی اور نعمان (ابوحنیفہ) ہیں اور عطاء (بن ابی رباح) کا یہی مذہب اور

آخری قول ہے۔مجاہد، عمرو بن دینار اور حسن بن مسلم اسی کے قائل ہیں۔

(الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۵، دوسرا نسخہ ۲/۱۱۹)

ان آثار میں امام مالک، اوزاعی، ابوحنیفہ نعمان، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، عمرو بن دینار اور حسن بن مسلم سے جرابوں پر مسح کا انکار صحیح متصل سند کے ساتھ ثابت نہیں اور الاوسط کے محشی نے جو حوالے پیش کئے ہیں وہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود کے حکم میں ہیں۔

امام شافعی کے دو اقوال ہیں اور ایک قول بحوالہ ترمذی اسی مضمون (فقرہ نمبر ۱۰) میں گزر چکا ہے اور نعمان سے عدم مسح علی الجوربین والی روایت ابن فرقد الشیبانی کی طرف منسوب کتاب الاصل (۱/۹۱، دوسرا نسخہ ۱/۱۰۰) میں منقول ہے، لیکن ابن فرقد بذاتِ خود جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہونے کی وجہ سے روایت نقل کرنے میں ضعیف راوی ہے، نیز اسی کتاب الاصل میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ابن فرقد اور قاضی ابو یوسف دونوں کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز ہے بشرطیکہ موٹی ہوں (اور) ''لایشفان'' ہوں یعنی ان میں جسم نظر نہ آتا ہو۔ (ج ۱ ص ۱۰۰)

نیز المبسوط للسرخسی (۱/۱۰۲) اور الہدایہ وغیرہما میں تبع تابعی امام ابوحنیفہ کا رجوع بھی مروی ہے جو کہ حنفیہ پر حجت قاطعہ ہے۔

ہدایہ میں لکھا ہوا ہے:

ابوحنیفہ کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز نہیں اِلا یہ کہ وہ جوربین مجلّدین یا منعّلین ہوں اور دونوں (صاحبین: ابو یوسف وابن فرقد) نے کہا: اگر وہ موٹی ہوں، ان میں نظر نہ آتا ہو تو مسح جائز ہے...اور ابوحنیفہ کا ایک قول ہے کہ انھوں نے ان دونوں (ابو یوسف اور ابن فرقد) کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا (یعنی جرابوں پر مسح کے قائل ہو گئے تھے) اور اسی بات پر (حنفیہ) کا فتویٰ ہے۔ (اولین ص ۶۱، باب المسح علی الخفین)

اس سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کا یہ مفتیٰ بہ قول ہے کہ موٹی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

ہم نے اپنے اس مضمون میں کوئی بے سند حوالہ بطورِ استدلال پیش نہیں کیا، بلکہ بعض

ان روایات سے بھی صرفِ نظر کیا ہے جو حنفیہ کے اصول پر صحیح ہیں۔ مثلاً:

۱: قتادہ (تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۴۴/۱ ح ۶۸۶)

اس روایت کی سند قتادہ تک صحیح ہے اور وہ ثقہ مدلس ہیں، نیز اس روایت کے ضعیف شواہد بھی ہیں۔

۲: سفیان ثوری (رحمہ اللہ) نے عن کے ساتھ ابو قیس عبدالرحمٰن بن ثروان الاودی عن ھزیل بن شرحبیل عن المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ۳۱۰/۳ ح ۲۶۶۶)

اس روایت کی سند سفیان ثوری (ثقہ مدلس) تک بالکل صحیح ہے اور ابو قیس عبدالرحمٰن بن ثروان صحیح بخاری کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں، اور ان کے استاذ ہزیل بن شرحبیل ثقہ مخضرم ہیں۔

اس روایت پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے لیکن ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے (یعنی یہ روایت مختلف فیہ ہے) اور سند میں علتِ قادحہ صرف یہ ہے کہ سفیان ثوری نے اُسے معنعن روایت کیا ہے۔

یاد رہے کہ یہ روایت حنفیہ کے اصول پر بالکل صحیح ہے۔

اور بعض حنفیہ کی طرف سے سفیان ثوری کی اس معنعن روایت کو ضعیف قرار دینا اور ترکِ رفع یدین میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب (سفیان ثوری کی معنعن) روایت کو صحیح قرار دینا دوغلی پالیسی ہے۔ یا تو دونوں کو صحیح کہیں یا دونوں کو ضعیف قرار دیں۔

۳: حسن بصری اور سعید بن المسیب رحمہما اللہ کی طرف منسوب روایت کہ جرابیں اگر موٹی ہوں تو ان پر مسح کیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۸۸/۱ ح ۱۹۷۶)

اس میں صرف یہ علتِ قادحہ ہے کہ یونس بن عبید ثقہ مدلس ہیں اور سماع کی تصریح نہیں۔ یہ روایت بھی حنفیہ کے اصول پر صحیح ہے۔ (دیکھئے المنتخب فی علوم الحدیث لابن الترکمانی ص ۶۱،

المبسوط للسرخسی ۱۴۳/۲۷، کشف الاسرار علی اصول البزدوی ۲/۳، اور فتح القدیر لابن ہمام ۱۶۷/۶)

نیز ہم نے دلائل بھی صاف و صریح پیش کئے ہیں اور غیر صریح دلائل سے اس مضمون میں اجتناب کیا ہے۔ مثلاً:

راشد بن سعد نے عن کے ساتھ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تساخین پر مسح کا حکم دیا۔ (سنن ابی داود: ۱۴۶، مسند احمد ۲۷۷/۵)

اس روایت کو حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کیا۔ (المستدرک ۱۶۹/۱ ح ۶۰۲)

اور ذہبی نے فرمایا: "إسناده قوي" اس کی سند قوی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۹۱/۴)

امام احمد نے کتاب العلل میں فرمایا کہ راشد نے ثوبان سے نہیں سنا، لیکن امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۲۹۲/۳ ت ۹۹۴) میں فرمایا: "سمع ثوبان" راشد بن سعد نے ثوبان سے سنا ہے۔ راشد کا مدلس ہونا ثابت نہیں اور وہ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کے معاصر تھے لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔

تساخین (چمڑے کے) موزوں کو کہتے ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ "كل ما تسخن به القدم من خف وجورب ونحوهما" ہر وہ چیز جس کے ساتھ قدم گرم رکھا جائے چاہے موزہ ہو، جراب ہو یا ان جیسی کوئی چیز ہو۔ (شرح سنن ابی داود للعینی ج ۱ ص ۳۴۵)

اگر کسی شخص کے پاس قرآن، حدیث، اجماع یا آثارِ صحابہ سے کوئی ایسی صریح دلیل موجود ہے کہ موٹی جرابوں پر مسح نہیں ہوتا تو پیش کرے، ورنہ فوراً حق تسلیم کرے اور صریح کے مقابلے میں غیر صریح بات پیش کرنے کی کبھی کوشش نہ کرے۔ وما علينا إلا البلاغ

(۱۲/ محرم ۱۴۳۴ھ بمطابق ۲۷/ نومبر ۲۰۱۲ء)

فاتحہ خلف الامام کے خلاف بندیالوی شبہات اور ان کے جوابات

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسوله الأمین، أما بعد:

محمد عطاء اللہ بندیالوی نے ماہنامہ ''ضیائے توحید'' میں فاتحہ خلف الامام کے خلاف کچھ شبہات لکھے یا لکھوائے ہیں۔ ان شبہات کے مدلل جوابات درج ذیل ہیں:

۱) بندیالوی نے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ (الاعراف:۲۰۴) کے بارے میں کہا:

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت فرض نماز کے بارے میں اتری ہے۔

امام بخاریؒ کے استاذ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَجْمَعَ النَّاسُ عَلٰی اَنَّھَا نَزَلَتْ فِی الصَّلٰوۃِ...'' (ماہنامہ ضیائے توحید:۴ص۱۴)

جواب: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اِقْرَاْ خَلْفَ الْاِمَامِ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ.'' امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۵ ح ۳۷۷۳، کتاب القراءت للبیہقی ص ۱۹۸ ح ۴۳۶ وقال: ''وھذا إسناد صحیح، لا غبار علیه'' الاوسط لابن المنذر ۳/۱۰۹، وسندہ صحیح)

ثابت ہوا کہ اس آیت کا فاتحہ خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں، ورنہ مفسرِ قرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کا حکم نہ دیتے۔

ابراہیم بن ابی طالب سے روایت ہے کہ میں نے احمد (بن حنبل) سے امام کے پیچھے جہری نماز میں قرأت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: سورۂ فاتحہ پڑھیں۔

(تاریخ نیشاپور بحوالہ سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۵۳۰ وسندہ صحیح)

ثابت ہوا کہ بندیالوی صاحب نے منسوخ قول سے استدلال کیا ہے۔

۲) تقلید پرست بندیالوی نے کہا ہے: ''کبھی کہتے ہیں یہ آیت جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے... یہ آیت کفار کے بارے میں اتری ہے مسلمانوں کے بارے میں نہیں۔'' (ص۱۴)

جواب: مفسرِ قرآن، امام مجاہد رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:
"فی الخطبة یوم الجمعة" جمعہ کے دن خطبے کے بارے میں نازل ہوئی۔
(کتاب القراءت خلف الامام للبیہقی ح ۲۶۷، وسندہ صحیح)

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ خطبۂ جمعہ کے دوران میں دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں اور اسی سے استدلال کرتے ہوئے تفسیر مذکور کی رو سے جہری نمازوں میں بھی فاتحہ خلف الامام پڑھنے سے آیت مذکورہ کی مخالفت نہیں ہوتی۔

آلِ دیوبند کے "حکیم الامت" اشرف علی تھانوی دیوبندی نے فرمایا:
"میرے نزدیک اذا قرئ القرآن فاستمعوا جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو تبلیغ پر محمول ہے، اس جگہ قراءت فی الصلوٰۃ مراد نہیں" (الکلام الحسن حصہ دوم ص ۲۱۲)

عبدالماجد دریا آبادی (دیوبندی) نے کہا: "حکم کے مخاطب ظاہر ہے کہ کفار و منکرین ہیں" (تفسیر ماجدی جلد دوم ص ۲۶۳ حاشیہ نمبر ۳۰۰)

۳) بندیالوی صاحب نے واذا قرأ فانصتوا والی حدیث پیش کی۔ (دیکھئے ص ۱۴)

جواب: یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے دو راوی ہیں:
(۱) سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ
(۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جہری نمازوں میں بھی فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم دیا۔
(دیکھئے جزء القراءۃ للبخاری: ۲۸۳ وسندہ صحیح، اور آثار السنن للنیموی: ۳۵۸ وقال: و إسنادہ حسن)

حنفیہ کا یہ اصول ہے کہ راوی اگر اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو وہ روایت منسوخ ہو جاتی ہے۔ دیکھئے معانی الآثار للطحاوی (جلد ۱ ص ۲۳) نخب الافکار للعینی (۴/ ۳۴۱) اور امین اوکاڑوی کی تجلیاتِ صفدر (ج ۵ ص ۵۲)

۴) جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

جواب: اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امام آمین نہ کہے، لہٰذا اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تم

ولا الضالين تک نہ پڑھو۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یا رسول اللہ! لا تسبقني بآمین" اے اللہ کے رسول! آپ مجھ سے پہلے آمین نہ کہیں۔

(سنن ابی داود: ۹۳۷، مسند احمد ۶/ ۱۲، ۱۵، وصححہ الحاکم ۱/ ۲۱۹ ووافقہ الذہبی)

معلوم ہوا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سورۂ فاتحہ پڑھتے رہتے تھے اور تکمیلِ سورت کے بعد ہی آمین کہتے تھے، لہٰذا انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آمین میں سبقت نہ کرنے کی درخواست کی۔

۵) سفیان بن عیینہ نے کہا: لمن یصلّی وحده یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔ (دیکھئے ص ۱۵)

یہ قول امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے ثابت نہیں اور ثابت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوداود (پیدائش ۲۰۲ھ) نے سفیان بن عیینہ (وفات ۱۹۸ھ) تک متصل سند بیان نہیں کی اور امام احمد بن حنبل نے امام کے پیچھے قراءت کو اختیار کیا۔

(دیکھئے سنن الترمذی ص ۷۱ مع العرف الشذی)

لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب والی حدیث کے راوی سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل تھے۔

دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۳۷۵ ح ۳۷۷۰ وسندہ صحیح) اور سرفراز خان صفدر دیوبندی کی کتاب: احسن الکلام (ج ۲ ص ۱۴۲، دوسرا نسخہ ۱۵۶)

اب آثارِ صحابہ اور آثارِ سلف صالحین میں سے تیس (۳۰) صحیح حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن سے فاتحہ خلف الامام کا قولاً یا فعلاً ثبوت ہے، لہٰذا آلِ دیوبند کا آیتِ کریمہ و احادیث منسوخہ یا غیر صریحہ سے استدلال باطل ہے:

۱: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ / فاتحہ پڑھ۔ (المستدرک للحاکم ۱/ ۲۳۹)

۲: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تُو بھی اسے پڑھ اور اس سے پہلے ختم کرلے۔ (جزء القراءة: ۲۸۳ وسندہ صحیح)

۳: سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے اور فرماتے: اس کے بغیر

نماز نہیں ہوتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۵ وسندہ صحیح)

۴: سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔

(جزء القراءۃ: ۱۱، ۱۰۵، وسندہ حسن)

۵: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۵ وصححہ البیہقی، الاوسط لابن المنذر ۳/ ۱۰۹ ح ۱۳۲۴، وسندہ صحیح)

۶: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ (پڑھنے) کا حکم دیتے تھے۔

(کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۳۱ وسندہ حسن)

۷: سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ (جزء القراءۃ: ۵۲ وھو حسن)

۸: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قراءت خلف الامام کے فاعل تھے۔

(جزء القراءۃ: ۶۰)

۹: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔

(سنن ابن ماجہ: ۸۴۳ وسندہ حسن)

۱۰: امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فاتحہ خلف الامام کا حکم دیا۔

(کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۳۷ ومصنف عبدالرزاق: ۲۷۸۹)

۱۱: امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: امام کے پیچھے ہر نماز میں سورۂ فاتحہ اپنے دل میں (یعنی سراً) پڑھ۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۱۷۱، وسندہ صحیح)

۱۲: امام عامر الشعبی رحمہ اللہ امام کے پیچھے قراءت کو اچھا سمجھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۵ ح ۳۷۷۲ وسندہ صحیح)

۱۳: امام عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رحمہ اللہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۳ ح ۳۷۵۰ وسندہ صحیح)

۱۴: امام ابو الملیح اسامہ بن عمیر رحمہ اللہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۵ ح ۳۷۶۸ وسندہ صحیح)

۱۵: امام عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ اپنے بیٹوں کو حکم دیتے تھے: امام کے سکتے میں پڑھو، کیونکہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (کتاب القراءت للبیہقی: ۲۳۸ وسندہ حسن)

۱۶: امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ نے سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۴، اور الکواکب الدریہ ص ۲۸)

۱۷: امام نافع بن جبیر بن مطعم رحمہ اللہ امام کے پیچھے سری نمازوں میں پڑھتے تھے۔

(موطأ امام مالک ۱/۸۵ ح ۱۸۷، وسندہ صحیح)

۱۸: امام قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ امام کے پیچھے سری نمازوں میں پڑھتے تھے۔

(موطأ امام مالک ۱/۸۵ ح ۱۸۷، وسندہ صحیح)

۱۹: امام اوزاعی رحمہ اللہ نے امام کے پیچھے جہری نمازوں میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۴۷ وسندہ صحیح)

۲۰: امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے آخری قول میں فرمایا: کسی آدمی کی نماز جائز نہیں جب تک وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ لے، چاہے امام ہو یا مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر یہ ضروری ہے کہ سری اور جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۲ ص ۵۸ ح ۹۲۸ وسندہ صحیح)

۲۱: امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔

(سنن ترمذی: ۳۱۱ وھو ثابت عنہ)

۲۲: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

(ایک حوالہ اسی مضمون کے شروع میں گزر چکا ہے اور ترمذی کا حوالہ اس کے علاوہ ہے۔)

۲۳: امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ بھی قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔

(سنن ترمذی: ۳۱۱)

۲۴: امام بخاری رحمہ اللہ بھی جہری وسری نمازوں میں قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔

۲۵: امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ بھی جہری نمازوں میں قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔

(دیکھئے صحیح بن خزیمہ ج ۳ ص ۳۶)

۲۶: امام ابن المنذر رحمہ اللہ بھی سکتاتِ امام میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

(دیکھئے الاوسط لابن المنذر ۳/ ۱۱۰۔۱۱۱)

۲۷: حافظ ابن حبان بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ (دیکھئے صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۱۴۲)

۲۸: محدث بیہقی بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

۲۹: امام دارقطنی رحمہ اللہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

۳۰: امام نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ "کان إذا کان مع الإمام یقرأ بأم القرآن" آپ (ابن عمر رضی اللہ عنہ) جب امام کے ساتھ ہوتے، سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۲۸۷ ح ۵۷۲ وسندہ حسن)

کیا بندیالوی صاحب کے نزدیک یہ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین قرآن مجید کی آیت مذکورہ کی مخالفت کرتے تھے، یا پھر بندیالوی علمِ کلام ہی باطل ہے اور فاتحہ خلف الامام کے خلاف اس آیت کا پیش کرنا ہی غلط ہے؟!

مزید تفصیل کے لئے میری درج ذیل دو کتابوں کا مطالعہ کریں:

اول: نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری

دوم: الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الصلوٰۃ الجہریہ

کتب ستہ کے مرکزی راوی اور ثقہ جلیل امام ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن ابی عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۷ھ) نے فرمایا:

امام پر یہ (لازم و) حق ہے کہ وہ نماز شروع کرتے وقت، تکبیر اولیٰ کے بعد سکتہ کرے اور سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بعد ایک سکتہ کرے تاکہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے سورۂ فاتحہ پڑھ لیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ (مقتدی) اسی کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھے اور جلدی پڑھ کر ختم کرے پھر کان لگا کر سنے۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۰۶ ح ۲۴۷ وسندہ صحیح)

و ما علینا إلا البلاغ (۱۶/ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ بمطابق ۸/ مئی ۲۰۱۲ء)

اُصولِ حدیث کی رُو سے ترکِ رفع یدین والی روایت ضعیف ہی ہے

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوة والسّلام على رسوله الأمين ، أما بعد:
حنفیہ کی طرف سے سفیان ثوری عن عاصم بن کلیب کی سند سے پیش کردہ ترکِ رفع یدین والی روایت اُصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف ہی ہے۔

اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے اُصولِ حدیث اور اسماء الرجال سے دو دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

۱) اُصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ مدلس کی معنعن وغیر مصرح بالسماع روایت ضعیف ہوتی ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

" فقلنا :لا نقبل من مدلس حديثاً حتى يقول فيه :حدثني أو سمعتُ ."

پس ہم نے کہا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے۔ (کتاب الرسالہ:۱۰۳۵، طبعہ قدیمہ ص ۵۳)

امام شافعی کے بیان کردہ اس اصول کو اُصولِ حدیث کی کتابوں اور محدثین کے درمیان تلقی بالقبول حاصل ہے۔

دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۹۹، دوسرا نسخہ ص ۱۶۱) فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی (ص ۱۶۹۔۱۷۰) اور کتاب المجروحین لابن حبان (ج ۱ ص ۹۲ دوسرا نسخہ ص ۸۶)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:" لا يكون حجة فيما دلّس ."

وہ اس میں حجت نہیں ہوتا جس میں تدلیس (عنعنہ) کرے۔ (الکفایہ ص ۳۶۲ وسندہ صحیح)

احمد رضا خان بریلوی نے کہا: "اور عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۴۵)

محمد عباس رضوی بریلوی (معاصر) نے سفیان ثوری کے بارے میں لکھا ہے:

''یعنی سفیان مدلس ہے اور یہ روایت انھوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے...''

(مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹)

عباس رضوی نے مزید لکھا ہے: ''اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔'' (واللہ آپ زندہ ہیں ص ۲۵۱)

۲) امام وکیع نے ہشیم بن بشیر کی طرف خط بھیجا کہ مجھے پتا چلا ہے آپ تدلیس کر کے اپنی احادیث کو نقصان پہنچا رہے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: تمھارے دونوں استاد سفیان (ثوری) اور اعمش یہ کام کرتے تھے۔ (العلل ومعرفۃ الرجال ۲/ ۲۶۱ فقرہ: ۲۱۹۰ وسندہ صحیح)

اس عبارت میں سفیان ثوری کے معاصر ہشیم نے انھیں تدلیس کرنے والا (مدلس) قرار دیا۔ ثوری کے شاگردوں میں سے ابو نعیم الفضل بن دکین اور ابو عاصم النبیل نے بھی انھیں تدلیس کرنے والا کہا۔

(دیکھئے تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۱۹۳ اور سنن الدارقطنی ۳/ ۲۰۰ ح ۳۴۲۰ وسندہ صحیح)

اسماء الرجال کے مشہور امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: '' و کان یدلس '' إلخ
اور وہ (سفیان ثوری) تدلیس کرتے تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۴/ ۲۲۵ وسندہ صحیح)

حافظ ابن حبان نے فرمایا: وہ مدلس راوی جو ثقہ عادل ہیں ہم اُن کی صرف ان روایات سے حجت پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کریں، جیسے سفیان ثوری، اعمش اور ابو اسحاق وغیرہم... (الاحسان ۱/ ۹۰ دوسرا نسخہ ص ۱۶۱)

محدثین میں سے کسی نے بھی سفیان ثوری کے مدلس ہونے کا انکار نہیں کیا، لہٰذا اس بات پر اجماع ہے کہ ثوری مدلس ہیں۔

عباس رضوی بریلوی کا قول صفحۂ اولیٰ پر گزر چکا ہے اور ابن الترکمانی حنفی نے کہا:

'' الثوري مدلس و قد عنعن '' ثوری مدلس ہیں اور انھوں نے یہ روایت عن سے بیان

کی ہے۔ (الجوہر النقی ج ۸ ص ۲۶۲)
تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج ۳ ص ۳۰۶ تا ۳۲۷)
پہلی اور دوسری دلیلیں ملانے سے ثابت ہوا کہ ترکِ رفع یدین والی روایت ضعیف ہے۔

بعض الناس کے ممکنہ و مذکورہ اعتراضات کے جوابات:

اب اس خلاصۃ التحقیق پر بعض الناس کے ممکنہ، مذکورہ اور معلومہ اعتراضات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱: ہم غیر مقلد یا مقلد نہیں بلکہ اہل حدیث یعنی اہل سنت ہیں۔

۲: اہلِ حدیث کے نزدیک قرآن، حدیث اور ثابت شدہ اجماع شرعی حجت ہیں اور اجتہاد جائز ہے۔

اجتہاد کی اقسام میں سے ایک قسم آثارِ سلف صالحین سے استدلال ہے اور یہ بالکل جائز ہے بشرطیکہ کسی نص صریح کے خلاف نہ ہو۔

کتاب و سنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو آثارِ سلف صالحین سے ثابت ہے اور اسی نسبت سے بعض لوگ اہلِ حدیث کو اثری بھی کہتے ہیں۔

۳: اہل حدیث کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت پر قرآن، حدیث، اجماع، اور بلا تفریق و تعین آثار سلف صالحین سے استدلال کریں، جبکہ حنفیہ صرف اپنے مزعوم امام ابو حنیفہ کی تقلید کے دعویدار ہیں لہٰذا وہ صرف اپنے مزعوم امام کا قول ہی پیش کر سکتے ہیں۔ ترمذی وغیرہ کے اقوال اُصولاً پیش ہی نہیں کر سکتے۔

۴: یہ کہنا کہ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے عبداللہ بن مبارک اس کو روایت کریں اور کہیں: ثابت نہیں ہے'' کہنے والے کی حماقت کی بڑی دلیل ہے، کیونکہ متعدد محدثین نے کئی احادیث کی روایت بھی کی اور اُن پر جرح بھی کی۔ مثلاً:

۱) امام احمد بن حنبل نے ایک حدیث بیان کی کہ ''**لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ**

عليه." (مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۱ ح ۱۲۴۷۰)

حالانکہ امام احمد نے دوسری جگہ فرمایا: " لا يثبت حديث النبي ﷺ فيه ."

اس میں نبی ﷺ کی حدیث ثابت نہیں۔ (مسائل ابن ہانی ج ۱ ص ۳ فقرہ:۱۶)

۲) امام ابوداود نے ایک حدیث بیان کی اور فرمایا:

" ليس هذا الحديث بالقوي، مسلم بن خالد ضعيف."

(سنن ابی داود: ۱۳۷۷، باب فی قیام شہر رمضان)

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

۵: "امام سفیان ثوری صحیح بخاری کے راوی ہیں مولانا غور کرو اگر اس وجہ سے حدیث کو ضعیف کہتے ہو تو بتاؤ بخاری کی احادیث کا کیا جواب دو گے۔"

بعض الناس کے مذکورہ بالا قول کا جواب یہ ہے کہ امام سفیان ثوری ثقہ مدلس ہیں اور صحیحین میں مدلسین کی تمام روایات سماع اور معتبر متابعات پر محمول ہونے کی وجہ سے صحیح ہیں۔ مثلاً:

مثال نمبر ۱: صحیح بخاری میں سفیان ثوری کی پہلی حدیث (۳۴ باب علامات المنافق) میں شعبہ (صحیح بخاری: ۲۴۵۹) جریر بن عبدالحمید (صحیح بخاری: ۳۱۷۸) اور عبداللہ بن نمیر (صحیح مسلم: ۵۸[۲۱۰]) وغیرہم نے متابعت تامہ کر رکھی ہے۔

مثال نمبر ۲: صحیح بخاری میں سفیان ثوری کی دوسری حدیث (۶۸) میں جریر بن عبدالحمید (صحیح بخاری: ۷۰) حفص بن غیاث (خ ۶۴۱۱) اور ابو معاویہ (صحیح مسلم: ۲۸۲۱[۷۱۲۷]) وغیرہم نے متابعت کر رکھی ہے۔

مثال نمبر ۳: صحیح بخاری میں سفیان ثوری کی تیسری حدیث (۹۰) میں زہیر بن معاویہ (خ ۷۰۲) یحییٰ بن سعید القطان (خ ۶۱۱۰) اور عبداللہ بن مبارک (ح ۷۱۵۹) نے متابعت کر رکھی ہے۔

مثال نمبر ۴: صحیح بخاری میں سفیان ثوری کی چوتھی حدیث (۱۱۱) میں زہیر بن معاویہ

(خ ۳۰۴۷) اور سفیان بن عیینہ (خ ۶۹۰۳) نے متابعت کر رکھی ہے۔

ہماری طرف سے تمام آلِ بریلی کو چیلنج ہے کہ وہ صحیح بخاری سے سفیان ثوری کی ایک ایسی حدیث پیش کریں، جس میں

۱: سماع کی تصریح نہ ہو۔

۲: معتبر متابعت نہ ہو۔

۳: معتبر شاہد نہ ہو۔

ہم ان شاء اللہ اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کر دیں گے۔

اب ترکِ رفع یدین والی روایت کے بارے میں عرض ہے کہ

۱: سماع کی تصریح موجود نہیں۔

۲: معتبر متابعت ثابت نہیں۔

۳: معتبر شاہد موجود نہیں۔

۴: جمہور محدثین کرام نے اس پر جرح کر رکھی ہے۔

٦: بعض الناس نے لکھا ہے: ''رسالہ جزءِ رفع الیدین امام بخاری کا نہیں ہے اس رسالہ کو روایت کرنے والا ایک مجہول شخص ہے محمود بن اسحاق اس کا عادل ہونا ثقہ ہونا... کے ذمہ ہے''

مذکورہ بالا عبارت کئی وجہ سے مردود ہے:

اول: محمود بن اسحاق رحمہ اللہ سے ایک جماعت (سات راویوں) نے روایت بیان کی اور حافظ ابن حجر نے اُن کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''حسن'' قرار دیا۔

(دیکھئے موافقۃ الخبر الخبر ۱/ ۴۱۷)

یہ حافظ ابن حجر کی طرف سے اُن کی توثیق ہے۔

دوم: ہمارے علم کے مطابق کسی مستند امام نے انھیں ہرگز مجہول نہیں کہا اور چودھویں پندرھویں صدی کے بدعتی ملاؤں کی طرف سے مجہول کا دعویٰ مردود ہے۔

سوم: نووی، ابن الملقن ، زیلعی حنفی، عینی حنفی اور مغلطائی حنفی وغیرہم نے جزء رفع الیدین کو بطورِ جزم امام بخاری سے نقل کیا ہے۔

(حوالاجات کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ج۵ ص۲۲۰۔۲۲۱)

چہارم: ہمارے علم کے مطابق کسی امام نے جزء رفع الیدین کے امام بخاری کی کتاب ہونے کا انکار نہیں کیا۔

عبدالعزیز دہلوی کو اگر اس کتاب کے ''تفصیلی حالات کا کچھ پتہ نہیں چلا۔'' تو کیا ہوا؟

عبدالعزیز سے صدیوں پہلے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنے مسموعات میں کتاب رفع الیدین فی الصلوٰۃ له (أي للبخاري) کو ذکر کیا ہے۔

(دیکھئے المعجم المفہرس ص ۶۱ فقرہ نمبر ۱۰۶)

۷: مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے: ''راقم نے خیر البراہین میں لکھا تھا کہ سفیان کی تدلیس مضر نہیں بگر (مگر) بعد ازاں تحقیق سے معلوم ہوا کہ مضر ہے۔'' (ضعیف اور موضوع روایات ص ۲۵۹ طبع ۲۰۰۶ء)

لہٰذا ان کی خیر البراہین والی عبارت منسوخ ہے۔

۸: امام عبداللہ بن المبارک ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہم امام ترمذی سے بڑے محدث تھے، لہٰذا معترض کا یہ کہنا ''امام ترمذی سے بڑا کون محدث ہے جو اس کو ضعیف کہے۔'' مردود ہے۔

معترض اگر ابو حنیفہ کی تقلید کا دعویدار ہے تو اپنے امام ابو حنیفہ سے اس روایت کا صحیح یا حسن لذاتہ ہونا بسند صحیح ثابت کرے۔

بطورِ الزام عرض ہے کہ بعض آلِ تقلید کے نزدیک حدیث ماننا، حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنے والے کی گواہی ماننا بھی تقلید ہے، لہٰذا یہ لوگ امام ترمذی کا قول کیوں پیش کرتے ہیں؟

کیا وہ امام ترمذی کے مقلد ہیں؟

یا ان کا حدیث ماننے کو تقلید کہنا جھوٹ ہے؟

امام ترمذی نے فاتحہ خلف الامام والی حدیث کو بھی حسن قرار دیا ہے، جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام (مقتدیوں) سے فرمایا:

" لا تفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها. "

سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا (تو) اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(سنن ترمذی:۳۱۱ باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام)

ایک جگہ حسن کا لفظ ماننا اور دوسری جگہ اسی لفظ حسن کا انکار کر دینا کون سا انصاف ہے؟!

۹: معترض نے سفیان ثوری کے بارے میں لکھا ہے: '' امام بخاری فرماتے ہیں انکی تدلیس بہت ہی کم ہے۔''

عرض ہے کہ یہ قول امام بخاری سے باسند صحیح ثابت نہیں، جبکہ امام بخاری سے درج ذیل قول ثابت ہے:

" أعلم الناس بالثوري يحيى بن سعيد لأنه عرف صحيح حديثه من تدليسه. " لوگوں میں ثوری کو یحییٰ بن سعید سب سے زیادہ جانتے ہیں کیونکہ انھوں نے اُن (ثوری) کی تدلیس والی روایات میں سے صحیح احادیث کو معلوم کر لیا تھا۔

(الکامل لابن عدی ۱/۱۰۰، وسندہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک جب یحییٰ بن سعید القطان سفیان ثوری سے روایت کریں تو وہ صحیح ہوتی ہے اور لوگوں میں یہ خاصیت صرف یحییٰ القطان کو ہی حاصل ہے، نیز دوسرے لوگوں کی روایات میں تدلیس کا خطرہ ہے۔

۱۰: حافظ ابن حجر کا سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا کئی وجہ سے غلط ہے:

اول: سفیان ثوری ضعفاء سے بھی تدلیس کرتے تھے، جیسا کہ حافظ ذہبی نے فرمایا:

" و كان يدلس في روايته و ربما دلّس عن الضعفاء " اور آپ اپنی روایت میں تدلیس کرتے تھے اور بسا اوقات ضعفاء سے تدلیس کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۲۴۲)

جوراوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو اس کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

(دیکھئے الموقظۃ للذہبی ص ۱۹۹، النکت علی ابن الصلاح للزرکشی ص ۱۸۴)

دوم: یہ امام شافعی کے فرمان کے خلاف ہے۔

(دیکھئے الرسالہ: ۱۰۳۵، اور اس مضمون کے شروع والا حصہ)

نیز حافظ ابن حبان وغیرہ کی تصریحات کے بھی سراسر خلاف ہے۔

ظاہر ہے کہ امام شافعی کے مقابلے میں حافظ ابن حجر کی کون سنتا ہے۔

سوم: کئی حنفی اور تقلیدی علماء نے سفیان ثوری کی معنعن روایات پر جرح کی اور انھیں مدلس قرار دیا۔ مثلاً:

۱۔ ابن الترکمانی حنفی (الجوہر النقی ۸/۲۶۲)

۲۔ عباس رضوی بریلوی تقلیدی (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹)

۳۔ محمد شریف کوٹلوی بریلوی تقلیدی (فقہ الفقیہ ص ۱۳۴)

چہارم: حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم پر کسی کا بھی اتفاق نہیں، بلکہ کئی مقامات پر حنفیہ اور بریلویہ نے اس سے اختلاف کر رکھا ہے۔ مثلاً:

طبقۂ ثانیہ کے مدلس قاضی شریک الکوفی کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے:

"تہذیب التہذیب میں کہا کہ عبدالحق اشبیلی نے فرمایا: وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ اور ابن القطان نے فرمایا: وہ تدلیس میں مشہور تھا" (فتاویٰ رضویہ ج ۲۴ ص ۲۳۹)

پنجم: خود حافظ ابن حجر کو بھی اپنی اس طبقاتی تقسیم پر اعتماد نہیں، جس کی فی الحال دو دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر نے اپنے نزدیک طبقۂ ثانیہ کے مدلس اعمش کی ایک معنعن روایت کو معلول (ضعیف) کہا۔ (دیکھئے التلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۹ ح ۱۱۸۱)

۲۔ طبقات المدلسین حافظ ابن حجر کی پسندیدہ کتابوں میں مذکور نہیں۔

(دیکھئے الجواہر والدرر للسخاوی ۲/ ۶۵۹، الحدیث حضرو: ۱۰۲ ص ۳۱۔۳۲)

محسن علی رضوی (؟ غالباً بریلوی) سے دس (۱۰) سوالات

آخر میں محسن علی رضوی سے دس (۱۰) سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

۱) امام سفیان ثوری کے معاصرین، شاگردوں اور خیر القرون کے محدثین سے ان کا مدلس ہونا ثابت ہے۔

کیا خیر القرون کے کسی ایک ثقہ وصدوق امام سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ سفیان ثوری مدلس نہیں تھے؟

۲) اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ کیا اصولِ حدیث کی کسی مستند کتاب میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف نہیں ہوتی بلکہ صحیح اور حجت ہوتی ہے؟

۳) ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی سے یہ ثابت ہے کہ مدلس کی عن والی روایت غیر مقبول ہے۔ کیا کسی ایک امام مثلاً حنفیہ کے مزعوم امام ابوحنیفہ سے یہ ثابت ہے کہ مدلس کی عن والی روایت مقبول ہوتی ہے؟

۴) کیا امام ابوحنیفہ سے یہ ثابت ہے کہ سفیان ثوری کی مذکورہ معنعن روایت صحیح ہے؟

۵) کیا حدیث اور محدثین کی عبارات ماننا تقلید ہے؟

اگر تقلید نہیں تو بریلویہ و دیوبندیہ اپنے عوام کو یہ مسئلہ صراحتاً کیوں بیان نہیں کرتے؟ اور اگر تقلید ہے تو پھر امام ترمذی اور حافظ ابن حزم وغیرہما کے اقوال پیش کرنے کا کیا مقصد ہے؟

٦) اگر اماموں کے اقوال پیش کرنا تقلید ہے تو محسن علی رضوی نے اپنے مزعوم امام (ابو حنیفہ) کے علاوہ دوسرے اماموں کے اقوال کیوں پیش کئے ہیں؟

کیا وہ ان سب کے مقلد ہیں؟

۷) ایک امام کسی روایت کو صحیح یا حسن کہتے ہیں، جبکہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی رُو

سے وہ روایت ضعیف ومردود ہوتی ہے۔

ایسی حالت میں اصول حدیث مانیں یا نہ مانیں؟

۸) احمد رضا خان بریلوی نے طبقۂ ثانیہ کے مدلس کی معنعن روایت پر کلام کیا ہے۔ کیا یہ کلام صحیح ہے یا غلط؟

۹) عباس رضوی نے سفیان ثوری کو مدلس قرار دیا اور ان کی معنعن روایت پر جرح کی۔ کیا یہ جرح صحیح ہے یا غلط؟

۱۰) کیا آپ کے نزدیک یہ بات صحیح ہے کہ امام ابوداود "جن احادیث پر سکوت کرتے ہیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں"

اگر صحیح ہے تو عرض ہے کہ امام ابوداود نے فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہما کی کئی احادیث پر سکوت کیا ہے۔ (دیکھئے سنن ابی داود ح ۸۲۳، ۸۲۴، ۹۳۲، ۹۳۳ وغیر ذلک)

کیا یہ سب احادیث آپ لوگوں کے نزدیک بھی صحیح ہیں؟ (۱۰/ اپریل ۲۰۱۲ء)

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث صحیح ہے

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (م۵۹۷ھ) نے فرمایا: " أخبرنا ابن الحصين قال : أنبأنا ابن المذهب قال :أنبأنا أحمد بن جعفر قال:حدثنا عبد الله بن أحمد قال :حدثني أبي قال:حدثنا يحيى بن سعيد قال:حدثنا سفيان قال:حدثني سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال:رأيت رسول الله ﷺ يضع هذه على هذه على صدره. ووصف يحيى اليمنى على اليسرى فوق المفصل."

ہلب (الطائی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ یہ (دایاں ہاتھ) اس (بائیں ہاتھ) پر سینے پر رکھتے تھے۔

اور یحییٰ (القطان) نے دائیں (ہاتھ) کو بائیں (ہاتھ) پر جوڑ پر رکھ کر بتایا یا دکھایا۔

(التحقیق فی اختلاف الحدیث ۱/۲۸۳ ح ۴۷۷، دوسرا نسخہ ۱/۳۳۸ ح ۴۳۴)

اس حدیث میں **هذه على هذه** یعنی دو دفعہ **هذه** آیا ہے جو کہ مسند احمد کے مطبوعہ نسخوں میں دو دفعہ چھپنے سے رہ گیا ہے، لیکن حافظ ابن الجوزی کی امام احمد تک سند بالکل صحیح ہے جیسا کہ راویوں کی درج ذیل تحقیق سے صاف ظاہر ہے:

۱: ہبۃ اللہ بن محمد بن عبدالواحد بن احمد بن الحصین الشیبانی ثقہ صحیح السماع ہیں۔

(دیکھئے المنتظم لابن الجوزی ۱۷/ ۲۶۸، اور میری کتاب: تحقیقی مقالات ۱/ ۳۹۷۔۳۹۸)

۲: ابن المذہب جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں اور مسند احمد کے بنیادی راویوں میں سے ہیں۔

(دیکھئے تحقیقی مقالات ۱/ ۳۹۶۔۳۹۷، تاریخ بغداد ۱۴/ ۳۶، میزان الاعتدال ۱/ ۵۱۱)

۳: احمد بن جعفر القطیعی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں اور مسند احمد کے بنیادی راویوں میں سے ہیں۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۱/ ۳۹۳۔۳۹۶)

ابن المذہب نے اُن کے اختلاط سے پہلے اُن سے سنا تھا۔ (لسان المیزان ۱/۱۴۵۔۱۴۶)

لہٰذا یہاں اختلاط کا اعتراض بھی مردود ہے۔

۴: عبداللہ بن احمد بن حنبل بالاجماع ثقہ ہیں۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۱/۳۹۲۔۳۹۳)

۵: امام احمد بن حنبل بالاجماع ثقہ ہیں۔

۶: امام یحییٰ بن سعید القطان بالاجماع ثقہ ہیں۔

۷: امام سفیان ثوری بالاجماع ثقہ ہیں اور آپ مدلس بھی تھے لیکن اس روایت میں آپ نے سماع کی تصریح کر دی ہے، لہٰذا یہاں تدلیس کا اعتراض مردود ہے۔

۸: سماک بن حرب صحیح مسلم کے بنیادی راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔ (دیکھئے میرا مضمون: نصر الرب فی توثیق سماک بن حرب، اور میری کتاب: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص ۳۹۔۴۹)

سماک کے شاگرد امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: "ما یسقط لسماك بن حرب حدیث" سماک کی کوئی حدیث ساقط نہیں ہوتی۔ (تاریخ بغداد ۹/۲۱۵ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ امام سفیان ثوری کا سماک سے سماع سماک کے اختلاط سے پہلے کا ہے۔

(دیکھئے نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص ۴۷)

۹: قبیصہ بن ہلب الطائی رحمہ اللہ

قبیصہ کو درج ذیل علمائے محدثین نے صراحتاً یا تصحیحِ حدیث کے ذریعے سے ثقہ و صدوق قرار دیا۔

(۱) عجلی (قال: تابعی ثقۃ/ تاریخ الثقات: ۱۳۷۹)

(۲) ابن حبان (ذکرہ فی الثقات ۵/۳۱۹)

(۳) ترمذی (حسن حدیثہ: ۲۵۲، ۳۰۱، ۱۵۶۵)

(۴) بغوی (شرح السنۃ ۳/۳۱ ح ۵۷۰ وقال فی حدیثہ: ھذا حدیث حسن)

(۵) ابن عبدالبر (الاستیعاب فی اسماء الاصحاب ۲/۳۲۹ وقال فی حدیثہ: وھو حدیث صحیح)

جمہور کی توثیق کے مقابلے میں امام ابن المدینی اور امام نسائی کا قبیصہ بن ہلب کو مجہول کہنا صحیح نہیں، بلکہ یہاں جمہور کی ترجیح کی وجہ سے توثیق ہی مقدم ہے۔

۱۰: ہلب الطائی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث اصولِ حدیث اور اصولِ محدثین کی رُو سے بالکل حسن لذاتہ یا صحیح یعنی حجت ہے۔

ایک غالی دیوبندی محمد انور اوکاڑوی نے اس حدیث پاک پر جو اعتراضات کئے ہیں، ان کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱) انور اوکاڑوی نے اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کو ''غیر مقلد'' کے غلط لقب سے ملقب کر کے لکھا ہے: ''قارئین کرام! معلوم ہوا کہ جن احادیث کو غیر مقلد صحیح کہتے ہیں وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے نہیں کہتے بلکہ امتیوں کے فیصلے سے کہتے ہیں۔ جب درمیان میں امتیوں کا فیصلہ آ گیا تو یہ فیصلہ نبوی نہ رہا اس لئے اس کو نماز نبوی کے نام سے شائع کرنا درست نہیں۔'' (ماہنامہ الخیر ملتان جلد ۳۱ شمارہ ۴ مارچ ۲۰۱۳ء ص ۲۵)

اس اعتراض کے کئی جوابات ہیں۔ مثلاً:

اول: آیت مبارکہ ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ اور جن گواہوں سے تم راضی ہو۔ (البقرۃ: ۲۸۲)

اور حدیث ((اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ.)) مومنین زمین میں اللہ کے گواہ ہیں۔ (صحیح بخاری: ۲۶۴۲)

وغیرہما دلائل کی رُو سے اہل حدیث اس کے پابند ہیں کہ سچے گواہوں کی گواہیاں قبول کریں اور خیر القرون کے زمانے سے لے کر آج تک محدثین و متبعینِ حدیث کا اسی منہج پر عمل جاری و ساری ہے۔

دوم: قرآن و حدیث سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۹۱)

اور اجماع سے ثابت ہے کہ جس حدیث میں درج ذیل پانچ شرطیں موجود ہوں، وہ صحیح ہوتی

ہے: (۱) سند متصل ہو (۲) ہر راوی عادل ہو (۳) ہر راوی ضابط ہو
(۴) شاذ نہ ہو (۵) معلول نہ ہو۔

ہماری پیش کردہ حدیث میں یہ پانچوں شرطیں موجود ہیں، لہٰذا یہ صحیح یا حسن لذاتہ ہے۔

سوم: انوراوکاڑوی اور آلِ دیوبند بہت سی احادیث پر جرح کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً
(۱) سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث (۲) فاتحہ خلف الامام والی حدیث،
(۳) وفات تک رفع یدین والی روایت اور اس طرح کی دوسری روایات...

کیا یہ احادیث و روایات اللہ اور رسول نے ضعیف قرار دی تھیں یا حنفیہ کے امام ابو حنیفہ نے انھیں ضعیف و مردود قرار دیا تھا؟ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ؟

اگر دیوبندیہ کے نزدیک ہر حدیث کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے اللہ یا رسول نے صحیح یا ضعیف قرار دیا ہو تو وہ اپنی تحریروں، تقریروں اور مناظرات میں اس اصول پر خود عمل کیوں نہیں کرتے؟ اس دوغلی پالیسی کا آخر جواب کیا ہے؟

اگر انوراوکاڑوی کی طرف سے یہ کہہ دیا جائے کہ اہلِ حدیث تو صرف دو دلیلیں مانتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولو اور اللہ سے ڈرو!

کیا تم لوگوں نے مناظرِ اہلِ حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا درج ذیل اعلان نہیں پڑھا؟:

''اہلحدیث کا مذہب ہے کہ دین کے اصول چار ہیں:
(۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماعِ امت (۴) قیاس مجتہد'' (اہلحدیث کا مذہب ص ۵۸)

اگر یہ بیان پڑھا ہے تو تمھارا اعتراض باطل ہوا اور اگر نہیں پڑھا تو اپنی آنکھوں کا علاج کروالو!

چہارم: کیا اُمتِ مسلمہ میں کوئی ایسا مستند امام یا عالم گزرا ہے جس نے یہ لکھا یا کہا ہے کہ حدیث صرف وہی صحیح ہوگی جسے اللہ اور اس کے رسول نے صحیح قرار دیا ہو؟ حوالہ پیش کریں!

پنجم: فرقۂ دیوبندیہ کے بہت سے مصنفین نے نماز کے موضوع پر اسی مفہوم کی کتابیں

لکھی ہیں۔مثلاً:

۱: نمازِ پیغمبر ﷺ (محمد الیاس فیصل)

۲: رسولِ اکرم ﷺ کا طریقۂ نماز (جمیل احمد نذیری)

۳: دَ پیغمبر خدا ﷺ مونځ (محمد ولی درویش) بزبان پشتو

۴: نبوی نماز مدلل (علی محمد حقانی) بزبان سندھی

۵: اصلی صلوٰۃ الرسول ﷺ (نور احمد یزدانی)

کیا ان کتابوں کی تمام روایات کو اللہ یا رسول نے صحیح قرار دیا ہے؟

نیز امداد اللہ انور دیوبندی نے "مستند نماز حنفی" لکھی ہے۔کیا اس کتاب کی تمام روایات کو حنفیہ کے امام ابوحنیفہ نے صحیح قرار دیا ہے؟ جب یہ لوگ اپنے باطل اصولوں پر خود عمل نہیں کرتے تو دوسروں کو ان اصولوں کا پابند کیوں بناتے ہیں؟

۲) انوراوکاڑوی نے لکھا ہے:

"مگر نہ ترمذی میں سینے کے الفاظ ہیں اور نہ شرح السنۃ للبغوی میں یہ الفاظ ہیں بلکہ صرف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے" (ماہنامہ الخیر حوالہ مذکورہ ص ۲۶)

نیز انور نے مزید لکھا ہے: "اور پھر حاشیہ میں اس کی تفصیل بھی ذکر کی تھی کہ سماک کے شاگردوں میں صرف سفیان سینے کے لفظ کو ذکر کرتے ہیں سماک کے شاگرد ابوالاحوص اور شریک اس زیادتی کو نقل نہیں کرتے اور پھر سفیان کے شاگردوں میں سے وکیع اور عبدالرحمٰن بن مہدی ان الفاظ کو ذکر نہیں کرتے صرف یحییٰ ان الفاظ کو نقل کرتے ہیں..." (حوالہ مذکورہ ص ۲۷)

جب کتاب التحقیق لابن الجوزی میں یہ الفاظ موجود ہیں اور کسی صحیح یا حسن روایت کے خلاف بھی نہیں لہٰذا اگر دوسری ایک ہزار کتابوں میں یہ الفاظ موجود نہ ہوں تو بھی کوئی پروا نہیں بلکہ زیادۃ الثقہ مقبولۃ کے اصول کی رُو سے یہ الفاظ صحیح ہیں۔والحمد للہ

یاد رہے کہ یحییٰ بن سعید القطان مشہور ثقہ امام ہیں۔

۳) انوراوکاڑوی نے لکھا ہے:

''پھر مسند احمد کی روایت کے پورے الفاظ بھی تحریر نہیں کئے۔ کیونکہ آگے سفیان کے شاگرد یحییٰ بن سعید کی تشریح تھی جس کے الفاظ یہ ہیں ووصف یحیٰ الیمنی علی الیسری فوق المفصل یعنی ھذہ علی صدرہ کی تشریح کرتے ہوئے یحییٰ نے کہا کہ دایاں ہاتھ بائیں پر گٹ کے اوپر رکھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل الفاظ ہذہ علی ہذہ تھے کسی کاتب کی غلطی سے ہذہ علی صدرہ بن گئے۔ اس غلطی کو لے کر... نے متواتر عمل کے خلاف شور مچادیا کیونکہ اگر صدرہ کے الفاظ ہوتے تو یحییٰ سینے پر ہاتھ رکھ کر تشریح کرتے نہ کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر تشریح کرتے۔'' (الخیر حوالہ مذکورہ ص ۲۷۔۲۸)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ حافظ الجوزی کی روایت میں صاف طور پر ''ھذہ علی ھذہ علی صدرہ'' کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں، نیز ابن عبدالہادی نے اپنی مشہور کتاب التنقیح میں ان الفاظ کو بالکل اسی طرح ہی نقل کیا ہے۔ (ج ا ص ۲۸۴)

لہٰذا کسی کاتب کی غلطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مسند احمد کے تمام مطبوعہ و مخطوطہ نسخوں میں ''علی صدرہ'' کے الفاظ صاف لکھے ہوئے ہیں۔ (نیز دیکھئے فتح الباری ۲/۲۲۴ تحت ح ۷۴۰ باب وضع الیمنی علی الیسری)

انور اوکاڑوی کو شرم کرنی چاہیے کہ وہ اور ان کی پارٹی والے لوگ چودھویں صدی کے ضعیف و متروک کاتبین کی لکھی ہوئی مسند الحمیدی کی واضح غلطی سے علانیہ استدلال کرتے ہیں اور قدیم مخطوطوں مثلاً مخطوطہ ظاہریہ کو پس پشت پھینک دیتے ہیں اور خود مسند احمد کی متفق فی النسخ کلھا والی حدیث کو کاتب کی غلطی قرار دے رہے ہیں؟!

دوغلی پالیسیوں اور بے انصافی کی یہ بہت بڑی مثال ہے، جس میں انور اوکاڑوی اور آلِ دیوبند سرتاپا غرق ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ حافظ ابن الجوزی والی حدیث بذاتِ خود حسن لذاتہ یا (شواہد کے ساتھ) صحیح ہے، نیز اس کے مرسل اور مدلس شواہد بھی ہیں لہٰذا اوکاڑوی اعتراضات مردود و باطل ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۷/ فروری ۲۰۱۳ء)

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور گھمن کے شبہات کا جواب

محمد الیاس گھمن دیوبندی نے اپنی نماز کی کتاب (ص ۵۲ تا ۵۳) میں ''ناف کے نیچے ہاتھ'' باندھنے کی دلیل کے طور پر تین روایتیں پیش کی ہیں:

۱: عن وائل بن حجر رضي الله عنه (بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ)

مصنف ابن ابی شیبہ کے اکثر قدیم ومطبوعہ نسخوں میں ''تحت السرۃ'' کے الفاظ موجود نہیں، لہٰذا یہ استدلال غلط ہے۔

۲: عن علي رضي الله عنه (بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ اور المختارۃ)

اس کی سند میں عبدالرحمٰن اسحاق الکوفی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔

۳: عن أنس رضي الله عنه (بحوالہ الجوہر النقی)

اس کی سند میں سعید بن زربی جمہور محدثین کے ضعیف ومجروح ہے۔

جبکہ اس کے مقابلے میں درج ذیل احادیث ثابت ہیں:

۱: صحیح بخاری میں ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا: آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھے۔ (ح ۷۴۰)

اور ذراع سے مراد کہنی کے سرے سے لے کر درمیانی انگلی کے سرے تک کا حصہ ہے۔

اگر پوری ذراع پر ہاتھ رکھا جائے تو دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر آجاتے ہیں۔

۲: سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا یہ (دایاں ہاتھ) اس (بائیں ہاتھ) پر سینے پر رکھتے تھے۔ (التحقیق لابن الجوزی ۱/۲۸۳ ح ۴۷۷ وسندہ حسن)

ان دو صحیح دلائل کے مقابلے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں، لہٰذا مردوں اور عورتوں کو نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے چاہییں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام (طبعہ ثالثہ)

کیا تراویح کے بارے میں ابن ہمام حنفی کا قول شاذ ہے؟

کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید السکندری السیوسی (م ۸۶۱ھ) ایک ماتریدی حنفی مولوی تھا جو ابن ہمام کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

اس ابن ہمام کے بارے میں عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے: "و کان إماماً..."

(الفوائد البہیہ ص ۲۳۶)

لکھنوی صاحب نے ابن ہمام کی کتاب شرح الہدایہ یعنی فتح القدیر کو تصانیف مقبولہ معتبرہ میں شامل کیا ہے۔

فقیر محمد جہلمی نے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے اور مبالغے کا "لک" توڑتے ہوئے لکھا ہے: "امام محقق، علامہ مدقق نظار، فروعی، اصولی، محدث، مفسر، حافظ، نحوی، کلامی، منطقی، جدلی، فارس میدان بحث تھے.. چنانچہ ہدایہ کی شرح فتح القدیر نام ایسی محققانہ لکھی کہ جس کی نظیر آج تک نہیں ملتی اور اس میں تعصب و اعتساف مذہبی سے اجتناب کر کے نہایت منصفانہ دلائل سے مذہب حنفیہ کو ثابت کیا۔" الخ (حدائق الحنفیہ ص ۳۵۰)

سرفراز خان صفدر کڑمنگی گکھڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

"امام کمال الدین محمد بن ہمام الحنفی ..." (ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب ص ۸۲ ملخصاً)

آنجہانی ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے

"شیخ الاسلام محقق ابن ہمامؒ اور رکعاتِ تراویح..." (تجلیات صفدر ۳/۲۴۳)

احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: "المحقق علی الاطلاق" (الامن والعلی ص ۱۵۲)

آلِ دیوبند وغیرہ کی کتابوں میں مزید بہت سے حوالے تلاش کئے جا سکتے ہیں، جن میں ابن ہمام کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

اس ابن ہمام نے متعدد غلط باتیں لکھتے ہوئے یہ تسلیم کیا ہے کہ "فتحصل من هذا

كله أن قيام رمضان سنة إحدى عشرة ركعة بالوتر في جماعة فعله صلى الله عليه وسلم ثم تركه لعذر..." اس سب کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ قیام رمضان گیارہ رکعت مع الوتر باجماعت سنّت ہے، آپ ﷺ نے یہ قیام کیا ہے پھر ایک عذر کی وجہ سے اسے چھوڑا ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۷ فصل فی قیام رمضان: التراویح...)

ابن ہمام کے اس قول کو متعدد حنفی وغیر حنفی علماء نے اپنی عبارات میں اختیار کیا ہے، مثلاً:

۱: ملا علی قاری حنفی نے کئی قلابازیاں کھاتے ہوئے بھی ابن ہمام کا قول ذکر کیا ہے اور یہ صراحت نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ نے گیارہ رکعات نہیں پڑھی تھیں۔

(دیکھئے مرقاۃ المفاتیح ۳/۳۸۲ تحت ح ۱۳۰۳)

۲: خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے:

"البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں" (براہین قاطعہ ص ۸)

خلیل احمد نے مزید لکھا ہے:

"اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو باتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے..."

(براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

۳: احمد علی سہارنپوری تقلیدی نے ابن ہمام کا مکمل قول نقل کر کے لکھا ہے:

"**كذا قاله ابن الهمام** ۱۲ "ابن ہمام نے اسی طرح کہا ہے۔

(حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۴ حاشیہ نمبر ۳)

احمد علی کا یہ طریقہ ہے کہ جس کتاب سے عبارت نقل کی، اُس کا حوالہ لکھ دیا مثلاً:

" **كذا في القسطلاني... كذا في المجمع** " (دیکھئے صفحہ مذکورہ)

ایسا لکھنے سے سہارنپوری کی مراد مذکور قائل پر کسی قسم کا رد نہیں ہوتا۔

ماسٹر امین اوکاڑوی نے تسلیم کیا ہے کہ ابن ہمام کے نزدیک "رسولِ پاک ﷺ نے

آٹھ رکعت پڑھی ہیں...''

اور بعد میں اوکاڑوی نے اسے ''شاذ اقوال'' میں شمار کیا ہے۔ (دیکھئے تجلیات صفدر ۳/۲۴۳)

انوار اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''جب کہ یہ شاذ قول ہے اور اس کو نہ تحقیقی طور پر پیش کر سکتے ہیں کہ ابن ہمام نہ خدا ہے اور نہ رسول، نہ الزامی طور پر کہ یہ مفتیٰ بہ نہیں ہے'' (ماہنامہ الخیر ملتان ج ۳۱ شمارہ ۹۔۱۰، اگست ۲۰۱۳ء ص ۵۰)

ہمارے علم کے مطابق انگریزی دور سے پہلے کسی عالم نے بھی ابن ہمام کے اس قول کو شاذ ہرگز نہیں کہا، بلکہ متعدد علماء سے ابن ہمام کی معنوی تائید ثابت ہے۔ مثلاً:

۱: ابن نجیم حنفی (م ۹۷۰ھ) نے ابن ہمام سے بطورِ اقرار نقل کیا:

پس اس طرح ہمارے مشائخ کے اصول پر ان میں سے آٹھ (رکعتیں) مسنون اور بارہ (رکعتیں) مستحب ہو جاتی ہیں۔ (البحر الرائق ۲/ ۶۷، تعدادِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۰۸)

۲: طحطاوی نے لکھا ہے:

''لأن النبي علیه الصلٰوة والسلام لم یصلها عشرین ، بل ثماني''

کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس (رکعات) نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۱/ ۲۹۵)

۳: محمد احسن نانوتوی تقلیدی نے کہا:

'' لأن النبي ﷺ لم یصلها عشرین بل ثمانیًا '' کیونکہ نبی ﷺ نے بیس (۲۰ رکعات) نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ رکعات پڑھی ہیں۔ (حاشیہ کنز الدقائق ص ۳۶ حاشیہ نمبر ۴)

۴: حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی حنفی (م ۱۰۶۹ھ) نے تسلیم کیا ہے کہ

کیونکہ یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعتیں مع وتر پڑھی ہیں۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۹۸)

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون: آٹھ رکعات تراویح اور غیر اہلحدیث علماء (تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۰۷۔۱۱۱)

ثابت ہوا کہ دونوں اوکاڑویوں کا ابن ہمام کے قول کو شاذ کہنا باطل و مردود ہے۔

آخر میں چند اہم تنبیہات پیشِ خدمت ہیں:

۱: ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ابن ہمام نہ اللہ ہے اور نہ رسول، لیکن ایک غالی حنفی مولوی تھا اور اس کا قول حنفیہ تقلیدیہ غالیہ پر بطورِ الزام پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھو جس بات کا تم انکار کرتے ہو، اسے تمھارے فلاں وفلاں مولوی نے بھی تسلیم کر رکھا ہے۔

۲: شاذ تو وہ قول ہوتا ہے جس میں کسی راوی کا تفرد ہو، ثقہ راویوں کے خلاف ہو اور کوئی متابعت ثابت نہ ہو۔ یہاں تو ملا علی قاری، شرنبلانی، طحطاوی اور سہارنپوری وغیرہم نے ابن ہمام کی مکمل متابعت کر رکھی ہے، لہٰذا شذوذ کا دعویٰ باطل ہے۔

تنبیہ: آلِ دیوبند اور تقلیدیہ غالیہ کو ثقات میں سے سمجھنا باطل ہے۔

۳: ابن ہمام وغیرہ تقلیدیوں کا یہ کہنا کہ خلفائے راشدین نے بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں، بہت بڑا جھوٹ اور بہتان ہے۔

کسی ایک خلیفۂ راشد سے بھی باسند صحیح متصل بیس رکعات ثابت نہیں، بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے باسند صحیح گیارہ رکعات (تراویح مع الوتر) ثابت ہیں۔

(دیکھئے موطأ امام مالک ۱/ ۱۱۵ ح ۲۴۹)

عینی حنفی اور نیموی دونوں نے اس روایت کا صحیح السند ہونا تسلیم کیا ہے۔

(دیکھئے نخب الافکار ۵/ ۱۰۳، دوسرا نسخہ ۳/ ۲۷۷، آثار السنن: ۷۷۶)

لہٰذا انگریزی دور کے آلِ دیوبند و آلِ تقلید کا اس فاروقی حکم کو مضطرب یا ضعیف کہنا بہت بڑا جھوٹ ہے

۴: آلِ دیوبند کا عام طریقۂ کار یہ ہے کہ اپنی مرضی کی روایات واقوال کو صحیح وثابت باور کراتے ہیں، اگرچہ بے سند، باطل و مردود ہی ہوں اور اپنی مرضی کے خلاف روایات و اقوال کو شاذ و ضعیف باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں اگرچہ صحیح الاسناد اور حسن لذاتہ ہی کیوں نہ ہوں۔ (۷/ اگست ۲۰۱۳ء)



تذکرۂ علمائے حدیث

امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ الحمیدی المکی رحمہ اللہ

اس مختصر اور جامع مضمون میں امام حمیدی کا تذکرہ پیش خدمت ہے:

نام ونسب: ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن حُمید القرشی الاسدی الحمیدی المکی رحمہ اللہ

ولادت: بمقام مکہ (تاریخ وسن ولادت نامعلوم)

شیوخ: ابراہیم بن سعد، ابواسامہ حماد بن اسامہ، سفیان بن عیینہ، عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، فضیل بن عیاض، محمد بن ادریس الشافعی اور وکیع بن الجراح وغیرہم رحمہم اللہ

تلامذہ: محمد بن اسماعیل البخاری، بشر بن موسیٰ الاسدی، ابوزرعہ الرازی، ابوحاتم الرازی، محمد بن یحییٰ الذہلی، یعقوب بن سفیان الفارسی اور یعقوب بن شیبہ وغیرہم۔ رحمہم اللہ

توثیق ومناقب: جمہور محدثین آپ کی توثیق وتعریف میں رطب اللسان تھے۔ مثلاً:

۱: ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "ثقة إمام" (الجرح والتعدیل ۵/۵۷)

نیز فرمایا: "أثبت الناس في ابن عيينة الحميدي وهو رئيس أصحاب ابن عيينة" سفیان بن عیینہ سے روایت میں سب لوگوں سے زیادہ ثقہ حمیدی ہیں اور وہ سفیان بن عیینہ کے شاگردوں کے سردار ہیں۔ (ایضاً ص ۵۷)

۲: ابن سعد نے کہا: "وهو صاحب سفيان بن عيينة و راويته و كان ثقة كثير الحديث." وہ سفیان بن عیینہ کے شاگرد اور ان کے بڑے خاص راوی ہیں... وہ کثیر حدیث بیان کرنے والے ثقہ تھے۔ (طبقات ابن سعد ۵/۵۰۲)

۳: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا:

"و كان صاحب سنة و فضل و دين" وہ صاحب سنت، فضیلت والے اور دیندار

تھے۔ (۳۴۱/۸)

۴: امام دارقطنی نے انھیں امام سفیان بن عیینہ کے حفاظ شاگردوں میں ذکر کیا۔

(کتاب العلل ۱۰/۲۵۳س ۱۹۹۴)

۵: امام یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وما لقيت أنصح للإسلام و أهل الإسلام منه" میں نے اسلام اور اہل اسلام کے لئے ان سے زیادہ خیر خواہ کوئی نہیں دیکھا۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۱۸۴)

۶: امام بخاری رحمہ اللہ (روى له في صحيحه)

۷: امام ابن خزیمہ (روى له في صحيحه: ۲۴۱۶)

۸: حاکم (قال في حديثه: "صحيح" [المستدرک ۱/۲۵۷ ح ۹۴۴] ووافقہ الذہبی)

۹: حافظ ذہبی

(صحح حديثه و قال: "الإمام الحافظ الفقيه شيخ الحرم" / النبلاء ۱۰/۶۱۶)

وقال: "وكان إمامًا حجة" (العبر فی خبر من غبر ۱/۲۹۷)

۱۰: حافظ ابن حجر العسقلانی

(قال: "ثقة حافظ فقيه، أجل أصحاب ابن عيينة" / التقریب: ۳۳۲۰)

۱۱: ابن عبدالبر نے فرمایا: "وكان من الفقهاء المحدثين النبلاء الثقات والحفاظ المأمونين" وہ فقہاء، محدثین، شرفاء، ثقات اور ثقہ ثبت حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ (الانتقاء ص ۱۶۳)

۱۲: ابن عبدالہادی نے کہا: "الإمام ... الفقيه الحافظ، من كبار الأئمة."

(طبقات علماء الحدیث ۲/۵۷ ت ۳۹۴)

۱۳: ابن ناصر الدین دمشقی نے فرمایا: "وكان من كبار الأئمة و أحد علماء الأمة، شديد النصح للإسلام و العباد." آپ بڑے ائمہ اور علمائے امت میں سے تھے۔ اسلام اور اہل اسلام کے بہت زیادہ خیر خواہ تھے۔ (التبیان لبدیعۃ البیان ۲/۶۱۸ ت ۴۰۶)

نیموی حنفی نے لکھا ہے: "الحميدي ثقة حافظ إمام" (آثار السنن: ۳٦ حاشیہ)

اس جم غفیر اور جمہور کے مقابلے میں امام یحییٰ بن معین کی ہلکی سی جرح اور عدم علیت ہرگز حجت نہیں۔ نیز بطور فائدہ عرض ہے کہ امام ابن عبدالحکم کی امام حمیدی پر جرح ابوجعفر السکری (نامعلوم) کی وجہ سے ثابت نہیں۔

تصانیف: مسند الحمیدی اور اصول السنۃ وغیرہما۔

ملفوظات:

۱: امام حمیدی نے فرمایا: "والله ! لأن أغزو هؤلاء الذين يردون حديث رسول الله ﷺ أحب إليّ من أن أغزو عدتهم من الأتراك."

اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے جہاد کروں جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کرتے ہیں، میرے نزدیک اتنی تعداد میں (کافر) ترکوں سے جہاد کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

(ذم الکلام للہروی ۲/۱۵۸ ح ۲۳٦ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۲۲۸)

۲: امام حمیدی نے فرمایا:

☆ سنت (ہمارے نزدیک) یہ ہے کہ آدمی تقدیر پر ایمان لائے، خیر وشر اور میٹھا کڑوا (سب) اللہ کی طرف سے ہے اور یہ جان لینا چاہئے کہ اسے جو مصیبت پہنچی ہے وہ ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت ٹل گئی ہے وہ پہنچنے والی نہیں تھی اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی (مقرر) تقدیر سے ہے۔

☆ ایمان قول وعمل کا نام ہے، زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ کوئی قول عمل کے بغیر فائدہ نہیں دیتا اور کوئی عمل وقول نیت کے بغیر فائدہ نہیں دیتا۔

☆ محمد ﷺ کے تمام صحابہ کے لئے رحمت کی دعا کرنی چاہئے۔

☆ پس جس نے انھیں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) سب وشتم کیا یا (ان کی) تنقیص کی، یا ان میں سے کسی ایک کے بارے میں ایسا کیا تو وہ شخص سنت (کے راستے) پر نہیں اور مالِ غنیمت میں اس کا کوئی حق نہیں۔

☆ قرآن اللہ کا کلام ہے۔میں نے سفیان (بن عیینہ رحمہ اللہ) کو فرماتے ہوئے سنا: قرآن اللہ کا کلام ہے اور جس نے (اسے) مخلوق کہا وہ بدعتی ہے، ہم نے ایسا قول (یعنی مخلوق کہنا) کسی سے بھی نہیں سنا۔

☆ میں نے سفیان (بن عیینہ رحمہ اللہ) کو فرماتے ہوئے سنا: ایمان قول وعمل ہے، زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

☆ اور موت کے بعد (اللہ تعالیٰ کو مومنین کا) دیکھنا (دیدار) برحق ہے۔

☆ ہم خوارج کی طرح یہ نہیں کہتے کہ جس نے کبیرہ گناہ کیا اُس نے کفر کیا اور کسی گناہ میں بھی تکفیر نہیں کی جاتی، سوائے پانچ چیزوں کے، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ الخ

(اصول السنۃ للحمیدی، آخر مسند الحمیدی تحقیقی قلمی ص ۷۸۸۔۷۸۹)

وفات: ربیع الاول ۲۱۹ھ بمقام مکہ مکرمہ (۲۷/ جنوری ۲۰۱۳ء)

امام ابوداود سلیمان بن اشعث السجستانی رحمہ اللہ

نام ونسب: ابوداود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران الازدی السجستانی رحمہ اللہ

ولادت: ۲۰۲ھ

شیوخ: احمد بن حنبل، احمد بن صالح المصری، اسحاق بن راہویہ، ربیع بن سلیمان المرادی، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، سعید بن منصور، سلیمان بن حرب، علی بن المدینی، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، قتیبہ بن سعید الثقفی، مسدد، ہناد بن السری، یحییٰ بن معین، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوکریب الہمدانی، ابومعاویہ الضریر اور ابوالولید الطیالسی وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تلامیذ: ابوعیسیٰ الترمذی، ابوعبدالرحمٰن النسائی، اسماعیل بن محمد الصفار، زکریا بن یحییٰ الساجی، ابوبکر بن ابی داود، ابن ابی الدنیا، جعفر بن محمد الفریابی، ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی، احمد بن سلمان النجاد اور محمد بن مخلد الدوری وغیرہم۔ رحمہم اللہ

آپ سے سنن ابی داود کے مشہور راویوں کے نام یہ ہیں: ابوعلی اللؤلؤی، ابوبکر ابن داسہ، ابوسعید ابن الاعرابی، علی بن الحسن بن العبد، ابواسامہ محمد بن عبدالملک الرواس اور ابوسالم محمد بن سعید الجلودی وغیرہم۔ رحمہم اللہ (دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی ۲۰/۳۵۹)

علمی مقام: آپ کی توثیق وامامت پر اجماع ہے۔

۱: امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی نے فرمایا: ''رأیته ببغداد و جاء إلی (أبي) مسلّمًا و هو ثقة'' میں نے آپ کو بغداد میں دیکھا، آپ میرے والد (ابوحاتم الرازی) کے پاس سلام کہنے کے لئے آئے اور آپ ثقہ ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۴/۱۰۲ ت ۴۵۶)

۲: حافظ ابن حبان نے فرمایا: ''و کان أبو داود أحد أئمة الدنیا فقهًا و علمًا و حفظًا و نسكًا (و ورعًا) و اتقانًا، ممن جمع و صنف و ذب عن السنن

وقمع من خالفها و انتحل ضدها." ابوداود ثقہ، علم، حفظ، عبادت، پرہیز گاری اور اتقان (وثاقت) کے لحاظ سے دنیا کے اماموں میں سے تھے۔ آپ نے احادیث جمع کیں، کتابیں لکھیں، سنت کا دفاع کیا اور ان لوگوں کا قلع قمع کیا جو سنت کے مخالف تھے اور اس کے مخالف عقیدہ رکھتے تھے۔ (کتاب الثقات ۸/۲۸۲)

۳: امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی رحمہ اللہ نے اُن سے صحیح ابی عوانہ میں روایات لیں۔ (دیکھئے صحیح ابی عوانہ ۱/۴۵۷ ح ۱۶۹۶، ۳/۲۰۷ ح ۴۷۰۱، ۵/۷۱ ح ۷۷۵۶، وغیر ذلک)

۴: حاکم نیشاپوری نے ابوداود (وغیرہ) کی بیان کردہ ایک حدیث کو "صحیح علی شرط الشیخین" کہا۔ (المستدرک ۱/۳۳ ح ۹۳ ووافقہ الذہبی)

حاکم نے (غالباً تاریخ نیسابور میں) فرمایا: " إمام أهل الحديث في عصره بلا مدافعة" آپ اپنے زمانے میں بغیر کسی اختلاف کے اہلِ حدیث کے امام تھے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۲/۱۹۴، وسندہ حسن)

۵: ابونصر ابن ماکولا نے کہا: "إمام مشهور" (الاکمال ۱/۲۹۵)

۶: محمد بن اسحاق الصاغانی نے فرمایا: "لين لأبي داود السجستاني الحديث كما لين لداود الحديد." ابوداود السجستانی کے لئے حدیث اس طرح نرم (یعنی آسان) کی گئی جس طرح داود (علیہ السلام) کے لئے لوہا نرم کیا گیا۔ (تاریخ دمشق ۲۲/۱۹۵، وسندہ صحیح)

۷: حافظ ذہبی نے فرمایا: "الإمام الثبت سيد الحفاظ" (تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۹۱ ت ۶۱۵)

اور فرمایا: "الإمام شيخ السنة ، مقدم الحفاظ" (سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۰۳)

نیز فرمایا: "وكان على مذهب السلف في اتباع السنة والتسليم لها و ترك الخوض في مضائق الكلام." اور آپ اتباعِ سنت اور اسے قبول کرنے میں سلف صالحین کے مذہب پر تھے، آپ علمِ کلام کی تنگ گھاٹیوں میں غور وخوض ترک کرنے کے قائل تھے۔ (النبلاء ۱۳/۲۱۵-۲۱۶)

۸: ابن ناصر الدین الدمشقی (متوفی ۸۴۲ھ) نے فرمایا:

"وكان ثقة نبيلاً من ذوي الدراية ، حافظًا شديد التحفظ فی الرواية"
آپ ثقہ نبیل (اور) درایت والوں میں سے تھے، حافظِ حدیث تھے (اور) روایت میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے۔ (التبیان لبدیعۃ البیان ۲/ ۷۸۷)

۹: حافظ ابن کثیر المورخ والمفسر نے فرمایا: " صاحب السنن... أحد الأئمة الراحلين الجوّالين فی الآفاق والأقاليم ..." (البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۳۱۰ وفیات ۲۷۵ھ)

۱۰: حافظ ابن عبدالہادی (متوفی ۷۴۴ھ) نے فرمایا:
"الإمام الثبت ، سيد الحفاظ" (طبقات علماء الحدیث ۲/ ۲۹۰ ت ۵۸۴)

۱۱: حافظ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا: کیا بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداود طیالسی، دارمی، بزار، دارقطنی، بیہقی، ابن خزیمہ اور ابو یعلیٰ الموصلی مجتہدین میں سے تھے جنھوں نے ائمہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کی، یا یہ مقلدین میں سے تھے؟

انھوں نے فرمایا: بخاری اور ابو داود تو فقہ میں اہلِ اجتہاد میں سے دو امام (یعنی مجتہدِ مطلق) تھے اور مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابو یعلیٰ، بزار اور ان جیسے دوسرے سب اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے اور نہ وہ مجتہدین مطلق والے اماموں میں سے تھے۔ الخ (مجموع فتاویٰ ۲۰/ ۳۹۔۴۰)

تنبیہ: مجتہدینِ مطلق والی بات کی نفی میں نظر ہے۔ واللہ اعلم

یہ حوالے مشتے از خروارے ہیں۔ نیز دیکھئے تہذیب الاسماء واللغات للنووی (۲/ ۲۲۵)

علمی خدمات: آپ نے درج ذیل کتابیں لکھیں:

سنن ابی داود، کتاب القدر، کتاب الزہد، رسالۃ فی وصف تالیفہ لکتاب السنن سوالات ابی داود للامام احمد، کتاب المراسیل، فضائل الانصار، مسند مالک اور الناسخ والمنسوخ وغیرہ۔

تنبیہ: سوالات الآجری کے نام سے جو کتاب مطبوع و مخطوط ہے وہ ابو عبید الآجری (مجہول) کی وجہ سے امام ابو داود سے ثابت ہی نہیں۔

وفات: ۲۷۵ھ رحمه الله رحمةً واسعة (۲۷/ رجب ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۸/ جون ۲۰۱۲ء)

امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار رحمہ اللہ

نام ونسب: امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار النخشبی البغدادی الختوطی رحمہ اللہ

ولادت: ۲۱۰ ہجری سے چند سال پہلے۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۴۴)

اساتذہ: مسدد، عبداللہ بن محمد بن اسماء، امیہ بن بسطام، علی بن عثمان اللاحقی، العباس بن الولید النرسی، محمود بن غیلان، یعقوب بن حمید بن کاسب، علی بن حجر اور ابو قدامہ السرخسی وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تلامذہ: ابوالعباس محمد بن اسحاق السراج النیسابوری، یحییٰ بن محمد بن صاعد، ابو سہل ابن زیاد القطان، اسماعیل بن علی الخطبی، دعلج بن احمد، جعفر بن محمد بن الحکم اور احمد بن جعفر بن سلم وغیرہم۔ رحمہم اللہ

علمی مقام: اسماء الرجال اور اصولِ حدیث کی رُو سے آپ کا علمی مقام، عدالت و امامت اور وثاقت درج ذیل ہے:

۱: حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ف ۴۶۳ھ) نے فرمایا:

"وکان ثقةً حافظًا متقنًا، حسنَ المذهب" اور آپ ثقہ حافظ متقن، اچھے مذہب والے (اچھی سیرت والے پرہیزگار) تھے۔ (تاریخ بغداد ۴/۳۰۶ ت ۲۰۹۳)

۲: امام ابوالحسن الدارقطنی رحمہ اللہ (ف ۳۸۵ھ) نے فرمایا: "ثقة"

وہ ثقہ (قابلِ اعتماد سچے راوی) ہیں۔ (تاریخ بغداد ۴/ ۳۰۷ وسندہ صحیح)

۳: حاکم نیشاپوری نے امام احمد بن علی الابار کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا: "هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه" یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور اسے بخاری و مسلم نے روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۲۷ ح ۸۲۶)

حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں فرمایا: "على شرط مسلم" (ج ۱ ص ۲۵۰)

نیز دیکھئے المستدرک للحاکم (۳۱۷/۴ ح ۷۸۸۸) مع تلخیص الذہبی۔

ثابت ہوا کہ حاکم کے نزدیک امام احمد بن علی الابار ثقہ وصحیح الحدیث راوی ہیں۔

۴: ضیاء الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی رحمہ اللہ (ف ۶۴۳ھ) نے اپنی مشہور کتاب المختارة میں امام احمد بن علی الابار رحمہ اللہ سے اپنی سند کے ساتھ احادیث بیان کیں۔

مثلاً دیکھئے: الاحادیث المختارة (ج۲ ص۱۰۹ ح ۴۸۳)

۵: حافظ ابن عساکر الدمشقی رحمہ اللہ (متوفی ۵۷۱ھ) نے اپنی تاریخ میں خطیب بغدادی کا ابار کے بارے میں قول: ''وکان ثقة حافظًا متقنًا، حسن المذهب'' نقل کیا اور اس کی کوئی تردید نہیں کی اور نہ امام احمد بن علی الابار پر کسی قسم کی کوئی جرح نقل کی۔

(دیکھئے تاریخ دمشق ۷۴/۵)

آلِ دیوبند کے نزدیک اگر کوئی مصنف کسی کا قول نقل کرے اور تردید نہ کرے تو یہ اسی مصنف کا اپنا بھی نظریہ ہوتا ہے، جیسا کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''سوم جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کرتا ہے اور اس کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے۔'' (تفریح الخواطر فی ردتنویر الخواطر ص ۲۹)

تنبیہ: ہمارے نزدیک یہ اس صورت میں ہے جب اسی مصنف سے اس کے مقابلے میں کوئی صریح دلیل یا جمہور محدثین کی مخالفت موجود نہ ہو۔

۶: حافظ ذہبی رحمہ اللہ (ف ۷۴۸ھ) نے فرمایا:

''الحافظ المتقن الإمام الرباني أبو العباس أحمد بن علي بن مسلم الأبار من علما الأثر ببغداد'' حافظ متقن (ثقہ) امام ربانی ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الابار، بغداد کے علمائے حدیث میں سے۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۴۳/۱۳ ت ۲۱۸)

اور فرمایا: ''وله تاريخ مفيد رأيته و قد و ثقه الدارقطني و جمع حديث الزهري'' میں نے ان کی (کتاب) تاریخ دیکھی ہے جو مفید ہے، انھیں دارقطنی نے ثقہ قرار دیا اور انھوں نے (امام) زہری کی احادیث جمع کی تھیں۔ (النبلاء ۴۴۳/۱۳)

حافظ ذہبی نے انھیں حفاظِ حدیث میں ذکر کیا اور فرمایا: "الحافظ الإمام ... محدث بغداد" (تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۶۳۹ ت ۶۶۲)

حافظ ذہبی نے امام ابو العباس الابار کی بیان کردہ ایک حدیث کو صحیح مسلم کی شرط پر صحیح کہا۔ دیکھئے یہی مضمون (فقرہ: ۳)

۷: حافظ ابو نعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (ف ۴۳۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب المستخرج علی صحیح مسلم میں احمد بن علی الابار سے روایت لی۔ (ج ۲ ص ۴۳۲ ح ۱۸۹۴)

اور ان پر کوئی جرح نہیں کی، لہٰذا وہ امام ابو نعیم کے نزدیک ثقہ وصحیح الحدیث راوی ہیں۔

۸: محدث ابن ناصر الدین الدمشقی رحمہ اللہ (ف ۸۴۲ھ) نے فرمایا:

"... محدث بغداد و هو أحد الزهاد... و كان حافظًا متقنًا من الثقات و له التاريخ و غيره من المصنفات" بغداد کے محدث اور نیک لوگوں میں سے ایک... اور آپ حافظ متقن، ثقہ راویوں میں سے تھے اور آپ کی کتابوں میں سے تاریخ وغیرہ ہیں۔

(التبیان لبدیعۃ البیان ۲/ ۸۴۲ ت ۶۵۰)

۹: حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (ف ۷۴۴ھ) نے فرمایا:

"الإمام الحافظ، محدّث بغداد" (طبقات علماء الحدیث ۲/ ۳۴۵ ت ۶۳۰)

اور خطیب بغدادی سے امام ابار کی توثیق نقل کی۔ رحمہم اللہ

۱۰: صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی (ف ۷۶۴ھ) نے لکھا: "الحافظ الأبار" اور خطیب بغدادی سے بغیر کسی رد کے احمد بن علی الابار کی توثیق نقل کی۔

(دیکھئے کتاب الوافی بالوفیات ۷/ ۱۴۱ ت ۸۱۹)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں، مثلاً دیکھئے المستخرج علی المستدرک للحافظ ابی الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقی رحمہ اللہ (ف ۸۰۶ھ) ج ۱ ص ۸ (بحوالہ المکتبۃ الشاملہ) فوائد الحنائی (۲۱۲/۱ ح ۶۱ [۶۴]) وغیرہما، نیز جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (ف ۹۱۱ھ) نے ابار کے بارے میں "الحافظ الإمام" لکھا اور خطیب بغدادی

سے ان کی توثیق نقل کی۔ (دیکھئے طبقات الحفاظ ص ۲۸۴ ت ۶۳۸)

ثابت ہوا کہ امام ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الابار رحمہ اللہ کی توثیق وتعریف پر بشمولِ حافظ ذہبی علمائے حدیث کا اجماع ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ایک راوی کے بارے میں لکھا ہے:

"أحمد بن علي الخيوطي عن ابن مبشر الواسطي ، فذكر خبرًا موضوعًا."

احمد بن علی الخیوطی ابن مبشر الواسطی سے، پس اس نے ایک موضوع روایت بیان کی۔

(میزان الاعتدال ۱/ ۱۲۱، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۶۳، نیز دیکھئے المغنی فی الضعفاء للذہبی ۱/ ۸۲ ت ۳۸۵ بلفظ:" احمد بن علي الحنوطي عن علي بن عبد الله بن مبشر الواسطي بحديث موضوع.")

میزان الاعتدال کی عبارت پر حافظ ربانی ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے درج ذیل تبصرہ لکھا ہے:" وهذا رجل من كبار الحفاظ وهو المعروف بالأبار سمع منه دعلج والنجاد والصفار و آخرون ممن قبلهم و بعدهم. وقال الخطيب: كان ثقة حافظًا متقنًا حسن المذهب ، وقال ابن ماكولا :الخيوطي بضم المعجمة والتحتانية أحمد بن علي بن مسلم الأبار يعرف بالخيوطي. قال إسماعيل الخطبي وغيره :مات سنة تسعين ومائتين.

والذي يظهر أن الحمل في الحديث علىٰ من دونه ولم يستحضر المصنف أنه هو. وإلا فقد ذكره في تاريخ الإسلام و عظّمه و في طبقات الحفاظ."

اور یہ آدمی کبار حفاظ (بڑے حفاظِ حدیث) میں سے ہیں اور ابار (کے لقب) سے مشہور ہیں۔ ان سے دعلج، نجاد، صفار اور ان سے پہلے اور بعد والے لوگوں نے احادیث سنیں اور خطیب نے فرمایا: آپ ثقہ حافظ متقن اچھے مذہب والے تھے۔ اور ابن ماکولا نے کہا: خیوطی خاء اور یاء کی پیش کے ساتھ ہے؛ احمد بن علی بن مسلم الابار خیوطی کے ساتھ مشہور ہیں۔ اسماعیل الخطبی وغیرہ نے فرمایا: آپ ۲۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

اور مجھ (حافظ ابن حجر) پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس (موضوع) روایت میں (ان پر نہیں

بلکہ) کسی دوسرے پر جرح ہے اور مصنف (حافظ ذہبی) کو یاد نہیں رہا کہ یہ وہی ہیں، ورنہ انھوں نے تاریخ الاسلام میں اُن کا ذکر کر کے ان کی عظمتِ شان کا اعتراف کیا ہے اور (انھیں) طبقات الحفاظ میں (بھی) ذکر کیا ہے۔ (لسان المیزان ۱/۲۲۵، دوسرا نسخہ ۱/ ۳۳۹)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام مذکور سے دو باتیں ظاہر ہیں:

اول: حافظ ابن حجر کے نزدیک حافظ ذہبی نے عدم استحضار (یعنی دوسری طرف خیال ہونے کی وجہ سے) یہاں احمد بن علی بن مسلم الابار پر جرح کر دی ہے، حالانکہ وہ خود دوسری جگہ ان کی تعریف کرتے ہیں۔

دوم: امام ابار اکابر علمائے حدیث میں ہیں اور بقولِ خطیب ثقہ و متقن راوی ہیں، لہٰذا ذہبی کی یہ جرح ابار پر نہیں بلکہ کسی دوسرے راوی پر ہے۔

اس عبارت میں اگرچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام احمد بن علی الابار کا دفاع کیا ہے، لیکن نہایت ادب سے عرض ہے کہ حافظ ابن حجر کو حافظ ذہبی کا کلام سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

احمد بن علی الخیوطی کی جس موضوع روایت کی طرف حافظ ذہبی نے اشارہ کیا ہے، اس کی سند اور متن پیشِ خدمت ہے: ابو الحسن علی بن محمد بن محمد بن الطیب بن ابی یعلیٰ ابن الجلابی الواسطی المالکی المعروف بابن المغازلی (ف ۴۸۳ھ) نے اپنی کتاب مناقب علی میں کہا:

"أخبرنا أبو علي عبد الكريم بن محمد بن عبد الرحمٰن الشروطي املاءً من كتابه :حدثنا القاضي أبو الفرج أحمد بن علي بن جعفر بن محمد الخيوطي :حدثنا علي بن عبد الله بن مبشر عن أبى الأشعث أحمد بن المقدام العجلي عن حماد بن زيد عن عمرو بن دينار عن جابر قال قال رسول الله ﷺ :إن ملكي علي بن أبي طالب ليفتخران على سائر الملائكة لكونهما مع علي لأنهما لم يصعدا إلى الله منه قط بشيٍ يسخطه."

بے شک علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے دونوں فرشتے باقی تمام فرشتوں پر فخر کرتے ہیں، اس وجہ سے کہ وہ علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہیں، کیونکہ وہ اللہ کے پاس کسی ایسی چیز کے ساتھ

نہیں گئے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ (ج۱ص۱۸۲ح۱۶۷، المکتبۃ الشاملہ)

اس روایت کی سند میں دو ایسے راوی ہیں، جن کی توثیق یا تذکرہ مفیدہ کہیں نہیں ملا:

① عبدالکریم بن محمد الشرد طی؟ ② قاضی ابوالفرج احمد بن علی بن جعفر بن محمد الخیوطی؟

اس ثانی الذکر پر حافظ ذہبی نے جرح کی ہے اور سند مذکور سے معلوم ہوا کہ اس خیوطی سے امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار الخیوطی النخشی مراد لینا غلط ہے۔

دلیل نمبر۱: اس خیوطی کی کنیت ابوالفرج ہے، جبکہ ابار کی کنیت ابوالعباس ہے اور کسی دلیل سے ابار کی دو کنیتوں کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔

دلیل نمبر۲: اس شخص کے دادا کا نام جعفر ہے، جبکہ ابار کے دادا کا نام مسلم ہے۔

دلیل نمبر۳: ذہبی کی مشار الیہ مذکور حدیث تو مناقب علی لابن المغازلی میں ابن مبشر کی سند سے موجود ہے، لیکن احمد بن علی الابار کی علی بن عبداللہ بن مبشر الواسطی سے مذکور روایت کہیں موجود نہیں بلکہ مجھے امام ابار کی ابن مبشر سے مطلق روایت کا بھی کہیں ثبوت نہیں ملا۔

خلاصۃ التحقیق: میزان الاعتدال اور لسان المیزان والا احمد بن علی الخیوطی دوسرا شخص ہے، جس پر حافظ ذہبی نے جرح کی ہے اور امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الخیوطی الابار البغدادی اس سے علیحدہ شخص ہیں، جنھیں حافظ ذہبی نے امام ربانی و متقن (ثقہ) قرار دیا ہے۔ دونوں کو ایک قرار دینا صحیح نہیں، بلکہ غلط ہے۔

ردِ تلبیساتِ ظہور و نثار: نثار احمد حضروی کے ترجمان ظہور احمد دیوبندی نے ایک صحیح سند کے بارے میں لکھا ہے: ''زبیر علی زئی کا اس قول کی سند کو صحیح کہنا غلط ہے کیونکہ حافظ عقیلی کا استاذ احمد بن علی الاَبار جو کہ خیوطی یا حنوطی سے مشہور ہے، ایک دروغ گو راوی ہے اور اس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کر رکھی ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ اس کو ''الضعفاء'' (ضعیف راویوں) میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:...'' (تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام ص۴۹۹)

حالانکہ حافظ ذہبی نے تو انھیں ''الحافظ المتقن الإمام الرباني'' لکھا ہے، جس کا حوالہ فقرہ نمبر۶ کے تحت گزر چکا ہے۔

مشہور ثقہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) نے فرمایا:

"المحدثون ثلاثة: رجل حافظ متقن، فهذا لا يختلف فيه."

محدثین تین (اقسام کے) ہیں: حافظ متقن آدمی، پس اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (المحدث الفاصل بین الراوی والواعی ص ۴۰۶ ح ۴۲۲ وسندہ صحیح)

امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۷ھ) نے فرمایا:

"و إذا قيل للواحد إنه ثقة أو متقن، ثبت فهو ممن يحتج بحديثه."

اور جس کسی ایک کے بارے میں ثقہ یا متقن، ثبت کہا جائے تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی حدیث حجت قرار دی جاتی ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۲/ ۳۷، جواب الحافظ المنذری عن اسئلة فی الجرح والتعدیل ص ۴۹، مقدمۃ ابن الصلاح ص ۲۴۲، دوسرا نسخہ ص ۱۵۸، وغیر ذلک)

ثابت ہوا کہ متقن کا لفظ توثیق ہے، نیز ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے بھی متقن کی منفرد حدیث کو بھی حجت اور صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے مقدمۃ اعلاء السنن ص ۱۴۸، قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۴۳)

ظہور احمد (ننھے کوثری) نے بھی لکھا ہے: "کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں "مُتقِن" اس شخص کو کہتے ہیں جو حدیث میں ثقہ اور اس کا حافظ ہو۔" (تلامذہ... ص ۱۷۴)

امام ذہبی تو امام ابار کو اعلیٰ درجے کا ثقہ قرار دے رہے ہیں اور ظہور و نثار یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ "ایک دروغ گو راوی ہے اور اس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کر رکھی ہے۔"

آلِ دیوبند کا یہی طریقہ ہے کہ سلف صالحین کے عظیم بزرگوں اور سچے راویوں کو تو جھوٹا قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اور جمہور کے نزدیک مجروح راویوں کو ثقہ و صدوق منوانے میں سرگرم ہیں۔ سلف صالحین سے بیزار اور علمائے حق کے گستاخ ان لوگوں کو کیا اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا کوئی خوف نہیں؟ کیا موت کا وقت قریب نہیں ہے؟

دیوبندیت وہ مذہب ہے جس میں درج ذیل قسم کے راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے:

حسن بن زیاد اللؤلؤی   ۲: ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی

۳: ابو مطیع البلخی ۴: احمد بن محمد بن الصلت الحمانی وغیرہم

اور درج ذیل قسم کے راویوں کو ضعیف و مجروح ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے:

۱: امام احمد بن علی بن مسلم الابار

۲: امام عبداللہ بن جعفر بن درستویہ

۳: امام ابوالشیخ الاصبہانی

۴: امام عبدالعزیز بن محمد الدراوردی وغیرہم رحمہم اللہ

آخر میں بطورِ خلاصہ عرض ہے کہ امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار البغدادی زبردست ثقہ متقن تھے، بلکہ ان کی توثیق پر محدثین کا اجماع ہے۔

فوائد:

۱: امام ابوالعباس احمد بن علی الابار رحمہ اللہ نے فرمایا: " رأيت بالأهواز رجلاً قد حفّ شاربه، و أظنه قد اشترى كتبًا و تعبأ للفتيا، فذكروا أصحاب الحديث فقال: ليسوا بشيءٍ و ليس يسوون شيئًا. فقلت له: أنت لا تحسن تصلي. قال: أنا؟! قلت: نعم! ايش تحفظ عن رسول الله ﷺ إذا افتتحت [الصلوٰة] و رفعت يديك ؟ فسكت، فقلت: فايش تحفظ عن رسول الله ﷺ إذا وضعت يديك على ركبتيك؟ فسكت، قلت: ايش تحفظ عن رسول الله ﷺ إذا سجدت! فسكت . قلت: مالك لا تتكلم؟ ألم أقل [لك] انك لا تحسن تصلي؟ أنت !إنما قيل لك تصلي الغداة ركعتين والظهر أربعًا فالزم ذا خيرلك من أن تذكر أصحاب الحديث فلستَ بشيءٍ ولا تحسن شيئًا. " میں نے اہواز (ایک ایرانی شہر) میں ایک آدمی دیکھا، اس نے مونچھیں مونڈ رکھی تھیں اور میرا خیال ہے کہ اس نے کتابیں خرید رکھی تھیں اور فتویٰ دینے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے اصحاب الحدیث (یعنی اہل حدیث) کا تذکرہ کیا گیا تو وہ کہنے لگا: یہ کچھ چیز نہیں ہیں اور نہ کوئی چیز (اچھے طریقے سے) کر سکتے ہیں۔ تو میں نے اسے

کہا: تجھے تو اچھی طرح سے نماز پڑھنی ہی نہیں آتی۔ اس نے کہا: مجھے؟! میں نے کہا: ہاں! جب تم نماز شروع کرو اور رفع یدین کرلو تو اس وقت کے بارے میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ تو وہ خاموش رہا۔ میں نے کہا: جب تم (رکوع میں) اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ لو تو اس وقت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی کتنی حدیثیں تجھے یاد ہیں؟ وہ چپ رہا۔ میں نے کہا: جب تم سجدہ کرتے ہو تو اس وقت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی کتنی حدیثیں تجھے یاد ہیں؟ وہ (صم بکم بنا) چپ رہا۔ میں نے کہا: تجھے کیا ہو گیا ہے، بات کیوں نہیں کرتا؟ کیا میں نے تجھے یہ نہیں کہا کہ تجھے اچھے طریقے سے نماز پڑھنا نہیں آتا؟ تم تو اس حالت میں ہو کہ اگر تمھیں بتایا جائے کہ نمازِ صبح کی دو رکعتیں ہیں اور ظہر کی چار رکعتیں ہے اور تم اس بات کو مضبوطی سے پکڑ لو تو یہ تمھارے لئے بہتر ہے، نہ یہ کہ تم اصحاب الحدیث کا (برا) تذکرہ کرتے پھرو۔ تُو (بذاتِ خود) کچھ چیز نہیں اور نہ تو کسی چیز کو اچھے طریقے سے کر سکتا ہے۔ (الکفایہ للخطیب ۱/۵۰ ح ۱ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ص ۴-۵)

یہ ہے انجام اور علمی مقام اس نام نہاد جعلی فقیہ کا جو اہل حدیث کی گستاخیاں کرتا تھا اور اسی جعلی فقیہ کے نقوش پا پر ظہور و نثار رواں دواں ہیں۔

تنبیہ: اس صحیح واقعے سے ثابت ہوا کہ امام ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الابار البغدادی رحمہ اللہ اہلِ حدیث میں سے تھے۔

۲: امام ابو العباس احمد بن علی الابار نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا تو اقامتِ صلوٰۃ، زکوٰۃ ادا کرنے، نیکی کا حکم دینے اور منکر سے منع کرنے پر آپ کی بیعت کی۔ ابار نے فرمایا: پھر جب میں نے یہ خواب (امام) ابو بکر المطوعی کے سامنے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: اگر میں یہ خواب دیکھ لیتا تو مجھے (اس کے بعد) کوئی پروا نہیں تھی کہ قتل (یعنی شہید) ہو جاتا۔ (تاریخ بغداد ۴/۳۰۶ وسندہ حسن)

وفات: آپ نصف شعبان بروز بدھ ۲۹۰ ہجری میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ

(/شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۵/ جون ۲۰۱۲ء)

امام محمد بن وضاح القرطبی رحمہ اللہ

امام قاری محمد بن وضاح القرطبی رحمہ اللہ کا مختصر اور جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

نام ونسب: ابو عبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی الاندلسی رحمہ اللہ۔

ولادت: ۱۹۹ھ

اساتذہ: احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، سعید بن منصور وغیرہم سے ملاقات کی اور ابوبکر بن ابی شیبہ، ابراہیم بن المنذر، حارث بن مسکین، زہیر بن عباد، سحنون بن سعید اور محمد بن رمح وغیرہم سے روایات بیان کیں۔ رحمہم اللہ

تلامذہ: احمد بن خالد بن الحباب، اصبغ بن مالک، قاسم بن اصبغ، محمد بن عبدالملک بن ایمن، محمد بن لبابہ، محمد بن مسور اور وہب بن مسرہ وغیرہم۔ رحمہم اللہ

توثیق ومناقب: آپ کی توثیق وتعریف پر بعض حوالے درج ذیل ہیں:

۱: ابن الجزری (محمد بن محمد بن محمد م ۸۳۳ھ) نے فرمایا:

"إمام زاهد ثقة" (غایۃ النہایہ فی طبقات القراء ۲/ ۲۷۵ ت ۳۵۱۸)

۲: ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے اُن کی سند سے ایک حدیث بیان کی اور فرمایا:

"و هذا حديث صحيح الإسناد ، لا يختلف في صحته ."

اور یہ حدیث صحیح السند ہے، اس کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (التمہید ۱/ ۲۸۲)

۳: ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ) نے محمد بن وضاح کی بیان کردہ ایک سند کے بارے میں کہا: "وهذا سند كالشمس فى الصحة."

اور یہ سند صحیح ہونے میں سورج کی طرح ہے۔ (المحلی ۷/ ۲۸۵ مسئلہ ۹۱۹)

۴: حافظ ابن حجر العسقلانی نے ابن حزم کی سند سے ایک اثر بیان کیا جس میں محمد بن وضاح ہیں اور ابن حزم سے نقل کیا: " هذا خبر صحيح " (تغلیق التعلیق ۵/ ۲۹۷)

حافظ ابن حجر نے حافظ ابن حزم کی مخالفت نہیں کی لہٰذا یہ اُن کی طرف سے ابن حزم کی موافقت ہے۔

۵: حافظ ذہبی نے فرمایا:

" قلت:هو صدوق في نفسه " (میزان الاعتدال ۴/ ۵۹ ت ۸۲۹۰)

اور فرمایا:" الإمام الحافظ محدث الأندلس " (سیر اعلام النبلاء ۱۳/ ۲۴۵)

نیز فرمایا:" الحافظ الكبير " (تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۶۴۶ ت ۶۷۰)

۶: ابن فرحون المالکی نے کہا:

" وكان إمامًا ثبتًا عالمًا بالحديث بصيرًا به متكلمًا على علله ، كثير الحكايات عن العباد، و رعًا فقيرًا زاهدًا متعففًا، صابرًا على الإسماع محتسبًا في نشر علمه، سمع الناس منه كثيرًا و نفع الله به أهل الأندلس "

اور وہ ثقہ امام، حدیث کی بصیرت رکھنے والے عالم، علل حدیث پر کلام کرنے والے، عبادت گزار یعنی نیک لوگوں کے بارے میں بہت سی حکایتیں بیان کرنے والے، پرہیز گار، فقیر زاہد، پاک دامن تھے۔ آپ حدیث پڑھانے میں صابر (اور) علم حدیث کی اشاعت میں نیک نیتی سے ثواب کے طلبگار رہتے۔ لوگوں نے آپ سے بہت سا علم سنا اور اللہ نے آپ کے ذریعے سے اندلس والوں کو فائدہ پہنچایا۔ (الدیباج المذہب ص ۲۳۸ ت ۴۵۱)

۷: ابن مفرج نے آپ کے مناقب پر ایک کتاب لکھی ہے۔ (الدیباج المذہب ص ۲۳۸)

☆ ابوسعید ابن یونس المصری نے کہا:" معروف مشهور "

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۶/ ۱۸۲)

☆ سلیمان بن خلف الباجی نے کہا:"مشهور ، رحل في طلب العلم ."

(ایضاً ص ۱۸۲)

۸: محمد بن فتوح الحمیدی (م ۴۸۸ھ) نے فرمایا:

" من الرواة المكثرين والأئمة المشهورين " (جذوۃ المقتبس ص ۸۷ ت ۱۵۲)

۹: سیوطی نے کہا: "هو الحافظ الكبير..." إلخ (طبقات الحفاظ ص ۲۸۷ ت ۶۴۶)

۱۰: ابن العماد الحنبلی نے کہا: "الحافظ الإمام ... وكان فقيرًا زاهدًا قانتًا لله، بصيرًا بعلل الحديث." (شذرات الذہب ۲/ ۱۹۴، وفیات ۲۸۶ھ)

۱۱: ابن القطان الفاسی نے محمد بن وضاح کی بیان کردہ ایک حدیث کو "إسنادًا صحيحًا" کہا۔ (بیان الوہم والایہام ۶/ ۲۲۴ ح ۲۴۳۵، نصب الرایہ ۱/ ۱۱۳)

۱۲: زیلعی حنفی نے ابن القطان کا قول نقل کر کے اس کی تردید نہیں کی۔ (نصب الرایہ ۱/ ۱۱۳)

۱۳: محمد بن وضاح کے شاگرد قاسم بن اصبغ نے بھی ان کی حدیث کو "هذا أحسن شيء" قرار دیا۔ (نصب الرایہ ۱/ ۱۱۴، بیان الوہم والایہام ۵/ ۲۲۵ وغیرہما)

جرح: آپ کے بارے میں جرح کی تحقیق درج ذیل ہے:

☆ ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یوسف الازدی یعنی ابن الفرضی (م ۴۰۳ھ) نے لکھا ہے:

احمد (بن محمد بن عبدالبر م ۳۳۸ھ) نے کہا: احمد بن خالد (بن یزید یعنی ابن الحباب: الحافظ المتقن) ان (اپنے استاذ محمد بن وضاح) کی بہت تعظیم کرتے تھے اور اندلس میں کسی کو بھی ان پر مقدم نہیں کرتے تھے، وہ ان کی فضیلت، عمل اور پرہیز گاری بیان کرتے تھے۔ اِلا یہ کہ وہ ان پر اس بات میں انکار کرتے تھے کہ وہ بہت سی حدیثیں رد کر دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ نبی ﷺ کا کلام نہیں ہے، حالانکہ وہ حدیث ثابت ہوتی تھی اور ان کی بہت غلطیاں محفوظ کی گئی ہیں، کئی چیزوں میں وہ غلطیاں کرتے تھے اور تصحیف کے ساتھ بیان کر دیتے تھے۔ ان کے پاس نہ عربی کا علم تھا اور نہ فقہ کا علم تھا۔

(تاریخ العلماء والرواۃ لابن الفرضی ۲/ ۱۸۔۱۹ ت ۱۱۳۶)

یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے:

۱: ابن الفرضی ۳۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور احمد مذکور ۳۳۸ھ میں فوت ہو گئے تھے، لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔

اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ احمد بن محمد بن عبدالبر کی کسی کتاب میں ہے تو اصل کتاب

سے مکمل حوالہ پیش کرے۔

۲: یہ جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہے اور خاص کی عام پر تقدیم کے بعد جمہور کی توثیق کے خلاف ہر جرح مردود ہوتی ہے، اسی طرح جمہور کی جرح کے خلاف ہر توثیق مردود ہوتی ہے۔

☆ ابن عبدالبر نے لکھا ہے: کہ عبداللہ الامیر بن عبدالرحمٰن بن محمد الناصر کہتے تھے کہ ابن وضاح نے ابن معین پر کذب (یعنی خطا) کا ارتکاب کیا ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۳۰۸ ح ۱۱۳۴، لسان المیزان ۵/ ۴۱۷)

اگر عبداللہ سے مراد عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن الحکم الاسدی ہے تو وہ ۳۰۰ھ کو فوت ہوا اور ابن عبدالبر ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے، لہٰذا یہ روایت سنداً منقطع و مردود ہے۔

اگر اس سے مراد کوئی دوسرا شخص ہے تو مجھے اس کے حالات نہیں ملے، المختصر یہ کہ یہ جرح بھی باسند صحیح ثابت نہیں۔

خلاصۃ التحقیق: امام محمد بن وضاح رحمہ اللہ ثقہ وصدوق راوی ہیں۔

ایک جاہل دیوبندی ابوبکر غازیپوری نے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ پر حدیثِ مصافحہ کے سلسلے میں اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مولانا کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا محض تعصب کی بنیاد پر ہے، ورنہ اس حدیث کی سند کا ایک راوی محمد بن وضاح ہے جس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے، ابن الفرضی کو اس پر سخت کلام ہے، اس کا بڑا مرض یہ تھا کہ حدیث رسول کو اپنی عقل کے پیمانہ سے ناپتا تھا جس حدیث اس کی عقل قبول نہ کرتی اس کا وہ انکار کر دیتا تھا، ابن الحباب اس کی عقل وغیرہ کی تعریف کرتے تھے مگر احادیث رسول ﷺ کو جو وہ رد کیا کرتا تھا اس پر اس کی نکیر کرتے تھے، مزید تفصیل آئندہ حاشیہ میں دیکھئے۔'' (ارمغانِ حق ج ۱ ص ۱۱۲، حاشیہ)

غازیپوری دیوبندی نے مزید لکھا ہے:

''مولانا نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، مگر اس کا ایک راوی محمد بن وضاح ہے، اس کو کسی

نے صراحۃً ثقہ نہیں کہا ہے، اس کا حال یہ تھا کہ بہت سی ثابت حدیثوں کو رد کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ نبی کا کلام نہیں ہے، بہت خطا کار تھا اس سے غلطیاں بہت واقع ہوتی تھیں صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح کرتا تھا نہ اسے عربیت کا علم تھا اور نہ فقہ کی جانکاری تھی، دیکھو سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۴۵، میزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۹، افسوس مولانا مبارکپوری نے ان تمام باتوں کو چھپایا اور اس کو ثقہ قرار دیا، بھلا ایسا راوی جس حدیث میں ہو وہ حدیث بھی قابل احتجاج قرار پائے، تعجب ہے۔'' (ارمغانِ حق ا ص ۱۱۵، حاشیہ)

عرض ہے کہ ابن الفرضی کی بیان کردہ جرح باسند صحیح ثابت ہی نہیں تو اس پر غازیپوری کا بنا ہوا سارا تانا بانا فنا ہوا اور رہا غازیپوری کا یہ کہنا کہ ''جس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے'' اور ''اس کو کسی نے صراحۃً ثقہ نہیں کہا ہے'' امام ابن الجزری کی توثیق اور ابن عبدالبر و ابن حزم وغیرہما کی تصحیح کے بعد یہ اعتراض بھی غلط و مردود ہے۔

حدیثِ مصافحہ درج ذیل ہے:

''ترون یدي هذه صافحت بها رسول الله ...'' عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میرا یہ ہاتھ دیکھتے ہو، میں نے اس کے ساتھ رسول اللہ (ﷺ) سے مصافحہ کیا تھا۔
(التمہید لابن عبدالبر ۱۲/ ۲۴۷ وسندہ صحیح أو حسن لذاتہ)

تنبیہ: قاسم بن اصبغ کا اختلاط کے بعد احادیث بیان کرنا ثابت نہیں اور محدثین کی تصحیح سے یہی ظاہر ہے کہ عبدالوارث بن سفیان کا ان سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے۔

یاد رہے کہ یہ وہی محمد بن وضاح ہیں، جن کی کتاب ''البدع والنہی عنھا'' سے محمد طاہر پنجپیری (مماتی دیوبندی) نے بھی استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے ضیاء النور ص ۱۷)

تصانیف: انھوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ مثلاً:

البدع والنهي عنها، القطعان، ماجاء في الحديث في النظر إلى الله تعالٰى وغير ذلك.

وفات: ۲۸۶ھ رحمہ اللہ

(۲۸/ مارچ ۲۰۱۳ء)

قاضی ابوالقاسم احمد ابن بقی البقوی القرطبی رحمہ اللہ

قاضی ابوالقاسم احمد ابن بقی البقوی القرطبی رحمہ اللہ (م ۶۲۵ھ) کا مختصر و جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

نام ونسب: ابو القاسم احمد بن یزید بن عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد بن احمد بن مخلد بن عبد الرحمٰن بن احمد بن بقی بن مخلد الاموی البقوی القرطبی المخلدی رحمہ اللہ

ولادت: ۱۲/ ذوالقعدہ ۵۳۷ھ

اساتذہ: ابوالحسن عبدالرحمٰن بن احمد ابی القاسم بن محمد، محمد بن عبدالحق الخزرجی، خلف بن بشکوال، ابوزید السہیلی صاحب الروض الانف، ابوالحسن شریح بن محمد المقریٔ اور عبدالملک بن مسرہ وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تلامذہ: محمد بن عیاش الخزرجی، ابوالقاسم ابن الایسر الجذامی، ابوالحکم مالک بن المرحل الادیب اور ابومحمد عبداللہ بن محمد بن ہارون وغیرہم۔ رحمہم اللہ

فضائل:

۱: ابن الابار (م ۶۵۸ھ) نے کہا: "وكان من رجالات الأندلس جلالاً وكمالاً"
اور وہ اندلس کے جلیل اور کامل مردوں میں سے تھے۔

اور کہا: "فحمدت سيرته ولم تزده الرفعة إلا تواضعًا."

پس ان کی سیرت محمود (اچھی) تھی اور عظمتِ شان کی وجہ سے آپ کے تواضع میں اضافہ ہی ہوا۔ (التکملہ لکتاب الصلۃ مع الصلۃ ۳/۸۴ ت ۲۹۱)

۲: حافظ ذہبی نے فرمایا: "الإمام العلامة المحدّث المسند قاضي الجماعة."

(سیر اعلام النبلاء ۲۲/ ۲۷۴)

اور فرمایا: "وكان ظاهري المذهب" اور وہ ظاہری مذہب والے تھے۔ (العبر ۳/ ۱۹۶)

۱: حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری رحمہ اللہ (م ۶۵۶ھ) نے فرمایا: "القاضي الأجل المحدّث المسند قاضي الجماعة..." (التکملۃ لوفیات النقلۃ ۳/ ۲۲۸ ت ۲۲۰۸)

۳: ابن مسدی نے کہا: ہمارے شیخ مراکش اور اندلس میں چوٹی کے مقام پر تھے... وہ اجماع اور اختلاف کو جاننے والے، ترجیح اور انصاف کی طرف مائل تھے۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ۴۵/ ۲۲۱، سیر اعلام النبلاء ۲۲/ ۲۷۰۔ ۲۷۶)

۴: مفسر ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی رحمہ اللہ (م ۷۴۵ھ) نے فرمایا:

"وكان فقيهاً عالماً على مذهب أهل الحديث..." اور وہ اہل حدیث کے مذہب پر فقیہ عالم تھے۔ (تفسیر البحر المحیط ۴/ ۱۷، المائدہ: ۹۱، معجم شیوخ السبکی ص ۶۰۱)

اس سے ثابت ہوا کہ حافظ ذہبی کا انھیں "المالکی" لکھنا غلط ہے اور خود حافظ ذہبی نے لکھا ہے: "وقد كان رحمه الله يغلب عليه الميل إلى مذهب أهل الأثر و الظاهر في أموره وأحكامه" اور آپ رحمہ اللہ پر (تمام) امور واحکام میں اہلِ اثر اور اہلِ ظاہر کے مذہب کی طرف جھکاؤ غالب تھا۔ (النبلاء ۲۲/ ۲۷۶)

حافظ ذہبی نے مزید لکھا ہے:

"وكان أبو القاسم يغلب عليه النزوع إلى مذهب أهل الحديث والظاهر في أحكامه وأموره." اور ابو القاسم پر اپنے احکام (فیصلوں) اور امور میں اہلِ حدیث و اہلِ ظاہر کی طرف رحجان و میلان غالب تھا۔ (تاریخ الاسلام ۴۵/ ۲۲۲)

ان عبارات میں اہلِ حدیث، اہلِ ظاہر اُن لوگوں کو کہا گیا ہے جو کسی کی تقلید نہیں کرتے بلکہ حدیث اور آثار کو ترجیح دیتے ہیں۔

اہلِ ظاہر کا مشہور مسئلہ ہے کہ تقلید جائز نہیں، جیسا کہ حافظ ابن حزم الاندلسی الظاہری نے لکھا ہے: "والتقليد حرام" اور تقلید حرام ہے۔

(النبذۃ الکافیۃ فی احکام اصول الدین ص ۷۰، تحقیقی مقالات ۳/ ۴۰)

یعقوب بن یوسف بن عبدالمؤمن الظاہری (م ۵۹۵ھ) نے علماء کو حکم دیا کہ وہ

صرف قرآن مجید اور سنتِ نبویہ (حدیث) کے مطابق ہی فتوے دیں اور مجتہدین متقدمین میں سے کسی کی تقلید نہ کریں۔ (تاریخ ابن خلکان ۷/۱۱، تحقیقی مقالات ۳/۴۲)

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی بکر بن الابار القضاعی الاندلسی البلنسی (م ۶۵۸ھ) نے بکر بن خلف بن سعید بن عبدالعزیز بن کوثر الغافقی الاشبیلی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے:

"وکان فقیهاً علٰی مذهب أهل الظاهر، لایر ی التقلید"

وہ اہلِ ظاہر کے مذہب پر فقیہ تھے، تقلید کے قائل نہیں تھے۔

(التکملہ لکتاب الصلہ ۳/۱۵۰ ت ۵۷۸)

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ قاضی احمد البقوی رحمہ اللہ اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے اور امام مالک وغیرہ کسی کی تقلید کے بھی قائل نہیں تھے۔

۶: وہ موطأ امام مالک کے راویوں میں سے ایک اہم راوی تھے۔

فوائد:

بقی بن مخلد کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: "وکان مجتهدًا لایقلد أحدًا" اور وہ مجتہد تھے، کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ (تاریخ الاسلام ۲۰/۳۱۳، تحقیقی مقالات ۳/۳۰)

عبداللہ بن وہب کے بارے میں فرمایا: "کان ... مجتهدًا لا یقلد أحدًا"

حسن بن موسیٰ الاشیب کے بارے میں فرمایا: "لا یقلد أحدًا"

اس طرح کے بہت سے حوالوں کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات (۳/ ۲۵-۶۴)

سرفراز خان صفدر نے اپنی دیوبندی زبان میں لکھا ہے: "ہاں غیر مقلدین حضرات کو ایسے ٹھوس اور صریح حوالجات درکار ہیں جن میں مجتہد کے بعد لا یقلد احدًا کے الفاظ ہوں مثلاً امام داود بن علی الظاہریؒ ..... اس قسم کے صریح اور غیر متعارض حوالے ان کے لئے مفید مطلب ہو سکتے ہیں۔" الخ (طائفہ منصورہ ص ۱۴۶)

وفات: قاضی احمد البقوی ۱۵/ رمضان ۶۲۵ھ کو بعد از نماز جمعہ فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ

(۱۷/ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

ابو عمیر الحارث بن عمیر البصری المکی رحمہ اللہ

ثقہ امام حمزہ بن الحارث بن عمیر البصری رحمہ اللہ کے والد ابو عمیر حارث بن عمیر البصری ثم المکی رحمہ اللہ کا مختصر و جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

نام و نسب: ابو عمیر (وابو حمزہ) حارث بن عمیر البصری نزیل مکہ رحمہ اللہ

اساتذہ: حمید الطویل (تابعی)، ایوب السختیانی، عبید اللہ بن عمر اور یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تلامذہ: ابراہیم بن محمد بن عباس الشافعی المطلبی، ابو اسامہ حماد بن اسامہ، حمزہ بن الحارث بن عمیر، سفیان بن عیینہ، عبد الرحمٰن بن مہدی، عبد الملک بن قریب الاصمعی اور یعلی بن عبید الطنافسی وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تنبیہ: محمد بن زنبور المکی رحمہ اللہ (موثق عند الجمہور و صدوق حسن الحدیث) کی حارث بن عمیر سے روایت ضعیف ہوتی ہے، جیسا کہ آگے کلمات جرح کے تحت آئے گا۔ ان شاء اللہ

توثیق و تعریف:

۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "الحارث بن عمیر من أصحاب أیوب ثقة ثقة، کان إسماعیل حدثنا عنه و ابن عیینة یحدّث عنه" ایوب (سختیانی) کے شاگردوں میں سے حارث بن عمیر ثقہ ثقہ ہیں، ہمیں اسماعیل (ابن علیہ) ان سے حدیث بیان کرتے تھے اور (سفیان) بن عیینہ ان سے حدیث بیان کرتے تھے۔

(سوالات ابی داود: ۲۳۳ تحقیق زیاد محمد منصور)

نیز دیکھئے کتاب المعرفۃ والتاریخ (۲/۱۹۶، وسندہ صحیح)

۲) امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ کے شاگرد امام حماد بن زید رحمہ اللہ "کان ... یقدّم الحارث بن عمیر و یثني علیه" حارث بن عمیر کو مقدم قرار دیتے اور ان کی ثنا

(تعریف) بیان کرتے تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۳/۸۳ وسندہ صحیح)

☆ بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ امام ابوداود نے بغیر کسی سند کے امام حماد بن زید رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے: "نظر حماد بن زيد إلى الحارث بن عمير فقال: هذا من ثقات أصحاب أيوب" حماد بن زید نے حارث بن عمیر کی طرف دیکھا تو فرمایا: یہ ایوب (سختیانی) کے ثقہ شاگردوں میں سے ہیں۔ (سنن ابی داود: ۳۶۰۴)

یہ قول غیر ثابت ہونے کی وجہ سے میری شرط پر نہیں۔ واللہ اعلم

۳) امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "ثقة" (کتاب الجرح والتعدیل ۳/۸۳ وسندہ صحیح)

اور فرمایا: "ثقة بصري وكان بمكة" (سوالات ابن الجنید: ۶۸۹)

اور فرمایا: "والحارث بن عمير ثقة" (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۴۲۹۷)

٤) امام ابوزرعہ الرازی نے فرمایا: "وهو ثقة رجل صالح"

(کتاب الجرح والتعدیل ۳/۸۳)

٥) امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "ثقة" (کتاب الجرح والتعدیل ۳/۸۳)

٦) امام دارقطنی نے فرمایا: "بصري سكن مكة، هو ثقة" (سوالات البرقانی: ۱۰۵)

۷) امام عجلی نے فرمایا: "الحارث بن عمير ثقة" (الثقات/ التاریخ للعجلی: ۲۳۴)

۸) امام بخاری نے صحیح بخاری میں اُن سے تعلیقاً روایت لی۔ (ح ۱۸۰۲)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: "وهو من رجال البخاري" (فتح الباری ۸/۶۰۹ تحت ح ۴۸۵۵)

عینی حنفی نے کہا: "واستشهد به البخاري" بخاری نے ان سے استشہاداً روایت لی۔

(شرح سنن ابی داود للعینی ۵/ ۴۷)

محمد بن طاہر المقدسی نے حماد بن سلمہ کے بارے میں فرمایا: "بل استشهد به في مواضع ليبين أنه ثقة.." بلکہ (بخاری نے) کئی مقامات پر ان سے بطورِ استشہاد روایت بیان کی تاکہ واضح ہو کہ وہ ثقہ ہیں۔ الخ (شروط الائمۃ الستۃ ص ۲)

۹) امام احمد بن حنبل نے فرمایا: "إذا روى عبد الرحمن عن رجل فروايته

حـــجة." جب عبدالرحمٰن (بن مہدی) کسی راوی سے روایت بیان کریں تو اس راوی کی روایت (ابن مہدی کے نزدیک) حجت ہے۔

(الکفایہ للخطیب ۱/ ۲۹۸ ح ۲۴۶ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ص ۹۲)

امام ابوداود نے امام احمد سے پوچھا کہ اگر یحییٰ (بن سعید القطان) اور عبدالرحمٰن بن مہدی کسی مجہول راوی سے روایت بیان کریں تو کیا اس کی روایت حجت ہوگی؟ انھوں نے فرمایا: اس کی روایت حجت ہوگی۔ (سوالات ابی داود: ۱۳۷، طبعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ النبویہ)

نیز دیکھئے تدریب الراوی (۱/ ۳۱۷) اور اعلاء السنن (۱۹/ ۲۱۶)

حارث بن عمیر سے عبدالرحمٰن بن مہدی کی روایت کے لئے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۵۷ ح ۶۲۵)

۱۰) ثقہ امام ابراہیم بن محمد بن عباس الشافعی المطلبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے حارث بن عمیر کے جنازے میں (امام) فضیل بن عیاض (رحمہ اللہ) کو فرماتے ہوئے سنا:

"هل سمعتم أحدًا إلا وهو يقول : نعم الرجل يعني الحارث بن عمير."

کیا تم نے کسی ایک کو بھی سنا ہے مگر وہ یہی کہہ رہا ہے: حارث بن عمیر بہت اچھے آدمی ہیں۔

(سوالات ابن الجنید: ۶۸۹ وسندہ صحیح)

یعنی ان کی وفات پر سب لوگ ان کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ رحمہ اللہ

۱۱) امام ترمذی نے حارث بن عمیر کی بیان کردہ ایک حدیث کے بعد فرمایا:

"هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه ..." (سنن ترمذی: ۳۷۰۷)

اور یہ ضمنی توثیق ہے۔

۱۲) ابوعوانہ الاسفرائینی نے صحیح ابی عوانہ میں حارث بن عمیر سے روایت لی۔

(ج ۲ ص ۴۹۶ ح ۳۹۷۵، ۴/ ۴۳۹ ح ۷۲۳۲ شاملہ، مطبوعہ نسخہ ج ۵ ص ۵)

۱۳) ابونعیم الاصبہانی نے اُن سے المستخرج علیٰ صحیح مسلم میں روایت بیان کی۔

(۴/ ۱۲۳ ح ۳۳۹۴)

۱۴) ضیاء المقدسی نے المختارہ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (۶۴/۱۰۔۶۵ ح ۵۸)

۱۵) بوصیری (متاخر) نے حارث بن عمیر کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"هذا إسناده صحيح" (مصباح الزجاجہ:۱۰۰۲، سنن ابن ماجہ:۳۰۳۹)

۱۶) حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

"وثقه الجمهور و في أحاديثه مناكير ، ضعفه بسببها الأزدي و ابن حبان وغيرهما فلعلّه تغيّر حفظه في الآخر" انھیں جمہور نے ثقہ کہا، اور ان کی حدیثوں میں منکر روایتیں ہیں جن کے سبب سے انھیں ازدی اور ابن حبان وغیرہما نے ضعیف قرار دیا، پس ہو سکتا ہے کہ آخر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا ہو۔ (تقریب التہذیب:۱۰۴۱)

اس ارشاد میں "وثقه الجمهور " کے مقابلے میں چاروں جرحیں مردود ہیں:

۱: منکر روایتوں کی وجہ حارث بن عمیر نہیں بلکہ اُن کے شاگرد محمد بن زبنور المکی ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

۲: ازدی بذاتِ خود ضعیف ہے اور اس سے جرح کے ثبوت میں بھی نظر ہے۔

۳: ابن حبان کی جرح جمہور کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے یہاں نا قابلِ حجت ہے۔

۴: تغیر کا الزام بے دلیل ہے۔

حافظ صاحب نے دوسری جگہ لکھا ہے: "وثقه الجمهور و شذ الأزدي فضعفه و تبعه الحاكم و بالغ ابن حبان فقال :إن أحاديثه موضوعة..."

انھیں جمہور نے ثقہ قرار دیا اور ازدی نے شذوذ کرتے ہوئے انھیں ضعیف کہا اور حاکم نے اس کی اتباع کی، ابن حبان نے مبالغہ کرتے ہوئے کہا: اس کی حدیثیں موضوع ہیں... الخ

(ہدی الساری ص ۴۵۶)

۱۷) امام سلیمان بن حرب نے حارث بن عمیر کے بارے میں امام حماد بن زید رحمہ اللہ کی تعریف نقل کی اور اس کا کوئی رد نہیں کیا، جو کہ یہاں جمہور کی توثیق کے موافق ہونے کی وجہ سے ان کی رضامندی کی دلیل ہے۔

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۳/۸۳، یہی مضمون فقرہ:۲)

۱۸) امام یعقوب بن سفیان الفارسی نے حارث بن عمیر کے بارے میں امام احمد بن حنبل کی توثیق نقل کی اور کوئی رد نہیں کیا۔ (دیکھئے کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۱۹۶)

بلکہ الجامع فی الجرح والتعدیل والوں نے اس توثیق کو یعقوب بن سفیان سے براہِ راست نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم (دیکھئے ج ۱ ص ۱۴۳ ت ۷۴۹)

☆ معاصر ڈاکٹر بشار عواد معروف العراقی نے ابن خلفون سے حارث بن عمیر کی توثیق نقل کی ہے اور اُن سے پہلے مغلطائی حنفی نے حارث بن عمیر کے بارے میں عجلی اور دارقطنی کی توثیق/ ابو سعید النقاش، حاکم، ابن خزیمہ اور ابن حبان کی جرح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

" ولما ذكره ابن خلفون في جملة الثقات ذكر أن أبا الفتح الأزدي قال: هو ضعيف منكر الحديث" (اکمال تہذیب الکمال ۳/۳۱۲ ت ۱۱۰۱)

چونکہ یہ توثیق باسند صحیح ثابت نہیں، لہٰذا میں نے اس پر کوئی نمبر نہیں لگایا۔

۱۹) امام ابوداود نے حارث بن عمیر کی بیان کردہ ایک منقطع روایت (ح ۱۱۹۳) لکھی تو عبدالحق اشبیلی نے الاحکام الوسطیٰ میں اس سے استدلال کیا اور حارث بن عمیر پر کوئی جرح نہیں کی۔ (دیکھئے ج ۲ ص ۸۸)

بلکہ الاحکام الکبریٰ میں لکھا ہوا ہے:

"الحارث بن عمير هذا رجل صالح ثقة مشهور " (ج ۲ ص ۴۳۵)

۲۰) حافظ عبدالعظیم المنذری نے حارث بن عمیر کی ایک روایت بطورِ جزم "وعنه" ذکر کر کے سکوت کیا۔

دیکھئے الترغیب والترہیب (۲/۲۰ ح ۱۲۸۷، تصدقوا فإن الصدقة فكاككم من النار)

یہ ان کے نزدیک تحسین یا تصحیح ہوتی ہے۔ (دیکھئے مقدمۃ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۶)

اس طرح کے دوسرے اقوال بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں، لیکن یہاں انھی پر کفایت ہے۔

دوسرا رُخ: جرح اور اس کا جواب:

اب حارث بن عمیر المکی البصری رحمہ اللہ پر بعض علماء کی ثابت یا غیر ثابت جرح مع رد پیشِ خدمت ہے:

ا: حافظ ابن حبان نے فرمایا: "کان ممن یروي عن الأثبات الأشیاء الموضوعات" (المجروحین ۱/۲۲۳، دوسرا نسخہ ۱/۲۶۶ ت ۲۰۲)

۲: حاکم نیشاپوری نے کہا: "روی عن حمید الطویل و جعفر بن محمد الصادق أحادیث موضوعة. واللّٰہ أعلم" (المدخل الی الصحیح ص ۱۲۷ ت ۳۳)

۳: ابن الجوزی نے انھیں کتاب الضعفاء والمجروحین میں ذکر کیا اور ابن حبان کی جرح نقل کی۔ (ج ۱ ص ۱۸۳ ت ۷۲۲)

۴: حسین بن ابراہیم الجورقانی الہمدانی (م ۵۴۳ھ) نے حارث بن عمیر کی طرف منسوب ایک روایت کو "ھذا حدیث باطل" کہا اور بغیر کسی سند کے امام ابن خزیمہ سے نقل کیا: "والحارث بن عمیر کذاب" (الاباطیل والمناکیر ۲/۲۷۹ ح ۶۸۲)

۵: حافظ ذہبی رحمہ اللہ

☆ امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ سے باسند صحیح یہ ہرگز ثابت نہیں کہ انھوں نے حارث بن عمیر کو کذاب کہا تھا، لہٰذا تمام متاخرین کے حوالے بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

☆ محمد بن حسین الازدی کی جرح باسند صحیح ثابت نہیں اور ازدی بذاتِ خود بھی ضعیف و مجروح تھا۔

☆ ابوسعید النقاش کی جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ چار پانچ یا کچھ زیادہ علماء نے حارث بن عمیر پر جرح کی ہے، جبکہ بیس (۲۰) یا اس سے زیادہ محدثین کرام نے ان کی توثیق و تعریف کی ہے، لہٰذا

جمہور محدثین کے مقابلے میں بعض کی جرح مردود ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ فلاں امام نے فلاں راوی کو کذاب یا ضعیف وغیرہ کہا ہے، بلکہ اصل مسئلہ صرف یہ ہے کہ جمہور محدثین کس طرف ہیں؟!

جب جمہور محدثین سے ایک قول (مثلاً توثیق یا تضعیف) ثابت ہو جائے تو اس کے مقابلے میں ہر شخص یا بعض اشخاص کی بات مردود ہے اور جرح و تعدیل میں تعارض کی صورت میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

حافظ ابن حبان نے حارث بن عمیر کی طرف منسوب ایک روایت پر شدید جرح کی ہے: "آية الكرسي و شهد الله و فاتحة الكتاب معلقات بالعرش" إلخ

آیۃ الکرسی، شھد اللہ (سورۂ آل عمران: ۱۸) اور سورۂ فاتحہ عرش سے لٹکی ہوئی ہیں۔

(المجروحین ۱/۲۶۶)

اس روایت کی سند دو وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

۱: یہ سند منقطع ہے۔ (دیکھئے تنزیہ الشریعہ لابن عراق ۱/۲۸۸)

جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ عن علی رضی اللہ عنہ میں اگر جد سے مراد امام جعفر الصادق کے دادا (علی بن حسین رحمہ اللہ) ہیں تو یہ سند منقطع ہے اور اگر جد سے مراد محمد بن علی الباقر رحمہ اللہ کے دادا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہیں تو بھی یہ سند منقطع ہے۔

۲: حارث بن عمیر سے یہ روایت صرف محمد بن زنبور (جعفر/ ابی الازھر) نے بیان کی ہے اور وہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں لیکن حارث سے ان کی روایت میں کلام ہے۔ دیکھئے التنکیل للیمانی (۱/۲۲۳)

یہ روایت واقعی ضعیف و مردود ہے لیکن حارث بن عمیر اس روایت سے بری ہیں۔

خلاصۃ التحقیق: حارث بن عمیر المکی البصری رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق ہونے کی وجہ سے ثقہ و صحیح الحدیث راوی ہیں اور ان پر حافظ ابن حبان وغیرہ کی جرح اصلاً مردود ہے۔ رحمہ اللہ (۷/ شوال ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۶/ اگست ۲۰۱۲ء)

یعقوب بن عبداللہ القمی الاشعری رحمہ اللہ

تبع تابعین میں سے ابوالحسن یعقوب بن عبداللہ القمی رحمہ اللہ کا مختصر و جامع تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

نام و نسب: ابوالحسن یعقوب بن عبداللہ بن سعد بن مالک بن ہانی بن عامر بن ابی عامر الاشعری القمی رحمہ اللہ

شیوخ: جن اساتذہ سے انھوں نے احادیث سنیں، اُن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں: ابو مالک ثعلبہ بن سہیل، جعفر بن ابی المغیرہ القمی، حفص بن حمید القمی، زید بن اسلم، سلیمان الاعمش، عیسیٰ بن جاریہ الانصاری اور ہارون بن عنترہ وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تلامذہ: ان کے بہت سے شاگردوں میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:
حفص بن حمید الکوفی، الحسن بن موسیٰ الاشیب، طلق بن غنام النخعی، عبدالاعلیٰ بن حماد النرسی، عبداللہ بن المبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبیداللہ بن موسیٰ، ابو غسان مالک بن اسماعیل النہدی، ابوسلمہ منصور بن سلمہ الخزاعی، ہیثم بن جمیل الانطاکی، یونس بن محمد المؤدب، ابوداود الحفری اور ابوالربیع الزہرانی وغیرہم رحمہم اللہ

توثیق و مناقب: درج ذیل محدثین کرام سے ان کی توثیق و تعریف ثابت ہے:

۱: امام ابوالقاسم الطبرانی نے ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:

" لا یروی عن جابر بن عبد اللّٰہ إلا بھذا الإسناد تفرد بہ یعقوب و ھو ثقۃ. " (المعجم الصغیر ۱/۱۹۰ ح ۵۱۱)

۲: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۷/۶۴۵ ت ۱۱۸۸۰)
اور صحیح ابن حبان میں ان سے حدیث بیان کی۔

۳: امام ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں ان سے حدیث بطورِ حجت بیان کی۔ (ح ۱۰۷۰)

۴: امام ترمذی نے ان کی ایک حدیث کو ''حسن غریب'' کہا۔ (سنن ترمذی: ۲۹۸۰)

۵: ضیاء المقدسی نے المختارہ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (۱۰/ ۱۰۵ ح ۱۰۱، وغیرہ)

۶: عبدالحق اشبیلی نے انھیں ''صالح'' کہا اور ان کی حدیث سے استدلال کیا۔

(الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ ۳/ ۳۹۶)

۷: یعقوب بن شیبہ نے اس سند کو حسن قرار دیا، جس میں یعقوب القمی موجود ہیں۔

(مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ص ۸۲۔۸۳ ح ۲۳)

۸: امام بخاری نے صحیح بخاری میں، شواہد و متابعات میں یعقوب القمی سے تعلیقاً ایک روایت بیان کی۔ (کتاب الطب باب الشفاء فی ثلاث ح ۵۶۸۰)

۹: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''صدوق'' (الکاشف ۳/ ۲۱۸ ت ۶۳۸۹)

اور فرمایا: '' الإمام المحدث المفسر'' (سیر اعلام النبلاء ۸/ ۲۹۹ ت ۷۹)

۱۰: ان سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے روایت بیان کی اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی (اپنے نزدیک) صرف ثقہ سے روایت بیان کرتے تھے۔ (لسان المیزان ۱/ ۱۵، تدریب الراوی ۱/ ۳۱۷)

۱۱: ہیثمی نے یعقوب بن عبداللہ کی ایک حدیث کو حسن کہا۔ (مجمع الزوائد ۲/ ۷۴)
یعنی وہ ہیثمی کے نزدیک حسن الحدیث راوی ہیں۔

۱۲: عبدالعظیم المنذری نے اُن کی ایک حدیث کو ''باسناد جید'' کہا۔ (دیکھئے الترغیب والترہیب ۱/ ۵۰۶۔۵۰۷ ح ۱۰۶۹، بحوالہ ابی یعلیٰ: ۱۷۹۹۔۱۸۰۰، صحیح ابن حبان: ۲۷۸۳ [۲۷۹۴])

۱۳: بوصیری نے اُن کی ایک حدیث کو حسن کہا۔ (زوائد ابن ماجہ: ۴۲۳۱)

۱۴: حافظ ابن حجر نے فرمایا: '' صدوق یهم '' (تقریب التہذیب: ۷۸۲۲)
ایسا راوی اگر جمہور کے نزدیک موثق ہو تو حسن الحدیث ہوتا ہے۔

تنبیہ: ابو الشیخ الاصبہانی اور ابو نعیم اصبہانی دونوں نے بغیر کسی سند کے جریر (بن عبدالحمید) سے نقل کیا ہے کہ وہ جب یعقوب القمی کو دیکھتے تو فرماتے: '' هذا مؤمن آل فرعون. '' یہ آلِ فرعون میں سے مومن ہے۔ (طبقات المحدثین باصبہان ۲/ ۳۴ ت ۸۶، اخبار اصبہان ۲/ ۳۵۱)

یہ قول بے سند ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں اور اگر ثابت ہوتا تو بہت بڑی توثیق تھی۔ آلِ فرعون کے جس مومن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، وہ انتہائی اعلیٰ درجے کے مومن جنتی ہیں۔
نیز اس میں یہ اشارہ ہے کہ قم کی بستی شیعہ فرقے سے تعلق رکھتی ہے اور یعقوب القمی شیعہ نہیں بلکہ اہل سنت میں سے تھے۔ اس قول میں شیعہ کو آل فرعون سے تشبیہ دی گئی ہے۔
محمد بن حمزہ (؟) نامی کسی شخص نے کہا کہ یعقوب القمی قم سے باہر نکل کر ایک قریبی گاؤں میں چلے گئے اور وہ روزانہ اپنے خادم سے کہتے تھے: اوپر چڑھ کر دیکھو! کیا قم کی بستی زمین میں دھنسا دی گئی ہے؟ (طبقات المحدثین باصبہان ۲/۳۵)

یہ سند حافظ ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن مندہ الاصبہانی کے استاد محمد بن حمزہ کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام نسائی نے یعقوب بن عبداللہ کو لیس بہ باس کہا، لیکن مجھے یہ قول باسند صحیح نہیں ملا۔

جمہور محدثین کی اس توثیق کے مقابلے میں یعقوب القمی پر درج ذیل جرح ثابت ہے:

۱: امام دارقطنی نے فرمایا: ''ليس بالقوي'' (کتاب العلل ۳/۹۲ سوال ۲۹۸)

۲: حافظ ابن الجوزی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء والمتروکین ۳/۲۱۶ ت ۳۸۲۳)

یہ جرح جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے، لہٰذا یعقوب القمی صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے ایک روایت کے جواب میں کہا: ''اس کی سند میں بھی عیسیٰ بن جاریہ ہے، نیز یعقوب قمی ہے، اس پر بھی کتاب رجال میں جرح موجود ہے۔ اگرچہ اکثر محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔'' (خزائن السنن ص ۴۹۸، حصہ سوم ص ۴۲)

نیموی ''حنفی'' نے بھی یعقوب القمی اور عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''و إسناده صحيح'' کہا۔ (آثار السنن: ۹۶۰ عن جابر رضی اللہ عنہ)

وفات: ۱۷۴ھ رحمہ اللہ (۲۴/ مارچ ۲۰۱۳ء)

محمد بن سابق التمیمی الکوفی البزاز البغدادی رحمہ اللہ

ابوجعفر یا ابوسعید محمد بن سابق رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۴ھ) کی توثیق درج ذیل علمائے حدیث سے ثابت ہے:

۱) امام بخاری رحمہ اللہ

صحیح بخاری میں محمد بن سابق کی آٹھ (۸) روایات موجود ہیں:

۲۷۸۱، ۲۷۸۲، ۳۵۶۶، ۴۱۸۹، ۴۲۲۸، ۵۱۶۲، ۵۵۷۹، ۶۹۰۸ب

۲) امام مسلم رحمہ اللہ

[۲۶۷۹]۱۱۴۲

۳) امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین جیسے امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"کوفي ثقة" (التاریخ المشہور بالثقات:۱۵۹۸)

٤) حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات (۹/ ٦۱) میں ذکر کیا۔

٥) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

آپ نے محمد بن سابق سے روایات بیان کیں اور آپ (عام طور پر) صرف مقبول (یعنی ثقہ وصدوق) راوی سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب ۹/ ۱۱۴، محمد بن الحسن بن آتش/ نیز دیکھئے التنکیل ۱/ ۴۲۹ رقم ۱۹۳، محمد بن اعین)

امام احمد نے (کسی شخص سے) فرمایا: " إذا أردت أبا نعیم فعلیك بابن سابق ."

اگر تم ابونعیم کو چاہتے ہو تو ابن سابق کو لازم پکڑلو۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۷/ ۲۸۳ وسندہ صحیح)

٦) امام ترمذی رحمہ اللہ نے محمد بن سابق کی بیان کردہ ایک روایت کو "حسن غریب" کہا۔ (ح ۱۹۷۷)

۷) ابوعوانہ الاسفرائینی رحمہ اللہ نے المستخرج میں اُن سے روایات بیان کیں۔

۸) حاکم نیشاپوری نے اُن کی بیان کردہ ایک حدیث کو "صحیح الإسناد" کہا اور حافظ ذہبی نے اُن کی موافقت کی۔ (المستدرک ۲/ ۵۴۰ ح ۳۹۸۷)

۹) حسین بن مسعود البغوی نے اُن کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:
"هذا حديث صحيح" (شرح السنۃ ۹/ ۴۹ ح ۲۲۶۷)

۱۰) حافظ ذہبی نے فرمایا: "وهو ثقة عندي"
اور وہ میرے نزدیک ثقہ ہیں۔ (میزان الاعتدال ۳/ ۵۵۵ ت ۷۵۶۸)
نیز "صح" کی رمز کے ساتھ اشارہ کیا کہ عمل اُن کی توثیق پر ہی ہے یعنی اُن پر جرح مردود ہے۔
حافظ ذہبی نے محمد بن سابق کی بیان کردہ ایک حدیث کو صحیح قرار دیا۔ (دیکھئے فقرہ سابقہ: ۸)

۱۱) حافظ ابن عبدالبر نے اُن کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:
"هذا حديث حسن صحيح ثابت ..." (التمہید ۳/ ۱۶۵)

۱۲) ابن القطان الفاسی المغربی نے محمد بن سابق کے بارے میں جرح و تعدیل نقل کر کے لکھا: "فالحديث من أجله حسن" پس اُن کی وجہ سے (یہ) حدیث حسن ہے۔
(بیان الوہم والایہام ۵/ ۳۰۱ رقم ۲۴۸۹)

۱۳) ابو نعیم الاصبہانی نے المستخرج میں اُن سے روایت بیان کی۔ (۳/ ۲۱۸ ح ۲۵۹۲)

۱۴) حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: "صدوق" (تقریب التہذیب: ۵۸۹۷)

۱۵) یعقوب بن سفیان الفارسی نے محمد بن سابق سے روایت بیان کی۔
(المعرفۃ والتاریخ ۳/ ۱۴۵، تاریخ بغداد ۱۲/ ۳۱۱ ت ۶۷۵۳، دیکھئے طلیعۃ التنکیل ص ۲۳)

☆ ابن عقدہ رافضی نے محمد بن صالح کیلجہ سے محمد بن سابق کے بارے میں نقل کیا۔
"كان خياراً لا بأس به" (تہذیب التہذیب ۹/ ۱۷۵، تاریخ بغداد ۵/ ۳۴۰ ت ۲۸۵۸)
یہ روایت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

☆ کہا جاتا ہے کہ امام نسائی نے فرمایا: "ليس به بأس"

(تاریخ بغداد ۵/ ۳۴۰، تہذیب التہذیب ۹/ ۱۷۵)

یہ روایت بھی عبدالکریم بن الامام النسائی کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

☆ یعقوب بن شیبہ نے فرمایا: "**كان شيخًا صدوقًا ثقة و ليس ممن يوصف الضبط للحديث**" وہ شیخ صدوق ثقہ تھے اور ان میں سے نہیں جنھیں ضبطِ حدیث کے ساتھ موصوف قرار دیا جاتا ہے۔ (تاریخ بغداد ۵/ ۳۴۰، دوسرا نسخہ ۳/ ۲۹۶ واللفظ لہ)

اس عبارت سے دو باتیں ظاہر ہیں:

۱: وہ یعقوب بن شیبہ کے نزدیک صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

۲: ان کا ضبطِ حدیث امام مالک وغیرہ ثقات متقنین کی طرح نہیں تھا۔

اگر اس قول کو جرح پر محمول کیا جائے تو یہ دو وجہ سے مردود ہے:

۱: جمہور کی توثیق کے مقابلے میں بعض کی جرح مردود ہوتی ہے۔

۲: یہ قول باہم متناقض ومتعارض ہو کر ساقط ہے۔

۱۶) ابن حزم نے ان کی بیان کردہ ایک حدیث ذکر کر کے فرمایا: "**فهذا هو الذي لا يجوز خلافه لصحته ولأنه لو صحت تلك الأخبار لكان هذا زائدًا عليها و زيادة العدل لا يجوز ردها**"

پس یہ ایسی صحیح بات ہے جس کی مخالفت جائز نہیں، کیونکہ اگر وہ روایتیں صحیح ہوں تو یہ ان پر زیادت (اضافہ) ہے اور عادل راوی کی زیادت کو رد کرنا جائز نہیں۔ (المحلیٰ ۷/ ۳۳۱ مسئلہ ۹۵۰)

اب جمِ غفیر کی اس توثیق کے مقابلے میں جرح کے حوالے درج ذیل ہیں:

۱) یحییٰ بن معین نے فرمایا: **ضعيف** (کتاب الجرح والتعدیل ۷/ ۲۸۳ ت ۱۵۲۸)

☆ ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "**يكتب حديثه ولا يحتج به**" (تہذیب التہذیب ۹/ ۱۷۵، التنکیل للیمانی المعلمی تحریر عبدالرزاق بن عبدالشکور دل مطبوعہ دعوت اہل حدیث عدد ۱۴۴ ص ۳۰)

یہ جرح باسند صحیح امام ابوحاتم سے نہیں ملی اور عبدالرزاق صاحب سے مطالبہ ہے کہ وہ اس کا صحیح و مستند حوالہ پیش کریں۔

۲) حافظ ابن الجوزی نے کہا: " ضعیف " (کتاب الضعفاء والمتروکین ۳/۶۲ ت ۲۹۹۹)
دوسری جگہ خود ابن الجوزی نے فرمایا: " و علی هذا الأکثرون في توثیقه "
اور اس پر، اکثریت نے اس کی توثیق کی ہے۔ (المنتظم ۱۰/۲۶۰ ت ۱۲۰۶)
ظاہر ہے کہ اکثریت یعنی جمہور کے مقابلے میں ابن الجوزی کی جرح کون مانتا ہے؟
صحیح مسلم کی بسم اللہ بالسر والی حدیث کو معلول یعنی ضعیف قرار دینے والے عبدالرزاق دَل صاحب نے امام ابوحاتم کی طرف منسوب قول کی بنیاد پر لکھا ہے:
"یعنی: محمد بن سابق کی متفرد روایت مردود ہے..." (دعوت اہل حدیث: ۱۴۴ص ۳۰)
اس کا جواب سبحان اللہ اور انا للہ کے سوا صرف یہی ہو سکتا ہے کہ دَل صاحب کی مذکورہ بات جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔
دَل صاحب کے مذکورہ مضمون کا جواب یعنی صحیح مسلم کی حدیث کا زبردست دفاع جناب ابوعمر کاشف سلفی صاحب نے لکھا ہے، جو تقریباً تین ماہ سے دعوت اہل حدیث کے مدیر منتظم کے پاس موجود ہے اور شائع ہونے کا منتظر ہے۔
دَل صاحب کا طرزِ عمل اور منہج ایسا ہی ہے جیسا کہ البانی صاحب نے اپنے آخری دور میں بھی (سلسلہ ضعیفہ کی چودھویں جلد میں) صحیح بخاری کی کئی احادیث کو ضعیف و منکر قرار دیا اور ارشاد الحق اثری صاحب کے "فاضل بھائی" محمد خبیب احمد فیصل آبادی نے صحیح مسلم کی ایک حدیث پر حملہ کرنے کے بعد لکھا: "عرض ہے کہ یہ زیادت حسن لغیرہ کے درجے تک بھی نہیں پہنچتی، کیونکہ ایسی حدیث حسن لغیرہ قرار پاتی ہے، جس میں ضعف شدید نہ ہو اور قرائن بھی اس کی صحت پر دلالت کریں۔" (مقالات اثریہ ص ۴۱۱)
ظاہر ہے کہ ضعف شدید اور قرائن کا ترازو خبیب صاحب نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے، لہٰذا صحیح مسلم کا دفاع کرنے والوں کو کنارے لگانے کی کوششیں جاری ہیں۔ سبحان اللہ!
صحیح مسلم کی صحیح و ثابت حدیث ان لوگوں کے نزدیک حسن لغیرہ کے درجے تک بھی نہیں پہنچتی (!!!) لیکن دوسری طرف یہی لوگ ضعیف و مردود روایات کو حسن لغیرہ کی چھتری

تلے حجت تسلیم کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ!

صحیح مسلم کی اس حدیث کا دفاع ہم کافی عرصہ پہلے کر چکے ہیں، جو مفصل مضمون کی صورت میں ہماری کتاب: تحقیقی مقالات (۲/۲۲۹ تا ۲۶۵) میں موجود ہے۔ والحمد للہ

ان لوگوں کا منہج درج ذیل باتوں پر مشتمل ہے:

۱: صحیح بخاری میں ضعیف و منکر روایات بھی موجود ہیں، جیسا کہ البانی صاحب کا حوالہ گزر چکا ہے۔

۲: صحیح مسلم میں ضعیف و معلول روایات بھی موجود ہیں، جیسا کہ خبیب اور عبدالرزاق دَل صاحبان کی نرالی "تحقیقات" ہیں۔

۳: مرضی کے مدلسین کی معنعن روایات بھی صحیح و حجت ہیں۔

۴: جب مرضی ہو تو ضعیف + ضعیف کو حسن لغیرہ قرار دے کر حجت بنانا جائز ہے۔

۵: صحیحین کے صحیح بہاراویوں کی منفرد روایات مردود ہو سکتی ہیں۔!!!

دَل صاحب نے مذکورہ صفحے پر ہی شیخ معلمی کے مقابلے میں شیخ البانی کی عبارت پیش کی ہے، لہٰذا عرض ہے کہ شیخ البانی نے محمد بن سابق کے بارے میں لکھا ہے:

" فمثله حسن الحديث على أقل الأحوال " پس اس جیسے راوی کم از کم طور پر حسن الحدیث ہوتے ہیں۔ (السلسلۃ الصحیحۃ ۱/۶۳۵ ح ۳۲۰)

نیز فرمایا:" أضف إلى ذلك أن الشيخين قد احتجا به "اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کر لیں کہ بخاری و مسلم نے ان (محمد بن سابق) سے بطورِ حجت استدلال کیا ہے۔

(ایضاً ص ۶۳۵)

بلکہ بعد میں البانی صاحب نے ابن سابق مذکور کو ثقہ قرار دیا اور ان کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:" و هذا إسناد صحيح "

اور سیوطی سے نقل کیا:" سنده جيد " (الصحیحۃ ۷/۲۲۴ ح ۳۰۸۸)

☆ امام علی بن المدینی سے مروی ہے کہ انھوں نے " الأعمش عن إبراهيم عن

علقمة " کی سند والی ایک روایت کو منکر قرار دیا، جسے محمد بن سابق نے بیان کیا۔

(تاریخ بغداد ۵/۳۳۹)

اس روایت کی سند میں احمد بن عبدالملک القطان (ان پڑھ) کی توثیق مطلوب ہے، نیز اعمش اور ابراہیم نخعی مدلسین کے عنعنہ میں بھی نظر ہے۔

خلاصۃ التحقیق: جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے محمد بن سابق ثقہ وصدوق راوی ہیں اور ان کی منفرد روایت صحیح لذاتہ یا حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبدالرزاق دَل صاحب نے ''عون الصبور علی حجیۃ الحسن المجبور'' (!!!) کے نام سے ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ کا جو بیت العنکبوت بنا اور چودھویں صدی کے شیخ معلمی کو اپنا موافق ثابت کرنے کی کوشش کی، وہ سارا تانا بانا فنا ہوا، کیونکہ یہ ضعیف + ضعیف کا مسئلہ نہیں بلکہ ضعیف + ثقہ وصدوق نیز ضعیف + صحیح بخاری کا مسئلہ ہے اور شیخ معلمی کا استدلال مشرکین کے سوال جواب سے نہیں بلکہ لیس کمثلہ شيئ ، الواحد اور الصمد سے ہے۔ (دیکھئے مجموعہ رسائل معلمی ج ۱۱ ص ۴۴۴، ۴۴۰)

اور اگر کھینچ تان کر اس بات کو ثابت کرنے کی بھی کوشش کر لی جائے تو یہ متقدمین کا منہج نہیں بلکہ متاخرین کا اپنی بعض پسندیدہ روایات کے بارے میں طرزِ عمل ہے۔

رہا ان غیر صریح اقوال کا مسئلہ جو کہ دَل صاحب اور خبیب صاحب نے متقدمین سے کشید کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے زبردست رد کے لئے محترم حافظ ندیم ظہیر حفظہ اللہ کے مضمون (مقالہ حسن لغیرہ پر ایک نظر) کا مطالعہ مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ

اس مضمون کی پہلی قسط ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو (شمارہ نمبر ۱۰۶) میں شائع ہو چکی ہے۔

آخر میں تین اہم باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: یہ بالکل صحیح ہے کہ راقم الحروف نے شیخ معلمی رحمہ اللہ کی کتابوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں ان کی ہر بات سے متفق ہوں، مثلاً شیخ معلمی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام عجلی متساہل تھے۔!!

جبکہ امام عباس بن محمد الدوری رحمہ اللہ نے امام عجلی کے بارے میں فرمایا: ہم انھیں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسا سمجھتے تھے۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۱۴)

تفصیل کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۳ ص ۳۵۱۔۳۵۲، ۵/۱۳۹)

لہٰذا شیخ معلمی کا امام عجلی کو متساہل قرار دینا غلط ہے۔

دوسری مثال کے طور پر عرض ہے کہ شیخ معلمی نے ترکِ رفع یدین کی ایک روایت پر درج ذیل الفاظ میں جرح کی:

"لكن هناك علل : الأولى :أن سفيان يدلس ولم أر في شيٍ من طرق هذا الحديث عنه تصريحه بالسماع."

لیکن اس روایت میں (کئی) علتیں ہیں:

اول: سفیان (ثوری) تدلیس کرتے تھے اور مجھے اس روایت کی کسی سند میں بھی ان کے سماع کی تصریح نہیں ملی۔ (التنکیل ۲/۲۰)

ظاہر ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کی معنعن روایات کو سینے سے لگانے والوں اور انھیں طبقۂ ثانیہ کا مدلس باور کرانے والوں کے نزدیک معلمی کی مذکورہ بالا علت صحیح نہیں، یعنی یہ لوگ بھی ہر مسئلے میں شیخ معلمی سے متفق نہیں ہیں۔

کیا دَلصاحب شیخ معلمی جیسے کسی امتی عالم کا نام بتا سکتے ہیں جس کے ہر قول وفعل سے وہ متفق ہیں؟! اگر نہیں تو پھر ایسی بات کرنے کا کیا فائدہ جس پر خود اُن اپنا عمل بھی نہیں۔

۲: ایک قول جو حافظ ابن حجر نے حافظ ابن القطان (کی کتاب) سے نقل کیا، وہ ابن القطان کی اصل کتاب میں نہیں ملا، اس کے بارے میں دَلصاحب نے لکھا ہے: "پہلی بات یہ قول ابن القطان کی کتاب بیان الوہم والایہام میں کئی علماء کو نہیں ملا۔ جس کی وضاحت شیخ زبیر علی زئی نے بھی اپنے مقالات (۴/۵۷۹) میں کی ہے۔" (دعوت اہل حدیث: ۱۴۴ ص ۳۲)

اس سے یہی ظاہر ہے کہ دَلصاحب بھی غیر ثابت اقوال سے استدلال کے قائل نہیں، لہٰذا عرض ہے کہ آپ نے شیخ معلمی پر اعتماد کر کے صحیحین کے راوی محمد بن سابق پر امام ابوحاتم

کی جرح نقل کر دی اور پھر اس پر اعتماد کرتے ہوئے اتنا بڑا دعویٰ کر دیا کہ

''یعنی: محمد بن سابق کی متفرد روایت مردود ہے''

گزارش ہے کہ امام ابو حاتم کی اصل کتاب یا اُن تک صحیح سند سے مذکورہ قول پیش کریں۔ اگر دلصاحب کہیں کہ میں نے تو یہ قول صرف نقل کیا ہے، تو عرض ہے کہ صرف نقل نہیں بلکہ آپ نے اس کی بنیاد پر جمہور کے نزدیک ایک زبردست ثقہ راوی کی متفرد (یعنی منفرد) روایت کو مردود قرار دیا ہے، لہٰذا آپ پر یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس قول کو ثابت کریں، ورنہ اس کا رد شائع کریں۔

بغیر تحقیق کے سنے سنائے اقوال سے استدلال کرنا اہلِ تحقیق کی شان سے بعید ہے۔
علمی تحقیقات میں خیالی پلاؤ اور ہوائی فائر نہیں چلتے بلکہ مضبوط دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳: دلصاحب نے متاخرین میں سے ایک عالم ابن الصلاح کو ''شیخ مصطلح امام الرجال'' کا لقب بھی عطا فرمایا ہے۔ (رسالہ مذکورہ ص ۳۲)

لہٰذا عرض ہے کہ ابن الصلاح (تقلیدی) نے عامی (مقلد) کے بارے میں لکھا ہے:

''فإن كان شافعيًا لم يكن له أنْ يستفتي حنفيًا و لا يخالف إمامه''

پس اگر وہ شافعی ہے تو اسے حنفی سے مسئلہ نہیں پوچھنا چاہئے اور اپنے امام کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔ (ادب المفتی والمستفتی ص ۸۷ مکتبہ شاملہ)

ابن الصلاح کے بارے میں اور بھی کئی باتیں ہیں، مثلاً کسی محقق کا سابقہ محدثین کے حوالے کے بغیر حدیث کو صحیح کہنا اور مذاہب اربعہ سے خروج۔!

ظاہر ہے کہ ساتویں صدی ہجری کے حافظ ابن الصلاح کی ہر بات سے متفق ہونا بھی ضروری نہیں۔

تنبیہ: ضعیف + ضعیف والی نام نہاد ''حسن لغیرہ'' روایت کے حجت نہ ہونے پر راقم الحروف کے تین تحقیقی مضامین کے لئے دیکھئے علمی مقالات (۴/۰ ۵۷_۵۸۴، ۵/۱۷۳_۱۹۵)

[۲۲/ جون ۲۰۱۳ء]

عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث اور جمہور محدثین

ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث الانصاری الزرقی المدنی کے بارے میں محدثین کرام اور علمائے حدیث کی گواہیاں مختلف ہیں، جن کی مفصل تحقیق درج ذیل ہے:

جارحین اور جرح

۱) امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ نے فرمایا: "لیس بثقة" وہ ثقہ نہیں۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۵/۲۸۴ ت ۱۳۵۲، وسندہ صحیح)

یہ قول اور بھی کئی کتابوں میں ہے۔

۲) ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "لیس بقوي، یکتب حدیثه ولا یحتج به." وہ قوی نہیں، اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (ایضاً ص ۲۸۴)

☆ یحییٰ بن معین نے فرمایا: "لیس یحتج بحدیثه." اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (ایضاً ص ۲۸۴ وسندہ صحیح، تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۰۵۰)

اس جرح کے مقابلے میں ابن معین سے ابوالحویرث مذکور کی توثیق بھی ثابت ہے:

۱: احمد بن سعد بن ابی مریم عنہ قال: ثقة. (الکامل لابن عدی ۵/۵۰۲ وسندہ صحیح)

۲: ابن ابی خیثمہ عنہ قال: ثقة. (تاریخ ابن ابی خیثمہ ۴/۲۷۰)

۳: عثمان الدارمی عنہ قال: ثقة. (تاریخ الدارمی ص ۱۶۸)

یہ چاروں راوی ثقہ ہیں اور یہ صراحتاً معلوم نہیں کہ جرح پہلے کی ہے یا تعدیل پہلے کی ہے، لہٰذا یہ توثیق اور جرح دونوں ساقط ہیں۔

۳) نسائی نے فرمایا: "لیس بثقة" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۶۵)

٤) ابن عدی (المعتدل) نے فرمایا: اور (امام) مالک اس کے بارے میں زیادہ جانتے

ہیں کیونکہ وہ مدنی ہیں (اور یہ بھی مدنی ہے) اور انھوں نے اس سے کوئی روایت بیان نہیں کی۔ (الکامل ۴/ ۱۶۱۸، دوسرا نسخہ ۵/ ۵۰۲)

اس کلام میں حافظ ابن عدی امام مالک کے مکمل مؤید ہیں، لہٰذا ان کی طرف سے بھی ابوالحویرث پر" ليس بثقة" والی جرح نافذ ہے۔

۵) عقیلی نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا اور کسی قسم کی توثیق نہیں کی۔

(دیکھئے ج ۲ ص ۳۴۴ ت ۹۴۵)

٦) ابواحمد الحاکم یعنی حاکم کبیر نے فرمایا:" ليس بالقوي عندهم "

(کتاب الاسامی والکنیٰ ۴/ ۱۵۶ ت ۱۸۳۵)

۷) ابن الجوزی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا اور کوئی توثیق نہیں کی۔

(دیکھئے ج ۲ ص ۱۰۰ ت ۱۹۰۳)

۸) ابن عبدالبر نے فرمایا:" ليس بالقوي عندهم ."

(الاستغناء فی معرفۃ المشہورین من حملۃ العلم بالکنیٰ ۱/ ۵۸۰ ت ۶۳۳)

☆ حافظ ذہبی نے فرمایا:" لين "ضعیف ہے۔ (المجرد فی اسماء رجال سنن ابن ماجہ: ۹۲۹)
جبکہ دوسری طرف ذہبی نے اس کی ایک حدیث کو صحیح قرار دیا۔

(تلخیص المستدرک ۱/ ۵۳۵۔۵۳۶ ح ۱۹۶۴، دیکھئے موثقین کا فقرہ نمبر ۶)

یہ دونوں اقوال باہم متعارض و متناقض ہو کر ساقط ہو گئے۔

۹) حافظ ابن حجر نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

" فإنها رواية شاذة مع ما في أبي الحويرث و أبي صالح من الضعف ."

پس یہ روایت شاذ ہے، نیز اس کے ساتھ کہ ابوالحویرث اور ابو صالح میں جو ضعف ہے۔

(فتح الباری ۱/ ۴۴۲۔۴۴۳، کتاب التیمم ب ۳ تحت ح ۳۳۷)

نیز حافظ صاحب نے اسے" صدوق سيئ الحفظ رمي بالارجاء " بھی قرار دیا۔ (تقریب التہذیب: ۴۰۱۱)

یعنی وہ حافظے کی خرابی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر سے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی توثیق ہمیں نہیں ملی۔

۱۰) ہیثمی نے فرمایا: " و الأکثر علٰی تضعیفه ." اور جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۱/۳۲)

۱۱) بوصیری نے ایک روایت کو ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی وجہ سے ضعیف کہا:

" ھذا إسناد ضعیف لضعف... واسمه عبد الرحمٰن بن معاویة ."

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ ۶/۴۴۰ ح ۶۲۶۷)

موثقین اور توثیق

۱) شعبہ/ انھوں نے ابوالحویرث سے روایت بیان کی اور امام شعبہ عام طور پر اپنے نزدیک ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔

☆ یحییٰ بن معین کے اقوال باہم متعارض ومتناقض ہونے اور ناسخ منسوخ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہیں۔

۲) علی بن المدینی نے فرمایا: " کان عندنا ثقة " وہ ہمارے نزدیک ثقہ تھے۔

(سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ لابن المدینی ص ۹۲)

۳) ابن خزیمہ نے اُن سے صحیح ابن خزیمہ (۱۴۵۰) میں روایت بیان کی۔

٤) ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔

٥) ابن شاہین نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا: " مدیني ثقة " (ص ۱۴۵)

٦) حاکم نے اُن کی ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۱/۱۸۷ ح ۱۹۶۴، ووافقہ الذہبی)

۷) ضیاء مقدسی نے اُن سے المختارۃ میں روایت بیان کی۔ (۳/۱۲۹ ح ۹۳۱)

☆ امام احمد بن حنبل کے سامنے بیان کیا گیا کہ امام مالک نے انھیں " لیس بثقة " کہا ہے تو انھوں نے اس کا انکار کیا اور فرمایا: نہیں، اور اُن سے شعبہ نے روایت بیان کی ہے۔

(الجرح والتعدیل ۵/۲۸۴)

اگر قرینہ نہ ہو تو لیس بثقة کا متبادر معنی ومفہوم یہی ہے کہ یہ جارح کے نزدیک شدید جرح ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا:

" بل لفظة ليس بثقة في الاصطلاح يوجب الضعف الشديد."

بلکہ اصطلاح (اصولِ حدیث) میں لیس بثقة کے لفظ سے شدید ضعف لازم آتا ہے۔

(تہذیب التہذیب ۴/۳۴۷ ترجمہ شعبہ بن دینار)

حافظ ذہبی نے اسے جرح کے تیسرے درجے میں ذکر کیا ہے جس میں متروک، ذاہب الحدیث اور ہالک وغیرہ جروح بھی موجود ہیں۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۱/۴)

یاد رہے کہ لیس بثقة اور ليس بالثقة میں بھی فرق ہے۔

امام احمد سے صراحتاً اور ابو الحویرث کی توثیق (مثلاً ثقہ یا صدوق کے الفاظ کہنا) ثابت نہیں لہٰذا امام احمد کو ابو الحویرث کے موثقین میں ذکر کرنا محلِ نظر ہے۔

عین ممکن ہے کہ اُن کا انکار اور نفی ضعفِ شدید سے متعلق ہو۔ واللہ اعلم

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ جارحین کی تعداد دس (۱۰) سے زیادہ ہے اور موثقین کی تعداد سات (۷) ہے، لہٰذا راقم الحروف کا درج ذیل بیان بالکل صحیح ہے:

''جس کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے (۱) ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ ضعیف ہے (نیل المقصود: ۱۱۰۵) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے (دیکھئے مجمع الزوائد ۱/ ۸)...''

(ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۳ ص ۶، اپریل ۲۰۰۶ء)

تنبیہ بلیغ: راقم الحروف نے مذکورہ تحریر کے کئی عرصہ بعد... لکھا تھا:

" قلت :بل وثقه الجمهور " (تحقیقی مقالات ۳/۳۸۵)

میری یہ بات غلط ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوئے رجوع کا اعلان ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث واقعی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے اور حافظ ہیثمی نے بھی اسی نتیجے کی صراحت کر رکھی ہے۔

(۲۸/ مارچ ۲۰۱۳ء)

عبدالقدوس بن بکر بن خنیس الکوفی رحمہ اللہ

سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ وغیرہما کے راوی ابوالجہم عبدالقدوس بن بکر بن خنیس الکوفی کے چند اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

بکر بن خنیس، حبیب بن سلیم العبسی، حجاج بن ارطاۃ، مالک بن مغول اور ہشام بن عروہ وغیرہم۔ ان کے چند تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

ابراہیم بن موسیٰ الفراء، احمد بن حنبل، احمد بن منیع، صالح بن ہیثم الواسطی، عبداللہ بن عون الخراز اور مغیرہ بن معمر البصری وغیرہم۔

درج ذیل محدثین کرام سے آپ کی توثیق وتعریف ثابت ہے:

۱: امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "لا بأس بحديثه" ان کی حدیث کے ساتھ کوئی حرج نہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/ ۵۶ ت ۲۹۸)

۲: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا: "روى عنه أحمد ابن حنبل" ان سے احمد بن حنبل نے روایت بیان کی۔ (۸/ ۴۱۹)

۳: امام ترمذی نے ان کی بیان کردہ ایک حدیث کو حسن (صحیح) کہا۔ (ح ۹۸۶)

ابن القطان الفاسی نے کہا: "و أرى أن الترمذي قد وثقه بتصحيح حديثه" اور میں سمجھتا ہوں کہ ترمذی نے انھیں تصحیحِ حدیث کے ذریعے سے ثقہ قرار دیا ہے۔

(بیان الوہم والایہام ۵/ ۲۳۷ ح ۲۴۴۶)

۴: امام احمد بن حنبل نے ان سے بہت سی احادیث بیان کی اور آپ عام طور پر اپنے نزدیک صرف ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: کیونکہ احمد اور علی (بن المدینی) دونوں (اپنے نزدیک) صرف مقبول (ثقہ وصدوق) سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ۳/ ۵۴۰ ترجمہ محمد بن الحسن بن آتش)

☆ ابوالقاسم البغوی کے استاد اسحاق بن ابراہیم المروزی (؟؟) نے کہا:

" نا عبد القدوس بن بكر بن خنيس و كان من خيار الناس " ہمیں عبدالقدوس بن بکر بن خنیس نے حدیث بیان کی اور وہ بہترین لوگوں میں سے تھے۔

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی، نسخہ محققہ: ۱۳۲)

یہ روایت المروزی کے عدمِ تعین کی وجہ سے ثابت نہیں، لہٰذا اس پر یہاں کوئی نمبر نہیں لگایا گیا۔ اس توثیق کے مقابلے میں اب غیر ثابت جرح کی تحقیق پیشِ خدمت ہے:

☆ حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

" و ذكره البخاري في كتاب الضعفاء فقال: لايعرف لحجاج سماع من عامر و قال أبو حاتم: لا بأس به ." اور انھیں بخاری نے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا تو کہا: حجاج (بن ارطاۃ) کا عامر (بن عبداللہ) سے سماع معلوم نہیں اور ابو حاتم نے فرمایا: اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں۔ (میزان الاعتدال ۲/۶۴۲ ت ۵۱۵۵)

حافظ ذہبی کا یہ قول کہ انھیں بخاری نے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا، کئی وجہ سے غلط ہے:

۱: میرے علم کے مطابق کتاب الضعفاء للبخاری کے کسی مطبوعہ یا مخطوطہ نسخے میں عبدالقدوس بن بکر کا ترجمہ موجود نہیں۔

۲: کتاب الضعفاء للبخاری میں جو راوی مذکور ہو، بعد کے کئی محدثین مثلاً حافظ ابن عدی (فی الکامل) اور حافظ عقیلی (فی الضعفاء الکبیر) وغیرہما اسے امام بخاری کی سند سے نقل کرتے ہیں، لیکن عبدالقدوس مذکور کا ذکر ان کتابوں میں نہیں۔ حافظ ابن الجوزی نے بھی اپنی کتاب الضعفاء میں امام بخاری کی طرف یہ منسوب قول نقل نہیں کیا۔

۳: حافظ ذہبی نے بذاتِ خود لکھا ہے:

" وهو قليل الرواية ، ما رأيت لأحد فيه كلامًا " اور وہ قلیل الروایت ہیں، میں نے ان میں کسی کا کلام (یعنی جرح کا قول) نہیں دیکھا۔ (تاریخ الاسلام ۱۲/۲۸۱ ت ۲۳۰)

جب جرح ہی نہیں دیکھی تو کتاب الضعفاء میں تذکرہ کہاں سے آ گیا؟

۴: امام بخاری نے اپنی مشہور کتاب التاریخ الکبیر میں عبدالقدوس بن بکر کو ذکر کیا اور کسی قسم کی کوئی جرح نہیں کی بلکہ صرف حجاج بن ارطاۃ پر کلام کیا۔ (دیکھئے ج ۶ ص ۱۲۱ ت ۱۹۰۲)

معلوم یہی ہوتا ہے کہ حافظ ذہبی کو یہاں سہو وتسامح ہوا ہے کہ انھوں نے سبقت قلم سے "وذكره البخاري في كتاب التاريخ" کے بجائے "وذكره البخاري في كتاب الضعفاء" لکھ دیا۔

۵: امام بخاری سے عبدالقدوس بن بکر پر جرح باسند صحیح ہرگز ثابت نہیں اور بے سند حوالے حجت نہیں ہوتے بلکہ صحیح دلائل کے مقابلے میں ہمیشہ مردود ہوتے ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی کا پیش کردہ حوالہ غلط ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے:

"قلت: و ذكر محمود بن غيلان عن أحمد و ابن معين و أبي خيثمة أنهم ضربوا على حديثه" میں نے کہا: محمود بن غیلان نے احمد، ابن معین اور ابوخیثمہ سے نقل کیا کہ انھوں نے اس کی حدیث کو کاٹ دیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ۲/۶۰۰)

امام محمود بن غیلان رحمہ اللہ (م ۲۳۹ھ) تو حافظ ابن حجر کے آباء واجداد کی پیدائش سے بھی صدیوں پہلے فوت ہو گئے تھے، لہٰذا یہ بے سند حوالہ باطل ومردود ہے۔

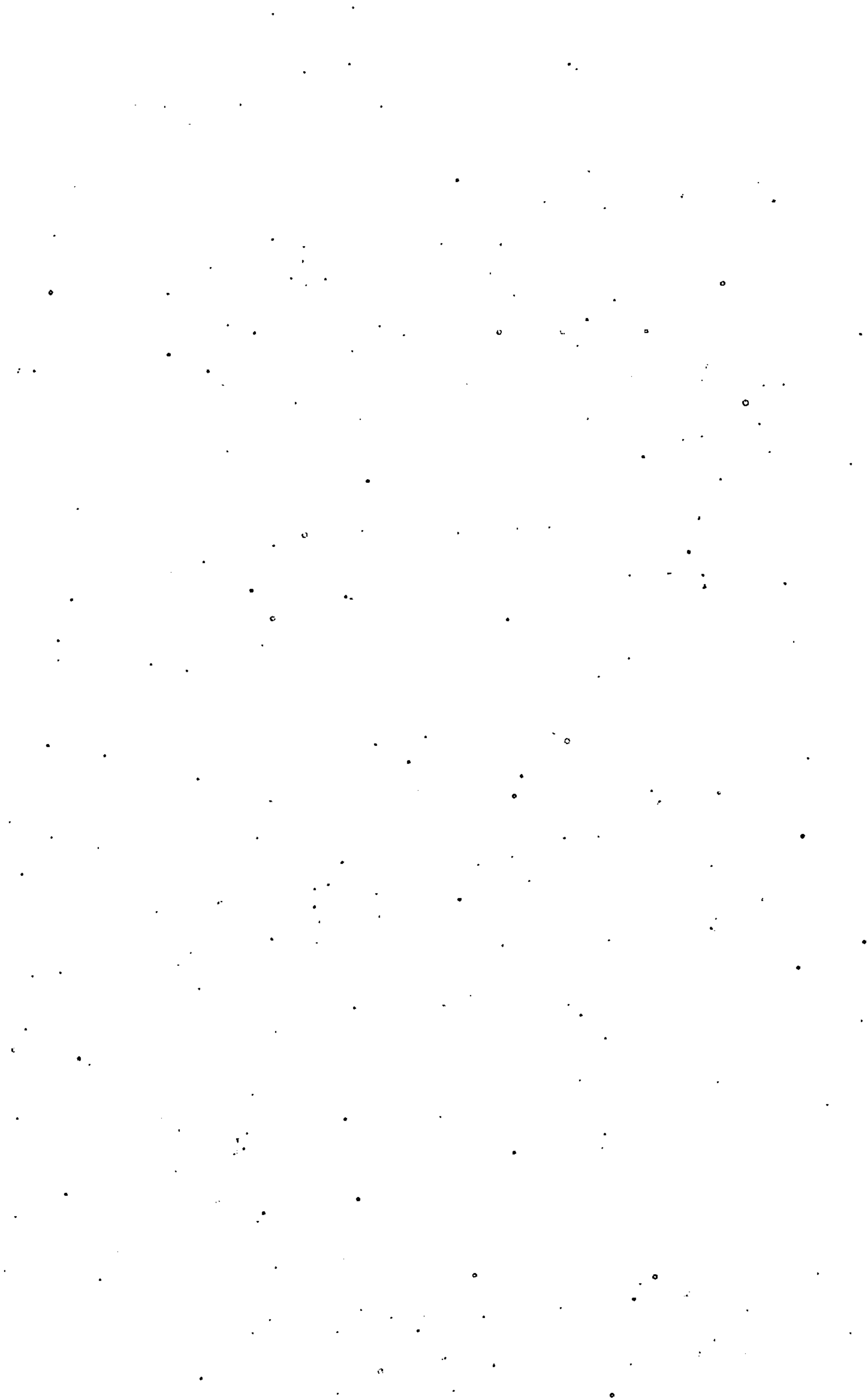
کسی کتاب میں محمود بن غیلان سے یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔

اس حوالے کے باطل ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے عبدالقدوس بن بکر سے مسند احمد (۱/ ۴۲۸، ۲/ ۲۱۵، ۳/ ۳۵۷ وغیر ذلک) وغیرہ میں بہت سی روایات بیان کی ہیں۔

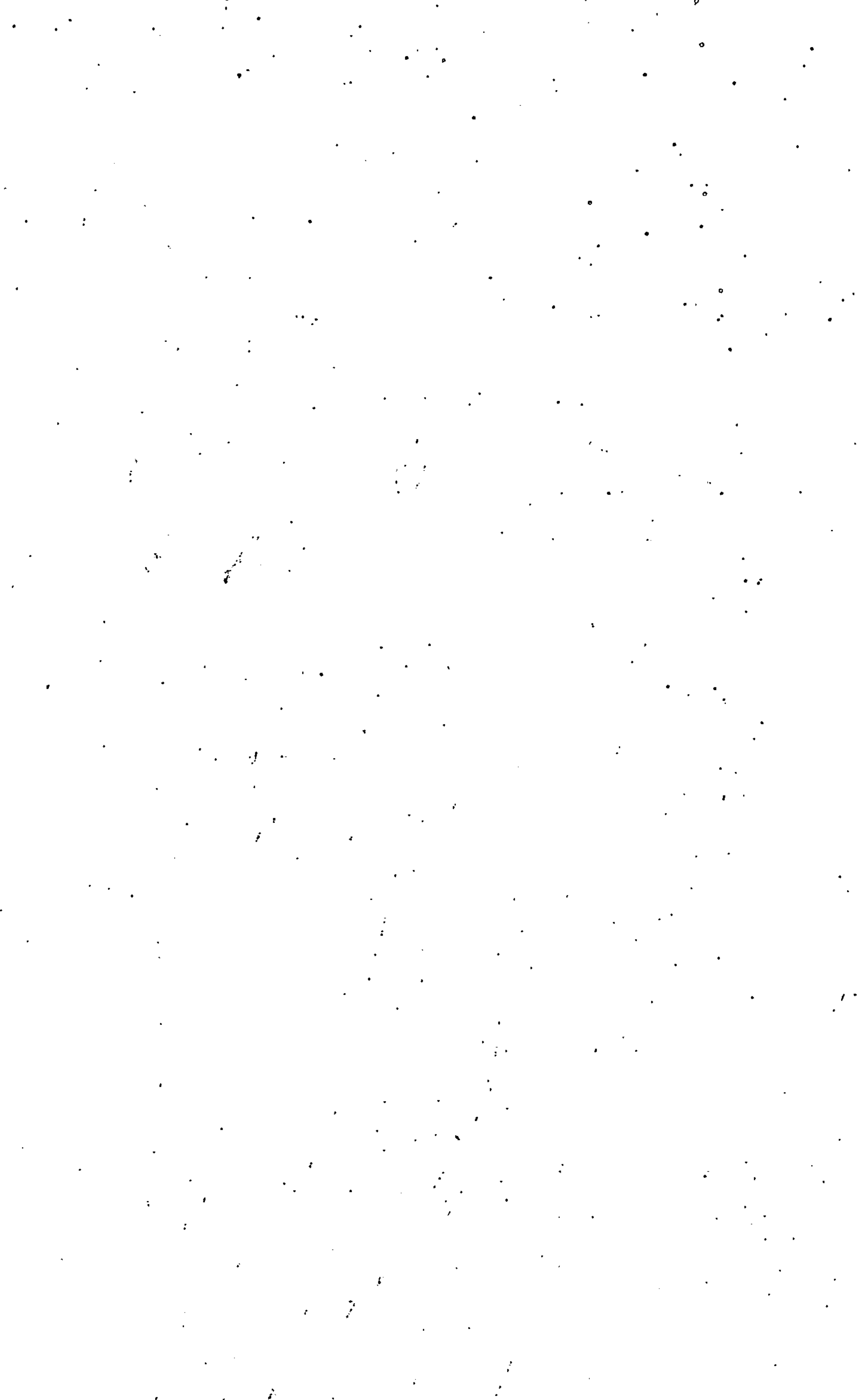
خلاصۃ التحقیق: عبدالقدوس بن بکر بن خنیس چار محدثین کی توثیق اور عدمِ جرح کی وجہ سے ثقہ وصدوق راوی ہیں اور ان کی بیان کردہ حدیث صحیح لذاتہ ہوتی ہے۔

آپ ۱۸۱ھ اور ۱۹۰ھ کے درمیان یعنی دوسری صدی ہجری میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ

(۱۹/ اگست ۲۰۱۳ء)



تذکرة الراوی



حنفیہ کے مزعوم امام ابوحنیفہ تابعی نہیں تھے

محمد ارشد سجاد دیوبندی نے حنفیہ کے امام ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے بارے میں لکھا ہے: ''اللہ رب العزت نے آپ کو بے شمار خوبیوں اور صفات سے نوازا تھا جن میں سے ایک بہت بڑی صفت یہ بھی ہے کہ آپ تابعیت کے بلند پایہ مرتبہ پر بھی فائز ہوئے۔''

اس کے بعد ارشد سجاد صاحب نے درج ذیل علماء کے ذاتی اقوال پیش کئے:

۱: ابن الندیم (پیدائش نامعلوم، وفات ۴۳۸ھ بحوالہ معجم المولفین).

۲: ابن عبدالبر (پیدائش ۳۶۸ھ) ۳: ذہبی (پیدائش ۶۷۳ھ)

۴: یافعی (پیدائش ۷۰۰ھ) ۵: ابن کثیر (پیدائش ۷۰۱ھ)

۶: ابن حجر العسقلانی (پیدائش ۷۷۳ھ) ۷: عینی حنفی (پیدائش ۷۶۲ھ)

۸: ابن العماد حنبلی (پیدائش ۱۰۳۲ھ) (دیکھئے الیاس گھمن کا قافلہ ج ۷ ش ۱ ص ۳۹۔۴۰)

یہ سب علماء حنفیہ کے امام کی وفات کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے تھے، لہٰذا ان کے اقوال منقطع و بے سند ہونے کی وجہ سے یہاں مردود ہیں۔ ان منقطع و بے سند اقوال کے مقابلے میں حنفیہ کے امام ابوحنیفہ نے خود اپنے بارے میں فرمایا: " ما رأيت أفضل من عطاء " میں عطاء (بن ابی رباح) سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (الکامل لابن عدی ۷/ ۲۴۷۳، واللفظ لہ، طبعہ جدیدہ ۸/ ۲۳۷ وسندہ صحیح، مسند علی بن الجعد ۲/ ۷۷۷ ح ۲۰۶۳، دوسرا نسخہ: ۱۹۷۸، تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۲۵، العلل الصغیر للترمذی ص ۸۹۱، کتاب القراءت خلف الامام للبیہقی ص ۱۴۴ تحت ح ۳۲۱ دوسرا نسخہ ص ۱۵۷ تحت ح ۳۴۵).

ظاہر ہے کہ اس گواہی سے ثابت ہوا کہ امام صاحب نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا تھا، ورنہ وہ یہ کبھی نہ کہتے: میں نے عطاء سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ امام صاحب کے اپنے اس قول اور گواہی کے مقابلے میں اگر مذکورہ حوالوں کی طرح بے سند و منقطع ایک ہزار حوالے بھی ہوں تو علمی میدان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ (دیکھئے توضیح الاحکام ۲/ ۴۰۳۔۴۰۸)

حسن بن زیاد اللؤلؤی پر محدثین کرام کی جرح

الحمد لله ربّ العالمین والصّلوٰة والسّلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد:
راقم الحروف کی مشہور کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج۲ص ۳۳۷۔ ۳۳۹) سے ''تلخیص نصب العماد فی جرح الحسن بن زیاد'' کا خلاصہ مع فوائد پیشِ خدمت ہے، جس سے صاف ثابت ہے کہ جلیل القدر محدثین کرام نے حنفی فقیہ حسن بن زیاد اللؤلؤی پر شدید جرح کر رکھی ہے:

۱) امام یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) نے فرمایا: ''وحسن اللؤلؤي كذاب''
۲) امام دارقطنی (م ۳۸۵ھ) نے فرمایا: ''كذاب كوفي متروك الحديث''
۳) امام یعقوب بن سفیان الفارسی (م ۲۷۷ھ) نے فرمایا:
''الحسن اللؤلؤي كذاب''

فائدہ: مشہور کتاب المعرفۃ والتاریخ کے بنیادی راوی امام عبداللہ بن جعفر بن درستویہ الفارسی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔

۱: ابوسعد حسین بن عثمان الرازی نے انھیں ثقہ ثقہ کہا۔ (تاریخ بغداد ۹/ ۴۲۹)
۲: مشہور ثقہ امام ابن مندہ الحافظ نے ان کی تعریف کی اور انھیں ثقہ کہا۔ (ایضاً ص ۴۳۰)
۳: بیہقی نے ابن درستویہ کی بیان کردہ حدیث کو ''هذا إسناد صحيح'' کہا۔
(دلائل النبوۃ ۶/ ۴۴۷، السنن الکبریٰ ۱/ ۳۹۹)
۴: ذہبی نے فرمایا: ''وكان ثقة'' (سیر اعلام النبلاء ۱۵/ ۵۳۱)
۵: حاکم نے ان کی بیان کردہ حدیث کو ''صحيح الاسناد'' کہا۔
(المستدرک ۴/ ۳۱۸ ح ۷۸۹۲ ووافقہ الذہبی)
۶: ضیاء المقدسی نے المختارۃ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (ج ۷ ص ۵۲ ح ۲۴۵۳)

۷: ابوالقاسم الازہری نے بھی یہ گواہی دی کہ میں نے ابن درستویہ کی اصل کتاب دیکھی، ان کی اصل اچھی تھی اور ان کا سماع صحیح تھا۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۴۲۹)

ان کے علاوہ کئی علماء نے ان کی تعریف بھی کی اور جمہور کی اس توثیق کے بعد ابن درستویہ پر ھبۃ اللہ بن الحسن الطبری اور برقانی کی جرح باطل ومردود ہے۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے: "ولم یضعفه أحد بحجة" کسی ایک نے بھی انھیں دلیل کے ساتھ ضعیف قرار نہیں دیا۔ (العبر فی خبر من غبر ۲/ ۷۷ وفیات ۳۴۷ھ)

ظہور احمد حضروی (ننھے کوثری) نے بحوالہ تاریخ بغداد امام ھبۃ اللہ الطبری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ "مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس کو کہا گیا کہ اگر تو عباس الدوریؒ سے (فلاں) حدیث بیان کرے تو ہم تجھے ایک درہم دیں گے، اس پر اس نے وہ حدیث بیان کر دی حالانکہ اس نے عباس الدوریؒ سے وہ حدیث نہیں سُنی تھی۔"

(تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا محدثانہ مقام ص ۵۰۵ بحوالہ تاریخ الخطیب ۹/ ۴۳۵)

حالانکہ اس حکایت کے متصل بعد خطیب بغدادی نے فرمایا: "وهذه الحكاية باطلة..." اور یہ حکایت باطل ہے۔ الخ (تاریخ بغداد و نسخہ تاج ۹ ص ۴۲۹ ت ۵۰۴۵)

حافظ ذہبی نے بھی خطیب بغدادی کے اس فیصلے کو نقل کر کے برقرار رکھا ہے۔

(دیکھئے النبلاء ۱۵/ ۵۳۲)

خطیب کی یہ جرح چھپانا ظہور احمد کی خیانتوں میں سے ایک بہت بڑی خیانت ہے۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ حافظ ابن عدی نے حسن بن زیاد پر جب جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا: "حافظ ابن عدی کی یہ جرح اس پر مبنی ہے کہ ابن نمیرؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ امام حسن بن زیادؒ ابن جریج پر جھوٹ بولتے تھے، لیکن خود علی زئی نے یہ اقرار کیا ہے کہ ابن نمیرؒ سے یہ قول ثابت نہیں ہے بلکہ اس کی سند ضعیف ہے..." (تلامذہ... ص ۵۱۶)

اس ظہوری بیان سے معلوم ہوا کہ اگر کسی امام کی جرح کی سند ثابت نہ ہو تو وہ جرح ختم ہو جاتی ہے۔ اب امام ہبۃ اللہ کا بیان "مجھے یہ بات پہنچی ہے" بے سند ہونے کی وجہ سے

ثابت نہیں، لہٰذا ان کی جرح بھی ظہور احمد کے اصول کی رُو سے مردود ہے اور اسے بطورِ حجت پیش کرنا ظہور و نثار کے تعصب اور تجاہلِ عارفانہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟!

ظہور احمد کا ایک جھوٹ: ظہور احمد نے مزید لکھا ہے کہ ''نیز عبداللہ بن درستویہ سے ما قبل سند بھی نامعلوم ہے'' (تلامذہ... ص ۵۰۶)

حالانکہ عبداللہ بن جعفر بن درستویہ سے ما قبل سند معلوم ہے، اسے ثقہ امام ابو الحسین محمد بن الحسین بن الفضل القطان البغدادی نے ابن درستویہ سے بیان کیا ہے۔

(دیکھئے کتاب المعرفۃ والتاریخ ج ۱ ص ۱۱۵، تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۶۶۔۳۶۷)

٤) امام نسائی (م ۳۰۳ھ) نے فرمایا: ''والحسن بن زیاد اللؤلؤي كذاب خبيث''

٥) امام یزید بن ہارون (م ۲۰۶ ھ) سے پوچھا گیا کہ آپ کا اُس (حسن بن زیاد اللؤلؤی) کے بارے میں کیا خیال ہے؟

انھوں نے فرمایا: ''أو مسلم هو؟'' کیا وہ مسلمان ہے؟

فائدہ: اس قول کے راوی امام ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الابار البغدادی بالاجماع ثقہ راوی ہیں، انھیں امام دارقطنی، خطیب بغدادی، حاکم نیشاپوری، ضیاء الدین مقدسی، ابو نعیم الاصبہانی، ابن ناصر الدین اور حافظ ذہبی نے ثقہ قرار دیا اور اُن پر حافظ ذہبی کی جرح ہرگز ثابت نہیں، بلکہ یہ جرح ابو الفرج احمد بن علی بن جعفر بن محمد الخیوطی (دوسرے راوی) پر ہے۔ (تحقیق کے لئے دیکھئے الحدیث حضرو: ۷۹ ص ۳۵۔۴۳)

٦) امام محمد بن رافع النیسابوری (م ۲۴۵ھ) نے فرمایا: حسن بن زیادہ اللؤلوی امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا۔

فائدہ: اس قول کے راوی امام احمد بن علی بن مسلم الابار بالاتفاق ثقہ ہیں اور ان پر ظہور احمد دیوبندی کی جرح باطل ہے۔ (دیکھئے فقرہ: ۵)

٧) امام حسن بن علی الحلوانی (م ۲۴۲ھ) نے لولوی کو دیکھا، اس نے سجدے میں ایک لڑکے کا بوسہ لے لیا تھا۔

فائدہ: اس روایت کے راوی امام ابوبکر بن ابی داود رحمہ اللہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہونے کی وجہ سے صحیح الحدیث اور حسن الحدیث راوی ہیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۳۷۸۔۳۹۱)

ابو عمر محمد بن عباس بن حیویہ الخزار جمہور کے نزدیک ثقہ راوی ہیں، انھیں ازہری، عتیقی اور برقانی وغیرہم نے ثقہ قرار دیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے التنکیل للیمانی ۱/ ۴۵۰۔۴۵۲ ت ۲۰۸)

ظہور احمد کا صریح جھوٹ: ظہور احمد حضروی دیوبندی نے لکھا ہے: ''خود علی زئی نے متسائل راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔'' (تلامذہ... ص ۵۰۲ بحوالہ الحدیث ش ۲ ص ۳۵)

الحدیث حضرو کے صفحہ مذکورہ پر ایسی کوئی عبارت نہیں، لہٰذا ظہور کی مذکورہ عبارت دروغ بے فروغ ہے۔

۸) یعلی بن عبید الکوفی (م ۲۰۹ھ) نے فرمایا: "اتق اللؤلؤي"

فائدہ: اگر کوئی کہے کہ ''اس قول کی سند میں حافظ عقیلی کے استاذ قاسم بن خلف الدوری کا ترجمہ ہمیں اسماء الرجال کی متداول کتب میں نہیں ملا...'' تو عرض ہے کہ اس قول کی سند میں قاسم بن خلف نہیں بلکہ ہیثم بن خلف الدوری ہے۔ (دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی مطبوعہ دار الصمیعی الریاض ج ۱ ص ۲۳۶ ت ۲۷۶، دوسرا نسخہ مطبوعہ دار مجمع الاسلام القاہرہ مصر ۱/ ۵۸۲ ت ۲۷۸)

ہیثم بن خلف الدوری البغدادی (م ۳۰۷ھ) ثقہ ہیں۔ (دیکھئے النبلاء ۱۴/ ۲۶۱، تاریخ بغداد ۱۴/ ۶۳)

۹) ابو حاتم الرازی (م ۲۷۷ھ) نے فرمایا:

"ضعيف الحديث، ليس بثقة ولا مأمون"

۱۰) اسحاق بن اسماعیل الطالقانی سے روایت ہے کہ ہم (امام) وکیع (بن الجراح) کے پاس تھے کہ کہا گیا: بے شک اس سال بارش نہیں ہو رہی، قحط ہے تو انھوں نے فرمایا: قحط کیوں نہ ہو؟ حسن اللؤلؤی اور حماد بن ابی حنیفہ جو قاضی بنے بیٹھے ہیں۔

فائدہ: طالقانی سے اس قول کے راوی ادریس بن عبدالکریم المقرئی ثقہ ہیں۔

(دیکھئے تاریخ بغداد ۷/ ۱۴)

اور اُن سے امام عقیلی نے یہ روایت بیان کی ہے۔

۱۱) جوزجانی (م ۲۵۹ھ) نے فرمایا: اسد بن عمرو، محمد بن الحسن اور لؤلؤی سے اللہ تعالیٰ فارغ ہو چکا ہے۔

۱۲) عقیلی (م ۳۲۲ھ) نے حسن بن زیاد کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔

۱۳) ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) نے حسن بن زیاد کو کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا۔

ظہور احمد کا ایک بہت بڑا جھوٹ: ظہور احمد دیوبندی نے لکھا ہے: ''پس جب خود علی زئی کے نزدیک حافظ ابن الجوزیؒ ذاتی طور پر روایت حدیث میں نا قابل اعتماد ہیں تو پھر...''

(تلامذہ ص ۵۱۱)

عرض ہے کہ راقم الحروف نے ایسی کوئی عبارت نہیں لکھی، لہٰذا ظہور احمد نے عبارت مذکورہ میں کالا جھوٹ لکھا ہے۔

۱۴) ابن عدی (م ۳۶۵ھ) نے فرمایا: وہ (حسن بن زیاد) ضعیف ہے۔

۱۵) ابن شاہین (م ۳۸۵ھ) نے اسے تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین میں ذکر کیا ہے۔

۱۶) حافظ سمعانی (م ۵۶۲ھ) نے فرمایا: اور وہ حدیث میں کچھ چیز نہیں ہے۔

۱۷) ابن اثیر (م ۶۳۰ھ) نے فرمایا: اور وہ روایت میں سخت ضعیف ہے، کئی نے اسے کذاب کہا ہے اور وہ بڑا فقیہ تھا۔

۱۸) ہیثمی (م ۸۰۷ھ) نے فرمایا: اور وہ متروک ہے۔

۱۹) حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے اسے دیوان الضعفاء میں ذکر کیا اور العبر میں فرمایا: اس کے ضعف کی وجہ سے انھوں (محدثین) نے کتبِ ستہ میں اُس سے روایت نہیں لی اور وہ فقہ میں سردار تھا۔

تلخیص نصب العماد کا خلاصہ مکمل ہوا اور اب بعض مزید جروح پیشِ خدمت ہیں:

۲۰) حافظ ابن حجر کے استاذ ابن الملقن (م ۸۰۴ھ) نے فرمایا: ''**وھذا إسناد ضعیف، الحسن (بن) زیاد کذاب، قالہ غیر واحد**'' (البدر المنیر ۵/۵۰۱)

جمہور محدثین کی اس جرح کے مقابلے میں ظہور احمد دیو بندی حضروی نے اٹھارہ (۱۸) حوالے پیش کئے ہیں، جن کا جائزہ درج ذیل ہے:

۱☆ امام یحییٰ بن آدم (م۲۰۳ھ) نے فرمایا:

"ما رأيت رجلاً قط أعلم من اللؤلؤي" میں نے لؤلؤی سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (معرفۃ الرجال: ۹۲۷، ۹۶۰ روایۃ ابن محرز)" (تلامذہ... ص۲۶۹ ملخصاً مع التصرف)

اس قول کے بنیادی راوی ابو العباس احمد بن محمد بن قاسم بن محرز البغدادی کی توثیق نامعلوم ہے، لہٰذا ابن محرز کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے یہ قول ثابت نہیں۔

۲☆ امام احمد بن عبد الحمید بن خالد الحارثی الکوفی (م۲۶۹ھ) نے فرمایا:

"ما رأيت أحسن خلقًا من الحسن بن زياد ولا أقرب مأخذًا ولا أسهل جانبًا مع توفر فقهه و علمه و زهده دورعه و كان يكسو مما ليكه كسوة نفسه."

میں نے حسن بن زیاد سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی شخص نہیں دیکھا اور نہ قریب المأخذ ونرم جانب والا کوئی دیکھا ہے، اس کے ساتھ وہ وافر فقہ، علم، زہد اور پرہیز گاری والے تھے اور آپ اپنے غلاموں کو اسی طرح کے کپڑے پہناتے تھے جس طرح کے خود پہنتے تھے۔

(مناقب الصیمری ص۱۳۶، تاریخ بغداد ۷/ ۳۱۵)

اس قول کی سند میں احمد بن محمد المسکی کی توثیق نامعلوم ہے۔

۳☆ امام ابن حبان (م۳۵۴ھ) بحوالہ کتاب الثقات (۸/ ۱۶۸)

یہ راوی حسن بن زیاد الکوفی نہیں، بلکہ حسن بن زیاد الہمدانی ہے۔

(تحقیق کے لئے دیکھئے اسد الغابۃ ۳۳۰/۱، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم ۴/ ۱۸۸۱ ح ۲۷۳۲ب، اور راقم الحروف کا مضمون: "ظہور احمد کی دس (۱۰) دو رخیاں اور دوغلی پالیسیاں" فقرہ نمبر: ۵)

٤: مسلمہ بن القاسم القرطبی (م۳۵۳ھ) کہا: "و كان ثقة" (لسان المیزان ۲/ ۲۵۰)

مسلمہ بذاتِ خود جمہور کے نزدیک ضعیف و مجروح ہے:

ذہبی نے ضعیف کہا اور فرمایا: "ولم يكن بثقة" اور وہ ثقہ نہیں تھا۔ (النبلاء ۱۶/ ۱۱۰)

ابن الفرضی (م۴۰۳ھ) نے کہا: "وسمعت من ینسبه إلی الکذب"
محمد بن احمد بن یحییٰ القاضی نے فرمایا: وہ کذاب نہیں تھا، لیکن وہ ضعیف العقل تھا۔
(تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس ۲/۱۳۰ ت ۱۴۲۴)

ابو جعفر المالقی نے کہا: "فیه نظر"
ہمارے علم کے مطابق کسی نے بھی مسلمہ بن القاسم کی توثیق نہیں کی اور اس کا مشبہہ میں سے نہ ہونا یا کذاب نہ ہونا اُس کے ضعیف ہونے کے منافی نہیں اور جب جمہور محدثین کی صریح جرح موجود ہے تو ظہور وثار کی کوئی سنتا ہے؟!
یاد رہے کہ ہمارا منہج واضح اور روشن ہے کہ جرح و تعدیل میں جمہور محدثین کو ہمیشہ ترجیح حاصل ہے اور ہم ظہور وثار کی طرح مداری پن اور قلابازیوں کے قائل نہیں، ورنہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمہ بن القاسم نے امام طحاوی کو ثقہ جلیل القدر فقیہ البدن وغیرہ قرار دے کر لکھا ہے: "وکان یذهب مذهب أبي حنیفة وکان شدید العصبیة فیه"
اور وہ ابو حنیفہ کے مذہب پر تھے اور وہ اس میں شدید تعصب والے (سخت متعصب) تھے۔
(لسان المیزان ۱/۲۷۶، دوسرا نسخہ ۱/۴۱۷)

کیا ظہور وثار اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں کہ طحاوی شدید متعصب تھے؟!
۵: امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق (م۳۱۶ھ) أخرج له في مستخرجه.
عرض ہے ہمیں مستخرج ابی عوانہ میں حسن بن زیاد لؤلوی کی کوئی حدیث نہیں ملی اور ج ۱ ص ۲۰ (ح ۱۶) والی روایت میں مطلقاً حسن بن زیاد ہے، لؤلوی کی صراحت نہیں، لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی عبارت محلِ نظر ہے۔
یاد رہے کہ مستخرج ابی عوانہ میں عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، ابو بکر بن ابی داود، نعیم بن حماد اور محمد بن اسحاق بن یسار وغیرہم کی روایات بھی موجود ہیں۔
(دیکھئے تحقیقی مقالات ۳/۳۳۰، ۴/۳۸۳، ۱/۴۶۰، ۳/۲۸۸)

اور ان راویوں پر ظہور احمد اور آلِ دیوبند ظالمانہ جرح کرتے ہیں۔

ظہور ونثار کی یہ دوڑخیاں اور دوغلی پالیسیاں کب تک جاری رہیں گی؟!

٦: ابوالفرج ابن الندیم الرافضی (م ۳۸۵ھ) نے کہا: "**وکان فاضلاً عالمًا بمذاهب أبي حنیفة في الرأی**" (الفہرست ص ۲۵۸)

• یہ شخص بقولِ ذہبی "**غیر موثوق به**" یعنی غیر ثقہ اور بقولِ ابن حجر: رافضی معتزلی تھا، لہٰذا ابن انجب کا اس کی تعریف کرنا مردود ہے۔

جمہور محدثین کرام کی جرح کے بعد "**فاضل عالم**" کلماتِ توثیق میں سے نہیں، لہٰذا غیر ثقہ رافضی معتزلی کی تعریف سے استدلال باطل ہے۔

۷: حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)

روی له في المستدرك (۳/۱۲۳ ح ۴۵۶۲)

عرض ہے کہ اس میں اللؤلوی کی صراحت نہیں، لہٰذا اس استدلال میں نظر ہے۔

۸: ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) قال: "**وهذا أصح ما قیل**" إلخ (بحوالہ استیعاب ۵۷۲)

عرض ہے کہ الاستیعاب (۱/ ۲۳۱ ت ۵۷۲) میں بھی اللؤلوی کی صراحت نہیں اور مختلف روایات میں سے کسی کو اصح قرار دینا تصحیح نہیں ہوتا۔

امام ترمذی نے سنن ترمذی میں پہلی حدیث امام سماک بن حرب کی سند سے بیان کی اور فرمایا: "**هذا الحدیث أصح شئ في هذا الباب و أحق**" (ح۱)

اس کی تشریح میں محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا:

''امام ترمذی مختلف حدیثوں کے بارے میں یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے بہتر سند کے ساتھ آئی ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ حدیث فی نفسہٖ بھی صحیح یا حسن ہو، بلکہ بعض اوقات حدیث ضعیف ہوتی ہے، لیکن چونکہ اس باب میں اس سے بہتر سند والی حدیث موجود نہیں ہوتی، اس لئے اس کو اصح یا حسن کہہ دیا جاتا ہے، البتہ مذکورہ حدیث فی نفسہٖ بھی صحیح ہے۔'' (درس ترمذی ج۱ ص ۱۶۰)

ثابت ہوا کہ اصح سے توثیق کشید کرنا نرا مغالطہ ہے۔

۹: ابن انجب (م۶۷۴ھ) نے لکھا ہے: "كان فاضلاً عالمًا"

(الدر الثمین فی اسماء المصنفین ص ۳۵۰)

جرح کے مقابلے میں یہ کلماتِ توثیق میں سے نہیں۔

نیز دیکھئے ظہور احمد کے فقرات میں سے فقرہ نمبر ۶ کا جواب۔

۱۰: عبدالقادر القرشی (م۷۷۵ھ)

یہ ایک غالی حنفی تھا، جس کے حوالے کی محدثین کرام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں اور نہ یہ شخص ائمۂ جرح وتعدیل میں سے تھا۔

۱۱: امام تقی الدین ابن تیمیہ (م۷۲۸ھ) نے کہا: "والحسن بن زياد أكثرهم تفريعًا" اور ان لوگوں میں تفریعات نکالنے میں حسن بن زیاد سب سے زیادہ تھا۔

(مجموع فتاویٰ ۲۰/۱۴۱)

اس عبارت میں کسی قسم کی توثیق کا نام ونشان تک نہیں، بلکہ مسلمہ بن القاسم جیسی عقل والے لوگوں کا استدلال اس جیسی عبارات پر ہی ہوتا ہے۔ سبحان اللہ!

۱۲: امام شمس الدین ابن القیم (م۷۵۱ھ) نے حسن بن زیاد کو کوفہ کے مشہور اور کبار فقہاء میں شمار کیا ہے۔

اس میں توثیق کہاں سے آ گئی ہے؟ سبحان اللہ!

۱۳: امام شمس الدین الذہبی (م۷۴۸ھ) نے کہا: وہ ذکی ترین لوگوں میں سے تھے اور آپ کا شمار رائے کے ماہر ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ (النبلاء ۹/۵۴۳)

نیز ذہبی نے اسے "الإمام" اور "العلامة" قرار دیا۔

عرض ہے کہ یہ توثیق نہیں اور اس کے مقابلے میں حافظ ذہبی نے لؤلؤی مذکور کو اپنی کتابوں: دیوان الضعفاء (۱/۱۸۵ ت ۹۰۵) اور المغنی فی الضعفاء (۱/ ۲۴۸ ت ۱۴۰۵) میں ذکر کیا اور فرمایا: "قلت: لم يخرجوا له في الكتب الستة لضعفه، وكان رأسًا في الفقه" میں نے کہا: کتبِ ستہ والوں نے اس کے ضعف کی وجہ سے اس سے روایت

بیان نہیں کی اور وہ فقہ میں سردار تھا۔ (العبر فی خبر من غبر ۱/ ۲۷۰ وفیات ۲۷۰ھ)

اس جرح کے مقابلے میں ظہور احمد نے یہ ڈراما کیا ہے کہ ''اصحاب صحاح ستہ کا کسی شخص سے روایت نہ لینا اس شخص کے ضعف کو مستلزم نہیں ہے....'' (تلامذہ ص ۵۱۴)

حالانکہ ذہبی نے مجرد روایت نہ لینا نہیں لکھا بلکہ "لضعفه" کا لفظ لکھا ہے:

اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔

ظہور احمد نے لکھا ہے: ''اور خود زبیر علی زئی نے لکھا ہے کہ جس شخص کو ''الامام الفقیہ'' قرار دیا جائے اس کا مقام صدوق ہے۔'' (تلامذہ ص ۴۸۳ بحوالہ الحدیث شمارہ ۷ ص ۱۳)

ماہنامہ الحدیث حضرو کے صفحہ مذکورہ پر ظہور احمد کی لکھی ہوئی عبارت قطعاً موجود نہیں، بلکہ راقم الحروف نے اپنی طرف سے ایک راوی کے بارے میں بطورِ اجتہاد لکھا تھا:

''اس کا مقام صدوق کا مقام ہے۔'' (الحدیث: ۷ ص ۱۳)

یہ میری اپنی رائے ہے اور اس ذاتی رائے سے بھی رجوع کا اعلان ہے۔ والحمد للہ

۱۴: بدر الدین العینی (م ۸۸۵ھ)

یہ ایک متعصب حنفی تھا، لہٰذا جمہور محدثین کے مقابلے میں ان کے حوالے کا وجود اور عدم وجود ایک برابر ہے۔

عبدالحئ لکھنوی نامی ایک مولوی (جسے ظہور احمد نے امام کا لقب دے رکھا ہے۔ دیکھئے فقرہ: ۱۸) نے عینی کے بارے میں لکھا ہے: "ولو لم یکن فیه رائحة التعصب المذهبی لکان أجود و أجود" اور اگر اس میں مذہبی تعصب کی بُو نہ ہوئی تو بہتر تھا اور بہتر تھا۔ (الفوائد البہیہ ص ۲۰۸)

۱۵: امام ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

عرض ہے کہ حافظ ابن حجر نے حسن بن زیاد اللؤلوی کی توثیق قطعاً نہیں کی، لہٰذا ظہور احمد نے اُن پر جھوٹ بولا ہے۔

ظہور احمد نے لکھا ہے: ''جب کہ خود علی زئی کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ حافظ ابن حجرؒ

''فتح الباری'' جو حدیث نقل کر کے اس پر سکوت کریں، وہ ان کے نزدیک کم از کم حسن ضرور ہوتی ہے۔'' (تلامذہ۔ص ۴۸۶)

عرض ہے کہ یہ میری بات ہرگز نہیں، بلکہ استاذ محترم حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ کی عبارت ہے۔ (طبع مارچ ۲۰۰۴ء) اور اس عبارت کو نور العینین کے بعد والے طبعات سے نکال دیا گیا ہے۔ دیکھئے نور العینین طبع اپریل ۲۰۱۱ء ص ۱۸۲، طبع دسمبر ۲۰۰۷ء ص ۱۸۲، طبع دسمبر ۲۰۰۶ء ص ۱۸۲)

لہٰذا ظہور احمد نے عبارت مذکورہ میں راقم الحروف کے بارے میں صریح جھوٹ بولا ہے۔

۱۶: ابن تغری بردی (م ۸۷۴ھ) نے لکھا ہے: ''الإمام أحد العلماء الأعلام ...''

یوسف بن تغری بردی ایک حنفی مولوی تھا اور بس!

اسماء الرجال کے مقدس علم میں جلیل القدر محدثین کے مقابلے میں ابن تغری بردی کے حوالوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۱۷: بارہویں صدی ہجری کے شافعی مولوی ابن الغزی (م ۱۱۶۷ھ) کا حوالہ!

عرض ہے کہ شرم کریں!

۱۸: چودھویں صدی کے متعصب مولوی عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) کا حوالہ!

عرض ہے کہ شرم کریں اور اللہ سے ڈریں!

حسن بن زیاد اللؤلؤی پر درج ذیل محدثین کرام نے جرح کی ہے:

امام یحییٰ بن معین، امام دارقطنی، امام یعقوب بن سفیان الفارسی، امام نسائی، امام یزید بن ہارون، امام محمد بن رافع نیشاپوری، امام حسن بن علی الحلوانی، امام یعلی بن عبید، امام ابو حاتم الرازی، امام وکیع، جوزجانی، عقیلی، ابن الجوزی، امام ابن عدی، امام ابن شاہین، حافظ سمعانی، حافظ ہیثمی، حافظ ذہبی وغیرہم۔

ان کے مقابلے میں ظہور احمد نے درج ذیل نام پیش کئے ہیں:

۱: یحییٰ بن آدم (قول ہی ثابت نہیں)

۲: احمد بن عبدالحمید الحارثی (ثابت نہیں)

۳: ابن حبان (ثابت نہیں)

۴: مسلمہ بن قاسم (بذاتِ خود ضعیف ہے)

۵: ابوعوانہ (مشکوک حوالہ ہے)

٦: ابن الندیم (بذاتِ خود رافضی معتزلی اور غیر ثقہ تھا)

۷: حاکم (توثیق ثابت نہیں)

۸: ابن عبدالبر (توثیق ثابت نہیں)

۹: ابن انجب

۱۰: عبدالقادر قرشی (حنفی غالی مولوی تھا)

۱۱: ابن تیمیہ (توثیق ثابت نہیں)

۱۲: ابن القیم (توثیق ثابت نہیں)

۱۳: ذہبی (توثیق ثابت نہیں)

۱۴: عینی (متعصب مولوی اور غالی حنفی تھا)

۱۵: ابن حجر عسقلانی (توثیق ثابت نہیں)

۱٦: ابن تغری بردی (حنفی مولوی تھا)

۱۷: ابن الغزی

۱۸: عبدالحی لکھنوی (غالی حنفی مولوی تھا)

ایک دو حوالوں کی بنیاد پر ظہور احمد صاحب امام یحییٰ بن معین اور جمہور محدثین کرام کی شدید جروح کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ سبحان اللہ!

معلوم یہی ہوتا ہے کہ شیعہ روافض کی طرح آلِ دیوبند کا اسماء الرجال اور ہے اور اہلِ سنت کے محدثین کرام کا اسماء الرجال اور ہے۔ **وما علینا إلا البلاغ**

(۱۱/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲/ جولائی ۲۰۱۲ء)

ابوالصلت عبدالسلام بن صالح بن سلیمان الہروی الشیعی جرح وتعدیل کی میزان میں

ابو الصلت عبد السلام بن صالح بن سلیمان بن ایوب بن میسرہ القرشی الہروی النیسابوری الشیعی الرافضی کا جرح وتعدیل کے لحاظ سے تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

جرح:

۱: امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "لم یکن عندي بصدوق وھو ضعیف" وہ میرے نزدیک سچا نہیں تھا اور وہ ضعیف تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/۴۸ ت ۲۵۷)

۲: امام ابوزرعۃ الرازی نے ابوالصلت (مذکور) کی حدیثیں کاٹ دینے کا حکم دیا اور فرمایا: میں اس سے حدیث بیان نہیں کرتا اور نہ اس سے راضی ہوں۔ (ایضاً ص ۴۸)

۳: امام احمد بن حنبل نے فرمایا: "روی أحادیث مناکیر" اس نے منکر حدیثیں بیان کیں۔ (سوالات المروذی: ۳۰۸، موسوعہ اقوال الامام احمد ۲/ ۳۵۹ ت ۱۵۹۱، تاریخ بغداد ۱۱/ ۴۸ ت ۵۷۲۸)

۴: امام دارقطنی نے فرمایا: "کان خبیثاً رافضیاً" وہ خبیث رافضی تھا۔

(تاریخ بغداد ۱۱/ ۵۱ وسندہ صحیح)

نیز انھوں نے اسے ایک حدیث گھڑنے کا متہم قرار دیا۔ (ایضاً)

۵: حافظ ابن عدی الجرجانی (المعتدل) نے فرمایا:

اس عبدالسلام (بن صالح) نے عبدالرزاق سے (سیدنا) علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے فضائل میں منکر حدیثیں بیان کیں اور وہ ان احادیث (کے گھڑنے) میں متہم ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال نسخہ جدیدہ محققہ ۸/ ۴۳۲)

۶: عقیلی نے فرمایا: "کان رافضیاً خبیثاً" وہ رافضی خبیث تھا۔

(الضعفاء للعقیلی نسخہ جدیدہ محققہ ۳/ ۵۵۲)

۷: عبداللہ بن احمد بن حنبل نے فرمایا:" و أبو الصلت غير مستقيم الأمر"
اور ابوالصلت کا معاملہ سیدھا نہیں/ یعنی وہ ضعیف ہے۔ (الضعفاء للعقیلی ۳/۵۵۳)
مغلطائی (حنفی) نے لکھا ہے کہ عقیلی نے عبداللہ (بن احمد) سے اس کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے (کہا:) اس کا معاملہ سیدھا نہیں۔ (اکمال تہذیب الکمال ۸/۲۷۴ رقم ۳۲۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اس صریح جرح کے بعد ابو الصلت سے عبد اللہ بن احمد کی روایت توثیق نہیں، لہٰذا اعمازی وکاظمی صاحبان کا انھیں موثقین میں ذکر کرنا غلط ہے۔

۸: حافظ ابن حبان نے فرمایا:" لا يجوز الاحتجاج به إذا انفرد"
جب وہ اکیلا ہو تو اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔
(کتاب المجروحین نسخہ جدیدہ ۲/۱۳۶، قدیمہ ۲/۱۵۲)

۹: نسائی نے فرمایا:" رافضي خبيث ، ليس بثقة ولا مأمون"
(تسمیۃ مشائخ النسائی الذین سمع منہم: ۱۱۲)

۱۰: حاکم نیشاپوری نے فرمایا:
" روى عن حماد بن زيد و أبي معاوية و عباد بن العوام وغيرهم أحاديث مناكير "اس نے حماد (بن زید) ابومعاویہ اور عباد بن العوام وغیرہم سے منکر حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۷۵ رقم ۱۳۹)
نیز دیکھئے کلماتِ توثیق: ۳

۱۱: محدث خلیلی نے فرمایا:" مشهور ، روى عنه الكبار و ليس بقوي عندهم"
مشہور ہے، اس سے اکابر نے روایت بیان کی اور وہ ان کے نزدیک قوی نہیں۔
(الارشاد ۳/۸۷۳ ت ۷۸۸)

۱۲: محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی نے فرمایا:
" متروك الحديث" (ذخیرۃ الحفاظ ۱/۲۴۰ ت ۱۱۱، بحوالہ المکتبۃ الشاملہ)
نیز فرمایا:" كذاب" (تذکرۃ الموضوعات ص ۱۴۶، ید اللہ علی المؤذن)

۱۳: ابونعیم الاصبہانی نے فرمایا: " يروي عن حماد بن زيد و أبي معاوية و عباد ابن العوام وغيرهم أحاديث منكرة "
وہ حماد بن زید، ابومعاویہ اور عباد بن العوام وغیرہم سے منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔
(کتاب الضعفاء ص ۱۰۸ رقم ۱۴۰)

۱۴: زیلعی حنفی نے کہا:
" فإن أبا الصلت متروك " پس بے شک ابوالصلت متروک ہے۔ (نصب الرایہ ۱/ ۳۴۵)

۱۵: ہیثمی نے کہا: " وهو ضعيف " (مجمع الزوائد ۹/ ۱۱۴، باب فی علمہ رضی اللہ عنہ)

۱۶: حافظ ذہبی نے فرمایا:
" الرجل الصالح ، متروك الحديث " نیک آدمی، متروک الحدیث۔
(المغنی فی الضعفاء ۱/ ۶۲۴ ت ۳۶۹۴)

یاد رہے کہ رافضی کو نیک آدمی کہنا غلط ہے۔

۱۷: عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی نے ابوالصلت پر شدید جروح نقل کیں اور امام ابن معین کی توثیق کو غیر معتبر قرار دیا، کہا:
" و مع هذا الجرح لا يعتبر قول عباس الدوري :ان يحيى كان يوثقه ولا قول ابن محرز :إنه ليس ممن يكذب " اس جرح کے ساتھ عباس الدوری کا یہ قول معتبر نہیں کہ یحییٰ (بن معین) اسے ثقہ قرار دیتے تھے اور نہ ابن محرز کا قول معتبر ہے کہ وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہے۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۱/ ۹۰)

۱۸: جوزجانی نے کہا:
" كان زائغًا عن الحق ، مائلاً عن القصد " وہ حق سے گمراہ اور سیدھے راستے سے دور ہٹا ہوا تھا۔ (احوال الرجال: ۳۷۹)

۱۹: حافظ ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی (م ۸۰۶ھ) نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا: " قلت :آفته عبد السلام بن صالح أبو الصلت الهروي فإنه

ضعیف عندھم"

میں نے کہا: اس روایت کی مصیبت (وجہِ ضعف) ابوالصلت الہروی ہے، کیونکہ وہ ان (محدثین) کے نزدیک ضعیف ہے۔ (ذیل میزان الاعتدال ص ۲۴۷۔۲۴۸ رقم ۳۹۶)

۲۰: عینی حنفی نے لکھا ہے:

" فإن أبا الصلت متروك " کیونکہ بے شک ابوالصلت متروک ہے۔

(عمدۃ القاری ۵/ ۲۸۷ تحت ح ۷۴۳ باب مایقول بعد التکبیر ، شرح سنن ابی داود ۳/ ۴۱۷)

۲۱: حافظ ابن حجر العسقلانی نے ابوالصلت کو متروک قرار دیا۔ (التلخیص الحبیر ۱/ ۲۳۵ ح ۳۵۰)

مزید جرح کے لئے دیکھئے اَجوبۂ فقراتِ غماری وکاظمی: ۱۱

۲۲: بوصیری نے ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے:

"وإسناد هذا الحديث ضعيف لاتفاقهم على ضعف أبي الصلت الهروي"

اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ ان (محدثین) کا ابوالصلت الہروی کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ (مصباح الزجاجہ ص ۳۷ ح ۶۵)

☆ ان کے علاوہ امام ساجی سے ابوالصلت پر " يحدث بمناكير وهو عندهم ضعيف" کی جرح مروی ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۱/ ۵۱ وتہذیب التہذیب)

یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے: اور اماموں کی ایک جماعت نے ابوالصلت کو ضعیف قرار دیا اور اس حدیث کے علاوہ بھی اس پر جرح کی۔ (تاریخ بغداد ۱۱/ ۵۰)

مغلطائی نے امام ابوداود سے جرح نقل کی لیکن یہ بھی باسند صحیح ثابت نہیں اور غیر ثابت اقوال وروایات معدوم ومردود ہوتے ہیں۔

النقاش سے مروی جرح بھی باسند صحیح نہیں ملی۔

توثیق:

اب اقوالِ توثیق اور ان کی تحقیق پیشِ خدمت ہے:

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "ثقة" (المستدرک للحاکم ۳/ ۱۲۷ ح ۴۶۳۷)

ان سے مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف روایات مروی ہیں، مثلاً ابراہیم بن عبداللہ بن الجنید کی روایت ہے کہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

اس نے (احادیث کا) سماع کیا ہے اور میں اسے جھوٹ کے ساتھ نہیں جانتا۔ الخ

(سوالات ابن الجنید: ۳۵۸)

عین ممکن ہے کہ ابن الجنید کی روایت قدیم ہو۔ واللہ اعلم

کلماتِ جرح کے فقرہ نمبر ۱۸ میں گزر چکا ہے کہ (فرقۂ بریلویہ کے نزدیک "معتبر امام") سبکی نے اس توثیق کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

۲: ابن شاہین البغدادی نے اسے اپنی کتاب تاریخ اسماء الثقات میں ذکر کیا اور امام ابن معین سے اس کی توثیق نقل کی۔ (ص ۱۵۶ رقم ۸۷۶)

۳: حاکم نیشاپوری نے اسے "ثقة مأمون" کہا اور اس کی بیان کردہ حدیث " أنا مدينة العلم و علي بابها..." کو " صحيح الاسناد" قرار دیا تو حافظ ذہبی نے فرمایا: " لا واللّٰه ! لا ثقة ولا مأمون" نہیں! اللہ کی قسم! یہ (عبدالسلام بن صالح) نہ ثقہ ہے اور نہ مامون ہے۔ (تلخیص المستدرک ۳/ ۱۲۷ ح ۴۶۳۷)

نیز حاکم کی توثیق ان کی جرح سے سخت متصادم ہے، لہٰذا ان کی جرح و توثیق دونوں مردود ہیں، یا جمہور کے موافق ہونے کی وجہ سے جرح ہی راجح ہے۔

دیکھئے اقوالِ جرح (فقرہ: ۱۰)

اس کے بعد ابوالصدیق احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی المغربی المالکی (م ۱۳۸۰ھ) کی طرف سے پیش کردہ توثیقاتِ ابوالصلت کی تحقیق پیشِ خدمت ہے:

اجوبہ فقراتِ کاظمی وغماری

۱: غماری یا اس کی کتاب کے مترجم ریاض حسین شاہ کاظمی (بریلوی) نے لکھا ہے:

''خطیب بغدادی کی پہلی سند سے ابوالصلت کی ثقاہت وعدالت'' (باب مدینۃ العلم سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ ص ۵۱، حدیث باب مدینۃ العلم کی صحت اصولِ حدیث کی روشنی میں)

عرض ہے کہ خطیب کی روایت مذکورہ (تاریخ بغداد ۱۱/ ۴۷۔۴۸ ت ۵۷۲۸) میں ابوالصلت کے (نام نہاد) زہد اور بعض عقائد وغیرہ کا ذکر ہے، لیکن کسی قسم کی توثیق کا نام و نشان نہیں بلکہ اس روایت میں اسحاق بن ابراہیم (یعنی امام ابن راہویہ) کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالصلت نے صحابۂ کرام کے مثالب (عیب زنی) کے بارے میں چند روایات بیان کیں اور اسحاق بن ابراہیم نے فرمایا: ''البتہ جو شخص ان روایات کو دیانت داری کے ساتھ روایت کرے لیکن اس کا مقصد ان روایات کو بیان کرنے سے کسی قوم کی عیب جوئی ہو تو میں اس سے روایت بیان کرنے کو درست نہیں سمجھتا''

(باب مدینۃ العلم اردو ص ۵۴)

اس قول میں '' دیـانة '' کا ترجمہ ''دیانت داری کے ساتھ روایت کرے'' راجح نہیں بلکہ ''دین سمجھ کر روایت کرے'' راجح ہے، نیز اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوالصلت کی روایات کو دین وعقیدہ سمجھ کر، بیان کرنا جائز نہیں۔

مزید عرض ہے کہ اس روایت میں خطیب بغدادی کے استاذ الحسن بن ابی القاسم کا تعین بھی مطلوب ہے۔

۲: غماری یا کاظمی نے دوسری سند کے تحت تاریخ بغداد اور اللآلی المصنوعہ سے ایک روایت لکھی ہے کہ (امام) ابن معین نے ابوالصلت کو '' ثـقة مـأمـون إلا أنـه يتشيـع'' قرار دیا۔ (باب مدینۃ العلم ص ۵۴۔۵۵)

اس سند کا پہلا راوی الحسن بن علی بن مالک بن اشرس الاشنانی ہے جس کے بارے میں امام ابن المنادی نے فرمایا: '' كتب الناس عنه و كان به أدنى لين ''لوگوں نے اس سے (روایات) لکھی ہیں اور اس میں کم تر (تھوڑی) کمزوری تھی۔

(تاریخ بغداد ۷/ ۳۶۸ ت ۳۸۸۸)

ہمارے علم کے مطابق اس شخص کی کسی نے توثیق نہیں کی۔

حسن بن علی بن مالک کا بیٹا قاضی عمر بن الحسن الاشنانی جمہور کے نزدیک مجروح ہے۔

خطیب بغدادی اور ابوعلی الحافظ نے اس کی تعریف وتوثیق کی لیکن امام دارقطنی نے فرمایا:

" وكان يكذب "اور وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (سوالات الحاکم:۲۵۲)

اس ثابت شدہ جرح کے بارے میں حافظ ذہبی کا یہ کہنا کہ " ولم يصح هذا " (میزان الاعتدال ۳/ ۱۸۵) غلط ہے۔

حسن بن محمد الخلال نے کہا:" ضعيف تكلموا فيه " (تاریخ بغداد ۱۱/ ۲۳۸)

ابن الجوزی نے اسے المجروحین میں ذکر کیا اور حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

" وهو أحد الضعفاء " (الاصابہ ۲/ ۱۵، خالد بن سلمہ)

حافظ ذہبی نے اسے دیوان الضعفاء والمتروکین (۲/ ۱۸۴) میں ذکر کیا اور فرمایا:

" صاحب بلايا "وہ مصیبتیں (باطل روایتیں) بیان کرنے والا ہے۔

(میزان الاعتدال ۳/ ۱۸۵ ت ۶۰۷۱)

اس سند کا تیسرا راوی خطیب کا استاد اور مسند الحمیدی کے دو نسخوں میں سے ایک نسخے کا راوی عبدالغفار بن محمد بن جعفر بن زید المؤدب بھی مجروح ہے۔ اس پر محدث امام ابوعبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن محمد بن رحیم الصوری (خطیب بغدادی کے استاد) جرح کرتے تھے اور کسی سے اس کی توثیق ثابت نہیں۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۱۶ ت ۵۸۱۱)

خلاصہ یہ کہ یہ سند ثابت نہیں۔

۳: غماری وکاظمی نے تیسری "توثیقی" روایت تاریخ بغداد (۱۱/ ۴۸) سے پیش کی ہے، حالانکہ اس روایت میں توثیق موجود نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ میں اسے جھوٹا نہیں جانتا۔

نیز اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ابن الجنید نے جب ان سے اعمش عن مجاہد عن ابن عباس والی روایت (یعنی أنا مدينة العلم) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

" ما سمعت به قط و ما بلغني إلا عنه " میں نے اسے کبھی نہیں سنا اور یہ روایت

میرے پاس صرف اسی کی سند سے پہنچی ہے۔

نیز امام ابن معین نے فرمایا: وہ ہمارے نزدیک جھوٹوں میں سے نہیں اور یہ روایتیں جو وہ بیان کرتا ہے ہم انھیں نہیں پہچانتے۔ (تاریخ بغداد ۱۱/ ۴۸۔۴۹)

۴: چوتھی سند کے تحت تاریخ بغداد اور مستدرک الحاکم وغیرہما سے امام ابن معین کی طرف سے ابوالصلت کی توثیق (ثقة مأمون) مذکور ہے۔

یہ توثیق جمہور کی جرح کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

۵: پانچویں سند کے تحت تاریخ بغداد کی جو روایت مذکور ہے، اس میں احمد بن محمد بن القاسم بن محرز راوی ہے جس کی توثیق معلوم نہیں، نیز ابو الفضل جعفر بن درستویہ بن المرزبان الفارسی کی توثیق بھی مطلوب ہے۔

۶: چھٹی سند کے تحت جو روایت مذکور ہے اس کی سند میں قاضی ابو العلاء محمد بن علی الواسطی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

(جرح کے لئے دیکھئے لسان المیزان ۵/ ۲۹۶۔۲۹۷، نسخہ جدیدہ ۶/ ۳۷۰۔۳۷۲)

اس کے بعد غماری اور کاظمی صاحب نے امام حاکم کی طرف سے امام یحییٰ بن معین کی توثیق کی دو روایات پیش کی ہیں۔ (باب مدینۃ العلم ص ۵۹۔۶۱)

یہ صرف ایک ہی توثیق ہے جسے بار بار پیش کیا جا رہا ہے۔

۷: غماری و کاظمی نے بحوالہ تاریخ بغداد (۱۱/ ۵۱) و تہذیب التہذیب (۳/ ۳۵۱) لکھا ہے کہ ابوسعید (ابوسعد) الہروی سے پوچھا گیا: آپ ابوالصلت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: نعیم بن الہیصم ثقہ ہیں۔

اس نے کہا: "إنما سألتك عن عبد السلام" میں نے تو آپ سے صرف (ابو الصلت) عبدالسلام (بن صالح الہروی) کے بارے میں پوچھا ہے؟

(غماری اور کاظمی) نے کہا: "فقال نعم ثقة ... تو انھوں نے کہا: ہاں وہ بھی ثقہ ہے۔"

(باب مدینۃ العلم ص ۶۲)

یہ عبارت غلط ہے، کیونکہ ابوسعد الہروی الزاہد نے "نعم ثقة " یعنی ہاں (عبدالسلام) ثقہ ہے ہرگز نہیں کہا بلکہ دوسرے سوال کے جواب میں بھی انھوں نے صرف یہی فرمایا:
" نعيم ثقة ، و لم يزد على هذا " نعیم (بن الہیصم) ثقہ ہیں، اور انھوں نے اس پر کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔ دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۱۱ص ۵۱ ت ۵۷۲۸) تہذیب الکمال (مخطوطہ ۲/ ۸۳۲ نسخہ مطبوعہ ۴/ ۵۰۵)

تہذیب التہذیب کے بعض نسخوں میں غلطی سے " نعم ثقة ، و لم يزد على هذا" چھپ گیا ہے لیکن موسسۃ الرسالۃ کے نسخے میں " نعيم ثقة ، ولم يزد على هذا" کے الفاظ ہی ہیں۔ (دیکھئے ج ۲ص ۵۷۷)

غماری صاحب وغیرہ کو چاہئے تھا کہ اصل مراجع کی طرف رجوع کرتے اور سیاق و سباق کو بھی پیشِ نظر رکھتے۔

۸: غماری و کاظمی نے امام ابوداود سے نقل کیا کہ آجری نے ابوداود سے نقل کیا: ابوالصلت ضابط تھے۔ (باب مدینۃ العلم ص ۶۲)

یہ روایت سوالات الآجری میں نہیں ملی، نیز اس کا راوی ابوعبید محمد بن علی الآجری توثیق نہ ہونے کی وجہ سے مجہول الحال ہے۔

تیسرے یہ کہ مغلطائی حنفی نے لکھا ہے: " و سأل الآجري أبا داود عنه فقال: كان فيه نظر " اور آجری نے ابوداود سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: اس میں نظر تھی۔ (اکمال تہذیب الکمال ۸/ ۲۷۴)

چوتھے یہ کہ آجری مجہول کی سوالات میں ابوظفر عبدالسلام بن مطہر بن حسام الازدی کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ " كان ضابطًا ، رأيت يحيى بن معين عنده "
وہ ضابط (ثقہ) تھا، میں نے یحییٰ بن معین کو اس کے پاس دیکھا۔ (ص ۳۱۱ رقم: ۱۳۵۰)

عین ممکن ہے کہ حافظ ابن حجر کو نقلِ روایت میں وہم ہوا ہو۔ واللہ اعلم

۹: حافظ ذہبی نے اگرچہ عبدالسلام بن صالح " الرجل الصالح ..." یعنی: نیک آدمی

کہا لیکن خود اس پر "متروک الحدیث" کی جرح بھی کی۔ (دیکھئے فقرات جرح:۱۶)

نیز ذہبی نے فرمایا: " وله عدة أحاديث منكرة " اور اس کی کئی روایتیں منکر ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۱/۴۴۸)

لہٰذا مذکورہ عبارت کو اس شیعہ بلکہ رافضی خبیث کی توثیق میں نقل کرنا مردود ہے۔

۱۰: غماری و کاظمی نے لکھا ہے:

"امام احمد بن حنبل اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد کے نزدیک ابو الصلت کی ثقاہت و عدالت" (باب مدینۃ العلم ص ۶۲)

ہرگز نہیں! امام احمد اور ان کے صاحبزادے نے ابو الصلت کو ہرگز ثقہ قرار نہیں دیا، بلکہ امام احمد بن حنبل نے ابو الصلت کے بارے میں فرمایا:

اس نے منکر روایتیں بیان کیں۔ (دیکھئے کلماتِ جرح:۳)

عبداللہ بن احمد نے اس سے مجرد روایت بیان کی اور فوراً جرح بھی کر دی۔

(دیکھئے کلماتِ جرح:۷)

لہٰذا یہاں خاص دلیل کی وجہ سے مجرد روایت سے توثیق ثابت کرنا غلط ہے۔

۱۱: غماری و کاظمی نے لکھا ہے:

"حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک ابو الصلت کی ثقاہت و عدالت" (باب بیان العلم ص ۶۵)

عرض ہے کہ حافظ ابن حجر نے ابو الصلت کو ہرگز ثقہ و عادل نہیں لکھا، بلکہ تقریب التہذیب میں لکھا ہے: " صدوق له مناكير و كان يتشيع و أفرط العقيلي فقال كذاب " سچا ہے، اس کی منکر روایتیں ہیں اور وہ شیعہ تھا اور عقیلی نے افراط کیا تو کہا: وہ کذاب ہے۔

اس شیعہ بلکہ رافضی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے عقیلی کی جو جرح نقل کی وہ ہمیں باسند صحیح نہیں ملی، نیز ابو الصلت کو امام ابو حاتم الرازی اور امام دارقطنی دونوں نے بھی کذاب قرار دیا، لہٰذا اس تکذیب کو افراط کہنا غلط ہے۔

نیز ایک روایت کو جب حاکم نے صحیح قرار دیا تو حافظ ابن حجر نے فرمایا:

" و أخطأ في ذلك فإن عبد اللّٰه نسبه ابن المديني إلى وضع الحديث و قد سرقه أبو الصلت الهروي وهو متروك ... "اور انھیں اس بارے میں غلطی لگی ہے کیونکہ عبداللہ (بن عمرو بن حسان) کو ابن المدینی نے کذاب قرار دیا اور یہ روایت اس سے ابوالصلت الہروی نے چوری کر کے بیان کی اور وہ (ہروی) متروک ہے۔

(التلخیص الحبیر ۱/۲۳۴۔۲۳۵ ح ۳۵۰)

اور فرمایا:" وهو ضعيف يسرق الحديث "اور وہ ضعیف ہے، حدیثیں چوری (کر کے بیان) کرتا تھا۔ (الدرایہ ج۱ص ۱۳۲ تحت ح ۱۵۲)

اور فرمایا:" وقد كذبوه "اور انھوں (محدثین) نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔

(الاصابہ ۷/ ۲۴۷ ت ۱۱۷۲۰، لیلیٰ الغفاریہ)

اتنی شدید جرح کے بعد بھی حافظ ابن حجر کو موثقین میں ذکر کرنا باطل ہے۔

۱۲: کاظمی وغماری صاحبان نے لکھا ہے:

''ابوالصلت عبدالسلام بن صالح کی روایت بخاری و مسلم کے رجال کی رویت سے اصح ہے'' (باب مدینۃ العلم ص ٦٦)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کی یہ بات بالکل صریح جھوٹ ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کے بنیادی راویوں میں سے ایک راوی بھی جمہور کے نزدیک ضعیف نہیں، کجا یہ کہ ابوالصلت الہروی جیسا سخت مجروح راوی ہو۔!

تلخیص التوثیق:

ہماری معلومات کے مطابق عبدالسلام بن صالح الہروی کی توثیق صرف درج ذیل محدثین سے ثابت ہے:

۱: یحییٰ بن معین

۲: حاکم نیشاپوری

ان کا قول جرح سے متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔

۳: یعقوب بن سفیان کی اس سے روایت (المعرفۃ والتاریخ ۳/ ۷۷)

امام یعقوب بن سفیان الفارسی عام طور پر اپنے نزدیک ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔

۴: ابن شاہین (ذکرہ فی تاریخ اسماء الثقات: ۸۷۶ ونقل عن ابن معین توثیقہ)

اس توثیق کے مقابلے میں ایک جماعت، جمِ غفیر محدثین وعلماء کی جرح ہے، جیسا کہ فقراتِ جرح کے تحت گزر چکا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ابوالصلت عبدالسلام بن صالح الہروی ضعیف ومتروک راوی ہے اور یہی جمہور محدثین وعلماء کی تحقیق ہے۔

انا مدینۃ العلم والی روایت:

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أنا مدینة العلم و علي بابها" میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

بعض علماء نے ابوالصلت الہروی پر اس روایت کی وجہ سے اعتراض کیا لیکن صحیح تحقیق یہ ہے کہ وہ اس اعتراض سے بری ہے، یعنی وہ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اس کا ثقہ متابع موجود ہے، لیکن یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ومردود ہے:

اولاً: سلیمان بن مہران الاعمش مدلس ہیں، جس کے بعض حوالے درج ذیل ہیں:

۱: انھیں ان کے شاگرد امام شعبہ نے مدلس قرار دیا۔

(دیکھئے جزء مسألۃ التسمیۃ لمحمد بن طاہر المقدسی ص ۴۷ وسندہ صحیح)

۲: اعمش کو ان کے شاگرد ابومعاویہ محمد بن خازم الضریر نے بھی مدلس قرار دیا۔

(التاریخ الکبیر ۱/ ۷۴ وسندہ صحیح)

۳: ابوزرعہ الرازی نے فرمایا: "الأعمش ربما دلس" اعمش بعض اوقات تدلیس کرتے تھے۔ (علل الحدیث لابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۴، رقم ۹)

۴:   ابو حاتم الرازی نے بھی انھیں مدلس قرار دیا۔ (علل الحدیث: ۲۱۱۹، الجرح والتعدیل ۸/۱۷۹)

۵:   امام عثمان بن سعید الدارمی نے انھیں تدلیس التسویہ کا مرتکب قرار دیا۔

(تاریخ الدارمی: ۹۵۲)

۶:   امام بخاری نے اعمش کی ایک معنعن روایت پر اعتراض کیا۔

(التاریخ الاوسط ۲/۱۰۸ ح ۵۵۰، التنکیل ۱/۵۱)

۷:   علامہ نووی نے کہا: " **والأعمش مدلس ... إلخ** "اور اعمش مدلس تھے۔

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۲ ح ۱۰۹)

۸:   عینی حنفی نے بھی اعمش کو مدلس قرار دیا۔ (عمدۃ القاری ۳/۳۲۵ تحت ح ۱۱۶۰)

اس کے علاوہ بھی کئی علماء نے امام اعمش کو مدلس قرار دیا ہے۔

(دیکھئے اشاعۃ الحدیث حضرو: ۱۱۰ ص ۳۹۔۴۱)

اعمش اپنے نزدیک غیر ثقہ راوی سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

(دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی ۱/۱۰۳ نسخہ اخری ۱/۳۲۲ نسخہ جدیدہ ۲/۱۴۸، وسندہ حسن لذاتہ)

جو راوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو اس کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

(الموقظۃ للذہبی ص ۱۳۲، المعنعن)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے انھیں النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح میں مدلسین کے طبقہ ثالثہ اور کثیر التدلیس راویوں میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے ج ۲ ص ۶۴۰)

مدلسین کے بارے میں اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں مدلس کی عن والی روایت (تصریحِ سماع اور متابعت نہ ہونے کی وجہ سے) ضعیف ہوتی ہے۔ مثلاً:

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے۔ (کتاب الرسالہ: ۱۰۳۵)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: جب تک مدلس (اگرچہ ثقہ ہو) حدثنی یا سمعت نہ کہے تو اس

کی روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔ (المجروحین ۱/۹۲، الاحسان ۱/۱۶۱)

ابن الصلاح الشافعی نے کہا:

اور فیصلہ یہ ہے کہ مدلس کی روایت تصریح سماع کے بغیر قبول نہ کی جائے، اسے شافعی نے اس شخص کے بارے میں جاری فرمایا ہے جس نے ہمارے علم کے مطابق صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۹۹)

تفصیل کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون: اصولِ حدیث اور مدلس کی عن والی روایت کا حکم (تحقیقی مقالات ۴/۱۵۱۔۱۶۷)

بریلویہ کے نزدیک بھی مدلس کی عن والی روایت مردود ہوتی ہے، جیسا کہ احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے:

"اور عنعنہ، مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ ۵/۲۴۵)

محمد عباس رضوی بریلوی نے لکھا ہے:

"اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگرچہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔"

(واللہ آپ زندہ ہیں ص ۲۵۱)

نیز دیکھئے میرا مضمون: تدلیس اور بریلویہ (تحقیقی مقالات ۳/۶۱۲۔۶۱۴)

اس ایک علت کی وجہ سے بھی یہ روایت (أنا مدینة العلم و علي بابها) ثابت نہیں، بلکہ مردود ہے۔

دوم: اعمش کے شاگرد ابو معاویہ محمد بن حازم الضریر (حافظ ابن حجر کے نزدیک طبقۂ ثانیہ کے اور ہماری تحقیق میں طبقۂ ثالثہ کے) مدلس ہیں۔

انھیں ابن سعد (الطبقات الکبریٰ ۶/۳۹۲) وغیرہ نے مدلس قرار دیا ہے اور اس سند میں ان کے سماع کی تصریح نہیں ملی۔

اس روایت کے ضعیف ومردود شواہد بھی ہیں، مثلاً:

سنن ترمذی (۳۷۲۳) والی روایت (أنا دار الحكمة و علي بابها) شریک بن عبداللہ القاضی کے اختلاط اور تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت کے فوراً بعد فرمایا: "**هذا حديث غريب منكر**" یہ روایت غریب (اور) منکر ہے۔ (طبع دارالسلام ص ۱۱۰۰)

شریک القاضی کے اختلاط کے لئے دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۴/ ۳۶۶) اور **معجم المختلطين** (ص ۱۶۴۔۱۶۹)

قاضی شریک کو اگرچہ حافظ ابن حجر نے مدلسین کے دوسرے طبقے میں ذکر کیا ہے لیکن تحقیق راجح میں وہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ أنا مدينة العلم والی روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

صحیح بخاری کے بعض راویوں پر اعتراضات کے جوابات:

غماری اور کاظمی صاحبان نے صحیح بخاری کے بعض راویوں پر اعتراضات کئے ہیں، جن کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱: اسماعیل بن ابی اویس رحمہ اللہ

اگرچہ امام ابن معین نے ان پر شدید جرح کی لیکن امام بخاری اور جمہور نے انھیں ثقہ وصدوق قرار دیا اور اسماء الرجال میں (عدمِ تطبیق کی صورت میں) ہمیشہ جمہور کو ہی ترجیح ہوتی ہے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے: لیکن اکثر (جمہور) نے اسے ثقہ اور حجت قرار دیا ہے۔ الخ (شرح صحیح مسلم ۱۴/ ۲۷ تحت ح ۲۰۹۴)

نیز دیکھئے میری مترجم کتاب: فضائل درود وسلام (ص ۴۰)

۲: اُسید بن زید بن نجیح الجمال الکوفی

یہ راوی واقعی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن اس کی صحیح بخاری میں صرف ایک حدیث ہے۔ (ح ۶۵۴۱)

اور اس حدیث میں امام سعید بن منصور نے اُسید بن زید کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۲۲۰[۵۲۷])

یعنی اسید بن زید ضعیف ہے لیکن صحیح بخاری کی حدیث متابعات کی وجہ سے صحیح ہے۔ خود صحیح بخاری میں اسی روایت میں اسید کے استاد ھشیم کی متابعت محمد بن فضیل بن غزوان سے موجود ہے۔

۳: حسن بن مدرک سدوسی رحمہ اللہ

امام بخاری وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور ان پر امام ابوداود کی طرف منسوب جرح آجری مجہول کی وجہ سے ثابت نہیں، لہٰذا یہ راوی ثقہ وصدوق ہیں۔

۴: احمد بن عیسیٰ بن حسان المصری رحمہ اللہ

ان پر امام ابن معین کی طرف منسوب جرح (آجری مجہول کی وجہ سے) ثابت نہیں اور امام بخاری، امام مسلم و جمہور نے ان کی توثیق کی ہے، لہٰذا ان پر ابو حاتم اور ابو زرعہ وغیرہما کی شاذ جرح مردود ہے۔

جرح و تعدیل میں ہمیشہ جمہور کو ہی ترجیح ہوتی ہے، ورنہ پھر کتبِ حدیث اور اسماء الرجال کا اللہ ہی حافظ ہے۔

۵: حسن بن ذکوان البصری

اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا اور وہ مدلس بھی تھا لیکن اس کی صحیح بخاری میں صرف ایک حدیث ہے۔ (۶۵۶۶)

اس حدیث میں عمران بن مسلم القصیر (صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور) نے اس کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔ (دیکھئے المعجم الکبیر للطبرانی ۱۸/ ۱۳۶ ح ۲۸۴)

اس حدیث کے شواہد کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (۶۵۵۸) صحیح مسلم (۱۹۱[۴۷۰])

اور مسند احمد (۳/ ۳۰۸، الموسوعۃ الحدیثیہ ۲۲/ ۲۱۴)

لہٰذا یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے اور غماری و کاظمی کا اعتراض باطل ہے۔

۶: نعیم بن حماد المروزی رحمہ اللہ

آپ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق یعنی حسن الحدیث ہیں۔

دیکھئے میرا مضمون: امام نعیم بن حماد الخزاعی المروزی/ ارشاد العباد

(تحقیقی مقالات ۱/ ۴۴۹۔۴۶۷)

آپ پر دولابی (ضعیف) اور ازدی (ضعیف مجروح) وغیرہما کی جرح باطل ہے۔

۷: عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہ اللہ

انھیں بھی امام بخاری اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے، لہٰذا ان پر جرح مردود ہے۔

بیہقی نے لکھا ہے: "و عکرمة عند أکثر الأئمة من الثقات الأثبات"

اور عکرمہ اکثر اماموں کے نزدیک ثقہ ثبت راویوں میں سے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ۸/ ۲۳۴)

۸: حریز بن عثمان رحمہ اللہ

انھیں بھی امام بخاری اور جمہور نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے اور ان پر ناصبیت کا الزام غلط ہے۔

۹: عمران بن حطان رحمہ اللہ

انھیں بھی امام بخاری اور جمہور نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے اور ان سے ابن ملجم خارجی (لعنہ اللہ) کی مدح باسند صحیح ہرگز ثابت نہیں۔

دیکھئے میرا مضمون: عمران بن حطان السدوسی البصری (تحقیقی مقالات ۳/ ۵۸۱۔۵۸۲)

۱۰: عبدالکریم بن ابی المخارق

یہ راوی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے اور صحیح بخاری میں اس کی کوئی حدیث نہیں، بلکہ ایک روایت میں صرف ذکر آیا ہے۔ (ح ۱۱۲۰)

یعنی یہ صحیح بخاری کا راوی نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عماری و کاظمی وغیرہما کی صحیح بخاری کے مرکزی راویوں پر جرح مردود ہے اور متابعات وشواہد والے راویوں پر جرح مضر نہیں کیونکہ ان کی بیان کردہ احادیث صحیح ہیں۔

جب ہم (اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت) کسی حدیث یا راوی پر کلام کرتے ہیں تو نہ ناصبیت وشیعیت وغیرہما کو مدِ نظر رکھتے ہیں اور نہ کسی تعصب وفرقہ پرستی کو مقدم کرتے ہیں، بلکہ ہمیشہ ہر حال میں اصولِ حدیث کو ترجیح اور اسماء الرجال میں جمہور محدثین کی گواہیوں کو ہی مقدم وراجح قرار دیتے ہیں۔

دوغلی پالیسیوں، چکر بازیوں اور خواہشات پرستیوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

یہی ہمارا عظیم الشان منہج وعمل ہے جس کے جواب یا مقابلے سے تمام اہلِ بدعت عاجز وشکست خوردہ ہیں اور ان شاء اللہ موت تک ہمارا یہی منہج وطرزِ عمل رہے گا۔

اگر کوئی کہے کہ اسماء الرجال میں یہ جمہور کی ترجیح کا کیا مسئلہ ہے؟ تو عرض ہے کہ ہماری یہی تحقیق اور منہج ہے، نیز امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا:

" فأما ما كان منها عن قوم هم عند أهلِ الحديث متهمون أو عند الأكثر منهم فلسنا نتشاغل بتخريج حديثهم ... "

پس ان (راویوں) میں سے جو اہلِ حدیث (محدثین) کے نزدیک متہم ہیں یا اکثریت کے نزدیک متہم ہیں تو ہم ان کی روایات کی تخریج میں مشغول نہیں ہوتے۔ الخ

(مقدمہ صحیح مسلم طبع دار السلام ص ٦)

اس کی تائید میں عبدالوہاب بن علی السبکی الشافعی (م ٧٧١ھ) کا درج ذیل قول بھی پیشِ خدمت ہے:

" و هذا كما أن عدد الجارح إذا كان أكثر قدّم الجرح إجماعًا لأنه لا تعارض و الحالة هذه و لا يقول منا أحد بتقديم التعديل ... "

اور یہ اس طرح ہے کہ مثلاً اگر جارحین کی تعداد زیادہ ہو تو جرح بالاجماع مقدم ہوتی ہے کیونکہ اس حالت میں کوئی تعارض نہیں اور ہم میں سے کوئی بھی اس حالت میں تعدیل کو مقدم کرنے کا قائل نہیں۔ الخ (قاعدہ فی الجرح والتعدیل ص ۵۰)

معلوم ہوا کہ جرح وتعدیل میں تعارض ہونے کی صورت میں جمہور کو ترجیح ہوگی، لہٰذا اس مسئلے میں خطیب بغدادی وغیرہ کا اصول مرجوح ہے۔

جو لوگ جرح مفسر کی تقدیم کے قائل ہیں اُن کے منہج کا (ہمارے نزدیک) صرف یہ مطلب ہے کہ خاص دلیل کو عام دلیل پر مقدم کرنا چاہئے اور ہم بھی اس سے متفق ہیں۔

رہا یہ کہ اپنی مرضی و خواہشات اور فرقے کے مخالف بعض روایات کے راویوں پر کذاب، سئ الحفظ، مضطرب الحدیث اور یخطئ کثیراً وغیرہ کے الفاظ کو جرح مفسر قرار دے کر روایات اور راویوں پر جرح کرنا، دوسری طرف اپنے پسندیدہ راویوں پر انھی جروح کو رد کر دینا دوغلی پالیسی اور منافقت ہے۔

میزان ہمیشہ ایک جیسی ہونی چاہئے اور ہر جگہ انصاف سے کام لینا چاہئے۔

عبدالسلام بن صالح الہروی پر جرح کے بارے میں غماری (وکاظمی) نے لکھا ہے:

''پہلا جواب یہ ہے جمہور کی رائے اور مقررہ قواعد کی روشنی میں جرح باطل و مردود ہے۔ اس لیے کہ یہ جرح اصل فاسد پر مبنی ہے اور وہ بمنزلۂ معدوم کے ہے۔ جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ'' (باب مدینۃ العلم ص ۷۵۔۷٦)

اس سے معلوم ہوا کہ احمد بن محمد الغماری اور ریاض حسین شاہ کاظمی بھی جمہور کو مقدم رکھنے کے قائل ہیں۔ (!!)

لہٰذا عرض ہے کہ عبدالسلام بن صالح مذکور پر جرح اصل فاسد پر مبنی نہیں بلکہ جمہور محدثین کرام نے یہ جرح کر رکھی ہے، جیسا کہ ہمارے اس مضمون سے معلوم ہو چکا ہے، لہٰذا حق تسلیم کرنے میں ہی خیر ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

☆ بعض اوقات جرح وتعدیل یا تصحیح و تضعیف میں بعض علماء کو غلطی لگ جاتی ہے، لہٰذا

اس سے استدلال غلط ہے۔ مثلاً:

مالک بن خیر الزبادی (ب) المصری رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

''ابن قطان کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا راوی ہے جس کی عدالت ثابت نہیں۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک شخص نے بھی ان کے بارے میں ثقہ ہونے کی تصریح نہیں کی۔ اور بخاری و مسلم میں ایسے بہت سے راوی ہیں کہ جن کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ کسی ایک شخص نے بھی ان کی توثیق پر تصریح کی ہو۔ اور جمہور کا خیال یہ ہے کہ جو راوی مشائخ میں سے ہو اور اس سے ایک جماعت نے روایت بیان کی ہو اور اس نے کسی منکر روایت کو بیان نہ کیا ہو تو اس کی حدیث صحیح ہے۔''

یہ کلام بحوالہ میزان الاعتدال (۳/۴۲۶ طبع دار الفکر بیروت) نقل کر کے غماری صاحب نے جو لکھا ہے اس کا اردو مفہوم کاظمی صاحب کے الفاظ میں پیشِ خدمت ہے:

''جب ایسے راوی کی حدیث صحیح ہے تو عبدالسلام بن صالح کی روایت کیوں صحیح نہیں ہو سکتی؟'' (باب مدینۃ العلم ص ٦٧)

مالک بن خیر المصری کے بارے میں محدثین کی گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: امام احمد بن صالح المصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ثقۃ''

(تاریخ دمشق لابی زرعۃ الدمشقی: ۱۰۹۴)

۲: حاکم نیشاپوری نے فرمایا: ''مصري ثقۃ'' (المستدرک ۱/۱۲۲ ح ۴۲۱)

۳: حافظ ذہبی نے بذاتِ خود فرمایا: ''ثقۃ مصري'' (تلخیص المستدرک ۱/۱۲۲ ح ۴۲۱)

۴: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۷/۴٦۰)

۵: ضیاء المقدسی نے اپنی مشہور کتاب المختارہ میں ان سے روایت درج کی ہے۔

(۸/۳٦۱ ح ۴۴۴۔۴۴۵)

یہ ضیاء المقدسی کی طرف سے مالک بن خیر کی توثیق ہے۔

٦: ہیثمی نے ان کی ایک حدیث کو "و إسناده حسن" لکھا ہے۔

(مجمع الزوائد ۸/۱۴، نیز دیکھئے ۵/۷۳)

☆ امام دارقطنی نے فرمایا: "من تابعي أهل مصر" وہ مصر کے تابعین میں سے ہیں۔

(المؤتلف والمختلف ۳/۱۱۳۵)

ثابت ہوا کہ مالک بن خیر کی توثیق امام احمد بن صالح، حاکم، ذہبی اور ابن حبان وغیرہم سے ثابت ہے لہٰذا یہ قول غلط ہے کہ کسی نے بھی ان کی توثیق نہیں کی۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ وہ خود مالک بن خیر کی توثیق بھی کرتے ہیں اور ابن القطان الفاسی کا غلط قول بھی نقل کر رکھا ہے۔ سبحان اللہ

حافظ ذہبی کا یہ قول بھی غلط ہے کہ صحیحین میں ایسے بہت سے راوی ہیں جن کی توثیق کسی ایک شخص سے بھی معلوم نہیں۔

ہمارے علم کے مطابق صحیحین کے اصول وفروع میں ایک بھی ایسا راوی نہیں جس کی توثیق کسی سے بھی ثابت نہیں اور اگر کسی شخص کو ہماری اس تحقیق سے اختلاف ہے تو صرف ایک راوی پیش کر دے، ہم اس کی توثیق (کم از کم ایک محدث سے) پیش کر دیں گے۔

ان شاء اللہ۔

توثیق کی دو قسمیں ہیں:

۱: ثقہ وصدوق وغیرہما الفاظِ تعدیل کے ساتھ صراحت۔

۲: تصحیحِ حدیث وتحسینِ حدیث کے ساتھ توثیق۔

ظاہر ہے کہ بخاری ومسلم کا اپنی کتابوں میں کسی راوی سے روایت کرنا اور اس پر جرح نہ کرنا ان دونوں کی طرف سے اس راوی کی توثیق ہی ہے۔ (۳۰/ اگست ۲۰۱۳ء)

اصولِ حدیث وتحقیق روایات



جمہور محدثین اور مسئلۂ تدلیس

ثقہ وصدوق راویانِ حدیث کی دو قسمیں ہیں:

ا: جن سے تدلیس الاسناد کرنا ثابت نہیں مثلاً سالم بن عبداللہ بن عمر، سعید بن المسیب اور ابو قلابہ عبداللہ بن زید الجرمی وغیرہم۔

ایسے راوی کی اُس کے استاذ سے روایت صحیح ہوتی ہے، اِلا یہ کہ کوئی خاص دلیل کسی خاص روایت کا استثناء کر دے۔

۲: جن سے تدلیس الاسناد کرنا ثابت ہو۔ مثلاً سفیان ثوری، سلیمان بن مہران الاعمش، قتادہ، ابو اسحاق السبیعی، ابن جریج اور ہشیم بن بشیر وغیرہم۔

ایسے راویوں کے بارے میں دس (۱۰) مسالک ہیں:

ا: (چونکہ مدلس کذاب ہوتا ہے لہٰذا) ہر مدلس کی ہر روایت مردود ہے۔

یہ مسلک بذاتِ خود باطل ومردود ہے۔

۲: ایک ہی راوی جب مرضی کی روایت میں ہو تو اس کا عنعنہ بھی صحیح اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو اس کا عنعنہ حجت نہیں۔

یہ مسلک بھی مردود ہے۔

۳: خیر القرون کے مدلسین کی معنعن روایات بھی صحیح ہیں اور قرون ثلاثہ میں تدلیس و ارسال مضر نہیں۔

یہ بعض حنفیہ کا مسلک ہے اور مردود ہے۔

۴: طبقات المدلسین پر اعتماد۔

یہ مسلک بھی غلط ہے اور جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

اس پر تفصیلی بحث ان شاء اللہ آگے آ رہی ہے۔ (مثلاً دیکھئے عنوان ۲۰، ۲۸)

۵: کثیر التدلیس کی معنعن روایت ضعیف ہے۔

۶: قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہے۔

یہ بعض جدید علماء اور منہج المتقد مین والوں کا مسلک ہے اور غلط ہے۔

۷: جو ضعیف راویوں سے تدلیس کرے، اس کی معنعن روایت ضعیف ہے۔

۸: جو ثقہ راویوں سے تدلیس کرے اُس کی معنعن روایت صحیح ہے۔

پوری دنیا میں صرف اس کی ایک مثال ہے: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

اور یہ مسلک بھی مرجوح وغلط ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ

۹: الزامی جواب۔

یہ صرف اس حالت میں جائز ہے جب حقیقی جواب موجود ہو اور بہتر یہ ہے کہ الزامی کی صراحت کردی جائے۔

۱۰: مدلس کا عنعنہ ضعیف ومردود ہے۔

یہی مسلک راجح اور صحیح ہے، جیسا کہ ناصر الحدیث وفقیہ الملۃ ، زین الفقہاء وتاج العلماء امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) نے فرمایا: جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہوگیا کہ اُس نے ایک دفعہ تدلیس کی ہے تو اُس نے اپنی پوشیدہ بات ہمارے سامنے ظاہر کردی۔ (الرسالہ: ۱۰۳۳)

اور فرمایا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے۔

(الرسالہ: ۱۰۳۵)

امام شافعی کے بیان کردہ اس اصول کو حافظ ابن حبان، خطیب بغدادی اور ابن الصلاح وغیرہم نے اختیار کیا، بلکہ اصولِ حدیث وغیرہ میں اسے تلقی بالقبول حاصل ہے۔

(دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ۴/۱۵۱۔۱۹۸)

اس تمہید کے بعد بعض الناس کے بعض شبہات، مغالطات وتدلیسات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

۱: صاحبِ تحفۃ الاحوذی: مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے طبقۂ ثانیہ کے درج ذیل مدلسین کی معنعن روایات پر جرح کی:

۱: سلیمان الاعمش (ابکار المنن ص ۱۹۱۔۱۹۲)

۲: سفیان ثوری (ایضاً ص ۴۳۳)

۳: حماد بن ابی سلیمان (ص ۳۶۸)

۴: اسماعیل بن ابی خالد (ص ۳۶۷)

۵: ابراہیم نخعی (ص ۳۶۷، ۴۳۶)

۶: حسن بصری (ص ۳۹۶۔۳۹۷)

بعض نے ''ممکن ہے محدث مبارکپوری رحمہ اللہ کے پیشِ نظر النکت ہو یا ان کی تحقیق میں وہ کثیر التدلیس ہوں۔ واللہ اعلم ...'' وغیرہ الفاظ سے یعنی چونکہ چنانچہ والی جتنی تاویلات وتوجیہات بیان کی ہیں، اُن کا نتیجہ صرف یہی ہے کہ مبارکپوری صاحب رحمہ اللہ طبقات المدلسین لابن حجر سے کلیتاً متفق نہیں تھے، لہٰذا ان تاویلات وتوجیہات کا یہاں پیش کرنا بے فائدہ ہے۔

بعض نے لکھا ہے:

''دلائل کی بنا پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے اختلاف کی گنجایش ہے۔'' (مقالات اثریہ ص ۲۵۱)

لہٰذا طبقات المدلسین قطعی نہ رہی اور جن لوگوں نے حافظ صاحب سے اختلاف کیا ہے، اگر ان کی بات مدلل ہے تو غصہ ''فرمانے'' کی کیا ضرورت ہے؟!

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بریٔ من التدلیس امام مکحول کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔

(دیکھئے الفتح المبین ص ۶۴۔۶۵)

جبکہ مولانا مبارکپوری نے اُن کی سیدنا محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ معنعن

روایت کے بارے میں لکھا ہے: ''اور عبادہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔'' (تحقیق الکلام ج ۱ص ۶۰)

حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''مکحول اصطلاحی معنی میں مدلس نہیں''

(خیر الکلام ص ۲۲۲، دوسرا نسخہ ص ۱۶۷)

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے لکھا ہے:

''امام مکحول ؒ اصطلاحی مدلس نہیں'' (توضیح الکلام جدید ص ۳۱۰)

ثابت ہوا کہ تینوں: مبارکپوری، گوندلوی اور اثری صاحبان طبقات المدلسین لابن حجر سے کلیتاً متفق نہیں بلکہ امام مکحول کے مسئلے میں مختلف ومخالف ہیں۔

۲: سید محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ

استاذ محترم مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ اگرچہ طبقات المدلسین پر اعتماد کرتے تھے، لیکن انھوں نے حافظ صاحب کے نزدیک طبقۂ ثانیہ کے مدلس اعمش کے بارے میں لکھا ہے: ''میں اعمش کو تیسرے مرتبہ کا مدلس سمجھتا ہوں...''

(مقالاتِ راشدیہ ۱/۳۰۶)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ استاذ محترم بھی طبقاتی تقسیم سے کلیتاً اور سو فیصد متفق نہیں تھے۔

۳: ارشاد الحق اثری صاحب

شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے طبقۂ ثالثہ کے کئی مدلسین کی معنعن روایات کو ضعیف وغیر صحیح قرار دیا، یا ان پر جرح کی۔ مثلاً:

۱: ابو الزبیر المکی

۲: قتادہ

۳: محمد بن عجلان (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/۱۶۸)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ منہج المتقدمین والے جدید محققین مثلاً ناصر بن حمد الفہد کے

سراسر خلاف ہیں۔ ناصر بن حمد صاحب نے متہم بالتدلیس راویوں کی دو قسمیں بنائی ہیں:

۱: جو سخت کثیر التدلیس ہیں مثلاً بقیہ بن الولید، حجاج بن ارطاۃ اور ابو جناب الکلبی وغیرہم۔

۲: جو تھوڑی یا کثیر تدلیس کرتے تھے مگر ان کی بیان کردہ حدیثوں پر سابق قسم کی طرح تدلیس غالب نہیں تھی مثلاً قتادہ، اعمش، ہشیم، ثوری، ابن جریج اور ولید بن مسلم وغیرہم۔

ان کی روایات میں اصل اتصال ہے۔ (دیکھئے منہج المتقدمین فی التدلیس ص ۱۵۵۔۱۵۶)

عرض ہے کہ منہج المتقدمین والوں نے طبقۂ ثالثہ کے مدلسین مثلاً قتادہ وغیرہ بلکہ بعض شدید التدلیس راویوں مثلاً ہشیم اور ابن جریج وغیرہما کی روایات کو بھی اصلاً متصل یعنی صحیح قرار دیا ہے اور اثری صاحب اس منہج کے سراسر مخالف ہیں، جبکہ بعض ناصر بن حمد کو دکتور کا لقب دے کر اپنے نمبر بڑھانے کی فکر میں ہیں۔ (دیکھئے مقالات اثریہ ص ۲۳۲)

اثری صاحب نے طبقۂ ثانیہ کے مدلسین کی معنعن روایات پر بھی کلام کیا ہے۔

۱: ابراہیم النخعی

۲: محمد بن عجلان

۳: سلیمان الاعمش

اس کی جو بھی تاویل و تشریح بیان کی جائے اور چونکہ چنانچہ کا بے دریغ استعمال کیا جائے مگر یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ اثری صاحب نے طبقاتی تقسیم سے اختلاف کیا ہے۔

۴: غلط ترجمانی کے الزام کا جواب

ایک ضعیف و مردود روایت میں آیا ہے کہ اسود بن یزید رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) نے فرمایا: میرے نزدیک قراءت خلف الامام کی بجائے انگارا چبانا بہتر ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۶ ح ۳۷۸۵، ۳۷۹۰)

اس روایت کی دونوں سندوں میں ابراہیم نخعی کے سماع کی تصریح موجود نہیں۔

دوسری روایت میں وبرہ (بن عبدالرحمٰن المسلی) نے ابراہیم نخعی کی معنوی متابعت کی ہے لیکن وبرہ کے شاگرد اسماعیل بن ابی خالد مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۷ ح ۳۷۸۹)

پہلی سند پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے اعتراض کیا تو سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے اسے بے سود بہانہ قرار دیا، جس کا اثری صاحب نے درج ذیل الفاظ میں جواب دیا:

''لیکن یہ بہانہ نہیں بلکہ نیویؒ صاحب کے پسند کا جواب ہے۔ اور یہ بات بھی عجیب ہے کہ اس کی مرسل روایات حجت ہیں۔ حالانکہ اعتراض اس کی تدلیس پر ہے۔ کیا مولانا صفدر صاحب کے ہاں تدلیس اور ارسال کی تعریف میں کوئی فرق نہیں؟ شاید مولانا صاحب کے نزدیک جس کا ارسال حجت ہو اس کی تدلیس مضر نہ ہو مگر محدثین کے نزدیک نہ مرسل حجت ہے اور نہ مدلس کی معنعن روایت قابل استدلال۔'' (توضیح الکلام جدید ص ۱۰۲۶)

اثری صاحب نے مزید لکھا ہے:

''حضرت اسودؒ... سے ایک اور اثر مصنف ابن ابی شیبہؒ (ص ۳۷۶ ج ۱) میں موجود ہے جس میں خلف الامام پڑھنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالنے کا حکم ہے۔ لیکن اس میں بھی اسماعیلؒ بن ابی خالد جو طبقہ ثانیہ کا مدلس ہے۔ جیسا کہ ابراہیم نخعی اور سفیان ثوریؒ ہیں اور ایک اثر مصنف عبدالرزاق (ص ۱۳۸ ج ۲) اور ابن ابی شیبہ (ص ۳۷۷ ج ۱) میں اسی مفہوم کا منقول ہے مگر سند میں الاعمش مدلس ہے اور ابراہیمؒ بھی اسے معنعن روایت کرتے ہیں۔ ان دونوں طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسودؒ کا یہ اثر صحیح یا حسن ہے مگر....''

(توضیح الکلام جدید ص ۱۰۲۶۔۱۰۲۷)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اثری صاحب نے ابراہیم نخعی اور اسماعیل بن ابی خالد کی تدلیس کا اعتراض کیا ہے اور محدثین کا اصول بھی پیش کر دیا ہے۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ ''ان دونوں طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسودؒ کا یہ اثر صحیح یا حسن

ہے'' اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ وہ یہاں ابراہیم اور اسماعیل کی معنعن روایتوں کو بذاتِ خود صحیح سمجھتے ہیں اور اگر وہ ایسا سمجھتے تو انھیں چاہیے تھا کہ دونوں روایتوں کو علیحدہ علیحدہ ''سندہ صحیح'' قرار دیتے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی پہلی مذکور سند ابراہیم نخعی تک صحیح ہے اور دوسری سند اسماعیل بن ابی خالد تک صحیح ہے، لہٰذا ان دونوں روایتوں کو ملا کر ''صحیح یا حسن'' قرار دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مذکورہ راویوں کی معنعن روایات کو صحیح السند نہیں سمجھتے (واللہ اعلم)

بلکہ ضعیف + ضعیف والے نام نہاد اصول: حسن لغیرہ کے قائلین میں سے ہیں۔ واللہ اعلم

ہمارے نزدیک تو اسود بن یزید کی طرف منسوب یہ تینوں روایتیں ضعیف و مردود ہیں اور مولانا اثری صاحب کے عمل سے دو باتیں صاف طور پر ثابت ہیں:

۱: منہج المتقدمین والوں کا منہج غلط ہے۔

۲: حافظ صاحب کی طبقاتی تقسیم نہ قطعی ہے اور نہ کوئی قاعدہ کلیہ ہے، بلکہ دلائل کے ساتھ اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

اثری صاحب نے حافظ ابن حجر کے نزدیک طبقۂ ثالثہ کے مدلس امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ صاحب کی تقسیم سے درج ذیل الفاظ میں اختلاف کیا ہے:

''لیکن اس تقسیم میں جس طرح بعض دوسرے راویوں کے متعلق ہمیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے دلایل کی روشنی میں اختلاف ہے...'' (توضیح الکلام بحوالہ مقالات اثریہ ص ۲۵۵)

بعض..... نے بھی اعمش کے سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے۔

(دیکھئے مقالات اثریہ ص ۵۴۱۔۵۴۳)

جب بعض الناس کو ''دلیل'' کی بنیاد پر حافظ ابن حجر وغیرہ سے اختلاف کا حق حاصل ہے تو دوسرے کسی کو کیوں نہیں؟

کیا امام شافعی کے تلقی بالقبول والے اصول اور دیگر محدثین کی گواہیاں ''دلیل'' کے میدان سے خارج ہیں؟

۵: قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ

ہمارے علم کے مطابق متقدمین میں سے کسی ایک سے بھی (۳۰۰ھ تک) صراحت کے ساتھ امام قتادہ کا کثیر التدلیس ہونا ثابت نہیں۔

بعض نے قتادہ کے کثیر التدلیس ہونے کی پانچ ''دلیلیں'' پیش کی ہیں:

۱: وہ مدلس معروف ہیں۔

۲: وہ امام فی التدلیس ہیں

۳: ابن مغلس (؟) نے کہا: هو كثير التدليس.

۴: ابن الترکمانی نے کہا: مشهور بالتدليس.

۵: متاخرین یعنی حافظ علائی اور حافظ ابن حجر نے انھیں تیسرے طبقے میں ذکر کیا ہے۔

کیا معروف بالتدلیس اور مشہور بالتدلیس کا مطلب کثیر التدلیس ہوتا ہے؟

اگر جواب ہاں میں ہے تو درج ذیل حوالے پڑھ لیں:

۱: سفیان ثوری کے بارے میں حافظ ابوزرعہ ابن العراقی نے فرمایا:

''مشهور بالتدليس'' (کتاب المدلسین:۲۱)

ابن العجمی نے کہا: ''مشهور به'' (التبیین لاسماء المدلسین:۲۵)

علائی نے انھیں مشهور بالتدليس قرار دیا ہے۔ (جامع التحصیل ص۱۰۶)

۲: سفیان بن عیینہ کے بارے میں نووی نے کہا: ''وسفيان معروف بالتدليس''

(شرح صحیح مسلم ۴/۱۹۷ تحت ح ۴۷۹)

علائی نے انھیں مشهور بالتدليس کہا ہے۔ (جامع التحصیل ص۱۰۶)

۳: سلیمان التیمی کے بارے میں ابوزرعہ ابن العراقی نے کہا: ''مشهور بالتدليس''

(کتاب المدلسین:۲۴)

اور علائی نے بھی انھیں مشہور بالتدلیس کہا۔ (جامع التحصیل ص۱۰۶)

۴: ابن شہاب الزہری کے بارے میں سیوطی صاحب نے لکھا ہے:
"مشهور بالتدليس" (اسماء المدلسین: ۴۶)

انھیں حافظ علائی وغیرہ نے بھی تدلیس کے ساتھ مشہور قرار دیا ہے لیکن یہ صراحت بھی کی ہے کہ اماموں نے اُن کی معنعن روایت کو قبول کیا ہے۔

یاد رہے کہ اس مسئلے میں ابوزرعہ ابن العراقی نے اختلاف ذکر کیا ہے۔ (کتاب المدلسین: ۶۰)

ابن مغلس یا ابن المغلس الظاہری (!) کا اصل حوالہ ان کی اصل کتاب سے مع عبارت پیش کرنا چاہئے اور یہ تعارف بھی کرانا چاہئے کہ یہ کس صدی کے بزرگ تھے؟

قتادہ کے بارے میں حاکم نیشاپوری نے جو عبارت لکھی ہے اس سے یہی ظاہر ہے کہ وہ حاکم کے نزدیک ثقہ راویوں سے تدلیس کرتے تھے اور ان کی روایات مقبول ہیں۔

(دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۳، دوسرا نسخہ ص ۳۳۹۔۳۴۰)

تنبیہ: ہمارے نزدیک چونکہ امام قتادہ کا مدلس ہونا ثابت ہے، لہٰذا ان کی معنعن روایت (اپنی تخصیصات کے بعد) ضعیف ہے۔

۶: سلیمان الاعمش

سلیمان بن مہران الاعمش کا کثیر التدلیس ہونا متقدمین میں سے کسی سے بھی صراحتاً ثابت نہیں، انھیں حافظ علائی اور ابن حجر نے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے یعنی وہ ان دونوں کے نزدیک ایک قلیل التدلیس راوی ہیں۔!

دوسری طرف ابن حجر نے النکت میں انھیں طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے اور علائی نے فرمایا: "مشهور بالتدليس ، مكثر منه" (جامع التحصیل ص ۱۱۳، ۱۸۸)

یہ دونوں متعارض اقوال باہم متناقض ہو کر ساقط ہیں۔

یہاں پر بطورِ لطیفہ عرض ہے کہ حافظ علائی نے ابن جریج، ہشیم بن بشیر اور حمید الطویل کو بھی طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔!

بعض ....کو چاہئے تھا کہ وہ خیر القرون کے کسی بڑے امام سے سلیمان بن مہران الاعمش کا کثیر التدلیس ہونا صراحتاً ثابت کرتے، ورنہ پھر اسے منہج المتقدمین کے بجائے منہج المتاخرین کا نام دیتے۔

اگر حافظ علائی اور عسقلانی وغیرہما متاخرین کی عبارات سے کسی راوی کا کثیر التدلیس ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے تو ابن شہاب الزہری کا کثیر التدلیس ہونا اور اعمش وغیرہ کا قلیل التدلیس ہونا کیوں ثابت نہیں کیا جاسکتا؟!

۷: ابوالزبیر المکی

امام ابوالزبیر المکی رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) کا کثیر التدلیس ہونا متقدمین میں سے صراحتاً کسی سے بھی قطعاً ثابت نہیں اور نہ بعض الناس ایسا کوئی صریح حوالہ پیش کر سکے ہیں۔

حاکم نیشاپوری اور ابن القیم نے جب ابوالزبیر کی معنعن روایات کا دفاع کیا تو اثری صاحب نے ان دونوں کا رد فرمایا۔ (دیکھئے توضیح الکلام ص ۸۹۱۔۸۹۳)

یاد رہے کہ ابوالزبیر کی معنعن روایات کی وجہ سے شیخ البانی نے صحیح مسلم کی صحیح روایات پر حملہ کیا، جبکہ دوسری طرف ہمارے ایک دوست محترم ابو جابر عبداللہ بن محمد بن عثمان الانصاری المدنی حفظہ اللہ ایک کتاب لکھ رہے ہیں، جس میں وہ ابوالزبیر رحمہ اللہ کو تدلیس سے بری ثابت کرنا چاہتے ہیں۔!

اگر مشہور بالتدلیس کے الفاظ کے ساتھ کسی راوی کا کثیر التدلیس ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو درج ذیل راویانِ حدیث مشہور بالتدلیس ہیں:

۱: سفیان ثوری

۲: سفیان بن عیینہ

۳: سلیمان التیمی

۴: ابن شہاب الزہری (دیکھئے عنوان نمبر ۵: قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ)

۸: محمد بن عجلان رحمہ اللہ

محمد بن عجلان کا کثیر التدلیس ہونا ہمارے علم کے مطابق متقدمین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں اور ان کی متعدد معنعن روایات کو صحیح یا حسن بھی کہا گیا ہے، بلکہ بعض متاخر علماء نے ان کی روایت: "یا ساریة الجبل" کو جید حسن یا صحیح قرار دیا ہے۔

(دیکھئے السلسلۃ الصحیحہ: ۱۱۱۰)

۹: طبقاتی تقسیم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ بھی حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم کے قائل تھے۔ عرض ہے کہ انھوں نے ابراہیم نخعی اور اسماعیل بن ابی خالد کی بیان کردہ دو معنعن سندوں کے بارے میں فرمایا:

"هن قول جون بئي سندون صحيح نه آهن ..."

اس قول کی دونوں سندیں صحیح نہیں۔ (تمیز الطیب من الخبیث ص ۱۳۹)

بعد میں انھوں نے نیموی کے قول کو بھی بطورِ الزام پیش کیا اور ان دونوں سندوں کو اپنے نزدیک صحیح قرار نہیں دیا۔

بعض نے "متخصصین کی آرا" کے تحت چودہ (۱۴) نام لکھے ہیں، جن میں سے حافظ علائی، حلبی، اور ابن حجر متاخرین میں سے تھے اور باقی سارے معاصرین میں سے ہیں۔

سبحان اللہ!

بعض نے لکھا ہے:

"بنا بریں ان لوگوں کی بات مقدم ہوگی، جنھوں نے اس فن کا سیر حاصل دراستہ کیا۔ پھر اس بابت کتب تصنیف کیں، نہ کہ ان لوگوں کی جو مصطلح کی ابجد سے بھی شاید ناواقف ہوں۔ ہمیں دورِ رواں میں بھی کوئی مستند عالم دین ایسا نہیں ملتا جو امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کا

ہمنوا ہو، بلکہ اکثر اس کے مرجوح ہونے کے قائل ہیں۔'' (مقالات اثریہ ص ۲۶۳)

اس عبارت کے سلسلے میں تین باتیں عرض ہیں:

۱: کیا حافظ ابن حبان، خطیب بغدادی، ابن الصلاح اور نووی وغیرہم اصولِ حدیث کی ابجد سے بھی ناواقف تھے؟

انھوں نے امام شافعی کے موقف کی کیوں تائید کی؟

اور کیا امام شافعی بھی مصطلح کی ابجد سے ناواقف تھے؟

۲: کیا بعض الناس بذاتِ خود مصطلح کی ابجد سے واقف ہیں؟ انھوں نے اصولِ حدیث کی کون سی کتابیں پڑھائی ہیں یا ان کے تراجم وتشریحات شائع کی ہیں؟

۳: کیا درج ذیل علماء میں سے کوئی بھی مستند عالمِ دین نہیں جو مدلس کی عن والی روایت کو غیر صحیحین میں (بعض تخصیصات کے علاوہ) ضعیف و نا قابلِ حجت سمجھتے ہیں:

مولانا ابوصہیب محمد داود ارشد، ابوالاسجد محمد صدیق رضا، حافظ عمر صدیق اور مبشر احمد ربانی وغیرہم۔ حفظہم اللہ

کیا درج ذیل علماء جو سفیان ثوری کی معنعن روایات کو نا قابلِ حجت سمجھتے تھے، مستند علمائے دین میں سے نہیں تھے؟

امام یحییٰ بن سعید القطان، ابن حبان، نووی شافعی، عینی حنفی، کرمانی حنفی، ابن الترکمانی حنفی، قسطلانی شافعی، ابن الصلاح الشافعی اور علی بن المدینی وغیرہم۔

(حوالوں کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات ۳/ ۳۰۶۔ ۳۲۷)

بعض الناس کا اپنا مبلغ علم کیا ہے؟ فی الحال اس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: امام وکیع بن الجراح نے فرمایا: ''ما كتبت عن شريك بعد ماولي القضاء ، فهو عندي على حدة '' (الجعدیات: ۲۳۲۹، دوسرا نسخہ: ۲۵۲۱)

اس کا ترجمہ بعض نے اپنے مقالات میں درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

''میں نے شریک کے قاضی بننے کے بعد ان سے کچھ نہیں لکھا، لہٰذا وہ (احادیث)

میرے نزدیک درست ہیں۔" (ص ۱۹۲)

حالانکہ اس عبارت کا درست ترجمہ درج ذیل ہے:

میں نے شریک کے قاضی بننے کے بعد جو لکھا ہے وہ میرے پاس علیحدہ ہے۔

۲: بعض نے قاسم بن محمد کی طرف منسوب ایک روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح ابن خزیمہ کی روایت کے بارے میں فرمایا: "لیس في السماع" (اتحاف المہرۃ ج ۸ ص ۲۱۳)""

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد ۶۲ شمارہ ۳۲ ص ۱۴۔۱۵، اگست ۲۰۱۰ء)

حالانکہ لیس فی السماع سے یہاں مراد انقطاع نہیں، بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی یہ حدیث حافظ ابن حجر نے اپنے استادوں سے نہیں سنی تھی۔

(مثلاً دیکھئے اتحاف المہرۃ ج ۱ ص ۱۶۱)

تنبیہ: بعض نے مذکورہ عبارت کو اپنے مطبوعہ مقالات سے نکال دیا ہے اور اس کا باعث غالباً راقم الحروف کی طرف سے انھیں تنبیہ و اطلاع ہے۔ واللہ اعلم

ان کے علاوہ اور بھی حوالے ہیں، مثلاً امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۹ھ) کا پانچ چھ سال کے بچے دولابی (مولود ۲۲۴ھ) کو کذاب کہنا!! (دیکھئے مقالات اثریہ ص ۶۰۹، ۶۲۶)

۱۰: الحکم للأکثر

بعض نے "الحکم للأکثر" کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کیا یہ جملہ آیت ہے؟ حدیث ہے؟ اجماع ہے؟ یا سلف صالحین میں سے کسی بڑے امام کا ثابت شدہ وغیر اختلافی قول ہے؟ اگر ایسا ثابت ہو جائے تو دو باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: جمہور محدثین و علماء نے اصولِ حدیث کی کتابوں میں مدلس کی عن والی روایت کو ضعیف و ناقابلِ حجت قرار دیا ہے۔

۲: اسماء الرجال میں اختلاف کی صورت میں ہمیشہ اکثر یعنی جمہور کو ترجیح دینی چاہئے۔

۱۱: بعض ائمہ حدیث کے اقوال اور کثیر التدلیس؟

بعض نے بعض ائمہ کے اقوال پیش کیے ہیں:

۱: امام علی بن المدینی رحمہ اللہ: ''جب تدلیس اس پر غالب ہو تب وہ حجت نہیں، یہاں تک وہ اپنے سماع کی تصریح کرے۔''

۲: امام مسلم رحمہ اللہ: ''جو تدلیس کی وجہ سے شہرت یافتہ ہیں...'' (ملخصاً)

۳: امام احمد رحمہ اللہ: ''ابن اسحاق بہ کثرت تدلیس کرتے ہیں...''

۴: امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ: ''مبارک بن فضالہ صدوق اور مشہور مدلس ہیں..''

۵: امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ: مبارک بن فضالہ ''انتہائی زیادہ تدلیس کرتا ہے...''

۶: امام ابوداود رحمہ اللہ: ''مبارک بن فضالہ شدید التدلیس ہے۔'' الخ

(بحوالہ سوالات الآجری)

یاد رہے کہ آجری کا ثقہ یا صدوق ہونا محدثین کرام سے صراحتاً ثابت نہیں۔

۷: امام ابن سعد رحمہ اللہ: ''ہشیم بن بشیر... بہ کثرت تدلیس کرتے ہیں۔'' الخ

۸: امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ: ''مبارک بن فضالہ تدلیس کرتے ہیں۔'' الخ

یہ سارے حوالے آپ نے پڑھ لئے۔ اردو تراجم سے قطع نظر ان میں سے کسی ایک حوالے میں بھی یہ صراحت نہیں کہ صرف کثیر التدلیس کی معنعن ہی ضعیف ہے، قلیل التدلیس کی معنعن صحیح ہے یا امام شافعی کا اصول غلط ہے، لہٰذا بعض نے صفحات سیاہ کر کے تدلیس سے ہی کام لیا ہے اور ان کے اس عمل کو تدلیس فی المتن قرار دینا ہی صحیح ہے۔

۱۲: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

حافظ ابن حبان نے لکھا ہے:

اس کی مثال دنیا میں صرف اکیلے سفیان بن عیینہ ہی ہیں، کیونکہ آپ تدلیس کرتے تھے مگر

ثقہ متقن کے علاوہ کسی دوسرے سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔ (الاحسان ۱/۹۰)

اس سے معلوم ہوا کہ سفیان بن عیینہ کے علاوہ دوسرا کوئی بھی راوی مثلاً سفیان ثوری ایسا نہیں جو صرف ثقہ سے ہی تدلیس کرتا ہو، لہٰذا استثناء صرف ابن عیینہ کو ہی حاصل ہے۔

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے ایک حدیث بیان کی، جسے انھوں نے علي بن المديني عن الضحاك بن مخلد عن ابن جريج عن عمرو کی سند سے سنا تھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ ثقہ مدلس راویوں مثلاً ابن جریج سے تدلیس کرتے تھے۔

ابن جریج بذاتِ خود ثقہ مدلس تھے اور ان کی روایت عن سے ہے، لہٰذا عین ممکن ہے کہ روایت معنعنہ میں سفیان بن عیینہ کے استاد نے تدلیس کر رکھی ہو۔

اس وجہ سے سفیان بن عیینہ کی معنعن روایت بھی مشکوک کے حکم میں ہے۔

امام ابو حاتم الرازی نے سفیان بن عیینہ کی سعید بن ابی عروبہ سے عن والی ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

اگر یہ (روایت) صحیح ہوتی تو ابن ابی عروبہ کی کتابوں میں ہوتی اور ابن عیینہ نے اس حدیث میں سماع کی تصریح نہیں کی اور یہ بات اسے ضعیف قرار دے رہی ہے۔

(علل الحدیث ۱/۳۲ ح ۶۰، الفتح المبین ص ۴۶)

ابن الترکمانی حنفی نے ایک روایت کے بارے میں کہا: "ثم إن ابن عيينة مدلس و قد عنعن في السند" پھر (اس میں) ابن عیینہ مدلس ہیں اور انھوں نے عن سے سند بیان کی ہے۔ (الجوہر النقی ۲/ ۱۳۸)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں ایک دن سفیان بن عیینہ نے عن زيد بن أسلم عن علي بن حسين کی سند سے ایک روایت بیان کی (تو) ہم نے کہا: اسے زید بن اسلم سے کس نے بیان کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: معمر (بن راشد) نے۔ ہم نے کہا: معمر سے نیچے کون (راوی) ہے؟ انھوں نے فرمایا: وہ صنعانی عبدالرزاق۔ (التمہید ۱/۳۱ و سندہ صحیح)

امام سفیان بن عیینہ نے ثقہ راوی فراس بن یحییٰ سے ایک روایت (غالباً مرسلاً

ارسال خفی) بیان کی، جسے انھوں نے حسن بن عمارہ وغیرہ سے بیان کیا تھا۔

(دیکھئے العلل للدارقطنی ۱۴۴/۳، تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۶۹/۳۰)

سفیان بن عیینہ نے "عن ابن جریج عن أبی الزبیر عن ..." کی سند سے ایک روایت (عالم المدینہ) بیان کی تو ابن القطان الفاسی نے لکھا:

"و ابن عیینة و ابن جریج و أبو الزبیر کلهم مدلس."

(بیان الوہم والایہام ۳۰۵/۴ ح ۱۸۶۵)

سفیان بن عیینہ نے زہری عن عبیداللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے ایک حدیث بیان کی تو امام احمد نے فرمایا: ابن عیینہ نے اس روایت میں ہمارے سامنے سماع کی تصریح بیان نہیں کی، پھر مجھے پتا چلا کہ انھوں نے اسے عمر بن حبیب سے سنا تھا۔

(المستدرک للحاکم ۵۳۹/۲ ح ۳۹۸۵)

بعض نے اپنے نمبر بڑھانے کے لئے لکھا ہے: "شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد نے اس کتاب کا دیباچہ لکھا جو کم وبیش چالیس صفحات کو محیط ہے۔" (مقالات اثریہ ص ۲۶۲)

عرض ہے کہ شیخ عبداللہ حفظہ اللہ میرے دوست ہیں اور مسجد علی بن المدینی (الریاض) کے قریب ان کے گھر میں اُن سے میری ملاقاتیں ہوئیں، انھوں نے میری دو کتابوں پر تقدیم بھی لکھی ہے۔

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد حفظہ اللہ نے مذکور کتاب کے دیباچے میں یہ بھی لکھا ہے:

"وهذا یفید أن ابن عیینة أحیاناً یدلّس عن الضعفاء وإن کان الغالب علیه لا یدلّس إلا عن الثقات" اور یہ بات یہ فائدہ دیتی ہے کہ ابن عیینہ بعض اوقات ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتے تھے اور اگرچہ غالب طور پر وہ صرف ثقات سے ہی تدلیس کرتے تھے۔ (مقدمہ منہج المتقدمین فی التدلیس ص ۳۶)

نیز دیکھئے توضیح الاحکام (۱۹۴/۲)

۱۳: جو ثقہ راویوں سے تدلیس کرے؟

اس کی صرف ایک ہی مثال ہے یعنی امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اور اس کا جواب آپ نے سابق عنوان کے تحت پڑھ لیا ہے۔

بعض نے امام بزار، حافظ ابن عبدالبر، کرابیسی، علائی اور ذہبی کے اقوال پیش کئے مثلاً حافظ ذہبی رحمہ اللہ (نے فرمایا): ''مدلس جو ثقات شیوخ سے تدلیس کرے تو کوئی حرج نہیں۔'' (الموقظہ:۱۳۲، مقالات اثریہ ص ۲۶۹)

اور اس عبارت کے فوراً بعد حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

''و إن كان ذا تدليس عن الضعفاء فمردود'' اور اگر وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والا تھا تو (اس کی معنعن روایت) مردود ہے۔

(الموقظہ ص ۱۳۲، تحقیقی مقالات ۴/ ۱۵۷)

بعض نے اس عبارت کو کیوں چھپا لیا ہے؟ اس عبارت سے تو سفیان ثوری رحمہ اللہ کی معنعن روایت کا ضعیف و مردود ہونا صاف طور پر واضح ہے، کیونکہ خود حافظ ذہبی نے فرمایا: ''مع أنه كان يدلس عن الضعفاء و لكن له نقد و ذوق.''

ساتھ اس کے وہ (سفیان ثوری) ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے لیکن وہ نقد و ذوق رکھتے تھے۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۱۶۹ ت ۳۳۲۲)

بلکہ امام سفیان ثوری تو اپنے نزدیک غیر ثقہ راوی سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

(دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۳۰۶۔۳۰۷)

ضعفاء سے تدلیس کرنے والے کی معنعن روایت کا غیر مقبول ہونا صرف حافظ ذہبی سے ہی ثابت نہیں، بلکہ ابو بکر الصیرفی وغیرہ علماء کا بھی یہی مسلک ہے۔

سخاوی نے ''و إلا فلا ، قاله البزار'' کہہ کر حافظ بزار کا بھی یہی مسلک و منہج بیان کیا ہے۔ (دیکھئے فتح المغیث ۱/ ۱۸۵، طبع دار الکتب العلمیہ)

اوراس حوالے کو بھی بعض نے چھپالیا ہے۔ واللہ اعلم

بعض کا یہ کہنا: ''ابن عیینہ کا عنعنہ بالاتفاق مقبول ہے:'' دو وجہ سے غیر مقبول ہے:

۱: ابن عیینہ ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

۲: سفیان بن عیینہ مدلسین سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

اس دوسری بات کا جواب کہیں سے بھی نہیں آیا۔

۱۴: قبل أن یفرض التشهد

بعض نے لکھا ہے: ''امام سفیان بن عیینہ نے ایک معنعن حدیث بیان کی ہے جس میں وہ "قبل أن یفرض التشهد " (تشہد کی فرضیت سے قبل) کے الفاظ بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کے تناظر میں یہ روایت ضعیف ہے...''

(مقالات اثریہ ص ۲۷۳)

ہم تو اصولِ حدیث کے پابند ہیں، دوغلی اور دورُخی پالیسی کے ہرگز قائل نہیں، لہٰذا یہ سند واقعی ضعیف ہے۔ (دیکھئے انوار الصحیفہ ص ۱۳۱ ن ۱۲۷۸)

بعض علماء کا اسے صحیح یا اسناد صحیح قرار دینا اُصولِ حدیث کے اہم ترین مسئلے کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ سلام پھیرنے والا تشہد فرض واجب ہے یا سنت ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور راجح یہی ہے کہ یہ تشہد فرض ہے، جیسا کہ متعدد دلائل سے ثابت ہے۔ مثلاً:

۱: حدیث بخاری (۶۲۶۵) وصحیح مسلم (۵۹۔۶۰/۴۰۲)

صحیح مسلم والی حدیث (۶۰/۴۰۲) پر امام بیہقی نے باب وجوب التشهد الآخر لکھ کر وجوب یعنی فرضیتِ تشہد ثابت کی ہے۔

۲: امام بیہقی ایک (متفق علیہ) حدیث لائے ہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فإذا صلّيتم فقولوا التحيات لله...))

(السنن الکبریٰ ۲/ ۳۷۷ وقال: أخرجاه فی الصحیح)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام دارقطنی وغیرہ نے اس سند کو کیوں صحیح کہا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کی بہت سی مثالیں مدلسین کے طبقۂ ثالثہ اور رابعہ کے بارے میں موجود ہیں کہ محدثین نے ان کی معنعن روایات کو حسن یا صحیح کہا ہے۔ مثلاً:

۱) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ انھوں نے اپنی سواری بٹھائی اور قبلہ رُخ پیشاب کرنے لگے پھر فرمایا: قبلہ رُخ پیشاب کرنے سے تو کھلی جگہ پر منع کیا گیا ہے، اگر تمھارے اور قبلے کے درمیان کوئی چیز ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(سنن ابی داود: ۱۱، وعنہ البیہقی ۱/ ۵۸)

اسے درج ذیل محدثین نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے:

۱: ابن خزیمہ (صحیح ابن خزیمہ: ۶۰) رواہ ولم یتکلم فیه

۲: دارقطنی (۱/ ۵۸ ح ۱۵۸) قال: "هذا صحيح، كلهم ثقات"

۳: حاکم (المستدرک ۱/ ۱۵۴ ح ۵۵۱)

قال: "هذا حديث صحيح على شرط البخاري..."

۴: ذہبی (ایضاً) قال: "على شرط البخاري"

لطیفہ: بعض نے ایک "مقالہ" لکھا ہے:

"صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی کا تحقیقی جائزہ" (مقالات اثریہ ص ۴۷۹۔۵۰۸)

انھوں نے اس "مقالے" میں لکھا ہے: "بعض علماء کا حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے سکوت یا عدمِ موافقت پر "صححه الحاكم ووافقه الذهبي" کا اطلاق درست نہیں کیونکہ اس نظریے کی اساس کمزور دلیل پر مبنی ہے۔" (ص ۵۰۸)

اس کی تردید کے لئے بعض کے "فاضل بھائی" مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی درج ذیل عبارتیں ہی کافی ہیں:

"إسناده صحيح ، أخرجه أبو داود... والحاكم (ج ١ ص ١٥٨) وصححه ووافقه الذهبي" (تخریج وتحقیق: مسند السراج ص ۴۳ تحت ح ۳۰)

"وقال الحاكم: صحيح على شرطهما، ووافقه الذهبي"

(ایضاً ص ۸۶ تحت ح ۱۶۹)

"لكن صححه ابن خزيمة و ابن حبان والحاكم ووافقه الذهبي"

(ایضاً ص ۱۸۷ تحت ح ۶۰۲)

۵: حازمی (الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار ص ۶۶)

قال :"هذا حديث حسن "

۶: حافظ ابن حجر العسقلانی (فتح الباری ۱/ ۲۴۷ تحت ح ۱۴۵) قال: "بسند لا بأس به" شوکانی صاحب نے حافظ ابن حجر سے "بإسناد حسن" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ واللہ اعلم

(نیل الاوطار ۱/ ۱۳۳ تحت ح ۸۹)

۷: شیخ البانی (صحیح سنن ابی داود ۱/ ۳۳ و ۳۴ ح ۸) قال: "إسناده حسن"

چھ سات علماء کی تصحیح وتقویتِ حدیث کے بعد عرض ہے کہ اس کی سند میں حسن بن ذکوان طبقۂ ثالثہ کا مدلس ہے۔ (طبقات المدلسین ۷۰/ ۳)

نیز دیکھئے الکامل لابن عدی (۵/ ۱۷۷۶۔ ۱۷۷۷، دوسرا نسخہ ۶/ ۲۲۱۔ ۲۲۲)

یاد رہے کہ اس روایت کی سند میں حسن بن ذکوان کے سماع کی تصریح نہیں ملی۔

۲) علی بن غراب نے قمقمے (دودستوں کے تانبے یا پیتل کے گول اور صراحی نما برتن) کے بارے میں عن کے ساتھ ایک موقوف روایت بیان کی تو امام دارقطنی نے فرمایا:

"هذا إسناد صحيح." (سنن دارقطنی ۱/ ۳۷۔ ۳۸ ح ۸۲ وعنہ البیہقی ۱/ ۶)

علی بن غراب طبقۂ ثالثہ کا مدلس ہے۔ (۸۹/ ۳ طبقات المدلسین)

۳) ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایک دعا اپنے بالغ بچوں کو سکھاتے تھے اور جو نابالغ ہوتے تو اسے لکھ کر ان کی گردن میں لٹکا دیتے تھے۔

(سنن ترمذی: ۳۵۲۸ وقال: "هذا حديث حسن غريب" المستدرک ۱/ ۵۴۸ ح ۲۰۱۰ وصححہ الحاکم)

نیز دیکھئے الترغیب والترہیب للمنذری (۲/ ۴۵۵۔۴۵۶ ح ۲۳۸۴)

اس روایت کی سند میں محمد بن اسحاق بن یسار طبقۂ رابعہ کے مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، لہٰذا جب اُصولِ حدیث اور اسماء الرجال میں ترجیح الجمہور کا مسئلہ ہو تو پھر روایت کی تصحیح و تحسین پیش نہیں ہو سکتی، بلکہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو ہی ترجیح دی جاتی ہے اور یہی حق ہے۔

کیا ہم اصولوں کا راستہ چھوڑ کر بے اصولیاں اور صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر دوڑُخیاں اور دوغلی پالیسیاں شروع کر دیں؟ ہرگز نہیں!

۱۵: امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کا مدلس ہونا امام ابو حاتم الرازی اور طحاوی وغیرہما سے ثابت ہے۔ (دیکھئے علل الحدیث ۱/ ۳۲۴ ح ۹۶۴، شرح معانی الآثار ۱/ ۵۵ باب مس الفرج)

بعض نے تین متاخرین (ذہبی، علائی اور ابن العجمی) اور آٹھ معاصرین کے نام پیش کر کے یہ لکھ دیا ہے: "حافظ ابن حجر کا موقف محل نظر ہے۔" (مقالات اثریہ ص ۲۷۶)

اس کا ہم یہی جواب دیتے ہیں کہ سبحان اللہ!

امام زہری کی معنعن روایات اور مصححینِ حدیث والے علم الکلام کے جواب کے لئے "قبل أن يفرض التشهد" کے عنوان کے تحت تین حوالے ہی کافی ہیں۔

بعض نے سنن ابی داود (۴۵۳۴) وغیرہ کی جس ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس سے کئی باطل مسائل پر بھی استدلال ہو سکتا ہے:

۱: اس سے بعض صحابہ کرام کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ معاذ اللہ

۲: اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ بعض صحابہ نے نبی ﷺ کی تکذیب کی تھی۔ معاذ اللہ

بعض نے امام زہری کی دوسری معنعن روایت بسلسلۂ آمین بالجہر پیش کی ہے، اس

روایت کی سند ضعیف ہے لیکن سنن ابی داود (۹۳۴ وسندہ حسن) وغیرہ میں اس کے حسن لذاتہ شواہد ہیں جن کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے۔

(دیکھئے میری کتاب: القول المتین ص ۲۶۔۲۷)

لہٰذا بعض کا شبہ فنا ہوا۔

لطیفہ: بعض نے امام زہری کے بارے میں حافظ ذہبی سے نقل کیا ہے:

''وہ بسا اوقات تدلیس کرتے تھے۔'' (میزان الاعتدال ۴/۴۰، مقالات اثریہ ص ۲۷۵)

معترض نے امام زہری کے علاوہ اور بھی کئی راویوں کو ''بسا اوقات'' تدلیس کرنے والا قرار دیا ہے۔ مثلاً عکرمہ بن عمار، محمد بن عیسیٰ الطباع، حمید الطویل اور ابو معاویہ محمد بن خازم الضریر رحمہم اللہ۔ ان میں سے اول الذکر تینوں حافظ صاحب کی طبقاتی تقسیم کے بمطابق طبقۂ ثالثہ میں سے ہیں۔

''بسا اوقات'' کا اردو زبان میں مشہور مطلب وترجمہ درج ذیل ہے:

۱: ''بارہا، اکثر مرتبہ، بہت دفعہ۔ بار بار'' (دیکھئے علمی اردو لغت از وارث سرہندی ص ۲۳۰)

۲: ''اکثر، بہت دفعہ'' (جامع نسیم اللغات ص ۱۶۵)

۳: ''بسا اوقات: بہت دفعہ، بارہا، اکثر۔'' (جامع اردو لغات ص ۱۲۳)

۴: ''بہت دفعہ، اکثر مرتبہ'' (فیروز اللغات ص ۲۰۳)

فارسی اور اردو میں بسا کا لفظ بہت زیادہ اور کثرت پر استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ حسن اللغات، لغاتِ سعیدی اور لغاتِ کشوری وغیرہ سے ثابت ہے:

۱: ''بسا: بس کا مزید علیہ۔ اکثر۔ بہت۔ بسا کے آخر میں الف کثرت کے معنوں میں ہے۔'' (حسن اللغات ص ۱۱۷)

۲: ''اکثر۔ بہت اور فارس کے ایک شہر کا نام ہے۔'' (لغاتِ سعیدی ص ۱۰۴)

۳: ''بہت اکثر۔ تمام اور نام ایک شہر کا فارس میں۔'' (لغاتِ کشوری ص ۶۸)

۴: ''بہت۔ اکثر۔'' (جامع اللغات ص ۸۰)

ایک جدید کتاب ''اردولغت'' میں بسااوقات کے دو معنی لکھے ہوئے ہیں:

''اکثر، کبھی کبھی'' (ج ۲ ص ۱۱۱۴)

لیکن بسا کا معنی ''بہت، بکثرت... اکثر، بیشتر'' ہی لکھا ہوا ہے۔ (ایضاً)

ظاہر ہے کہ ترجیح عام کتبِ لغت اور لفظِ بسا کے مفہوم کو ہی حاصل ہے، لہٰذا معترض کے اپنے کلام سے ہی امام زہری رحمہ اللہ کثیر التدلیس ثابت ہو گئے۔!

اگر کوئی کہے کہ میرا یہ مطلب نہیں تھا، تو عرض ہے کہ ذو معنی بلکہ متعارض المعنی لفظ کیوں استعمال کیا؟ کیا اردو زبان میں دوسرے الفاظ نہیں تھے یا معترض مذکور اردو لغت کی ابجد سے بھی ناواقف ہے؟!

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ عربی زبان میں ربما کا لفظ تقلیل اور تکثیر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا ''ربما دلس'' وغیرہ الفاظ سے یہ ثابت کرنا صحیح نہیں کہ فلاں راوی قلیل التدلیس تھے اور بعض کا یہ کہنا کہ ''ورنہ ''ربما'' کی صراحت بے معنی ہوگی'' بے حد عجیب وغریب ہے۔

ذو معنی بات یا استدلال کے بجائے صاف، صریح اور واضح بات کہنی چاہیے تا کہ کسی قسم کا ابہام واشتباہ باقی نہ رہے۔

۱۶: بعض الناس کے شبہات کا رد

بعض نے اپنے مضمون کے دوسرے باب میں جو شبہات و مغالطات بطورِ تجزیہ پیش کئے ہیں، ان کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

۱۷: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول

بعض نے امام ابن معین رحمہ اللہ کے قول: ''وہ جس میں تدلیس کرے تو حجت نہیں ہوتا۔'' سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس سے مراد کثیر التدلیس ہے اور فیصل خان الحلیق

کی طرح استدلال کرتے ہوئے خالد الدریس وغیرہ معاصرین کے نام پیش کئے ہیں۔
متقدمین سے تہی دامن ہونے کے بعد پندرھویں صدی ہجری کے معاصرین سے استدلال کرنا منہج المتقد مین نہیں بلکہ منہج المتاخرین کہلاتا ہے۔ (نیز دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/۱۸۳)

۱۸: امام ابن المدینی رحمہ اللہ کا قول

امام علی بن عبداللہ المدینی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: جو شخص تدلیس کرتا ہے کیا وہ حدثنا نہ کہے تو حجت ہوتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اگر اس پر تدلیس غالب ہو تو جب تک حدثنا نہ کہے حجت نہیں ہوتا۔ (الکفایہ ص ۳۶۲)

اس قول سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کثیر التدلیس کی معنعن روایت حجت نہیں، لیکن قلیل التدلیس کی روایت کا کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں یہ قول خاموش ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ ''جمہور قلت و کثرت کے قائل ہیں۔''
عرض ہے کہ اس بے دلیل بات کی تردید کے لئے دیکھئے مقالات (ج ۴ ص ۱۵۱۔۱۶۷)

۱: امام ترمذی کی طرف منسوب کتاب العلل الکبیر کے حوالے سے یہ کہنا کہ سفیان ثوری کی تدلیس کتنی کم ہے۔!! اس وجہ سے غلط ہے کہ کتاب العلل الکبیر کا مطبوعہ نسخہ امام ترمذی سے باسند صحیح ثابت ہی نہیں۔

اس کا راوی ابو حامد التاجر (احمد بن عبداللہ بن داود المروزی) مجہول الحال ہے۔
(دیکھئے الحدیث حضرو: ۳۸ ص ۳۱، الطیوریات ۲/۲۵۶ رقم ۷)

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ امام ترمذی کا ایک اور شاگرد ابو حامد التاجر احمد بن علی بن الحسن بن شاذان المقرئ العابد النیسابوری یعنی ابن حسنویہ ہے جو کہ غیر ثقہ اور مجروح ہے۔
(دیکھئے لسان المیزان ۱/۲۲۳۔۲۲۴، دوسرا نسخہ ۱/۳۳۵۔۳۳۷)

تنبیہ: راقم الحروف نے اپنی کسی سابقہ تحریر میں اگر العلل الکبیر کا کوئی حوالہ پیش کیا ہے تو وہ منسوخ اور مرجوح ہے۔

۲: امام مسلم کے قول "ممن عرف وشهر به" کا مطلب ہرگز نہیں کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت حجت ہوتی ہے۔ (نیز دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۱۹۷)

یاد رہے کہ سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور سلیمان التیمی وغیرہم مشہور بالتدلیس یا معروف بالتدلیس تھے، جیسا کہ اسی مضمون میں قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔ (دیکھئے عنوان نمبر ۵)

۳: متقدمین مثلاً امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن سعید القطان، ابو زرعۃ الرازی اور ابو داود وغیرہم سے یہ اصول ہرگز ثابت نہیں کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے۔

۴: بعض نے لکھا ہے: "امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے ہمنواؤں کی عظمتِ شان کا کسی ذی علم کو انکار نہیں، مگر وہ مصطلح الحدیث میں امام ابن مدینی، بخاری، مسلم، احمد رحمہم اللہ وغیرہ کے ہم پلہ نہیں۔ لہٰذا ان کے مقابلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف کیوں کر درست تسلیم کیا جاسکتا ہے؟"

عرض ہے کہ ائمہ مذکورین میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ امام بخاری، مسلم اور احمد سے امام شافعی رحمہ اللہ کی اس مسئلے میں مخالفت ثابت ہے۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۱۶۸۔۱۹۸)

مقابلہ صرف معترض کے خواب وخیال میں ہے، رہا صرف اکیلے امام ابن المدینی کا قول تو اس میں مخالفت کی صراحت نہیں بلکہ متاخرین مثلاً سخاوی ومعاصرین وغیرہم کے مجرد احتمالات سے استدلال کیا گیا ہے اور مفہومِ مخالف کو امام شافعی کی صریح دلیل کے مقابلے میں سینے سے لگایا گیا ہے۔

۵: خطیب بغدادی پر بعض کے اعتراض کا یہی جواب ہے کہ یہ ظہور احمد اور فیصل خان الحلیق جیسے مبتدعین کا طریقہ ہے۔

۶: بعض نے متقدمین سے ایک صریح حوالہ بھی پیش نہیں کیا کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے اور جو غیر صریح حوالے پیش کئے ہیں ان پر تبصرہ درج ذیل ہے:

☆ امام بخاری نے سفیان ثوری کے بارے میں فرمایا: "ما أقل تدليسه!"

یہ حوالہ اصل مسئلے سے غیر متعلق ہے اور امام بخاری سے باسند صحیح ثابت بھی نہیں، جیسا کہ اسی عنوان میں فقرہ نمبر ا کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

☆ "ربما دلس" "بسا اوقات تدلیس کرتے ہیں"

ان اقوال میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے۔ یہ تو نرا ظہور احمدی اور فیصل خانی طرزِ استدلال ہے۔!

یاد رہے کہ بسا اوقات کا مطلب اکثر اوقات ہے اور ربما کا استعمال بھی کثرت اور قلت دونوں پر ہوتا ہے، لہٰذا معترض کا تانا بانا منہدم ہے۔

☆ کثیر التدلیس کے الفاظ سے یہ مسئلہ کہاں سے نکل آیا کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے؟!

☆ مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہوئے معترض نے متاخرین میں سے سخاوی صوفی اور پندرھویں صدی کے پندرہ معاصرین کے نام پیش کئے ہیں۔ سبحان اللہ!

۱۹: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ

امام سفیان ثوری کے بارے میں یہ پروپیگنڈا کرنا کہ وہ قلیل التدلیس تھے، اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "**أعلم الناس بالثوري يحيي بن سعيد، لأنه عرف صحيح حديثه من تدليسه .**"

لوگوں میں (سفیان) ثوری کو سب سے زیادہ جاننے والے یحییٰ بن سعید (القطان) تھے، کیونکہ وہ ان کی تدلیس (والی روایات) میں سے صحیح حدیثوں کو جانتے تھے۔

(الکامل لابن عدی ۱/ ۱۱۱، وسندہ صحیح)

امام علی بن المدینی نے فرمایا: لوگ سفیان (ثوری) کی حدیث میں یحییٰ القطان کے محتاج ہیں، کیونکہ وہ مصرح بالسماع روایات بیان کرتے تھے۔ (الکفایہ ص ۳۶۲)

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ امام سفیان ثوری کی احادیث کے لئے امام یحییٰ

القطان کے محتاج تھے، لہٰذا ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک سفیان ثوری مدلس ہیں بلکہ کثیر التدلیس تھے۔

امام یحییٰ القطان نے فرمایا: میں نے سفیان (ثوری) سے صرف وہی کچھ لکھا ہے، جس میں انھوں نے حدثنی اور حدثنا کہا، سوائے دو حدیثوں کے۔ (تحقیقی مقالات ۳/۳۰۸)

اس قول سے بھی ظاہر ہے کہ امام یحییٰ القطان کے نزدیک سفیان ثوری کثیر التدلیس تھے۔

۱: بعض نے افسوس کرتے ہوئے اسماعیل بن ابی خالد کی ایک معنعن روایت کی سند کو ضعیف کہنے پر اعتراض کیا ہے اور امام یحییٰ القطان سے اس روایت کا صحیح ہونا نقل کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مقامِ تأسف سے پہلے چار باتوں کا اثبات انتہائی ضروری ہے:

اول: کیا یحییٰ القطان اسماعیل مذکور کو طبقۂ ثانیہ کا مدلس سمجھتے تھے یا مطلقاً مدلس سمجھتے تھے؟

دوم: کیا یحییٰ القطان تک اسماعیل کی روایت معنعن ہی پہنچی تھی؟

سوم: کیا یحییٰ القطان نے اسماعیل بن ابی خالد کی یہ روایت بذاتِ خود بھی بیان کی تھی؟

چہارم: کیا یہ ضروری ہے کہ ہر مدلس راوی کا تدلیس کرنا اس کے ہر شاگرد کو ضرور بالضرور معلوم ہوتا ہے؟

اگر نہیں تو شخص مذکور کو اپنے آپ پر افسوس کرنا چاہئے، نہ کہ اصولِ حدیث کو ہی اپنی پشت پر پھینک دے۔

بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ اسماعیل بن ابی خالد کی معنعن روایات سے استدلال کے لئے فیصل خان الحلیق کی کتاب: ترویح العینین فی ردنور العینین (ترکِ رفع یدین پر ایک تاریخی دستاویز) ص ۳۸۱۔۳۸۴ کا تانا بانا اور طرزِ استدلال بھی دیکھ لیں، تا کہ آنکھیں کھلی رہیں۔

۲۰: شوافع اور طبقاتی تقسیم

بعض نے لکھا ہے کہ ''شوافع ہی طبقاتی تقسیم کے بانی ہیں:''

اور پھر حافظ علائی اور حافظ ابن حجر وغیرہما کے حوالے دیئے ہیں۔

عرض ہے کہ شوافع بذاتِ خود اس طبقاتی تقسیم کے مخالف ہیں۔ مثلاً:

۱: حافظ ابن حجر نے اپنے نزدیک طبقۂ ثانیہ کے مدلس سلیمان الاعمش کی معنعن روایت کو معلول (ضعیف) قرار دیا۔ (دیکھئے التلخیص الحبیر ۳/۱۹ح ۱۱۸۱)

فائدہ: سخاوی صوفی نے لکھا ہے: ''وقد سمعته يقول: لست راضيًا عن شئ من تصانيفي لأني عملتها في ابتداء الأمر ثم لم يتهيا لي من يحررها معي سوى شرح البخارى و مقدمته والمشتبة والتهذيب ولسان الميزان. بل كان يقول فيه :لو استقبلت من أمري ما استدبرت لم أتقيد بالذهبى ولجعلته كتابًا مبتكرًا. بل رأيته في موضع أثنى على شرح البخاري والتغليق والنخبة ثم قال: وإما سائر المجموعات فهي كثيرة العدد واهية العُدد، ضعيفة القوى ظامئة الروى...'' إلخ

اور میں نے آپ (حافظ ابن حجر العسقلانی) کو فرماتے ہوئے سنا: میں اپنی کتابوں میں سے کسی چیز پر بھی راضی نہیں کیونکہ میں نے انھیں ابتدائی دور میں لکھا تھا، پھر مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو میرے ساتھ مل کر ان (کتابوں) کی اصلاح کرتا سوائے صحیح بخاری کی شرح، اس کا مقدمہ، المشتبہ، التہذیب اور لسان المیزان کے۔

بلکہ وہ اس (لسان المیزان) کے بارے میں فرماتے تھے: اگر مجھے بعد کی باتیں پہلے معلوم ہوتیں تو میں اپنے آپ کو ذہبی کے ساتھ مقید (مشروط) نہ کرتا اور اسے بے مثال کتاب بناتا۔

بلکہ میں نے دیکھا کہ ایک مقام پر آپ نے صحیح بخاری کی شرح، تغلیق اور نخبہ کی تعریف کی پھر فرمایا:

اور رہیں ساری کتابیں تو ان کی تعداد زیادہ ہے، تیاری کے لحاظ سے کمزور ہیں، طاقت میں کمزور ہیں (اور) پیاس نہیں بجھاتیں۔ (الجواہر والدرر ۲/۶۵۹)

اس کلام سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی صرف درج ذیل کتابوں سے ہی

راضی تھے:

فتح الباری، ہدی الساری، تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تغلیق التعلیق اور نخبۃ الفکر۔

۲: حافظ علائی نے ابن جریج اور ہشیم بن بشیر وغیرہما کو بھی طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے، حالانکہ ہشیم کثرت سے تدلیس کرتے تھے۔

(مثلاً دیکھئے المعرفۃ والتاریخ ۲/ ۶۳۳، طبقات ابن سعد ۷/ ۲۲۷)

اور ابن جریج کی تدلیس کو شر التدلیس بھی کہا گیا ہے اور وہ مکثر من التدلیس (یعنی کثرت سے تدلیس کرنے والے) بھی تھے۔

۳: نووی (شافعی) نے سفیان ثوری کو مدلس قرار دیا اور کہا:

اور مدلس کی عن والی روایت بالاتفاق حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند میں سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (شرح صحیح مسلم بحوالہ تحقیقی مقالات ۳/ ۳۱۱)

نیز اس جیسا کلام نووی نے اعمش کے بارے میں بھی فرما رکھا ہے۔ (تحقیقی مقالات ۳/ ۳۰۲)

۲۱: سرفراز خان صفدر اور طبقاتی تقسیم

بعض نے احسن الکلام (۱/ ۲۷۵۔۲۷۶، ۲۰۱، ۲۱۸، ۲۴۹) کے کچھ حوالے پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سرفراز صاحب نے طبقاتی تقسیم کو تسلیم کر رکھا تھا۔

حالانکہ سرفراز خان صفدر نے اسماعیل بن ابی خالد، ابو قلابہ الجرمی الشامی اور سفیان ثوری کی معنعن روایات پر جرح کی اور قتادہ وغیرہ کی معنعن روایات سے استدلال کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی کے نزدیک طبقاتی تقسیم قابلِ تسلیم نہیں، یا پھر سرفراز خان صفدر نے دوغلی پالیسی اپنا رکھی تھی۔ واللہ اعلم

۲۲: محمود سعید ممدوح؟

بعض نے اپنے مقالات میں محمود سعید ممدوح کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ متعصب حنفی بھی طبقاتی تقسیم کے قایل ہیں۔'' (ص ۲۹۷)

حالانکہ محمود کا حنفی ہونا معلوم نہیں بلکہ ارشیف ملتقی اھل الحدیث میں اسے شافعی لکھا ہوا ہے، نیز فرقۂ بریلویہ کی درج ذیل کتابوں میں بھی اسے شافعی ہی لکھا گیا ہے:

۱: الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف (ص ۲)

۲: مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب (ص ۳۵)

۳: غاية التحجيل وترك القطع فى التفضيل / کیا مسئلہ افضلیت ظنی نہیں؟ (ص ٦٧)

بلکہ بعض عرب علماء نے محمود سعید کو رافضی کہا ہے۔

ان دو حوالوں کے بعد بعض کا یہ کہنا: ''نتیجہ واضح ہے کہ دیوبند بھی طبقاتی تقسیم کے قایل ہیں۔ ورنہ ابوالزبیر کے عنعنہ کے مقبول ہونے کا کیا مطلب؟''

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آلِ دیوبند طبقاتی تقسیم کے قائل ہوتے تو سفیان ثوری کی معنعن روایت پر کبھی جرح نہ کرتے، حالانکہ سرفراز اور اوکاڑوی وغیرہما نے جرح کی ہے۔

ابو قلابہ کی معنعن روایت پر کبھی جرح نہ کرتے حالانکہ سرفراز نے جرح کی ہے۔

قتادہ کی معنعن روایت کو کبھی صحیح نہ کہتے، حالانکہ سرفراز وغیرہ نے قتادہ کی معنعن روایات سے استدلال کیا ہے۔

اس طرح کی بہت زیادہ مثالیں ہیں اور ان حوالوں سے آنکھیں بند کر کے یہ لکھ دینا کہ ''عجلت کا آئینہ دار ہیں'' بذاتِ خود عجلت پسندی اور جلد بازی کا ہی نتیجہ ہے۔

۲۳: امام احمد بن حنبل کا قول

امام احمد بن حنبل نے امام شافعی کی کتاب الرسالہ کو ان کی سب سے اچھی کتابوں میں سے قرار دیا اور مسئلہ تدلیس میں ان کا کوئی رد نہیں کیا، جو اس کی دلیل ہے کہ امام احمد بھی مسئلہ تدلیس میں امام شافعی سے متفق ہیں۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۱۷۰۔۱۷۱)

بعض نے سوالات ابی داود کے حوالے کے جواب الجواب میں لکھا ہے:

''امام احمد کے قول کے مقابلے میں 'تصریح' نے راقم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔''

عرض ہے کہ امام احمد نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ قلیل التدلیس کی معنعن صحیح ہوتی ہے اور صرف کثیر التدلیس کی ضعیف ہوتی ہے، نیز معترض نے بذاتِ خود اس قول: ''أي أنك تحتج به '' کی اپنی اسی کتاب میں مخالفت کر رکھی ہے۔ (ص ۵۴۱۔۵۴۲)

نیز اسی قول کے شروع میں امام احمد سے اس شخص (جو تدلیس کی وجہ سے معروف ہے) کے بارے میں جب وہ سماع کی تصریح نہ کرے، پوچھا گیا: کیا وہ قابلِ اعتماد ہوگا؟

امام احمد نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں۔ (سوالات ابی داود: ۱۳۸)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب نے توقف فرمایا اور ظاہر ہے کہ جس چیز کے قابلِ اعتماد ہونے میں توقف کیا جائے وہ حجت نہیں ہوتی۔ بعض نے فیصل خان بریلوی اور ظہور احمد دیوبندی کی طرح آٹھ معاصرین کے نام اپنی تائید میں لکھے ہیں۔ سبحان اللہ!

۱: بعض نے لکھا ہے: ''امام بخاری قلت تدلیس کے قائل ہیں۔''

عرض ہے کہ یہ بات امام بخاری سے ثابت ہی نہیں، جبکہ امام بخاری نے قتادہ کی معنعن روایت پر لطیف انداز میں کلام کیا۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۱۸۸)

نیز امام بخاری نے ابوخالد سلیمان بن حیان الاحمر کی معنعن روایت پر ''قال أحمد : أراه كان يدلس '' فرما کر تدلیس کا اعتراض کیا۔ (جزء القراءۃ: ۲۶۷)

حالانکہ ابوخالد الاحمر کا کثیر التدلیس ہونا کسی امام سے ثابت نہیں۔

۲۴: امام مسلم کا قول فیصل

بعض نے امام مسلم کے قول "عرف بالتدلیس وشھربه" سے کثرتِ تدلیس کا احتمال ظاہر کر کے اسے نصِ صریح قرار دیا ہے اور اپنی تائید میں سات معاصرین مثلاً ارشاد الحق اثری وغیرہ کے نام پیش کیے ہیں، حالانکہ غالی حنبلی ابن رجب نے اس قول کے دو احتمالوں میں ایک احتمال یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے تدلیس کا ثبوت مراد ہو، تو یہ شافعی کے قول کی طرح ہے۔ (شرح علل الترمذی ۱/۳۵۴، مقالات ۴/ ۱۹۷)

لہٰذا معترض اور اس کے ممدوحین کا استدلال باطل ہوا، نیز ہم نے اسی مضمون میں ثابت کر دیا ہے کہ سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، سلیمان التیمی اور ابن شہاب الزہری مشہور بالتدلیس اور معروف بالتدلیس تھے۔ (عنوان نمبر ۵)

لہٰذا انھیں بھی امام مسلم یا اپنے نزدیک کثیر التدلیس قرار دیا جائے، یا پھر اپنے استدلال سے علانیہ رجوع کیا جائے۔

۲۵: پانچ حوالے معتبر ہیں

بعض نے ظہور احمدی وفیصل خانی طرزِ کلام، لفاظی اور مداری پن کے ذریعے سے تحقیقی مقالات کے تیس (۳۰) حوالوں کو صرف پانچ حوالے بنانے کی ناکام کوشش کی ہے، جس کے جواب میں ہم انا للہ وانا الیہ راجعون ہی کہہ سکتے ہیں۔

بعض نے نووی اور ابن الملقن کے کچھ حوالے پیش کیے ہیں، جن میں انھوں نے چند مدلسین کی معنعن روایات کو صحیح قرار دیا ہے، اس کا اصولی جواب یہ ہے کہ ایسی حالت میں اصولِ حدیث کو ترجیح ہوگی اور مذکور تصحیح کو صاحبِ تصحیح کا وہم یا تساہل سمجھا جائے گا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ نووی نے اعمش کے بارے میں خود لکھا ہے: اور اعمش مدلس تھے اور مدلس اگر عن سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند سے

سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (شرح صحیح مسلم، بحوالہ تحقیقی مقالات ۳/۳۰۲)

نووی کی جلالتِ شان کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے وہم یا تساہل کے علاوہ کیا نام دیا جاسکتا ہے؟

بہت سے علماء نے کثیر التدلیس راویوں کی روایات کو بھی صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ مثلاً:

۱: سنن ابی داود (۲۹۳۷) وغیرہ کی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ ٹیکس لینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اسے ابن خزیمہ (۲۳۳۳) ابن الجارود (۳۳۹) حاکم (علیٰ شرط مسلم ۱/۴۰۴ ح ۱۴۶۹) نے صحیح قرار دیا، حالانکہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق بن یسار صدوق (طبقۂ رابعہ کے) مدلس ہیں اور سماع کی تصریح موجود نہیں۔ (نیز دیکھئے ضعیف سنن ابی داود للالبانی ۱۰/۴۱۳ ح ۵۱۲)

۲: دعا لکھ کر بچوں کی گردن میں لٹکانے والی روایت کو حاکم نے صحیح اور ترمذی نے حسن غریب قرار دیا ہے۔ (دیکھئے عنوان نمبر ۱۴، فقرہ نمبر ۳)

۳: محمد بن اسحاق کی بیان کردہ ایک معنعن روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے شہد کے ساتھ بالوں کو چپکایا تھا۔ (سنن ابی داود: ۱۷۴۸)

اسے حافظ ذہبی نے مسلم کی شرط پر قرار دیا۔! (تلخیص المستدرک ۱/۴۵۰ ح ۱۶۰)

۴: حسن بن ذکوان (طبقۂ ثالثہ کے مدلس) کی ایک معنعن روایت کو درج ذیل علماء نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے:

ابن خزیمہ، دارقطنی، حاکم، ذہبی، حازمی، ابن حجر العسقلانی اور معاصرین میں سے شیخ البانی رحمہم اللہ۔ (دیکھئے عنوان نمبر ۱۴، فقرہ نمبر ۱)

۵: حافظ ابن حجر نے بزار کی ایک روایت (أذن لمعاذ فی التبشیر) کو ''باسناد حسن'' قرار دیا۔ (دیکھئے فتح الباری ۱/۲۲۷ ح ۱۲۸)

حالانکہ اس کی سند میں عطیہ العوفی طبقۂ رابعہ کا مدلس، قبیح تدلیس کے ساتھ مشہور اور ضعیف راوی ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۱۲۲/۴)

نیز عطیہ تک سند بھی ضعیف ہے۔

٦: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ثقہ تابعی ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس المکی رحمہ اللہ کو مدلسین کے طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ (الفتح المبین ص ٦١، ١٠١/٣)

دوسری جگہ اُن کی طرف منسوب ایک روایت ہے، جس میں ابوالزبیر کے سماع کی تصریح نہیں: ''أن رسول الله ﷺ أمر الشمس فتأخرت ساعة من نهار.''

رسول اللہ ﷺ نے سورج کو حکم دیا تو وہ دن کے ایک پہر رکا رہا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ٥/٣٢-٣٣ ح ٤٠٥١)

اس روایت کو حافظ صاحب نے اپنی پسندیدہ کتاب: فتح الباری میں ''وإسناده حسن'' کہا ہے۔ (٢٢١/٦ تحت ح ٣١٢٤، الضعیفۃ للالبانی ٢/٤٠٢ ح ٩٧٢)

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں، بلکہ کئی علماء نے تو متروک اور کذاب راویوں کی روایات کو بھی صحیح یا حسن قرار دے رکھا ہے، مثلاً:

☆ ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ ''الدعاء سلاح المؤمن'' اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔

(المستدرک ١/٤٩٢ ح ١٨١٢، السلسلۃ الضعیفۃ: ١٧٩، وقال الالبانی: موضوع ... وقال الحاکم: هذا حديث صحيح ... ووافقه الذهبي وهذا منه خطأ فاحش لأمرين ...)

حالانکہ اس روایت میں محمد بن الحسن بن الزبیر الہمدانی راوی نہیں بلکہ محمد بن الحسن بن ابی یزید الہمدانی راوی ہے، جس کے بارے میں امام ابن معین نے فرمایا: ''ليس بثقة كان يكذب'' (الجرح والتعدیل ٧/٢٢٥ ت ١٢٤٨، وسندہ صحیح)

☆ مسند بزار (کشف الاستار ١/١٣٠ ح ٢٤٦، مجمع الزوائد ١/٢٠٨) کی ایک روایت کو حافظ صاحب نے حسن کہا ہے۔

(آثار السنن: ٤٣، التلخیص الحبیر ١/١٠٦، ماہنامہ ضرب حق سرگودھا شمارہ ٢٨ ص ٨)

حالانکہ اس کی سند میں یوسف بن خالد السمتی کذاب خبیث اور اللہ کا دشمن ہے۔

(دیکھئے الضعفاء للعقیلی ۴/۲۵۳ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے ضرب حق ص ۸، انوار السنن: ۴۳)

☆ تلک الغرانیق کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی کی تقویت کے لئے دیکھئے تحقیق مقالات (۴/۵۷۳)

۲۶: حافظ سخاوی کی غلط ترجمانی؟

بعض نے متاخرین میں سے سخاوی کے بارے میں غلط ترجمانی کا الزام لگایا ہے، جس کے جواب کے لئے تین باتیں مدنظر رکھنا ضروری ہیں:

۱: سخاوی نے یہ قول:

''من عرف بالتدليس مرة لا يقبل منه ما يقبل من أهل النصيحة في الصدق حتى يقول حدثني أو سمعت، كذلك ذكره الشافعي.'' ذکر کرنے کے بعد دو اہم دلیلیں بیان کر دیں:

(۱) ایک دفعہ ملاقات سے سماع ثابت ہو جاتا ہے۔

(۲) ایک دفعہ جھوٹ سے جھوٹا ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

(فتح المغیث بحوالہ تحقیقی مقالات ۴/۱۷۲)

ان دلیلوں کا معترض نے کوئی جواب نہیں دیا اور تتمہ نقل کر دیا کہ سخاوی کے استاد نے مدلسین کی پانچ اقسام بنائی ہیں۔

یہ تو حکایت ہے اور اس کی تائید میں کوئی دلیل مذکور نہیں، نیز اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کی مخالفت کی صراحت نہیں، لہٰذا غلط ترجمانی کا واویلا بے جا ہے۔

۲۷: حافظ ابن حجر کی ناقص ترجمانی؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بذاتِ خود اپنی طبقاتی تقسیم پر راضی نہیں تھے۔ مثلاً:

۱: حافظ صاحب نے اپنی جن کتابوں سے رضامندی کی صراحت فرمائی، ان میں

طبقات المدلسین کا نام موجود نہیں۔ (دیکھئے عنوان نمبر ۲۰)

۲: حافظ صاحب نے اپنے طبقۂ ثانیہ کے مدلس راوی اعمش کی روایت کو معلول یعنی ضعیف قرار دیا۔ (دیکھئے التلخیص الحبیر ج۳ ص۱۹)

۳: حافظ صاحب نے اپنے طبقۂ ثالثہ کے مدلس حسن بن ذکوان کی معنعن روایت کو ''بسند لا بأس به'' یا باسناد حسن قرار دیا۔ (دیکھئے عنوان نمبر۴ فقرہ نمبر۱)

۴: حافظ صاحب نے اپنے طبقۂ رابعہ کے مدلس عطیہ بن سعد العوفی کی معنعن روایت کو حسن قرار دیا۔ (دیکھئے عنوان نمبر ۲۵ فقرہ:۵)

اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں، نیز طبقاتی تقسیم حافظ صاحب کی پسندیدہ کتاب نخبۃ الفکر کے بھی خلاف ہے۔

۱: امیر یمانی (متاخر) کے حوالے کا بھی یہی جواب ہے کہ اصول کو غیر اصول پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

۲: امام حمیدی کا ارشاد تدلیس، کثرتِ تدلیس اور قلتِ تدلیس سے غیر متعلق ہے اور اسے اس بحث میں پیش کرنا نری دھکے شاہی ہے۔

۳: بعض نے دو متاخرین (سخاوی و یمانی) اور باقی معاصرین کے حوالے پیش کئے ہیں کہ یہ حافظ ابن حجر کے موید ین ہیں۔

جب خود حافظ صاحب اپنی تقسیم سے متفق نہیں تو دو متاخرین کے غیر واضح اور گول مول اقوال کی کیا حیثیت ہے؟

۴: بعض نے خلاصہ اور قلت و کثرت کے اعتبار جیسے عنوانات کے ذریعے سے وہی رٹے رٹائے نام لکھ دیئے ہیں، جس طرح ظہور احمد دیوبندی اور فیصل خان بریلوی نے مختلف نام پیش کرکے اپنے نمبر بڑھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

۲۸: مدلسین کے بارے میں چار مذاہب

خلاصۃ التحقیق کے طور پر عرض ہے کہ موجودہ دور میں ثابت شدہ مدلسین کے بارے میں چار مذاہب زیادہ مشہور ہیں:

۱) مدلس راوی کذاب ہوتا ہے، لہٰذا مدلس کی ہر روایت مردود ہے چاہے وہ سماع کی تصریح کرے یا نہ کرے۔

یہ مسعود احمد بی ایس سی خارجی اور دیگر خوارج کا مذہب ہے۔

یہ مذہب سرے سے مردود اور باطل ہے۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۱ ص ۲۵۶۔۲۵۹)

۲) راوی اگر (متقدمین کی صراحت سے) سخت کثیر التدلیس ہو تو اس کی معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے، مثلاً بقیہ بن الولید، حجاج بن ارطاۃ اور ابو جناب الکلبی وغیرہم۔

راوی اگر قلیل التدلیس یا کثیر (!!) تدلیس کرنے والا ہو تو اس کی روایت اصل یہ ہے کہ وہ متصل (یعنی صحیح) ہے، مثلاً قتادہ، اعمش، ہشیم، ثوری، ابن جریج اور ولید بن مسلم وغیرہم۔

(دیکھئے منہج المتقدمین فی التدلیس ص ۱۵۵۔۱۵۶)

آج کل اس مذہب کا نام منہج المتقدمین فی التدلیس رکھا گیا ہے اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد، ناصر بن حمد الفہد وغیرہما علماء اس مذہب کے علمبردار ہیں اور پاکستان میں بعض الناس اسے متعارف کرانے اور پھیلانے میں مصروف ہیں۔

یہ مذہب متقدمین سے صراحتاً ثابت نہیں، اصولِ حدیث اور جمہور محدثین کے خلاف ہے، نیز حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم کے بھی خلاف ہے لہٰذا یہ مذہب غلط، ناقابلِ عمل اور مردود ہے۔

تنبیہ: ابن رجب اور سخاوی وغیرہما کی عبارات لے کر اس مذہب میں امام علی بن المدینی وغیرہ کو شامل کرنا زری دھکے شاہی اور مذموم حرکت ہے۔

۳) حافظ ابن حجر العسقلانی نے حافظ علائی وغیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے مدلسین کے پانچ

طبقات بنائے ہیں، اسے طبقاتی تقسیم کہا جاتا ہے اور بس اسی پر اندھا دھند اعتماد کرنا چاہئے سوائے اس کے کہ جہاں مرضی ہو بعض راویوں کے بارے میں دلیل کے نام سے اختلاف کرنا ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو علمِ حدیث کی ابجد سے واقف ہیں۔!!

یہ وہ مذہب ہے جس کی مخالفت متقدمین اور جمہور متاخرین سے ثابت ہے۔

اس طبقاتی مذہب کے بعض مخالفین کے نام درج ذیل ہیں:

۱: امام شافعی رحمہ اللہ
۲: عبدالرحمٰن بن مہدی
۳: احمد بن حنبل
۴: اسحاق بن راہویہ
۵: اسماعیل المزنی
۶: بیہقی
۷: ابن الملقن
۸: خطیب بغدادی
۹: ابن حبان
۱۰: ابن الصلاح
۱۱: نووی
۱۲: حسین بن عبداللہ الطیبی
۱۳: بلقینی
۱۴: ابن الابناسی
۱۵: حافظ ابن حجر العسقلانی بذاتِ خود!!
۱۶: عینی
۱۷: کرمانی
۱۸: قسطلانی
۱۹: سخاوی
۲۰: زکریا الانصاری
۲۱: ابن الترکمانی (حوالہ جات کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/۱۵۱۔۱۹۰)
۲۲: ابن المدینی
۲۳: یحییٰ بن سعید القطان
۲۴: حاکم نیشاپوری

۲۵: ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلد

۲۶: ابوحاتم الرازی

۲۷: ہشیم بن بشیر

۲۸: ذہبی

۲۹: یحییٰ بن معین

۳۰: ابن کثیر رحمہم اللہ (حوالہ جات کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۳۰۶۔۳۱۳)

معاصرین میں سے بھی بہت سے علماء صراحتاً یا عملاً اس طبقاتی تقسیم کے خلاف ہیں، مثلاً:

۱: ذہبی عصر شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمنی رحمہ اللہ

۲: شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

۳: حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ

۴: شیخ البانی رحمہ اللہ

۵: ابوصہیب محمد داود ارشد

۶: مبشر احمد ربانی

۷: محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ

۸: ابوالاسجد محمد صدیق رضا

۹: حافظ عمر صدیق

۱۰: غلام مصطفیٰ ظہیر

۱۱: حافظ ابو یحییٰ نور پوری وغیرہم حفظہم اللہ

نیز دوسرے بہت سے علماء مثلاً عبدالرحمٰن مبارکپوری اور خواجہ محمد قاسم وغیرہما، آلِ دیوبند و آلِ بریلی کے بہت سے ''علماء'' مثلاً سرفراز خان صفدر دیوبندی، امداد اللہ انور، عباس رضوی اور حسین احمد مدنی وغیرہم (حوالوں کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۲ ص ۱۹۳۔۱۹۵، وغیرہ)

حافظ ابن حجر کا اپنی طبقات مدلسین تسلیم نہ کرنا کئی دلائل سے ثابت ہے:

۱: انھوں نے اعمش (طبقۂ ثانیہ) کی معنعن روایت کو معلول یعنی ضعیف قرار دیا۔

۲: انھوں نے طبقۂ ثالثہ کی روایات کو صحیح یا حسن قرار دیا۔

۳: وہ اپنی اس کتاب سے راضی نہیں تھے، جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔

(حوالے اسی مضمون میں گزر چکے ہیں)

محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ (مدرس جامعہ دار الحدیث محمدیہ۔ ملتان) نے حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ) سے طبقات المدلسین کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

''اصل تو یہی ہے کہ روایت مردود ہوگی، طبقات تو بعد کی پیداوار ہیں۔ پہلے محدثین میں یہی طریق چلتا رہا ہے کہ سماع کی تصریح مل جائے یا متابعت ہو تو مقبول، ورنہ مردود۔ یہ فلاں طبقہ اور فلاں طبقہ اسکی کوئی ضرورت نہیں، یہ تو بعد کے علماء کی اپنی طبقات ہیں، یہ کوئی وزنی اور پکا اصول نہیں ہے۔''

حافظ صاحب نے مزید فرمایا: ''جی ہاں، یہی سیدھا اور پکا اصول ہے، طبقات سے پہلے والے محدثین والا، کہ مدلس کا عنعنہ مردود ہے۔''

(سہ ماہی مجلۃ المکرم گوجرانوالہ شمارہ ۱۳ص ۳۷۔۳۸، الحدیث حضرو: ۹۵ص ۹۷)

۴) جس راوی کا مدلس ہونا ایک بار بھی ثابت ہو جائے، اس کی معنعن روایت ضعیف و مردود ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور محدثین کا مذہب و مسلک ہے۔

(دیکھئے تحقیقی مقالات ج۴)

اس قاعدے سے صرف دو چیزیں مستثنیٰ ہیں:

۱: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مسند متصل مرفوع روایات

یہ روایات سماع، متابعات معتبرہ یا شواہد صحیحہ پر محمول ہیں۔

۲: کوئی خاص دلیل ثابت ہو۔ مثلاً ابن جریج کی عطاء بن ابی رباح سے روایت، ہشیم بن بشیر کی حصین سے روایت، امام شافعی کی سفیان بن عیینہ سے روایت، یحییٰ القطان کی

سفیان ثوری سے روایت اور شعبہ کی قتادہ، ابواسحاق السبیعی اور اعمش سے روایت۔ وغیرہ

۲۹: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ کا امام سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے، اس کے غلط ہونے کی دس دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

۱) سفیان ثوری کا متقدمین سے قلیل التدلیس ہونا ہرگز ثابت نہیں اور اس سلسلے میں امام بخاری کی طرف منسوب قول العلل الکبیر نامی منسوب کتاب کے راوی ابو حامد التاجر کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

امام علی بن المدینی اور امام یحییٰ القطان کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیان ثوری کثیر التدلیس تھے۔

معاصرین میں سے مسفر بن غرم اللہ الدمینی نے کئی قلابازیاں کھانے، غلط موقف اختیار کرنے اور غیر ثابت اقوال سے استدلال کرنے کے باوجود یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ''وتدلیسہ کثیر'' اور ان (سفیان ثوری) کی تدلیس کثیر (زیادہ) ہے۔

(دیکھئے التدلیس فی الحدیث ص ۲۶۶)

۲) حافظ ابن حبان نے سفیان ثوری کو صراحت کے ساتھ ان راویوں میں ذکر کیا ہے جن کی وہی روایت حجت ہے جس میں سماع کی تصریح کریں۔

(صحیح ابن حبان ۱/ ۹۰، تحقیقی مقالات ۲/ ۳۰۸)

نیز انھیں جنس ثالث (طبقۂ ثالثہ) میں ذکر کیا اور فرمایا: ان کی غیر مصرح بالسماع روایات سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔ (دیکھئے المجروحین لابن حبان ۱/ ۹۲)

یہ قول چونکہ بہت اہم اور اس مسئلے میں فیصلہ کن ہے، لہٰذا اس کا متن مع ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

حافظ ابن حبان البستی (متوفی ۳۵۴ھ) نے فرمایا:

" الجنس الثالث : الثقات المدلسون الذين كانوا يدلسون في الأخبار مثل قتادة و يحيى بن أبي كثير والأعمش و أبو إسحاق و ابن جريج و ابن إسحاق والثوري و هشيم و من أشبههم ممن يكثر عددهم من الأئمة المرضيين و أهل الورع في الدين كانوا يكتبون عن الكل و يروون عمن سمعوا منه فربما دلّسوا عن الشيخ بعد سماعهم عنه عن أقوام ضعفاء لا يجوز الإحتجاج بأخبارهم ، فما لم يقل المدلّس و إن كان ثقة : حدثني أو سمعت فلا يجوز الإحتجاج بخبره ، وهذا أصل أبي عبد اللّٰه محمد بن إدريس الشافعي ـ رحمه اللّٰه ـ و من تبعه من شيوخنا "

تیسری قسم: وہ ثقہ مدلسین جو روایات میں تدلیس کرتے تھے مثلاً قتادہ، یحییٰ بن ابی کثیر، اعمش، ابواسحاق، ابن جریج، ابن اسحاق، ثوری، ہشیم اور جو اُن کے مشابہ تھے جن کی تعداد زیادہ ہے، وہ پسندیدہ اماموں اور دین میں پرہیزگاروں میں سے تھے، وہ سب سے (روایات) لکھتے اور جن سے سنتے تو اُن سے روایتیں بھی بیان کرتے تھے، بعض اوقات یا بسا اوقات وہ شیخ یعنی استاذ سے سننے کے بعد ضعیف لوگوں سے سنی ہوئی روایات اس (شیخ) سے بطورِ تدلیس بیان کرتے تھے، ان کی (معنعن) روایات سے استدلال جائز نہیں۔ پس جب تک مدلس اگرچہ ثقہ ہو حدثنی یا سمعت نہ کہے (یعنی سماع کی تصریح نہ کرے) تو اس کی روایت سے استدلال جائز نہیں اور یہ ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ کی اصل (یعنی اصول) ہے اور ہمارے اساتذہ نے اس میں اُن کی اتباع (یعنی موافقت) کی ہے۔

(کتاب المجروحین ج۱ ص۹۲، دوسرا نسخہ ج۱ ص۸۶)

اس عظیم الشان بیان میں حافظ ابن حبان نے تدلیس کے مسئلے میں امام شافعی کی مکمل موافقت فرمائی بلکہ ''منہج المتقدمین'' کے نام سے ''کثیر التدلیس'' اور ''قلیل التدلیس'' کی عجیب و غریب، شاذ اور ناقابلِ عمل اصطلاحات کے رواج کے ذریعے سے مسئلہ تدلیس کو تارپیڈو کرنے والوں کے شبہات کے پرخچے اُڑا دیے ہیں۔

حافظ ابن حبان نے دوسری جگہ فرمایا:

" و أما المدلّسون الذين هم ثقات و عدول فإنا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بينوا السماع فيما رووا مثل الثوري والأعمش و أبي إسحاق و أضرابهم من الأئمة المتقين (المتقنين) و أهل الورع فى الدين لأنا متى قبلنا خبر مدلّس لم يبين السماع فيه ـ و إن كان ثقة لزمنا قبول المقاطيع والمراسيل كلها لأنه لا يدرى لعل هذا المدلس دلّس هذا الخبر عن ضعيف يهي الخبر بذكره إذا عرف ، اللهم إلا أن يكون المدلّس يعلم أنه مادلّس قط إلا عن ثقة فإذا كان كذلك قبلت روايته و إن لم يبين السماع و هذا ليس فى الدنيا إلا سفيان بن عيينة وحده فإنه كان يدلّس و لا يدلّس إلا عن ثقة متقن و لا يكاد يوجد لسفيان بن عيينة خبر دلّس فيه إلا وجد ذلك الخبر بعينه قد بيّن سماعه عن ثقة مثل نفسه والحكم في قبول روايته لهذه العلة ـ و إن لم يبين السماع فيها ـ كالحكم في رواية ابن عباس إذا روى عن النبي ﷺ ما لم يسمع منه " اورمگر وہ مدلسین جو ثقہ اور عادل ہیں تو ہم ان کی بیان کردہ روایات میں سے صرف ان روایات سے ہی استدلال کرتے ہیں جن میں انھوں نے سماع کی تصریح کی ہے، مثلاً ثوری، اعمش ، ابواسحاق اور ان جیسے دوسرے ائمہ متقین (ائمہ متقنین) اور دین میں پرہیزگاری والے امام، کیونکہ اگر ہم مدلس کی وہ روایت قبول کریں جس میں اُس نے سماع کی تصریح نہیں کی. اگرچہ وہ ثقہ تھا، تو ہم پر یہ لازم آتا ہے کہ ہم تمام منقطع اور مرسل روایات قبول کریں، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ ہوسکتا ہے اس مدلس نے اس روایت میں ضعیف سے تدلیس کی ہو، اگر اس کے بارے میں معلوم ہوتا تو روایت ضعیف ہوجاتی، سوائے اس کے کہ اللہ جانتا ہے، اگر مدلس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے صرف ثقہ سے ہی تدلیس کی ہے، پھر اگر اس طرح ہے تو اس کی روایت مقبول ہے اور اگرچہ وہ سماع کی تصریح نہ کرے، اور یہ بات (ساری) دنیا میں سوائے سفیان بن عیینہ اکیلے کے کسی اور کے

لئے ثابت نہیں، کیونکہ وہ تدلیس کرتے تھے اور صرف ثقہ متقن سے ہی تدلیس کرتے تھے، سفیان بن عیینہ کی ایسی کوئی روایت نہیں پائی جاتی جس میں انھوں نے تدلیس کی ہو مگر اسی روایت میں انھوں نے اپنے جیسے ثقہ سے تصریحِ سماع نہ کر دی ہو، اس وجہ سے ان کی روایت کے مقبول ہونے کا حکم ــــ اگرچہ وہ سماع کی تصریح نہ کریں ــــ اسی طرح ہے جیسے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) اگر نبی ﷺ سے ایسی روایت بیان کریں جو انھوں نے آپ سے سنی نہیں تھی، کا حکم ہے۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان ج ۱ ص ۱۶۱، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۹۰)

اس حوالے میں بھی حافظ ابن حبان نے مدلس راوی کی اس روایت کو غیر مقبول قرار دیا ہے جس میں سماع کی تصریح نہ ہو اور امام شافعی رحمہ اللہ کی معناً تائید فرمائی ہے۔

حافظ ابن حبان کے اس بیان سے درج ذیل اہم نکات واضح ہیں:

۱: جس راوی کا مدلس ہونا ثابت ہو، اس کی عدمِ تصریحِ سماع والی روایت غیر مقبول ہوتی ہے۔

۲: امام شافعی کا بیان کردہ اصول صحیح ہے۔

۳: امام شافعی اپنے اصول میں منفرد نہیں بلکہ ابن حبان اور اُن کے شیوخ (نیز [عبدالرحمٰن بن مہدی] احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، مزنی، بیہقی اور خطیب بغدادی وغیرہم) نے امام شافعی کی تائید فرمائی ہے۔

۴: کثیر اور قلیل تدلیس میں فرق کرنے والا منہج صحیح نہیں بلکہ مرجوح ہے۔

۵: اگر مدلس کی عن والی روایت مقبول ہے تو پھر منقطع اور مرسل روایات کیوں غیر مقبول ہیں؟

۶: مدلسین مثلاً امام سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ کی معنعن اور سماع کی صراحت کے بغیر والی روایات غیر مقبول ہیں، اگرچہ بعض متاخر علماء نے انھیں طبقہ ثانیہ یا طبقۂ اولیٰ میں ذکر کر رکھا ہو۔

۷: حافظ ابن حبان کے نزدیک امام سفیان بن عیینہ صرف ثقہ سے ہی تدلیس کرتے

تھے۔ ہمیں اس آخری شق سے دو دلیلوں کے ساتھ اختلاف ہے:

ا: بعض اوقات سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ غیر ثقہ سے بھی تدلیس کر لیتے تھے۔ مثلاً دیکھئے تاریخ یحییٰ بن معین (روایۃ الدوری: ۹۷۹) کتاب الجرح والتعدیل (۱۹۱/۷) اور میری کتاب: توضیح الاحکام (ج ۲ ص ۱۴۹)

لہٰذا یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ قاعدہ اَغلبیہ ہے، نیز انھیں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تشبیہ دینا غلط ہے۔

۲: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ بعض اوقات ثقہ مدلس (مثلاً ابن جریج) سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

دیکھئے الکفایہ (ص ۳۵۹۔۳۶۰ وسندہ صحیح) اور توضیح الاحکام (ج ۲ ص ۱۴۸)

میں نے یہ کہیں بھی نہیں پڑھا کہ سفیان بن عیینہ ثقہ مدلس راویوں سے بطورِ تدلیس صرف وہی روایات بیان کرتے تھے جن میں انھوں نے سفیان کے سامنے سماع کی تصریح کر رکھی ہوتی تھی، لہٰذا کیا بعید ہے کہ ثقہ مدلس نے ایک روایت تدلیس کرتے ہوئے بیان کی ہو اور سفیان بن عیینہ نے اس ثقہ مدلس کو سند سے گرا کر روایت بیان کر دی ہو، لہٰذا اس وجہ سے بھی ان کی معنعن روایت ناقابلِ اعتماد ہے۔ واللہ اعلم

۳) سفیان ثوری اپنے نزدیک غیر ثقہ یعنی سخت مجروح راوی سے بھی تدلیس کرتے تھے مثلاً انھوں نے ایک راوی سے حدیث المرتدہ بطورِ تدلیس بیان کی اور پوچھے جانے کے بعد فرمایا: یہ روایت ثقہ سے نہیں ہے۔ (الانتقاء ص ۱۴۸، تحقیقی مقالات ۳۰۶/۲)

یہ وہ راوی ہے جس کی وفات پر سفیان ثوری نے بہت شدید الفاظ فرمائے۔

(دیکھئے تاریخ بغداد ۴۵۳/۱۲ وسندہ صحیح)

اور ثوری نے اس راوی کو ضال مضل بھی کہا۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۳۳۶، وسندہ حسن)

۴) امام سفیان ثوری ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

(مثلاً دیکھئے میزان الاعتدال ۱۶۹/۲ ت ۳۳۲۲)

اور حافظ ذہبی وغیرہ نے یہ اصولِ حدیث بیان کیا ہے کہ جو راوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو اس کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

(دیکھئے الموقظہ ص ۴۵، تحقیقی مقالات ۳/ ۳۰۷)

۵) امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: میں نے سفیان سے صرف وہی کچھ لکھا ہے جس میں انھوں نے حدثنی اور حدثنا کہا، سوائے دو حدیثوں کے۔

(تحقیقی مقالات ۳/ ۳۰۸، کتاب العلل لاحمد: ۱۱۳۰)

اس سے معلوم ہوا کہ امام یحییٰ القطان اپنے استاذ امام سفیان ثوری کی معنعن روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

٦) امام علی بن المدینی نے فرمایا: لوگ سفیان کی حدیث میں یحییٰ القطان کے محتاج ہیں، کیونکہ وہ (ان کی صرف) مصرح بالسماع روایات بیان کرتے تھے۔

(الکفایہ ص ۳٦۲، تحقیقی مقالات ۱/ ۲٦۴، ۳/ ۳۰۷۔ ۳۰۸)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن المدینی کے نزدیک سفیان کی ہر معنعن روایت سماع پر محمول نہیں ہوتی تھی یعنی وہ انھیں طبقۂ ثانیہ میں شمار نہیں کرتے تھے۔

۷) حاکم نیشاپوری نے سفیان ثوری کو تیسری جنس (یعنی طبقۂ ثالثہ) میں ذکر کر کے بتایا کہ وہ مجہول راویوں سے روایت کرتے تھے۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰٦)

اس عبارت کو علائی نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

اور تیسرے وہ جو مجہول نامعلوم لوگوں سے تدلیس کرتے تھے جیسے سفیان ثوری...

(جامع التحصیل ص ۳۰۹، تحقیقی مقالات ۳/ ۳۰۹)

۸) ابو عاصم النبیل بھی اپنے استاد سفیان ثوری کی ہر معنعن روایت کو سماع پر محمول نہیں سمجھتے تھے۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۳/ ۳۱۰)

۹) ابو حاتم الرازی نے ایک معنعن روایت کے بارے میں فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ ثوری نے اسے قیس (بن مسلم الجدلی الکوفی) سے سنا ہے، میں اسے مدلَّس (یعنی تدلیس شدہ)

سمجھتا ہوں۔(علل الحدیث: ۲۲۵۵، تحقیقی مقالات ۳/۳۱۰)

یعنی ابو حاتم الرازی بھی امام ثوری کی ہر روایت کو سماع پر محمول نہیں سمجھتے تھے۔

۱۰) نووی شافعی اور عینی حنفی وغیرہما نے صاف طور پر سفیان ثوری کی روایت کے بارے میں فرمایا: سفیان مدلسین میں سے ہیں...اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ تصریح بالسماع ثابت ہو جائے۔(دیکھئے تحقیقی مقالات ۳/۳۱۱)

اس طرح کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں، مثلاً ابن الترکمانی وغیرہ کے اقوال لہٰذا ثابت ہوا کہ سفیان ثوی کو طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتابوں میں ان کی معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے، سوائے یحییٰ القطان کے کہ ان کی ثوری سے معنعن روایت بھی سماع پر محمول یعنی صحیح ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: امام سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ (تحقیقی مقالات ۳/۳۰۶۔۳۲۷)

موجودہ دور میں بھی بہت سے عرب علماء نے سفیان ثوری کو مدلس قرار دیا ہے مثلاً شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی رحمہ اللہ، شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ (حافظ عبدالمنان نور پوری کے احکام و مسائل ج۱ ص ۱۴۵) اور شیخ محمد بن علی بن آدم بن موسیٰ الاثیوبی المکی حفظہ اللہ (البحر المحیط الثجاج فی شرح صحیح مسلم الحجاج جلد ۱۹ ص ۵۴، الحدیث حضرو: ۹۶ ص ۴) وغیرہم

۳۰: خلاصۃ الکلام

آخر میں خلاصۃ الکلام کے طور پر عرض ہے کہ مسئلۂ تدلیس اور بعض الناس کے شبہات واعتراضات، نیز علمی تحقیق کے لئے راقم الحروف کے درج ذیل مضامین کا مطالعہ بے حد مفید ہے:

۱: التاسیس فی مسئلۃ التدلیس (تحقیقی مقالات ۱/۲۵۱۔۲۹۰)

۲: تدلیس اور محدثین کرام (تحقیقی مقالات ۲/ ۲۱۸۔۲۲۲)

۳: تدلیس اور فرقۂ مسعودیہ کا انکارِ محدثین (تحقیقی مقالات ۲/ ۲۲۴۔۲۴۴)

۴: سلیمان الاعمش کی ابوصالح وغیرہ سے معنعن روایات کا حکم

(تحقیقی مقالات ۲/ ۳۰۰۔۳۰۵)

۵: امام سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ (تحقیقی مقالات ۲/ ۳۰۶۔۳۲۷)

۶: تدلیس اور بریلویہ (تحقیقی مقالات ۲/ ۶۱۲۔۶۱۴)

۷: اصولِ حدیث اور مدلس کی عن والی روایت کا حکم

(تحقیقی مقالات ۴/ ۱۵۱۔۱۶۷)

۸: امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلہ تدلیس (تحقیقی مقالات ۴/ ۱۶۸)

۹: مسئلہ تدلیس اور محدثین (توضیح الاحکام ۱/ ۵۶۹۔۵۷۰)

۱۰: سفیان ثوری رحمہ اللہ اور ان کی تدلیس (توضیح الاحکام ۱/ ۵۷۰۔۵۷۱)

۱۱: صحیح بخاری اور سفیان ثوری (توضیح الاحکام ۲/ ۳۱۵۔۳۱۷)

۱۲: امام سفیان ثوری اور طبقۂ ثالثہ کی تحقیق (توضیح الاحکام ۲/ ۳۱۷۔۳۱۸)

۱۳: امام سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ (توضیح الاحکام ۲/ ۳۱۸۔۳۴۰) مکرر

۱۴: امام بخاری تدلیس سے بری تھے۔ (توضیح الاحکام ۲/ ۳۴۱۔۳۴۲)

۱۵: کیا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تدلیس کرتے تھے؟ (توضیح الاحکام ۲/ ۳۴۳۔۳۴۵)

ہم بحمد اللہ اصول کے پابند ہیں، اصولِ حدیث اور علم اسماء الرجال کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں، دوغلی پالیسیوں اور دورُخیوں سے سخت بیزار اور انتہائی دور ہیں اور جب اپنی غلطی معلوم ہوجائے تو علانیہ (علیٰ رؤس الاشہاد) رجوع کرتے ہیں اور اسی میں خیر ہے۔ ان شاء اللہ

(۱۷/ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۴/ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

امام زہری رحمہ اللہ کا امام عروہ رحمہ اللہ سے سماع ثابت ہے

ایک بریگیڈیر حامد سعید اختر (ر) نامی شخص نے صحیح مسلم کی ایک صحیح حدیث پر حملہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس روایت کے بے بنیاد ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ زہری کا عروہ سے سماع ہی ثابت نہیں ہے۔'' (میزانِ عمر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۹۶)

حامد سعید اختر کی مذکورہ بات بالکل جھوٹ ہے اور اس سے پہلے ایک رضا خانی بریلوی محمد کاشف اقبال مدنی رضوی نے اپنی کتاب: علمی محاسبہ میں لکھا تھا: ''معلوم ہوا کہ امام زہری کے عروہ بن زبیر سے سماع ثابت نہ ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔'' (ص ۷۱۔۷۲)

راقم الحروف نے اس باطل دعوے اور من گھڑت اتفاق کا دندان شکن جواب دیا اور محدثین کرام و کتبِ حدیث سے ثابت کیا کہ امام زہری رحمہ اللہ نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے سنا ہے، بلکہ عروہ اُن کے خاص استاذ ہیں۔

(دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۸ ص ۲۴۔۲۹، تحقیقی مقالات ۲/ ۲۲۳۔۲۲۸)

اس تحقیقی مضمون کا جواب ہمارے علم کے مطابق آج تک کہیں سے بھی نہیں آیا اور نہ محمد کاشف اقبال بریلوی کا توبہ نامہ (ہمارے علم کے مطابق) کہیں شائع ہوا ہے۔

منکرینِ حدیث کا یہ طریقہ وطرزِ عمل ہے کہ صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں، کثرت سے جھوٹ بولتے ہیں اور کسی کتاب میں کاتب یا کمپوزنگ کی غلطی والی عبارت اگر ان کی مرضی کی ہو تو اس سے استدلال کرتے ہیں اور جواب موصول ہونے کے بعد صم بکم عمی ہو کر راہِ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔

حنفیوں کی کتابوں میں بھی امام زہری کا امام عروہ (رحمہ اللہ) سے سماع ثابت ہے۔

دیکھئے شرح معانی الآثار للطحاوی (۱/ ۳۳۲، ۴/ ۵۴، ۳۴۲)

مشکل الآثار (۱۱/ ۴۸۰ ح ۴۵۵۵) وغیرہما

[۲۰۱۳ء]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ایک عورت کے بھوکے بچوں کا قصہ

امام عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

مصعب بن عبداللہ بن مصعب الزبیری نے کہا: میرے والد عبداللہ بن مصعب نے مجھے حدیث بیان کی، انھوں نے ربیعہ بن عثمان الہدیری سے، انھوں نے زید بن اسلم سے، انھوں نے اسلم (مولیٰ عمر) سے (حدیث بیان کی) کہ ہم (سیدنا) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ حرۂ واقم کی طرف نکلے حتیٰ کہ ہم جب صرار (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے تو انھوں (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اے اسلم! میں دیکھتا ہوں یہاں کچھ سوار ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں، رات اور سردی کی وجہ سے عاجز اور بے بس معلوم ہوتے ہیں، آؤ (ان کے پاس) چلیں۔ ہم دوڑتے ہوئے گئے اور ان کے قریب پہنچ گئے، دیکھا کہ ایک عورت کے پاس چھوٹے چھوٹے بچے رو رہے ہیں اور آگ پر ہنڈیا چڑھائی ہوئی ہے۔ عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: اے روشنی والو! السلام علیکم، اور انھوں نے اے آگ والو! کہنا ناپسند کیا تو اس عورت نے جواب دیا: وعلیکم السلام۔

انھوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کیا ہم قریب آجائیں؟

وہ عورت بولی: اچھے طریقے سے قریب آجائیں یا (ہمیں) چھوڑ دیں۔

پھر جب ہم قریب ہوئے تو انھوں (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا: تمھیں کیا ہوا ہے؟

اس عورت نے کہا: رات ہو چکی ہے اور سردی بھی ہے۔

انھوں نے پوچھا: یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟

اس عورت نے جواب دیا: بھوک کی وجہ۔

انھوں نے پوچھا: ہانڈی میں کیا چیز (پک رہی) ہے؟

اس عورت نے جواب دیا: اس میں وہ ہے جس کے ساتھ میں ان بچوں کو چکرا رہی ہوں

تاکہ وہ سو جائیں۔ ہمارے اور عمر کے درمیان اللہ ہے۔
انھوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اللہ تجھ پر رحم کرے، عمر کو تمھارے بارے میں کیا پتا ہے؟
اس عورت نے کہا: عمر ہمارا حاکم ہے اور پھر ہم سے غافل رہتا ہے؟
انھوں (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) نے میری طرف رخ کر کے فرمایا: چلو ہمارے ساتھ، پھر ہم بھاگتے ہوئے اس جگہ گئے جہاں آٹا رکھنے کا سٹور تھا۔ انھوں نے آٹے کی ایک بوری اور چربی کا ایک ڈبہ نکالا اور کہا: یہ مجھ پر لاد دو۔ میں نے کہا: آپ کے بجائے میں اسے اٹھالیتا ہوا
انھوں نے کہا: تیری ماں نہ رہے، کیا تو قیامت کے دن میرا وزن اٹھائے گا؟
لہٰذا میں نے یہ وزن آپ پر لاد دیا اور آپ کے ساتھ چلا، آپ بھاگے بھاگے جا رہے تھے، پھر آپ نے یہ سامان اس عورت کے سامنے ڈال دیا اور تھوڑا سا آٹا نکال کر کہا:
میں اسے ہوا میں اچھال کر صاف کرتا ہوں، تم اس میں میرے ساتھ تعاون کرو۔
وہ ہانڈی کے نیچے پھونکیں (بھی) مار رہے تھے پھر ہانڈی کو اتار دیا اور کہا: کوئی چیز لے آؤ۔
وہ ایک برتن لے آئی تو انھوں نے اسے اس برتن میں انڈیل دیا اور پھر ان سے فرمانے لگے:
تم انھیں کھلاؤ اور میں اسے بچھاتا ہوں۔
انھوں نے سیر ہو کر کھالیا اور کچھ کھانا باقی بھی رہ گیا۔
عمر (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہو گئے اور میں بھی کھڑا ہو گیا پھر وہ عورت کہہ رہی تھی:
اللہ تجھے جزائے خیر دے: امیر المومنین (عمر رضی اللہ عنہ) کے بجائے تجھے صاحبِ اقتدار (خلیفہ) ہونا چاہیے تھا۔
انھوں نے فرمایا: جب تم امیر المومنین کے پاس جاؤ تو اچھی بات کہنا اور وہاں مجھ سے بات کرنا۔ ان شاء اللہ
پھر آپ پیچھے ہٹ گئے اور زانوں کے بل بیٹھ گئے۔ ہم نے کہا: ہماری تو دوسری شان ہے۔
آپ مجھ سے کوئی کلام نہیں کر رہے تھے پھر میں نے بچوں کو اچھلتے کودتے اور کھیلتے ہوئے دیکھا اور بعد میں وہ سو گئے تو عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اے اسلم! بھوک نے ان کی نیند ختم کر رکھی

تھی اور انھیں رُلا دیا تھا، لہٰذا میں نے یہ دیکھنا پسند کیا جو میں نے دیکھ لیا ہے۔

(فضائل الصحابہ ج ۱ ص ۲۹۰۔۲۹۱ ح ۳۸۲ وسندہ حسن)

اس روایت کے راویوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

۱: اسلم العدوی مولیٰ عمر ثقة لخضرم (تقریب التہذیب: ۴۶۵)

۲: زید بن اسلم ثقه عالم (تقریب التہذیب: ۲۱۱۵)

۳: ربیعہ بن عثمان بن ربیعہ بن عبداللہ بن ھدیر التیمی المدنی ابو عثمان

وثقه الجمهور و هو حسن الحديث من رجال صحيح مسلم .

۴: عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام الزبیری

آپ پر جرح کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: امام یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا۔ (بحوالہ تاریخ بغداد)

اس قول کی سند میں محمد بن حمید بن سہل المخرمی جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔

۲: ہیثمی [مجمع الزوائد ۴/ ۱۳۱، وقال ۸/ ۱۶۴: "موثقہ"!]

۳: ابن حجر العسقلانی

اس جرح کے مقابلے میں درج ذیل محدثین سے آپ کی توثیق ثابت ہے:

۱: ابن حبان

۲: حاکم [المستدرک ۲/ ۱۹۵ ح ۲۷۳۳]

۳: ذہبی [وافقہ الذہبی]

۴: ابن جریر الطبری [صحح لہ فی تہذیب الآثار، الجزء المفقود ۱/ ۳۴۳ ح ۴۸۷]

۵: الضیاء المقدسی [روی لہ فی المختارة ۳/ ۴۲۰۔۴۲۱ ح ۱۲۵، ۱۲۷]

۶: خطیب بغدادی [قال : كان محمودًا في ولدية،جميل السيرة مع جلالة قدره وعظم شرفه]

☆ ابوحاتم الرازی [قال : هو شيخ بابة عبدالرحمن بن ابي الزناد]

☆ ابوزرعة الرازی [قال: الوهم منه .... شيخ]

مختصر یہ کہ عبداللہ بن مصعب الزبیری رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

۵: مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت الزبیری البغدادی رحمہ اللہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہونے کی وجہ سے صحیح الحدیث تھے۔

(نیز دیکھئے تقریب التہذیب:۶۷۵۱)

۶: عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ ثقہ ہیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۳۲۰۵)

آپ کا مدلس ہونا معلوم نہیں، لہٰذا آپ کا اپنے استاد سے ''ذکر'' کہنا بھی سماع پر محمول ہے۔
مصعب بن عبداللہ سے امام عبداللہ بن احمد بن حنبل کے سماع کے لئے دیکھئے فضائل الصحابہ (ح۸۸، ۳۹۵، ۴۳۱، ۱۷۸۵، ۱۸۲۳)

ثابت ہوا کہ روایت مذکورہ حسن لذاتہ ہے، نیز تاریخ ابن جریر الطبری وغیرہ میں اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔ (۴/ مارچ ۲۰۱۲ء)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر اور نکاح

الحمدللہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسوله الأمین،أما بعد:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح چھ یا سات سال کی عمر میں ہوا اور نو (۹) سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔

یہ حدیث خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی اور اسے آپ سے درج ذیل راویوں نے روایت کیا ہے:

۱) عروہ بن الزبیر بن العوام المدنی رحمہ اللہ (م ۹۴ھ)

آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور آپ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کی ہے:

ا: ہشام بن عروہ بن الزبیر المدنی رحمہ اللہ (م ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ)

ان کے شاگردوں کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ان شاءاللہ

۲: محمد بن مسلم بن عبداللہ بن عبیداللہ بن شہاب الزہری المدنی رحمہ اللہ (م ۱۲۵ھ)

یہ روایت صحیح مسلم (۳۴۸۱) مصنف عبدالرزاق (۱۰۳۴۹) السنن الکبریٰ للنسائی (۵۵۷۰) اور شرح السنۃ للبغوی (۹/ ۳۵ ح ۲۲۵۸ وقال البغوی: ھذا حدیث صحیح الاسناد) وغیرہ میں موجود ہے۔

۲) اسود بن یزید بن قیس النخعی الکوفی رحمہ اللہ (م ۷۴ھ یا ۷۵ھ)

ان سے ابراہیم نخعی نے ،ابراہیم سے سلیمان الاعمش نے یہ روایت بیان کی ہے۔دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دارالسلام: ۳۴۸۲) مسند احمد (۶/ ۴۲) اور سنن نسائی (۳۲۶۰) وغیرہ۔

۳) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری المدنی رحمہ اللہ (م ۹۴ھ یا ۱۰۴ھ)

یہ روایت سنن نسائی (الصغریٰ: ۳۳۸۱، الکبریٰ: ۵۵۷۱) میں محمد بن ابراہیم عن ابی سلمہ کی

سند سے موجود ہے، نیز مسند اسحاق بن راہویہ (۱۱۶۴) وغیرہ میں محمد بن عمرو بن علقمہ اللیثی عن ابی سلمہ کی سند سے بھی موجود ہے۔

٤) یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب المدنی رحمہ اللہ (م ۱۰۴ھ)

اسے ابویعلیٰ الموصلی (مسند ابی یعلیٰ: ۴۶۷۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۵) عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکۃ التیمی المدنی رحمہ اللہ (م ۱۱۷ھ)

اسے نسائی (الکبریٰ: ۵۳۴۵) اسحاق بن راہویہ (۱۲۳۸، ۱۷۸۴) اور طبرانی (الکبیر ۲۳/ ۲۶ ح ۶۲) نے روایت کیا ہے۔

اس کے راوی اجلح بن عبداللہ الکندی الکوفی جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں۔

٦) قاسم بن محمد بن ابی بکر التیمی المدنی رحمہ اللہ (م ۱۰٦ھ)

یہ روایت ابن ابی عاصم کی کتاب الآحاد والمثانی (۳۰۰۷) میں موجود ہے۔

۷) عبداللہ بن صفوان بن امیہ بن خلف الجمحی المکی رحمہ اللہ (م ۷۳ھ)

یہ روایت مستدرک الحاکم (۴/۱۰ ح ٦۷۳۰) میں ہے اور اس کی سند صحیح ہے، نیز اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔

۸) ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود الکوفی رحمہ اللہ (م ۸۲ھ)

ان کی روایت السنن الکبریٰ للنسائی (۵۳۴۹) میں ہے۔

۹) عبدالملک بن عمیر بن سوید اللخمی الکوفی رحمہ اللہ (م ۱۳٦ھ)

ان کی روایت المعجم الکبیر للطبرانی (۲۳/ ۲۹۔۳۰ ح ۷۴) میں ہے۔

اس تخریج سے یہ ثابت ہوا کہ ہشام بن عروہ اس حدیث میں منفرد نہیں، بلکہ دوسرے بہت سے ثقہ راویوں نے یہ حدیث بیان کی ہے، لہٰذا ہشام بن عروہ رحمہ اللہ پر منکرینِ حدیث کے تمام اعتراضات باطل ومردود ہیں۔

تنبیہ: اس باب میں سولہ (۱٦) ثقہ وصدوق راویوں کے حوالے پیش کئے گئے ہیں۔

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ کی روایت

ہشام بن عروہ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کی ہے:

۱: عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی رحمہ اللہ

دیکھئے مسند احمد (۶/ ۱۱۸ ح ۲۴۸۶۷ وسندہ حسن) الجامع فی الاحکام لابن وہب (۲۶۰) المعجم الکبیر للطبرانی (۲۳/ ۲۱ ح ۴۶) اور الکفایہ للخطیب (ص ۵۸، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۰۷-۲۰۸ ح ۱۲۹)

۲: سعید بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن جمیل القرشی المدنی رحمہ اللہ

دیکھئے الجامع لابن وہب (۴۶ وسندہ حسن) موطأ عبداللہ بن وہب (۲۵۹ بحوالہ مکتبہ شاملہ) اور الکفایہ (ص ۵۸ ح ۱۲۹)

۳: ابو اسامہ حماد بن اسامہ القرشی الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح مسلم (۱۴۲۲) سنن ابی داود (۴۹۳۳) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱۳/ ۹۲ ح ۳۳۹۳۹) وغیرہ۔

۴: معمر بن راشد البصری الیمنی رحمہ اللہ

دیکھئے مصنف عبدالرزاق (۱۰۳۵۰)

۵: علی بن مسہر القرشی الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح بخاری (۳۸۹۴، ۵۱۵۶، ۵۱۶۰) سنن ابن ماجہ (۱۸۷۶) اور سنن الدارمی (۲۳۰۷)

۶: سفیان بن عیینہ الکوفی المکی رحمہ اللہ

دیکھئے مسند الحمیدی (۲۳۳) مسند ابی عوانہ (۳/ ۷۷)

۷: وہیب بن خالد البصری رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح بخاری (۵۱۳۴)

۸: عبدہ بن سلیمان الکلابی الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دارالسلام: ۳۴۸۰) سنن نسائی (۳۳۷۸) اور منتقی ابن الجارود (۷۱۱) وغیرہ۔

۹: وکیع بن الجراح بن ملیح الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے مسند اسحاق بن راہویہ (۷۲۱)

۱۰: اسماعیل بن زکریا الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے سنن سعید بن منصور (۵۱۵)

۱۱: ابومعاویہ محمد بن خازم الضریر الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح مسلم (دار السلام : ۳۴۸۰ (سنن نسائی (۳۲۵۵) اور مسند اسحاق بن راہویہ (۷۲۲) وغیرہ

۱۲: حماد بن زید البصری رحمہ اللہ

دیکھئے سنن ابی داود (۲۱۲۱)

۱۳: حماد بن سلمہ البصری رحمہ اللہ

دیکھئے سنن ابی داود (۴۹۲۳) مسند طیالسی (۱۵۵۷) اور مسند احمد (۲۸۰/۶) وغیرہ

۱۴: جعفر بن سلیمان البصری رحمہ اللہ

دیکھئے السنن الکبریٰ للنسائی (۵۳۴۷)

۱۵: سفیان بن سعید الثوری الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح بخاری (۵۱۵۸، ۵۱۳۳)

۱۶: جریر بن عبدالحمید الضبی الکوفی الرازی رحمہ اللہ

دیکھئے (مسند عائشہ لابن ابی داود: ۳۴) اور النفقہ علی العیال لابن ابی الدنیا (۵۵۹) وغیرذلک۔

ہشام بن عروہ کو ابو حاتم الرازی، احمد العجلی، محمد بن سعد، دارقطنی، یعقوب بن

شیبہ، ابن حبان، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن الجارود، حاکم، ذہبی، ابن حجر العسقلانی اور ایک جم غفیر نے ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیا ہے، لہٰذا ان پر بعض الناس کی جرح مردود ہے۔ (نیز دیکھئے میری کتاب: صحیح بخاری کا دفاع ص ۶۷-۶۸)

اگر کوئی کہے کہ ہشام بن عروہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے (اور یہ روایت ان سے کسی مدنی نے بیان نہیں کی) تو اس کے پانچ جوابات ہیں:

۱: حافظ ذہبی نے فرمایا: اور ہشام کو کبھی اختلاط نہیں ہوا۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ۴/ ۳۰۱، صحیح بخاری کا دفاع ص ۶۸)

۲: ہشام سے یہ روایت دو مدنیوں (عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اور سعید بن عبدالرحمٰن) نے بیان کی ہے، جیسا کہ اسی عنوان کے تحت فقرہ نمبر ۱، ۲ میں باحوالہ پیش کر دیا گیا ہے۔

۳: اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ ہشام بن عروہ نے یہ حدیث مدینے میں بیان نہیں کی تھی اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ عراقیوں نے ان سے یہ حدیث مدینہ جا کر نہیں سنی مگر صرف عراق میں ہی سنی ہے۔

۴: ہشام بن عروہ اس روایت میں منفرد نہیں، بلکہ امام زہری نے ان کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔

۵: عروہ بن زبیر بھی اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ ایک جماعت نے ان کی متابعت کی ہے، جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ نو (۹) سال کی عمر میں شادی والی یہ حدیث بالکل صحیح ہے، لہٰذا منکرینِ حدیث کا اس حدیث پر اعتراض باطل و مردود ہے۔

علمائے حق اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا

علمائے حق نے بالاتفاق اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً:

۱: امام بخاری رحمہ اللہ (صحیح بخاری)

۲: امام مسلم رحمہ اللہ (صحیح مسلم)

۳: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

آپ نے فرمایا: ''ثنا هشام بن عروة وكان من جيد ما يرويه.''

ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث سنائی اور وہ جو حدیثیں بیان کرتے تھے ان میں سے یہ بہت اچھی تھی۔ (مسند الحمیدی بتحقیقی:۲۳۳)

۴: ابن حبان رحمہ اللہ (صحیح ابن حبان:۷۰۹۷)

۵: ابن الجارود رحمہ اللہ (المنتقیٰ:۷۱۱)

۶: ابوعوانہ الاسفرائینی رحمہ اللہ (رواہ فی المستخرج علی صحیح مسلم)

۷: حاکم رحمہ اللہ (المستدرک)

۸: ذہبی رحمہ اللہ (تلخیص المستدرک)

۹: بغوی رحمہ اللہ (شرح السنہ)

۱۰: ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (المستخرج علی صحیح مسلم ۴/۸۶۔۸۷) وغیرہم۔

یہ حدیث بہت سی کتب حدیث میں موجود ہے۔ جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:
صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، اختلاف الحدیث للشافعی، مسند الشافعی، مسند احمد، صحیح ابن حبان، صحیح ابی عوانہ، صحیح ابن الجارود یعنی المنتقیٰ، مسند الحمیدی، مسند اسحاق بن راہویہ، سنن دارمی، مسند ابی یعلیٰ الموصلی، طبقات ابن سعد، المعجم الکبیر للطبرانی، المعجم الاوسط للطبرانی، کتب البیہقی مثلاً (السنن الکبریٰ و دلائل النبوۃ و معرفۃ السنن والآثار) شرح السنۃ للبغوی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، موطا ابن وہب، الجامع لابن وھب، مسند عائشہ لابن ابی داود اور العیال لابن ابی الدنیا وغیر ذلک۔

ہمارے علم کے مطابق خیر القرون، زمانہ تدوینِ حدیث اور زمانہ شارحینِ حدیث یعنی نویں صدی ہجری (۹۰۰ھ) تک کسی ثقہ وصدوق سنی عالم نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا، لہٰذا اس کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔

تابعین کرام میں سے درج ذیل علمائے حق سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ یا سات سال کی عمر میں ہوا اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی:

۱: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ (مسند احمد ۶/۲۱۱ ح ۲۵۷۶۹ وسندہ حسن)

۲: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ (ایضاً وسندہ حسن)

۳: ابن ابی ملیکہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/۲۶ ح ۶۲ وسندہ حسن)

۴: عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (صحیح بخاری: ۳۸۹۶، طبقات ابن سعد ۸/۶۰ وسندہ حسن)

۵: ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ (طبقات ابن سعد ۸/۶۱ وھو حسن)

نیز دیکھئے صحیح بخاری کا دفاع (ص ۱۲۴)

اور اس مسئلے پر اجماع ہے۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۳/۱۲۹)

اجماعِ اُمت شرعی دلیل اور حجت ہے۔

(دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۹۱، اور میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۵ ص ۴۷ تا ۱۱۶)

خیر القرون، زمانہ تدوینِ حدیث اور زمانہ شارحینِ حدیث (یعنی ۹۰۰ھ تک) کے علمائے حق میں سے کسی ایک ثقہ وصدوق عالم سے صراحتاً یہ بات قطعاً ثابت نہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح یا رخصتی کے وقت اُن کی عمر اٹھارہ سال یا اُس کے قریب تھی اور اس سلسلے میں حبیب الرحمٰن کاندھلوی، جاوید احمد غامدی، عزیز احمد صدیقی اور بریگیڈیئر حامد سعید اختر وغیرہم منکرینِ حدیث نے جو بیت العنکبوت اور تانا بانا بُنا ہے، علم وانصاف وتحقیق کے میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

تنبیہ: قرآن مجید سے بھی یہ ثابت ہے کہ نابالغہ سے نکاح ہو سکتا ہے۔

دیکھئے سورۃ الطلاق (آیت نمبر ۴)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیشہ حق بیان کرنے، حق سننے یا پڑھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) وما علینا إلا البلاغ

(۳۰/ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۷/ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

غامدی صاحب کے ایک سوال کا جواب

نبی ﷺ کے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی تجویز کس نے پیش کی تھی، اس کے بارے میں جاوید احمد غامدی صاحب نے لکھا ہے:

''روایات بالکل واضح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدہ کے نکاح کی تجویز ایک صحابیہ حضرت خولہ بنت حکیم نے پیش کی۔ اُنھی نے آپ کو توجہ دلائی کہ سیدہ خدیجہ کی رفاقت سے محرومی کے بعد آپ کی ضرورت ہے کہ آپ شادی کر لیں، یا رسول الله، کانی اراك قد دخلتك خلة لفقد خديجة... افلا اخطب عليك؟، (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۸/ ۵۷)

آپ کے پوچھنے پر اُنھی نے آپ کو بتایا کہ آپ چاہیں تو کنواری بھی ہے اور شوہر دیدہ بھی۔ آپ نے پوچھا کہ کنواری کون ہے، تو اُنھی نے وضاحت کی کہ کنواری سے اُن کی مراد عائشہ بنت ابی بکر ہیں۔ (احمد بن حنبل، رقم ۲۵۲۴۱)

بیوی کی ضرورت زن و شو کے تعلق کے لئے ہوسکتی ہے، دوستی اور رفاقت کے لیے ہو سکتی ہے، بچوں کی نگہداشت اور گھر بار کے معاملات کو دیکھنے کے لیے ہو سکتی ہے۔

یہ تجویز اگر بقائمی ہوش و حواس پیش کی گئی تھی تو سوال یہ ہے کہ چھ سال کی ایک بچی ان میں سے کون سی ضرورت پوری کر سکتی تھی، کیا گھر بار کے معاملات سنبھال سکتی تھی؟ سیدہ کی عمر کے متعلق روایتوں کے بارے میں فیصلے کے لیے یہ قرائن میں سے ایک قرینہ نہیں، بلکہ ایک بنیادی سوال ہے۔'' (ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، جولائی ۲۰۱۲ء ص ۲۶)

عرض ہے کہ سب سے پہلے یہ واضح ہونا چاہئے کہ یہ ''روایات'' نہیں بلکہ صرف ایک حسن غریب روایت ہے جسے ابن سعد اور امام احمد بن حنبل (ج ۶ ص ۲۱۰۔۲۱۱، موسوعہ حدیثیہ ج ۴۲ ص ۵۰۱۔۵۰۴ ح ۲۵۷۶۹) وغیرہما نے محمد بن عمرو (بن علقمہ اللیثی) عن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف و یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب کی سند سے بیان کیا ہے۔

محمد بن عمرو بن علقمہ اللیثی رحمہ اللہ مختلف فیہ راوی، لیکن جمہور کی توثیق کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں۔

روایت کے متصل یا مرسل ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے، حافظ ہیثمی نے اس روایت کے اکثر حصے کو مرسل قرار دیا ہے، جبکہ حافظ ابن حجر العسقلانی کے نزدیک اس کی سند حسن (یعنی متصل) ہے۔

(دیکھئے مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۵۔ ۲۲۶، فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۵ تحت ح ۳۸۹۶)

ہمارے نزدیک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہاں تحقیق راجح ہے اور یہ سند ''حسن لذاتہ غریب'' ہے۔

طبقات ابن سعد اور مسند احمد دونوں کتابوں میں اسی روایت کے متن میں صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ ''**وعائشه یومئذ بنت ست سنین**''

اور اس دن عائشہ (رضی اللہ عنہا) چھ سال کی بچی تھیں۔

اس صریح عبارت کو چھپا کر غامدی صاحب نے خیانت کی ہے، لہٰذا ان پر یہ فرض ہے کہ وہ اس خیانت سے توبہ کا اعلان کریں اور ان کا اشارتاً یہ لکھ دینا کافی نہیں کہ ''روایت کا یہ داخلی تضاد کس طرح دور کیا جائے گا؟''!

اگر یہ روایت متضاد ہے تو ضعیف کی ایک قسم ہوئی اور اس سے استدلال حجت نہ رہا، لہٰذا صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی حدیث کے مقابلے میں اسے پیش کرنا فضول ہے اور اگر یہ روایت حسن ہے تو صریح عبارت کے مقابلے میں غامدی صاحب کے خود تراشیدہ مفہوم کی کیا حیثیت ہے؟!

اصل بات یہ ہے کہ جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیحد پریشان رہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دو شادیاں کرنے کا مشورہ دیا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

۱: سودہ رضی اللہ عنہا ۲: عائشہ رضی اللہ عنہا

بچیوں کی دیکھ بھال، رفاقت اور دوسرے اُمور کے لئے نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ سے تین سال یا کچھ زیادہ عرصہ پہلے ہی شادی کر لی اور اس کے کچھ عرصہ بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نسبت طے پا گئی، یا نکاح ہو گیا اور ۲ ہجری میں رخصتی ہوئی۔

(نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۲/ ۲۶۵، ۱۳۵)

یہاں ایسی کسی بات کا نام ونشان تک نہیں کہ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ سودہ یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (یعنی دو میں سے کسی ایک) سے نکاح کا مشورہ دیا تھا، بلکہ انھوں نے دونوں سے شادی کا مشورہ دیا تھا۔

۱: ایک (سودہ رضی اللہ عنہا) سے فوراً تا کہ آپ ﷺ کو رفاقت حاصل ہو جائے۔

۲: دوسری (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے بعد میں تا کہ وہ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی اور علم کا بہت بڑا ذخیرہ یاد کر لیں اور دو ہزار سے زیادہ حدیثوں کا گلدستہ اُمت کے سامنے پیش کر دیں۔

یاد رہے کہ روایت میں ''إن شئت بکراً و إن شئت ثیباً'' کے الفاظ ہیں، یعنی اگر آپ چاہیں تو ایک بکر (لڑکی) اور اگر آپ چاہیں تو ایک ثیب (شوہر دیدہ) اور یہ الفاظ ہرگز نہیں کہ ''إن شئت بکراً، أو إن شئت ثیباً'' یعنی اگر آپ چاہیں تو ایک لڑکی، یا اگر آپ چاہیں تو ایک شوہر دیدہ عورت ہے۔

یہاں او (یا) اختیاری نہیں بلکہ واوَ ہے، نیز اس روایت میں دونوں سے فوراً (اسی وقت) نکاح کی صراحت بھی ہرگز موجود نہیں۔

عربی میں بکر (الجاریۃ) اس لڑکی کو کہا جاتا ہے، جس سے جماع نہ کیا گیا ہو۔

(دیکھئے لسان العرب ج۴ ص ۷۸ ب مادہ: بکر)

آخر میں عرض ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود بتایا ہے کہ ان کا نکاح چھ یا سات سال کی عمر میں اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ یہ گواہی درج ذیل شاگردوں نے ان سے نقل فرمائی ہے:

۱: عروۃ بن الزبیر رحمہ اللہ، جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔

(صحیح بخاری:۳۸۹۶،صحیح مسلم:۱۴۲۲)

۲: اسود بن یزید رحمہ اللہ (صحیح مسلم:۱۴۲۲)

۳: عبداللہ بن صفوان رحمہ اللہ (المستدرک للحاکم ۴/۱۰ح ۶۷۳۰ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

۴: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ (سنن النسائی ۶/۱۳۱ح ۳۳۸۱ وسندہ حسن)

۵: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ (مسند ابی یعلیٰ:۴۶۷۳ وسندہ حسن)

درج ذیل تابعین کرام سے بھی اس مفہوم کے صریح اقوال ثابت ہیں:

۱: عروۃ بن الزبیر رحمہ اللہ (صحیح بخاری:۳۸۹۶،طبقات ابن سعد ۸/۶۰ وسندہ صحیح)

۲: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ (مسند احمد ۶/۲۱۱ح ۲۵۷۶۹ وسندہ حسن)

۳: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ (ایضاً وسندہ حسن)

۴: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/۲۶ح ۶۲ وسندہ حسن)

۵: زہری رحمہ اللہ (طبقات ابن سعد ۸/۶۰ وھو حسن)

بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بارے میں لکھا ہے:

”ما لا خلاف فیه بین الناس“ اور لوگوں میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں۔

(البدایہ والنہایہ ۳/۱۲۹، دوسرا نسخہ:۳/۳۷۵)

کیا غامدی صاحب اور ان کے تمام حواری کسی صحیح یا حسن لذاتہ حدیث، صحیح وثابت قولِ صحابی، صحیح وثابت قولِ تابعی یا خیر القرون کے کسی ثقہ امام سے صراحتاً یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت اُن کی عمر چھ سال یا سات سال نہیں تھی اور ان کی رخصتی کے وقت نو سال عمر نہیں تھی؟

صرف ایک صحیح وصریح حوالہ پیش کریں اور اگر نہ کر سکیں تو توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

قارئین کرام کی خدمت میں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی ایک حدیث (خ ۳۸۹۵ م ۲۴۳۸) سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ اس نکاح کو اللہ کی طرف سے سمجھتے تھے۔

(۲۹/ رمضان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۸/ اگست ۲۰۱۲ء)



بنوحکم (بن ابی العاص) کا
منبرِ رسول پر بندروں کی طرح اچھلنا کودنا

امام ابو یعلیٰ الموصلی رحمہ اللہ نے فرمایا:

" حدثنا مصعب بن عبد الله :حدثني ابن أبي حازم عن العلاء عن أبيه عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ رأى في المنام كأن بني الحكم ينزون على منبره و ينزلون فأصبح كالمتغيظ و قال :ما لي رأيت بني الحكم ينزون على منبري نزو القردة ؟ " ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا، گویا آپ کے منبر پر بنوحکم چڑھ رہے ہیں اور اتر رہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو گویا آپ غصے میں تھے اور آپ نے فرمایا: کیا ہے کہ میں نے بنوحکم کو دیکھا: وہ میرے منبر پر بندروں کی طرح اچھل کود رہے تھے؟ (مسند ابی یعلیٰ ج ۱۱ ص ۳۴۸ ح ۶۴۶۱)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے اور راویوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

۱: مصعب بن عبد اللہ بن مصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن الزبیر الزبیری القرشی الاسدی رحمہ اللہ (م ۲۳۶ھ)، ان سے ابوداود فی غیر السنن، عبداللہ بن احمد بن حنبل، مسلم بن الحجاج خارج الصحیح، یعقوب بن سفیان الفارسی، ابوزرعہ الرازی اور ابوحاتم الرازی نے روایت بیان کی اور یہ سب اپنے نزدیک (عام طور پر) ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: " مستثبت " (سوالات ابی داود: ۵۹۶)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: " ثقة " (تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۱۴ ت ۷۰۹۶ وسندہ حسن)

امام دارقطنی نے فرمایا: " ثقة " (تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۱۴، وسندہ صحیح)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۹/ ۱۷۵)

حافظ ذہبی نے فرمایا: " العلامة الصدوق الإمام " (سیر اعلام النبلاء ۱۱/ ۳۰)

اورفرمایا: " ثقة غمز للوقف " ثقہ ہیں، ان پر (قرآن کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کے بارے میں) توقف کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔ (الکاشف ۳/۱۵۰ ت ۵۳۶۲)

حاکم اور ذہبی دونوں نے مصعب بن عبداللہ کی بیان کردہ ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۴/۲۲ ح ۶۷۷۲ وتلخیصہ)

ضیاء المقدسی نے المختارہ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (۵/۲۵۳ ح ۱۸۸۱)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: " صدوق عالم بالنسب . " (تقریب التہذیب: ۶۶۹۳)

جمہور کی اس توثیق سے ثابت ہوا کہ وہ صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

۲: عبدالعزیز بن ابی حازم سلمہ بن دینار رحمہ اللہ، صحیحین اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: " صدوق فقيه " (تقریب التہذیب: ۴۰۸۸)

حافظ ذہبی نے ایک شاذ جرح کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: " بل هو حجة في أبيه وغيره. " (سیر اعلام النبلاء ۸/۳۶۴)

جمہور کی توثیق کے بعد ان پر جرح مردود ہے۔

۳: علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب صحیح مسلم کے راوی اور جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں اور ان پر جرح مردود ہے۔

۴: عبدالرحمٰن بن یعقوب صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۴۰۳۶)

ثابت ہوا کہ یہ سند حسن لذاتہ ہے۔ حاکم نے اس مفہوم کی حدیث مسلم بن خالد الزنجي (ضعيف ضعفه الجمهور) عن العلاء عن أبيه عن أبي هريرة کی سند سے بیان کی۔ (المستدرک ۴/۴۸۰ ح ۸۳۸۱)

زنجی کی اس روایت کو حاکم نے صحیحین کی شرط پر اور ذہبی نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا۔

زنجی کی متابعت تامہ عبدالعزیز بن ابی حازم نے کر رکھی ہے۔

شیخ البانی نے مصعب بن عبداللہ الزبیری کی بیان کردہ حدیث کو " وهذا إسناد جيد " کہا۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۷/۱۶۴۶ ح ۳۹۴۰)

امام محمد بن المنکدر رحمہ اللہ اور قبر پر رخسار رکھنے کا قصہ

حافظ ابوبکر بن ابی خیثمہ رحمہ اللہ (م ۲۷۹ھ) نے لکھا ہے:

"۲۷۷۷۔ حدثنا مصعب قال: حدثني إسماعيل بن يعقوب التيمي قال: كان محمد بن المنكدر يجلس مع أصحابه فكان يصيبه الصمات فكان يقوم كما هو. يضع خده على قبر النبي ﷺ ثم يرجع فعوقب في ذلك فقال :إنه تصيبني خطره فإذ وجدت ذلك استغثت بقبر النبي ﷺ .

وكان يأتي موضعًا في المسجد في الصحن فيتمرغ و يضطجع فقيل له في ذلك فقال: إني رأيت النبي ﷺ في هذا الموضع. قال: أراه في النوم."

اسماعیل بن یعقوب التیمی سے روایت ہے کہ محمد بن المنکدر رحمہ اللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھتے تو آپ پر خاموشی چھا جاتی پھر اسی حالت میں کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ نبی ﷺ کی قبر پر اپنا رخسار رکھ دیتے پھر واپس آ جاتے تھے، انھیں جب اس کے بارے میں ملامت کی گئی تو انھوں نے فرمایا: وہ (اپنے دل میں) خطرات پاتے ہیں، پھر جب یہ حالت ہوتی ہے تو میں نبی ﷺ کی قبر سے مدد حاصل کرتا ہوں۔

اور آپ مسجد کے صحن میں ایک جگہ جاتے تو زمین پر لیٹ جاتے اور لوٹ پوٹ ہوتے تھے پھر جب اس کے بارے میں انھیں کہا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اس مقام پر دیکھا ہے۔ اسد (راوی) نے کہا: یعنی خواب میں دیکھا تھا۔

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ۲/ ۲۵۸۔۲۵۹ فقرہ ۲۷۷۷ شاملہ)

یہ روایت کافی اختلاف کے ساتھ ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۵۶/ ۵۰۔۵۱) میں ابن ابی خیثمہ کی سند سے مذکور ہے۔

نیز حافظ ذہبی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۵/ ۳۵۹، تاریخ الاسلام ۸/ ۲۵۶)

سیر میں تو حافظ ذہبی نے سکوت کیا مگر تاریخ الاسلام میں اس واقعے کے فوراً بعد فرمایا:

" إسماعیل :فیه لین" اسماعیل (راوی) میں کمزوری ہے۔ (ص۲۵۶)

اسماعیل بن یعقوب التیمی کے بارے میں ابو حاتم الرازی نے فرمایا:

"ھو ضعیف الحدیث" (کتاب الجرح والتعدیل ۲/۲۰۴ ت ۶۹۰)

حافظ ذہبی نے اسے دیوان الضعفاء والمتروکین ذکر کیا۔ (۱/۹۲ ت ۴۵۸)

اور میزان الاعتدال میں فرمایا: "وله حكاية منكرة عن مالك ساقها الخطيب "

اور اس نے (امام) مالک سے ایک منکر قصہ بیان کیا ہے جسے خطیب نے روایت کیا ہے۔

(۱/۲۵۴)

ابن الجوزی نے اس راوی کو کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا۔ (۱/۱۲۳ ت ۴۲۹)

امام ابو حاتم الرازی اور جمہور محدثین کی جرح کے مقابلے میں حافظ ابن حبان کا اس راوی کو کتاب الثقات میں ذکر کرنا غلط ہے۔

دوسرے یہ کہ اسماعیل بن یعقوب نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے یہ قصہ کس سے سنا تھا؟ ہمارے علم کے مطابق کسی محدث نے محمد بن المنکدر سے اس کی کسی ملاقات کا کوئی تذکرہ نہیں کیا اور منقطع روایت مردود ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام محمد بن المنکدر رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ قصہ ثابت نہیں، لہٰذا اس قصے سے بعض قبر پرستوں کا استدلال کرنا غلط ہے۔ (۲۵/فروری ۲۰۱۳ء)

امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات کا سبب؟

[ماہنامہ الحدیث کے قارئین کے لئے یہ بات یقیناً خوشی کا باعث ہوگی کہ ہم اس شمارے سے ''قصے کہانیاں'' کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کر رہے ہیں جس میں زبان زدِ عام واقعات کی حقیقت اور عوام وخواص کے ہاں مشہور موضوع (من گھڑت) بے سند اور غیر ثابت واقعات مع رد بیان کئے جائیں گے۔ان شاء اللہ /حافظ ندیم ظہیر]

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے لکھا ہے:

''امام مسلم کی وفات کا سبب بھی عجیب وغریب ہے۔کہتے ہیں کہ ایک روز مجلسِ مذاکرۂ حدیث میں آپ سے کوئی حدیث پوچھی گئی آپ اس وقت اسے نہ پہچان سکے۔اپنے مکان پر تشریف لائے اور اپنی کتابوں میں اسے تلاش کرنے لگے۔کھجوروں کا ایک ٹوکرا ان کے قریب رکھا تھا۔آپ اسی حالت میں ایک ایک کھجور اس میں سے کھاتے رہے۔امام مسلم حدیث کی فکر وجستجو میں کچھ ایسے مستغرق رہے کہ حدیث کے ملنے تک تمام کھجوروں کو تناول فرما گئے اور کچھ خبر نہ ہوئی۔

بس یہی زیادہ کھجور کھالینا ان کی موت کا سبب بنا۔'' (بستان المحدثین ص ۲۸۲)

شاہ عبدالعزیز کا بیان کردہ یہ قصہ درج ذیل کتابوں میں قاضی ابوالعلاء محمد بن علی (بن احمد بن یعقوب الواسطی) المقری ''قال :أخبرنا محمد بن عبد الله النيسابوري (الحاكم صاحب تاريخ نيسابور والمستدرك) :سمعت أبا عبد الله محمد بن يعقوب يقول:سمعت أحمد بن سلمة يقول ...'' کی سند سے مذکور ہے:

ا: تاریخ بغداد (۱۳/۱۰۳)

۲: تاریخ دمشق (۵۸/۹۴) من طریق الخطیب بہ

۳: التقیید لابن نقطہ (۲/۲۵۳۔۲۵۴) من طریق الخطیب بہ.وغیر ذلک

اس روایت کا متن مع ترجمہ درج ذیل ہے:

"عقد لأبی الحسین مسلم بن الحجاج مجلس للمذاکرة فذکر له حدیث لم یعرفه فانصرف إلٰی منزله و أوقد السراج و قال لمن فی الدار: لا یدخلن أحدمنکم هذا البیت، فقیل له: أهدیت لنا سلة فیها تمر فقال: قدموها إلي، فقدموها إلیه فکان یطلب الحدیث و یأخذ تمرة تمرة یمضغها فأصبح و قد فني التمر ووجد الحدیث.

قال: محمد بن عبد اللّٰه: زادني الثقة مِن أصحابنا أنه منها مات."

ابوالحسین مسلم بن الحجاج کے لئے ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی گئی، پھر ان کے سامنے ایک حدیث بیان کی گئی جسے انھوں نے نہیں پہچانا، پھر وہ اپنے گھر تشریف لے گئے اور چراغ جلا لیا اور گھر والوں سے کہا: اس کمرے میں تم میں سے کوئی بھی داخل نہ ہو۔ ان سے عرض کیا گیا کہ ہمارے پاس کھجور کی ایک ٹوکری بطورِ تحفہ آئی ہے تو آپ نے فرمایا: میرے پاس لے آؤ۔ پھر وہ ان کے پاس (یہ ٹوکری) لے آئے تو آپ حدیث تلاش کرتے رہے اور ایک ایک کھجور چبا کر کھاتے رہے۔ صبح ہوئی تو کھجوریں ختم ہو چکی تھیں اور حدیث بھی مل گئی۔

محمد بن عبداللہ (حاکم نیشاپوری) نے فرمایا: مجھے اپنے ساتھیوں میں سے ایک ثقہ (؟) نے مزید بتایا کہ وہ ان (کھجوروں کے کھانے) سے فوت ہوئے تھے۔

یہ روایت کئی کتابوں میں بغیر سند کے حاکم سے منقول ہے۔ مثلاً:

۱: تہذیب الکمال للمزی (۷/۹۷)

۲: سیر اعلام النبلاء للذہبی (۱۲/۵۶۴) وغیرہما۔

یہ قصہ دو وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

۱: ثقہ کون ہے؟ اس کا کوئی اتا پتا نہیں اور اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ راوی کا حدثني الثقة کہنا اور اپنے استاذ کا نام نہ لینا توثیق نہیں ہوتا۔

(مثلاً دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر ۱/۲۹۰، اردو مترجم ص ۶۱-۶۲)

لہٰذا کھجوریں کھانے سے وفات کا قصہ ثابت نہیں، بلکہ ضعیف و مردود ہے۔

۲: ابوالعلاء محمد بن علی الواسطی ضعیف ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۷ص ۱۶)

اگر یہ روایت تاریخ نیشاپور یا حاکم کی کسی کتاب میں نہ ملے تو قاضی ابوالعلاء کی وجہ سے حاکم نیشاپوری سے بھی ثابت نہیں، لہٰذا سارا قصہ ہی مشکوک وضعیف ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس قسم کے قصوں کا مشہور ہونا ہی کافی ہے اور یہاں صحیح یا حسن سند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں (!!) تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشہور کی دو قسمیں ہیں:

۱: صحیح وحسن لذاتہ

۲: ضعیف و مردود، بلکہ بے سند و موضوع۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

مشہور حدیث صحیح بھی ہوتی ہے جیسے ''الأعمال بالنیات'' والی حدیث اور حسن بھی ہوتی ہے۔ لوگوں کے درمیان ایسی حدیثیں بھی مشہور ہو جاتی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی یا کلیتاً وہ موضوع ہوتی ہیں اور یہ بہت زیادہ ہیں۔ (اختصار علوم الحدیث ۲/ ۴۵۶، اردو مترجم ص ۱۰۵)

اول الذکر کے حجت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ثانی الذکر مردود کی ایک قسم ہے۔

کئی روایات عوام وخواص میں مشہور ہوتی ہیں، لیکن اصولِ حدیث کی رُو سے بے اصل و مردود ہوتی ہیں۔ مثلاً:

۱: سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت: ''اجتهد برائي''

۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا قصہ

۳: امام عبداللہ بن المبارک کا قاضی فضیل بن عیاض کو میدانِ جہاد سے خط لکھنے کا قصہ

۴: امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کی قبر کا قصہ۔ وغیر ذلک

تفصیل کے لئے دیکھئے ''مشہور واقعات کی حقیقت'' (مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ)

یہ کتاب محترم ابوالاسجد محمد صدیق رضا حفظہ اللہ نے عربی سے اردو قالب میں ڈھالی ہے اور مفید فوائد بھی لکھے ہیں۔ (۲۳/ جنوری ۲۰۱۳ء)

امام نسائی رحمہ اللہ کی وفات کا قصہ

امام نسائی یعنی ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر النسائی رحمہ اللہ (م۳۰۳ھ) کا شمار حدیث کے مشہور اماموں میں ہوتا ہے اور ان کی کتاب: سنن نسائی کتب ستہ میں شامل ہے۔ امام نسائی کے بارے میں عوام و خواص میں یہ قصہ مشہور ہے کہ انھیں شام کے ناصبیوں نے بہت مارا تھا اور وہ اسی مار کی وجہ سے شہید ہو گئے تھے۔

اس قصے کی روایات کا مختصر اور جامع جائزہ درج ذیل ہے:

۱) حاکم نیشاپوری نے فرمایا:

"فحدثني محمد بن إسحاق الأصبهاني قال :سمعت مشايخنا بمصر يذكرون أن أبا عبد الرحمٰن فارق مصر في آخر عمره و خرج إلى دمشق فسئل بها عن معاوية بن أبي سفيان و ما روي في فضائله فقال: لا يرضى معاوية رأسًا برأس حتى يفضل ؟! قال: فمازالوا يدفعون في حضنيه حتى أخرج من المسجد ثم حمل إلى مكة و مات بها سنة ثلاث و ثلاثمائة وهو مدفون بمكة."

پس مجھ سے محمد بن اسحاق (بن محمد بن یحییٰ بن مندہ) الاصبہانی نے بیان کیا: میں نے مصر میں اپنے استادوں کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ ابوعبدالرحمٰن (النسائی) نے آخری عمر میں مصر کو الوداع کہا اور دمشق کی طرف چلے گئے تو وہاں اُن سے معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں پوچھا گیا اور ان کے فضائل کی روایات کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: کیا معاویہ اس پر راضی نہیں کہ ان کا معاملہ برابر برابر ہو جائے؟ چہ جائے کہ انھیں فضیلت دی جائے؟! کہا: لوگ انھیں سینے (یا خصیوں) پر مارتے رہے حتیٰ کہ وہ مسجد سے نکال دیئے گئے پھر انھیں اٹھا کر مکہ لے جایا گیا اور وہ وہیں ۳۰۳ھ میں فوت ہوئے اور مکہ

میں دفن ہوئے۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۸۳ ح ۱۸۲، وعنہ ابن نقطۃ فی التقیید ۱/ ۱۵۴)

اس روایت کی سند میں "مشائخنا" سارے مشائخ مجہول ہیں لہٰذا یہ سند ضعیف ہے اوراس پر حافظ ابن عساکر کا حاشیہ (تہذیب الکمال ۱/ ۴۵) بے فائدہ ہے۔ اس روایت کو حافظ ذہبی نے بغیر کسی سند کے ابن مندہ عن حمزہ العقبی المصری وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۱۳۲)

یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۲) کہا جاتا ہے کہ حاکم نے امام ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ سے نقل کیا:

" كان أبو عبد الرحمٰن أفقه مشايخ مصر في عصره و أعرفهم بالصحيح والسقيم من الآثار و أعلمهم بالرجال فلما بلغ هذا المبلغ حسدوه فخرج إلى الرملة فسئل عن فضائل معاوية فأمسك عنه فضربوه فى الجامع فقال: أخرجوني إلى مكة فأخرجوه إلى مكة وهو عليل و توفي بها مقتولاً شهيدًا"

ابوعبدالرحمٰن النسائی اپنے دور کے اساتذۂ مصر میں سب سے بڑے فقیہ، صحیح اور ضعیف روایات کو سب سے زیادہ جاننے والے اور اسماء الرجال کے سب سے بڑے ماہر تھے، پھر جب وہ اس مقام پر پہنچے تو لوگوں نے ان سے حسد کیا، پھر وہ رملہ تشریف لے گئے تو ان سے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے فضائل کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ چپ رہے پھر لوگوں نے انھیں جامع مسجد میں مارا تو آپ نے فرمایا: مجھے مکہ لے جاؤ۔ پھر وہ آپ کو مکہ لے گئے اور آپ بیمار تھے اور مکہ میں شہادت نصیب ہوئی۔

(تہذیب الکمال للمزی ۱/ ۴۵ واختصرہ الذہبی فی سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۱۳۳)

اگر یہ روایت حاکم یا امام دارقطنی سے باسند صحیح ثابت ہو جائے تو عرض ہے کہ امام دارقطنی ۳۰۶ھ یا ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے تھے اور امام نسائی ۳۰۳ھ میں فوت ہو گئے تھے لہٰذا یہ روایت منقطع و مردود ہے۔

یہ وہ روایات ہیں جنھیں بعض علماء اور واعظین مزلے لے لے کر بیان کرتے ہیں،

مثلاً شاہ عبدالعزیز دہلوی نے امام نسائی کے بارے میں لکھا ہے:

"ان کی موت کا واقعہ یہ ہے کہ جب آپ مناقب مرتضوی (کتاب الخصائص) کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو انھوں نے چاہا کہ اس کتاب کو دمشق کی جامع مسجد میں پڑھ کر سنائیں تاکہ بنی امیہ کی سلطنت کے اثر سے عوام میں ناصبیت کی طرف جو رجحان پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح ہو جائے، ابھی اس کا تھوڑا سا حصہ ہی پڑھنے پائے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا: امیر المومنین معاویہؓ کے مناقب کے متعلق بھی آپ نے کچھ لکھا ہے؟ تو نسائی نے جواب دیا کہ معاویہؓ کے لئے یہی کافی ہے کہ برابر برابر چھوٹ جائیں، ان کے مناقب کہاں ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ بھی کہا تھا کہ مجھے ان کے مناقب میں سوائے اس حدیث لَا اَشْبَعَ اللّٰهُ بَطنَه' کے اور کوئی صحیح حدیث نہیں ملی۔ پھر کیا تھا لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور شیعہ شیعہ کہہ کر مارنا پیٹنا شروع کیا۔ ان کے خصیتین میں چند شدید ضربیں ایسی پہنچیں کہ نیم جان ہو گئے خادم انھیں اٹھا کر گھر لے آئے۔ پھر فرمایا کہ مجھے ابھی مکہ معظمہ پہنچا دو تاکہ میرا انتقال مکہ یا اس کے راستے میں ہو۔ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات مکہ معظمہ پہنچنے پر ہوئی اور وہاں صفا و مروہ کے درمیان دفن کئے گئے۔ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ مکہ جاتے ہوئے راستہ میں رملہ (فلسطین) میں انتقال ہوا۔ پھر وہاں سے آپ کی نعش مکہ معظمہ پہنچائی گئی۔ واللہ اعلم" (بستان المحدثین ص ۲۶۷۔۲۶۸)

یہ سارا بیان زیبِ داستان ہے اور باسند صحیح ہرگز ثابت نہیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام نسائی کی وفات کہاں ہوئی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام نسائی کے شاگرد ابن یونس المصری (مورخ) نے لکھا ہے:

"وكان خروجه من مصر في ذي القعدة سنة اثنتين و ثلاثمائة و توفي بفلسطين يوم الاثنين لثلاث عشرة خلت من صفر سنة ثلاث و ثلاثمائة."

آپ ذوالقعدہ ۳۰۲ھ کو مصر سے روانہ ہوئے اور ۱۳/ صفر ۳۰۳ھ بروز سوموار فوت ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۱۳۳، المستفاد من ذیل تاریخ بغداد ۱۹/ ۴۹، تاریخ ابن یونس المصری ۲/ ۲۴ ت ۵۵)

حافظ ذہبی نے اس قول کو "أصح" قرار دیا ہے۔ (النبلاء ۱۴/۱۳۳)

سوال یہ ہے کہ امام نسائی کے شاگرد اور مورخِ تاریخ مصر نے اتنے اہم واقعے کا ذکر کیوں نہیں کیا (بشرطیکہ) اگر ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا تھا؟!

حافظ ذہبی نے بغیر کسی سند کے وزیر ابن حنزابہ (جعفر بن الفضل) سے نقل کیا ہے کہ میں نے محمد بن موسیٰ (بن یعقوب بن مامون) المامونی (الہاشمی، وثقہ الذہبی فی تاریخ الاسلام) صاحب النسائی سے سنا: ابوعبدالرحمٰن النسائی نے علی رضی اللہ عنہ کے خصائص (مناقب) پر جو کتاب لکھی، میں نے کچھ لوگوں کو اس کا انکار کرتے ہوئے سنا اور فضائلِ شیخین پر کتاب نہ لکھنے کا انکار کرتے ہوئے سنا تو میں نے اس بات کا ان (نسائی) سے ذکر کیا۔ پھر انھوں نے فرمایا: میں دمشق میں داخل ہوا، اور وہاں علی (رضی اللہ عنہ) کے مخالفین بہت زیادہ تھے تو میں نے کتاب الخصائص لکھی، مجھے یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس کتاب کے ذریعے سے ہدایت دے گا۔ پھر اس کے بعد انھوں نے صحابہ کے فضائل پر کتاب لکھی تو میرے سامنے انھیں کہا گیا: آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل نہیں لکھتے؟ تو انھوں نے کہا: ان کے لئے میں کیا لکھوں؟ کیا وہ حدیث جس میں آیا ہے: "اللھم! لا تشبع بطنه" اے اللہ! اس کے پیٹ کو سیر نہ کرنا؟ تو وہ سائل خاموش ہو گیا۔ (النبلاء ۱۴/۱۲۹)

یہ قصہ بھی بے سند ہے اور اگر کہیں ثابت بھی ہو جائے تو کسی قسم کی مار کٹائی کا اس قصے میں نام و نشان تک نہیں۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ان قصوں میں صحیح یا حسن سند کا ہونا ضروری نہیں تو عرض ہے کہ یہ اصول غلط ہے اور اس کے مختصر رد کے لئے دیکھئے میرا مضمون: امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات کا سبب؟

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ امام نسائی کے بارے میں بستان المحدثین وغیرہ کا قصہ اصولِ محدثین کی رُو سے باسند صحیح ہرگز ثابت نہیں اور نہ امام نسائی کا شیعہ ہونا کہیں ثابت ہے، بلکہ وہ اہلِ سنت کے جلیل القدر اماموں میں سے تھے۔ رحمہ اللہ

(۲۳/ جنوری ۲۰۱۳ء)

غلام رسول سعیدی: ایک موضوع روایت اور قربانی کا وجوب؟

الحمد لله ربّ العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اور قربانی کرنے کا وجوب حسب ذیل احادیث سے ثابت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

ضحوا و طيبوا بها انفسكم   خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۳، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۲۲۳۴۔۸۱۶۷ قدیم، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۶، المستدرک ج ۴ ص ۲۲۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

اس حدیث میں آپ نے قربانی کرنے کا حکم دیا ہے اور امر اصل میں وجوب کے لئے آتا ہے، خصوصاً جب کہ قرائن صارفہ سے خالی ہو۔'' (تبیان القرآن ج ۹ ص ۹۳۷)

عرض ہے کہ ''ضحوا'' یعنی قربانی کرو کے حکم کے ساتھ یہ حدیث نہ تو سنن ترمذی میں موجود ہے اور نہ سنن ابن ماجہ میں ہے، نہ تو مستدرک میں ملی ہے اور نہ شرح السنۃ للبغوی میں ہے، لہٰذا مذکورہ تمام حوالے غلط ہیں۔

ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث مذکورہ حوالوں میں سے صرف مصنف عبد الرزاق (ح ۸۱۶۷، دوسرا نسخہ: ۸۱۹۸) میں موجود ہے، اسے امام عبد الرزاق نے ابو سعید الشامی قال: حدثنا عطاء بن ابی رباح عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کے مرکزی راوی ابو سعید عبد القدوس بن حبیب الشامی کا تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: امام عبد اللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ نے عبد القدوس بن حبیب کے بارے میں فرمایا: ''کذاب'' بڑا جھوٹا۔ (مقدمہ صحیح مسلم: ۸۲ وسندہ صحیح، مع شرح غلام رسول سعیدی ج ۱ ص ۲۳۱)

۲: امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"متروك الحديث ، كان لا يصدق "متروک الحدیث، اسے سچا نہیں سمجھا جاتا تھا/ یا وہ سچ نہیں بولتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/ ۵۶، نیز دیکھئے علل الحدیث ۱/ ۴۵۹ ح ۱۳۸۰)

۳: امام ابوحفص عمرو بن علی الفلاس الصیرفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أجمع أهل العلم على ترك حديثه "اس کی حدیث ترک کرنے پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/ ۵۶، تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۲۸، وسندہ صحیح)

۴: امام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ذاهب الحديث "یعنی وہ حدیث میں گیا گزرا ہے۔

(کتاب الکنیٰ قلمی مصورہ ۴۵/ ۱۳۱، تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۲۸، وسندہ صحیح)

ذاہب الحدیث کے بارے میں دیکھئے اسی سلسلے کا حوالہ نمبر ۱۰

۵: امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"في حديثه مناكير "اس کی حدیثوں میں منکر (روایتیں) ہیں۔

(کتاب الضعفاء تحقیقی: ۲۴۶، تحفۃ الاقویاء ص ۷۷)

۶: امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أبو سعيد الشامي ، متروك" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۷۷)

۷: حافظ ابن مندہ نے فرمایا:

اسانید اور متون گھڑنے کے ساتھ عبداللہ بن مسور، عمرو بن خالد، ابوداود النخعی سلیمان بن عمرو، غیاث بن ابراہیم، محمد بن سعید الشامی، عبدالقدوس بن حبیب اور غالب بن عبیداللہ الجزری مشہور ہیں۔ (فضل الاخبار وشرح مذاہب الآثار ۱/ ۸۱، تحقیقی مقالات ۵/ ۵۴۱)

۸: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

"وكان يضع الحديث على الثقات ، لا تحل كتابة حديثه ولا الرواية عنه" وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور ثقہ راویوں سے منسوب کر دیتا تھا، اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں اور نہ اس سے روایت حلال ہے۔ (کتاب المجروحین ۲/ ۱۳۱، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۱۳)

۹: حافظ ابن عدی نے فرمایا:

"وهو منكر الحديث إسنادًا و متنًا" وہ سند اور متن (دونوں) کے لحاظ سے منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا۔ (الکامل لابن عدی ۵/۱۹۸۱، دوسرا نسخہ ۷/۳۶)

۱۰: امام محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی نے فرمایا:

"وهو ذاهب الحديث" وہ حدیث میں گیا گزرا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۱/۱۲۸، وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ یہ الفاظ شدید جرح پر محمول ہیں۔

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۲/۳۷)

ان کے علاوہ دوسرے بہت سے محدثین وعلمائے اہل سنت نے ابوسعید عبدالقدوس بن حبیب الشامی پر جرحیں کی ہیں، جن کی تفصیل لسان المیزان (۴/ ۴۵۔۴۸) اور کتب المجروحین میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ غلام رسول سعیدی صاحب کی پیش کردہ روایت اصولِ حدیث کی رُو سے موضوع ہے، جسے وہ تفسیرِ قرآن کے تحت عام سادہ لوح لوگوں میں بغیر جرح کے بلکہ بطورِ استدلال پھیلا رہے ہیں۔

دوسری سند: حافظ ابن عبدالبر کی کتاب التمہید میں اس روایت کی دوسری سند بھی ہے، جس کی سند میں نصر بن حماد راوی ہے اور اسماء الرجال کی رُو سے اس کا مقام درج ذیل ہے:

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "نصر بن حماد كذاب"

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/۳۰۱، دوسرا نسخہ ۴/۱۴۲۶، وسندہ صحیح)

۲: امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "هو متروك الحديث"

(کتاب الجرح والتعدیل ۸/۴۷۰)

۳: امام ابوزرعہ الرازی نے فرمایا:

"لا يكتب حديثه" اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۸/۴۷۰)

۴: امام مسلم نے فرمایا: "ذاهب الحديث"

(کتاب الکنیٰ مخطوط مصور ص ۱۰۲/ ۲۶، تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۸۲ وسندہ صحیح)

۵: عقیلی نے فرمایا: "و نصر بن حماد متروك"

(کتاب الضعفاء ۴/ ۳۰۱، دوسرا نسخہ ۴/ ۱۴۲۶)

۶: امام یعقوب بن شیبہ نے فرمایا:

"لیس بشيء" وہ کوئی چیز نہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۸۱ ت ۷۲۴۴)

۷: حافظ ابن عبدالبر نے نصر بن حماد الوراق کے بارے میں خود لکھا ہے:

"یروي عن شعبة مناکیر، ترکوہ" اس نے شعبہ سے منکر روایتیں بیان کیں، انھوں (محدثین) نے اسے ترک کر دیا ہے۔ (التمہید ۱/ ۵۰)

۸: امام دارقطنی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین (ص ۳۸۰ رقم ۵۴۶) میں ذکر کیا۔

۹: حافظ ذہبی نے فرمایا: "حافظ متهم" (الکاشف ۳/ ۲۱۳ ت ۵۸۰۵)

۱۰: ہیثمی نے فرمایا: "وهو متروك" (مجمع الزوائد ۶/ ۹۱ باب فیمن قتل من المشرکین یوم بدر)

ان کے علاوہ مزید جروح کے لئے تہذیب التہذیب وغیرہ کی طرف رجوع کریں اور اپنے آپ کو حنفیت کی طرف منسوب کرنے والوں کو چاہئے کہ ذرا نصب الرایہ (۲/ ۳۸۷) بھی پڑھ لیں۔

یہ دوسری روایت بھی موضوع ثابت ہوئی، لہٰذا سعیدی صاحب کا اپنی پیش کردہ روایت میں صیغۂ امر سے وجوب ثابت کرنا باطل و مردود ہوا۔

ان پر یہ ضروری تھا کہ پہلے اپنی پیش کردہ روایت کی تحقیق کرتے، موضوع اور مردود روایات پیش کرنے سے حیا کرتے پھر تختِ پر نقش نگاری کرتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا کہ کذابین کی روایت سینے سے لگائے عیدالاضحیٰ کی قربانی کا وجوب ثابت کر رہے ہیں۔

کیا شارحِ قرآن اور شارحِ صحیحین کا یہی طرزِ عمل ہوتا ہے؟!

بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ سعیدی صاحب کے پیش کردہ دیگر حوالوں میں "ضحوا" کا لفظ موجود ہی نہیں اور سنن ترمذی (۱۴۹۳، وقال: حسن غریب) سنن ابن ماجہ (۳۱۲۶) اور

مستدرک الحاکم (۴/ ۲۲۱۔۲۲۲ ح ۷۵۲۳ وقال: " صحيح الاسناد" فرده الذهبي بقوله: سليمان واهٍ و بعضهم تركه) والی روایت میں قربانی کی فضیلت کے آخر میں:

"فطيبوا بها نفسا" پس اپنے دلوں کو خوش کرو۔

کے الفاظ ہیں اور ان سے قربانی کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ یہ روایت حسن یا صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

اس کے راوی ابو المثنیٰ سلیمان بن یزید الکعبی کو جمہور محدثین نے ضعیف و مجروح قرار دیا ہے، جن میں سے بعض گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا:

"منكر الحديث، ليس بقوي" وہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا، وہ قوی نہیں۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۴/ ۱۴۹)

۲: دارقطنی نے فرمایا:" وأبو المثنٰى ضعيف" (کتاب العلل ۱۵/ ۵۱ سوال ۳۸۲۲)

۳: حافظ ذہبی نے فرمایا:"واهٍ" کمزور ہے۔ (تلخیص المستدرک: ۷۵۲۳)

۴: حافظ ابن حجر نے فرمایا:"ضعيف" (تقریب التہذیب: ۸۳۴۰)

حافظ ابن حبان نے توثیق بھی کی اور جرح بھی کی، لہٰذا ان کے دونوں اقوال باہم متعارض ہو کر ساقط ہیں اور جمہور محدثین کے مقابلے میں ترمذی و حاکم کی توثیق مرجوح ہے، نیز ہشام بن عروہ سے ابو مثنیٰ کے سماع میں بھی نظر ہے۔

خلاصہ یہ کہ سنن ترمذی والی روایت ضعیف بھی ہے اور سعیدی صاحب کے دعویٰ پر دلیل بھی نہیں۔ غلام رسول سعیدی صاحب نے مزید لکھا ہے:

"نیز آپ نے فرمایا:

على اهل كل بيت في كل عام أضحية و عتيرة	ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے

(سنن ابی داود رقم الحدیث: ۲۷۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: 1518، سنن النسائی رقم

الحدیث:۴۲۲۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۱۲۵)

اور علیٰ وجوب کے لئے آتا ہے یعنی ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے، اور عتیرہ ابتدائے اسلام میں منسوخ ہو گیا تھا'' (تبیان القرآن ۹/۹۲۷)

علیٰ ہر جگہ وجوب کے معنی میں آتا ہے یا نہیں؟ اس بات سے قطعِ نظر اس روایت کی سند میں ابو رملہ عامر مجہول الحال راوی ہے، اسے (ہمارے علم کے مطابق) ترمذی کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ وصدوق یا حسن الحدیث قرار نہیں دیا، بلکہ حافظ ذہبی نے فرمایا:

'' فیہ جھالۃ'' اس میں جہالت یعنی مجہول پن ہے۔ (میزان الاعتدال ۲/۳۶۳ ت ۴۰۹۷)

اور فرمایا:''لا یعرف'' وہ غیر معروف ہے۔ (دیوان الضعفاء والمتروکین ۲/۱۱ ت ۲۰۶۱)

حافظ ابن حجر نے فرمایا:''لا یعرف''وہ غیر معروف ہے۔ (تقریب التہذیب:۳۱۱۳)

حافظ عبدالحق اشبیلی نے اس سند کو ضعیف کہا اور ابن القطان (الفاسی) نے عامر کی جہالت (مجہول ہونے) کی وجہ سے اُن کی تصدیق کی۔ (میزان الاعتدال ۲/۳۶۳)

ان موضوع وضعیف روایات کے بعد سعیدی صاحب نے سنن ابن ماجہ (۳۱۲۳) وغیرہ کی وہ روایت بھی پیش کی ہے کہ''جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے'' سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''اس حدیث میں قربانی نہ کرنے پر وعید ہے اور وعید صرف واجب کے ترک پر ہوتی ہے''

(تبیان القرآن ۹/۹۲۷)

عرض ہے کہ اس میں وعید نہیں بلکہ ممانعت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے:

جو شخص تھوم (لہسن) کھائے تو وہ ہمارے مسجد کے قریب نہ آئے۔ (صحیح بخاری:۸۵۳)

ایک روایت میں ہے: جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے دور رہے یا ہماری مسجد سے دور رہے۔ (صحیح بخاری:۵۴۵۲)

اور فرمایا: ہمارے قریب نہ آئے اور ہر گز ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔

(صحیح بخاری:۸۵۶، صحیح مسلم:۵۶۲)

کیا اگر کوئی شخص کچا پیاز یا لہسن کھالے تو آلِ بریلی کے نزدیک اس پر واجب ہے کہ مسجد میں داخل نہ ہو اور مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت نہ پڑھے؟!

اگر ہے تو حوالے پیش کریں اور اگر نہیں تو سعیدی صاحب کا استدلال باطل ہے۔

سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''نیز آپ کا ارشاد ہے:

"من ذبح قبل الصلاة فليعد اضحيته جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی وہ اپنی قربانی دہرائے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث:۵۵۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۵۰۸، مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۷)

اس حدیث میں آپ نے قربانی دوبارہ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ واجب کی علامت ہے۔'' الخ (تبیان القرآن ج ۹ ص ۹۳۷)

اس حدیث کے آخر میں آیا ہے کہ "و من ذبح بعد الصلاة فقد تمّ نسكه و أصاب سنة المسلمين ." اور جس نے (عید کی) نماز کے بعد ذبح کی تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا۔

(صحیح بخاری:۵۵۵۶، صحیح مسلم ترقیم فواد:۱۹۶۱، ترقیم دارالسلام:۵۰۶۹)

جو لوگ اس حدیث سے وجوب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے:" ورده الطحاوي بأنه لو كان كذلك لتعرض إلى قيمة الأولى ليلزم بمثلها ، فلما لم يعتبر ذلك دل على أن الأمر بالاعادة كان على جهة الندب." اور اسے طحاوی نے رد کر دیا ہے، کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو پہلی (قربانی) کی قیمت اس کے ذمے لگائی تھی تاکہ اس کا مثل لازم ہو سکے، لہٰذا جب اس کا اعتبار نہیں کیا گیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اعادے (دوبارہ قربانی) کا حکم استحباب کے طور پر ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۶ تحت ح ۵۵۵۶۔۵۵۵۷)

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول آگے ''قربانی سنت موکدہ ہے'' کے تحت آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

طحاوی کا یہ خیال ہے کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے خود اپنے آپ پر پہلی قربانی کو واجب قرار دے رکھا تھا، لہٰذا انھیں اعادے کا حکم دیا گیا۔ (دیکھئے شرح مشکل الآثار ۱۲/ ۳۷۹ تحت ح ۴۸۷۷)

نیز طحاوی نے لکھا ہے:

"وذهب أكثر أهل العلم سواه إلى أنها مأمور بها، محضوض عليها، غير واجبة" ان (امام ابوحنیفہ) کے علاوہ اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ یہ مامور بہ ہے (یعنی ایسا حکم ہے) جس کی بہت ترغیب دی گئی ہے، یہ واجب نہیں ہے۔ (مشکل الآثار ۱۲/ ۳۷۹)

قرطبی نے لکھا ہے:

"ولا حجة في شيءٍ من ذلك واضحة لأن المقصود بيان كيفية مشروعية الأضحية لمن أراد أن يفعلها أو من التزمها فأوقعها على غير الوجه المشروع غلطًا أو جهلاً فبين له النبي عليه السلام وجه تدارك مافرّط فيه."

اور اس (استدلال) میں کوئی واضح دلیل نہیں کیونکہ مقصود تو مسنون قربانی کی کیفیت ہے اس کے لئے جو کرنا چاہتا ہے یا اس نے اسے (اپنے آپ پر) لازم قرار دیا ہے پھر وہ غلطی یا ناسمجھی کی وجہ سے مسنون طریقے کے بغیر یہ کر دیتا ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ بات بتا دی جس سے وہ اپنی غلطی کا تدارک کر سکتا ہے۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۵ ص ۳۵۲)

اس سے ثابت ہوا کہ سعیدی صاحب کا حدیث مذکور سے استدلال غلط ہے، نیز قرائن صارفہ کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

قربانی سنت موکدہ ہے

امام مالک نے فرمایا: قربانی سنت ہے، واجب نہیں اور میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی آدمی مال و دولت ہونے کے باوجود اسے ترک کرے۔ (الموطأ ۲/ ۴۸۷ بعد ح ۱۰۷۳، روایۃ یحییٰ بن یحییٰ)

امام احمد سے پوچھا گیا: قربانی فرض ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں اسے فرض نہیں کہتا لیکن یہ مستحب ہے۔ (مسائل ابی داود ص ۲۵۵ مختصراً)

امام بخاری نے فرمایا: "باب سنة الأضحية "قربانی کی سنت کا باب۔
پھر انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تعلیقاً روایت بیان کی: " هي سنة و معروف" قربانی سنت ہے اور نیکی کا کام ہے۔
(صحیح بخاری قبل ح ۵۵۴۵، نیز دیکھئے تغلیق التعلیق ۵/۳ وفیہ ابوالخصیب زیاد بن عبدالرحمٰن القیسی)
امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "والعمل على هذا عند أهل العلم أن الأضحية ليست بواجبة ولكنها سنة من سنن النبي ﷺ يستحب أن يعمل بها وهو قول سفيان الثوري و ابن المبارك " اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں لیکن وہ نبی ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اس پر عمل کرنا مستحب ہے، یہی قول سفیان ثوری اور عبداللہ بن المبارک کا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۵۰۶)
اور یہی قول اکثر اہل علم کا ہے، جیسا کہ طحاوی کے حوالے سے گزر چکا ہے اور اب اس کے بعض دلائل پیشِ خدمت ہیں:
۱) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إذا دخلت العشر وأراد أحدكم أن يضحي فلا يمسّ من شعره و بشره شيئاً. " جب (ذوالحجہ کا) عشرہ داخل ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو نہ اپنے بال کاٹے اور نہ ناخن کاٹے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۷۷، ترقیم دارالسلام: ۵۱۱۷، شرح غلام رسول سعیدی ۱۷۲/۶)
اس حدیث پر امام دارمی نے "باب ما يستدل من حديث النبي ﷺ أن الأضحية ليس بواجب" (سنن دارمی ۷۶/۲ قبل ح ۱۹۵۳) باندھا ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ نے دوبارہ قربانی والی حدیث کی شرح میں فرمایا:
"فاحتمل أن يكون إنما أمره أن يعود لضحية ان الضحية واجبة واحتمل أمره أن يكون أمره أن يعود إن أراد أن يضحي لأن الضحية قبل الوقت ليست بضحية تجزيه فيكون من عداد من ضحى، فوجدنا الدلالة عن رسول الله ﷺ ان الضحية ليست بواجبة لا يحل تركها و هي سنة نحب

لزومها و نكرة تركها لا على ايجابها فإن قيل فأين السنة التي دلت على أن ليست بواجبة ؟ قيل ـ أخبرنا سفيان عن عبد الرحمٰن بن حميد عن سعيد ابن المسيب عن أم سلمة رضي الله عنها قالت قالت رسول الله ﷺ :إذا دخل العشر فأراد أحدكم أن يضحى فلا يمس من شعره ولا من بشره شيئاً. (قال الشافعي رحمه الله) وفي هذا الحديث دلالة على أن الضحية ليست بواجبة..." اسے آپ کے حکم کہ دوبارہ قربانی کرو، میں یہ احتمال ہے کہ قربانی واجب ہے اور آپ کے حکم کا یہ (بھی) احتمال ہے کہ آپ نے اسے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا بشرطیکہ وہ قربانی کرنا چاہیں کیونکہ وقت سے پہلے ذبح کر دینا قربانی نہیں جو جائز ہو لہٰذا (قربانی کرکے) وہ بھی قربانی کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا پھر ہمیں رسول اللہ ﷺ (کی حدیث) سے دلیل مل گئی کہ قربانی واجب نہیں، اسے ترک کرنا حلال نہیں اور یہ سنت ہے جسے لازم پکڑنا ہم پسند کرتے ہیں اور ترک کرنا مکروہ سمجھتے ہیں، واجب نہیں۔ پھر اگر کہا جائے کہ وہ سنت (حدیث) کہاں ہے جو اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے؟ (ہماری طرف سے) کہا گیا: ہمیں سفیان (بن عیینہ) نے حدیث بیان کی، انھوں نے عبدالرحمٰن بن حمید عن سعید بن المسیب عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب عشرہ داخل ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو نہ اپنے بال کاٹے اور نہ ناخن کاٹے۔ (شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:) اس حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی واجب نہیں۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۶۳ وسندہ صحیح)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پیش کر کے امام ابن المنذر رنے لکھا ہے:

" فالضحية لا تجب فرضاً ، استدلالاً بهذا الحديث إذ لو كان فرضاً لم يجعل ذلك إلى إرادة المضحي" پس اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قربانی واجب فرض نہیں، کیونکہ اگر یہ فرض ہوتی تو اسے قربانی کرنے والے کے ارادے پر موقوف نہ کیا جاتا۔ (الاقناع لابن المنذر ۱/۳۷۶)

قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی نے کہا: "فعلّق الاضحیة بالارادة والواجب لا یتوقف علیھا، بل ھو فرض أراد المکلّف أو لم یرد" پس آپ نے قربانی کو ارادے پر معلّق کیا اور واجب کے بارے میں توقف نہیں کیا جاتا بلکہ وہ فرض ہے مکلف چاہے یا نہ چاہے۔ (احکام القرآن ۱۹۸۹/۴، سورۃ الکوثر)

نیز حافظ ابن حزم نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "برھان بأن الأضحیة مردودة إلی ارادة المسلم و ما کان ھکذا فلیس فرضًا" دلیل ہے کہ قربانی کو مسلمان کے ارادے پر موقوف کیا گیا ہے اور جس کی یہ حالت ہو وہ فرض نہیں ہوتی۔
(المحلی ۳۵۵/۷ مسئلہ ۹۷۳)

آٹھویں صدی کے ابن الترکمانی (م ۷۴۵ھ) نے امام شافعی پر اعتراض کرتے ہوئے دو روایتیں پیش کی ہیں:

اول: "من أراد الجمعة فلیغتسل" (الجوہر النقی ۲۶۳/۹)

ان الفاظ سے یہ روایت محلِ نظر ہے لیکن صحیح مسلم میں ہے:

"إذا أراد أحدکم أن یأتي الجمعة فلیغتسل" جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ جانے کے لئے ارادہ کرے تو غسل کر لے۔ (ح ۸۴۴، دارالسلام: ۱۹۵۱)

یہاں ارادہ جمعہ پڑھنے یا نہ پڑھنے پر موقوف نہیں بلکہ جمعہ پڑھنے کے لئے روانہ ہونے اور غسل کرنے پر موقوف ہے، جیسا کہ ماوردی نے کہا:

"قلنا: إنما علّق بالارادة الغسل دون الجمعة والغسل لیس بواجب فکذلك الاضحیة." ہم نے کہا: یہاں ارادہ جمعے پر نہیں بلکہ غسل پر معلّق ہے اور غسل واجب نہیں، پس اسی طرح قربانی بھی واجب نہیں۔ (الحاوی الکبیر للماوردی ج ۱۵ ص ۱۶۱)

دوم: "من أراد الحج فلیتعجل" (الجوہر النقی ۲۶۳/۹)

یہاں ارادہ حج کرنے یا نہ کرنے کے ساتھ نہیں بلکہ تعجیل یا تاخیر کے ساتھ مشروط ہے۔

صوفی عبدالرؤوف المناوی (م ۱۰۳۱ھ) نے لکھا ہے:

"وهذا أمر ندبي لأن تاخير الحج عن وقت وجوبه سائغ كما علم من دليل آخــــر" اور یہ حکم استحبابی ہے کیونکہ وقتِ وجوب سے حج کی تاخیر جائز ہے جیسا کہ دوسری دلیل سے ثابت ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۶/۶۳ تحت ح ۸۳۸۴)

یہ دونوں اعتراضات ختم ہوئے اور حدیثِ مسلم سے استدلال باقی رہا۔ والحمدللہ

۲) ابوسریحہ (حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ **"أن أبا بكر و عمر رضي الله عنهما كانا لا يضحيان"** بے شک ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ۴/۱۷۴ باب من نحر يوم النحر قبل أن ينحر الإمام، وسندہ حسن)

ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسریحہ نے فرمایا: میں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا **"وما يضحيان"** اور وہ دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار طبع سعید کمپنی کراچی ج ۲ ص ۳۲۹، وسندہ صحیح، مترجم اردو ج ۴ ص ۱۷۸ ح ۳۷۴۳)

تنبیہ: معانی الآثار میں کاتب کی غلطی سے ابوسریحہ کے بجائے ابوشریحہ لکھا ہوا ہے اور مکتبہ شاملہ میں صحیح حوالہ یعنی ابوسریحہ بھی موجود ہے۔

فائدہ: یہ دونوں روایتیں بطورِ استدلال پیش کر کے طحاوی (حنفی) نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ عوام کے لئے نمازِ عید کے بعد اور خلیفہ کے قربانی کرنے سے پہلے بھی قربانی کر لینا جائز ہے۔

معرفۃ السنن والآثار للبیہقی کی روایت ہے کہ ابوسریحہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں میرے پڑوسی تھے، پس وہ دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(معرفۃ السنن والآثار ۷/ ۱۹۸، وسندہ حسن، مسند الفاروق لابن کثیر ۱/۳۳۲ وقال: وهذا إسناد صحيح)

بیہقی کی السنن الکبریٰ (۹/ ۲۶۵) میں بھی اس مفہوم کی ایک روایت ہے جس کی سند میں سفیان بن سعید الثوری ہیں اور سند عن سے ہے۔

یہ روایت حنفیہ، دیوبندیہ اور بریلویہ تینوں کے اصول سے بالکل صحیح ہے اور اہلِ حدیث کے اصول سے سندہ ضعیف لکنہ صحیح لغیرہ ہے۔

اس روایت کی دوسری سند میں اسماعیل بن ابی خالد مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔

امام دارقطنی نے اس روایت کو محفوظ (صحیح) قرار دیا اور فرمایا کہ یہ اسماعیل (بن ابی خالد) نے شعبی سے سنی ہے۔ (کتاب العلل ۱/۲۸۶ سوال ۷۶)

نیز دیکھئے الامالی للمحاملی (ح ۳۳۵ دوسرا نسخہ چوتھا حصہ: ۷۹) احکام القرآن لابن العربی (۴/ ۱۹۸۹) المعجم الکبیر للطبرانی (۳/۱۸۲ ح ۳۰۵۸، مجمع الزوائد ۴/ ۱۸) اور ارواء الغلیل (۴/ ۳۵۵ ح ۱۱۳۹)

بعض الناس کا یہ کہنا کہ ان دونوں کے پاس نصابِ زکوۃ یا مال نہیں تھا، بالکل بے دلیل ہے، جس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ دونوں (رضی اللہ عنہما) اس وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ اسے سنت واجبہ نہ سمجھ لیں، جیسا کہ اس روایت کی بعض سندوں میں آیا ہے۔

۳) اب چند وہ روایات پیشِ خدمت ہیں جو حنفی، دیوبندی اور بریلوی تینوں کے اصول سے صحیح یا حسن ہیں:

۱: ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے قربانی کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا اور میرے پاس تم سے زیادہ مال موجود ہے، اس خوف کی وجہ سے کہ دل اسے کہیں واجب ضروری نہ سمجھ لے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۶۵)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے (عن منصور و واصل) باقی سند صحیح ہے، لہٰذا حنفیہ و بریلویہ و دیوبندیہ کے اُصول سے یہ روایت صحیح ہے۔

۲: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **"ما أبالي لو ضحیت بدیك"** مجھے کوئی پروا نہیں اگرچہ میں مرغ کی قربانی کردوں۔ (المؤتلف والمختلف للدارقطنی ۲/ ۱۰۴۱)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے، باقی ساری سند صحیح ہے، لہٰذا ح ب د تینوں فرقوں کے اصول سے یہ روایت صحیح ہے۔

تنبیہ: یہ روایت مصنف عبدالرزاق (۴/ ۳۸۴ ح ۸۱۵۶) میں بھی موجود ہے، بلکہ المحلی لابن حزم (۷/ ۳۵۸ مسئلہ ۹۷۳) میں بحوالہ سعید بن منصور

سفیان ثوری کی متابعت (ابوالاحوص ثقہ) بھی مذکور ہے۔ واللہ اعلم

۳: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ابوالخصیب سے کہا: شاید تم اسے (قربانی کو) حتمی (ضروری، واجب) سمجھتے ہو؟ ابوالخصیب نے کہا: نہیں! لیکن وہ اجر ہے۔ خیر ہے اور سنت ہے۔ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۶۶)

اس روایت کی سند میں بنو قیس بن ثعلبہ کا ایک آدمی ابوالخصیب (زیاد بن عبدالرحمٰن القیسی) ہیں، جنھیں ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور امام بخاری نے تعلیقات میں ان سے روایت لی۔ (قبل ح ۵۵۴۵)

حافظ ابن حجر نے ان کی بیان کردہ اس روایت کے بارے میں فرمایا: "بسند جید إلٰی ابن عمر" یعنی ابن عمر تک اچھی سند کے ساتھ۔ (فتح الباری ۱۰/۳ کتاب الاضاحی باب ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ زیاد بن عبدالرحمٰن صدوق راوی ہیں، لہٰذا یہ سند حسن ہے۔

عبدالعزیز بخاری (حنفی) نے لکھا ہے: " وعندنا خبر المجهول من القرون الثلاثة مقبول" ہمارے نزدیک قرون ثلاثہ (خیر القرون) کے مجہول کی روایت مقبول ہے۔

(کشف الاسرار ۲/۳۸۶)

نیز دیکھئے حسامی مع النامی (۱/۱۴۳۔۱۴۴) اور مسلم الثبوت (ص ۱۹۱)

آخر میں عرض ہے کہ قربانی کا وجوب صراحتاً کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی یا تابعی نے اسے واجب قرار دیا ہے، بلکہ اس مضمون میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے اس کا عدم وجوب ثابت ہے، لہٰذا قربانی سنت موکدہ ہے اور اسے ترک نہیں کرنا چاہئے۔

قربانی کا سنت یا مستحب ہونا امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور جمہور علماء سے صراحتاً ثابت ہے، جبکہ اس کا واجب ہونا نہ کسی صحابی سے ثابت ہے، نہ کسی تابعی سے ثابت ہے اور نہ امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۱۰/ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۷/ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

غلام رسول سعیدی اور موضوع (جھوٹی) روایات

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((من یقل عليّ ما لم أقل فلیتبوأ مقعده من النار .))

"جس نے میری طرف اس بات کی نسبت کی، جس کو میں نے نہیں کہا، وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ کی آگ میں بنا لے۔" (صحیح بخاری: ۱۰۹، نعمۃ الباری ج ۱ ص ۴۲۴)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ موضوع (جھوٹی) روایت بیان کرنا حرام ہے، نیز حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) نے بھی لکھا ہے:

" واتفقوا علی تحریم روایة الموضوع إلا مقروناً ببیانه."

اور اس پر انھوں (علمائے حدیث) نے اتفاق (اجماع) کیا کہ موضوع روایت بیان کرنا حرام ہے اِلا یہ کہ ساتھ ہی اس (کے موضوع ہونے) کی وضاحت کر دی جائے۔

(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر مع شرح الملا علی القاری ص ۴۵۳)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) نے موضوع روایت (بطورِ جزم) بیان کرنے کو کبیرہ گناہوں میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے کتاب الکبائر للذہبی ص ۱۵۳، الکبیرۃ التاسعۃ)

موضوع روایت کی پہچان: موضوع روایت کی پہچان کے کئی طریقے ہیں۔ مثلاً:

۱: سند میں کوئی کذّاب راوی ہو اور مقبول شاہد موجود نہ ہو۔

۲: سند میں کوئی متروک یا متہم بالکذب راوی ہو۔

۳: بے سند روایت ہو۔

۴: محدثین کرام نے اس خاص روایت کو موضوع، باطل یا بے اصل قرار دیا ہو۔

۵: روایت مردود ہو اور صحیح دلیل کے خلاف ہو۔ وغیر ذلک / نیز دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی (ص ۱۳۰۔۱۳۱، نوع: ۲۱) وکتب اصول الحدیث۔

غلام رسول سعیدی اور موضوع روایات: غلام رسول سعیدی بریلوی نے بھی لکھا ہے:
"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹی بات کو منسوب کرنا سنگین گناہ کبیرہ ہے"
(نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۱ص ۴۱۹)
سعیدی صاحب کے اعلان مذکور کے بعد عرض ہے کہ انھوں نے تین بڑی کتابیں لکھی ہیں:

۱: تبیان القرآن (تفسیر القرآن) یہ بارہ جلدوں میں مطبوع ہے۔
۲: شرح صحیح مسلم/ یہ سات جلدوں میں مطبوع ہے۔
۳: نعمۃ الباری یا نعم الباری (شرح صحیح بخاری) اس کی بارہ جلدیں چھپ چکی ہیں۔

جس طرح بہت سے لوگ اپنی تقریروں، تحریروں اور کتابوں میں موضوع، باطل اور مردود روایات بطورِ حجت واستدلال اور مزے لے لے کر بیان کرتے رہتے ہیں، اسی طرح غلام رسول سعیدی صاحب نے بھی اپنی ان تین کتابوں میں بے شمار موضوع، باطل، بے سند اور مردود روایات بطورِ حجت واستدلال لکھی ہیں۔

اس مضمون (غلام رسول سعیدی اور موضوع [جھوٹی] روایات) میں سعیدی صاحب کی لکھی ہوئی جھوٹی روایات میں سے دس (۱۰) روایات باحوالہ ومع رد بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہیں، تاکہ عامۃ المسلمین کے سامنے شارحِ حدیث اور مفسرِ قرآن بنے ہوئے شخص کا اصلی چہرہ واضح ہوجائے۔

۱) قبرستان میں گیارہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھنا:

غلام رسول سعیدی صاحب نے لکھا ہے:
"حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان پر گزرا، پھر گیارہ مرتبہ "قل ھو اللہ أحد" (سورۂ اخلاص) پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو پہنچا دیا تو اس کو ان مردوں کی تعداد کے برابر ثواب عطا کیا جائے گا۔ (کنز العمال: ۴۲۵۹۶)" (نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۱ص ۲۶۱، نیز دیکھئے نعمۃ الباری ج ۵ص ۶۰۷)

روایت کی تحقیق: کنزالعمال میں یہ روایت بحوالہ "الرافعي عن علي" مذکور ہے۔

(۱۵/۶۵۵ ح ۴۲۵۹۶)

عبدالکریم بن محمد الرافعی القزوینی (م ۶۲۲ھ) کی کتاب ''التدوين في ذكر أهل العلم بقزوين'' میں یہ روایت درج ذیل سند و متن سے مذکور ہے:

"... داود بن سلمان الغازي أنبا علي بن موسى الرضا عن أبيه موسى بن جعفر عن أبيه جعفر بن محمد عن أبيه محمد بن علي عن أبيه علي بن الحسين عن أبيه الحسين بن علي عن أبيه علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال رسول الله ﷺ: من مرّ على المقابر فقرأ فيها إحدى عشر مرة "قل هو الله أحد" ثم وهب أجره الأموات أعطي من الآجر بعدد الأموات"

(ج ۲ ص ۲۹۷ ترجمۃ اسماعیل بن عبدالوہاب)

داود بن سلیمان الغازی الجرجانی کا تعارف:

اس روایت کی سند میں داود بن سلیمان الغازی القزوینی الجرجانی ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: "وبكل حال فهو شيخ كذاب، له نسخة موضوعة على الرضا..." اور ہر حال میں وہ شیخ کذاب ہے، اس نے (علی) الرضا سے موضوع (جھوٹا) نسخہ بیان کیا ہے۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۲۶۰۸)

حافظ ابن حجر نے حافظ ذہبی کا یہی کلام معمولی اختلاف کے ساتھ بغیر کسی رد کے نقل کیا ہے۔ (دیکھئے لسان المیزان ج ۲ ص ۴۱۷، دوسرا نسخہ ۳/ ۱۳)

ہمارے علم کے مطابق کسی نے بھی اس راوی کو ثقہ یا صدوق نہیں کہا، بلکہ دسویں صدی ہجری کے علی بن محمد بن عراق الکنانی (م ۹۶۳ھ) نے بھی اسے کذابین میں شمار کیا ہے۔

(دیکھئے تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ ۱/ ۵۸)

اور ایک روایت کے بارے میں فرمایا: یہ اس نسخے سے ہے جسے اس (داود بن سلیمان) نے علي بن موسیٰ الرضا عن آبائه کی سند سے گھڑا ہے۔ (تنزیہ الشریعۃ ۲/ ۲۸۷)

سخاوی نے کہا:" وله نسخة موضوعة بالسند المذكور:" اور مذکور سند کے ساتھ اس نے موضوع نسخہ بیان کیا ہے۔ (المقاصد الحسنہ ص ۱۵۴ رقم ۳۲۱ تخمواباالعقیق)

محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) نے لکھا ہے:"داود بن سليمان الجرجاني كذاب."

(تذکرۃ الموضوعات ص ۲۵۴)

اصح الکتب بعد کتاب اللہ: صحیح البخاری کی شرح میں سعیدی صاحب نے اس کذاب شیخ (داود بن سلیمان) کی روایت سے استدلال کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سعیدی صاحب کی یہ کتاب مجموعۂ اکاذیب ہے۔

تنبیہ: فضائل الاخلاص للخلال اور مسند الفردوس للدیلمی میں اس روایت کا ایک مردود شاہد ہے، جس کی سند میں عبداللہ بن احمد بن عامر اور اس کا باپ دونوں کذاب ہیں۔

(دیکھئے الفتاویٰ الحدیثیہ للسخاوی بحوالہ الضعیفۃ للالبانی ۳/۴۵۳ ح ۱۲۹۰)

حافظ ذہبی نے بھی ابن عامر کے نسخے کو موضوع باطل قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال ۲/۳۹۰ ت ۴۲۰۰)

۲) تہجد کی فضیلت میں سعیدی روایت: سعیدی صاحب نے "تہجد کی فضیلت میں احادیث" کا عنوان مقرر کر کے درج ذیل روایت لکھی ہے:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں فضیلت والے لوگ حاملینِ قرآن ہیں اور تہجد گزار ہیں۔ (المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۲۵، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۲۴۔ ج ۸ ص ۸۰، موسوعۃ ابن ابی الدنیا ج ۱ ص ۲۴۶)"

(نعمۃ الباری ج ۳ ص ۲۶۴)

مذکورہ تمام کتابوں میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" نهشل عن الضحاك بن مزاحم عن ابن عباس ..."

نہشل بن سعید: اب نہشل بن سعید بن وردان البصری کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں پیش خدمت ہیں:

ا: امام ابوداود الطیالسی نے فرمایا: " نهشل كذاب "

۲: امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: " نهشل كذاب "

(کتاب الجرح والتعدیل ۸/ ۴۹۶ ت ۲۲۶۷ وسندہما صحیح)

۳: امام بخاری نے فرمایا: " أحاديثه مناكير ... قال إسحاق :هو كذاب"

(کتاب الضعفاء للبخاری: ۳۹۰)

۴: ابوحاتم الرازی نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

" هذا حديث منكر و نهشل بن سعيد متروك الحديث "

(علل الحدیث ۲/ ۱۲۲۔۱۲۳ ح ۱۸۵۹)

۵: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

" كان ممن يروي عن الثقات ما ليس من أحاديثهم ، لا تحل كتابة حديثه إلا علىٰ جهة التعجب ." وہ ثقہ راویوں سے ایسی حدیثیں بیان کرتا تھا جو اُن کی بیان کردہ احادیث میں سے نہیں ہوتی تھیں، اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں اِلا یہ کہ تعجب کے طور پر لکھا جائے۔ (کتاب المجروحین ۳/ ۵۲، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۹۴)

٦: حافظ ذہبی نے ایک روایت کو موضوع قرار دیا اور فرمایا:

" فرواه عن نهشل وهو هالك عن الضحاك عن ابن عباس رفعه ."

(میزان الاعتدال ۲/ ۱۲۱ ت ۳۱۱۲)

۷: حاکم نیشاپوری نے فرمایا:

" روى عن الضحاك بن مزاحم الموضوعات" اس (نہشل بن سعید) نے ضحاک بن مزاحم سے موضوع روایتیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۲۱۸ ت ۲۰۹)

غلام رسول سعیدی کی پیش کردہ روایت بھی ضحاک بن مزاحم سے ہے۔

۸: دارقطنی نے فرمایا: " لا شيً " وہ کوئی شے نہیں۔ (سوالات البرقانی: ۵۱۷)

۹: حافظ ہیثمی نے فرمایا: " و فيه نهشل وهو كذاب" اور اس روایت میں نہشل

کذاب (جھوٹا) ہے۔ (مجمع الزوائد ۱/ ۲۴۰ باب فیمن نسی مسح رأسہ)

۱۰: سیوطی نے متساہل ہونے کے باوجود فرمایا: "نهشل كذاب"

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۴۴ [الانعام] نیز دیکھئے ذیل اللآلی المصنوعۃ ص ۳، ۱۲، ۲۴)

۱۱: محمد طاہر پٹنی نے کہا: "فيه نهشل كذاب" (تذکرۃ الموضوعات ص ۱۸)

مزید تفصیل کے لئے جرح وتعدیل کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

ایسے کذاب کی موضوع روایت پیش کر کے سعیدی صاحب نے اپنی علمیت کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا ہے۔

۳) حاجی کی فضیلت: سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کیا یا ان کا کوئی قرض ادا کیا، وہ قیامت کے دن نیکی کرنے والوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)'' (نعمۃ الباری ج ۵ ص ۶۰۷)

سعیدی صاحب کی ''کمال احتیاط'' دیکھئے کہ حوالے کے ساتھ ناشر کا نام اور سنِ اشاعت بھی لکھ دیا ہے، لیکن یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ کہیں اس روایت کی سند میں کوئی کذاب یا متروک ومجروح راوی تو نہیں؟!

صلہ بن سلیمان العطار: اس روایت کی سند میں صلہ بن سلیمان العطار راوی ہے۔

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "كان واسطيًا و كان ببغداد و كان كذابًا."

وہ واسطی تھا اور وہ بغداد میں تھا اور وہ کذاب (بڑا جھوٹا) تھا۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۴۹۰۷ واللفظ لہ، الجرح والتعدیل ۴/ ۴۴۷ ت ۱۹۶۶، وسندہ صحیح)

۲: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

"يروي عن الثقات المقلوبات و عن الأثبات ما لا يشبه حديث الثقات"

وہ ثقہ راویوں سے مقلوب روایتیں بیان کرتا تھا اور ثبت راویوں سے ایسی روایتیں بیان کرتا

تھا جو ثقہ راویوں کے مشابہ نہیں ہوتی تھیں۔ (کتاب المجروحین ۱/۳۷۶، دوسرا نسخہ ۱/۴۷۶)

پھر حافظ ابن حبان نے حج والی مذکورہ روایت بطورِ مثال ذکر کی۔

۳: امام دارقطنی نے فرمایا: " يترك حديثه عن ابن جريج و شعبة و يعتبر بحديثه عن أشعث بن عبد الملك الحمراني " ابن جریج اور شعبہ سے اس کی بیان کردہ حدیث متروک قرار دی جائے اور اشعث بن عبدالملک الحمرانی سے اس کی روایت شواہد و متابعات میں دیکھی جائے۔ (کتاب المتروکین للدارقطنی: ۲۹۴ ص ۲۴۹)

یاد رہے کہ سعیدی صاحب کی پیش کردہ روایت ابن جریج سے ہی ہے۔

اشعث سے اس (صلہ بن سلیمان) کی روایت کا کیا حال ہے، وہ امام ابو حاتم الرازی کے درج ذیل بیان سے واضح ہے:

" متروك الحديث ، أحاديثه عن أشعث منكرة. " وہ متروک الحدیث ہے، اشعث سے اس کی روایتیں منکر ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۴/ ۴۴۷ ت ۱۹۶۶)

۴: امام نسائی نے فرمایا: " متروك الحديث " (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۰۴)

۵: محمد بن طاہر المقدسی نے (دوسرے حوالے میں حج والی مذکورہ روایت ذکر کر کے) فرمایا: " وصلة هذا كذاب متروك الحديث "

(ذخیرۃ الحفاظ ۱/ ۲۲۹ ح ۴۸۸، ۴/ ۲۲۶۱ ح ۵۲۵۱ بحوالہ شاملہ)

۶: محمد طاہر پٹنی نے حج والی مذکورہ روایت ذکر کر کے فرمایا: " فيه صلة بن سليمان العطار هو كذاب. " (تذکرۃ الموضوعات مع الموضوعات الکبیر ص ۱۱۷، باب الحاء)

صلۃ بن سلیمان پر مزید جروح کے لئے میزان الاعتدال اور لسان المیزان وغیرہما کا مطالعہ کریں۔

۴) جمعہ کے دن والدین کی قبروں کی زیارت:

سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص ہر جمعہ کے دن اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی

ایک کی قبر کی زیارت کرے اور وہاں سورۂ یٰس پڑھے تو اس شخص کی مغفرت ہو جائے گی۔
(کنز العمال ج ۱۶ ص ۴۶۸، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۰۵ھ)"

(نعمۃ الباری ج ۵ ص ۶۰۷، نیز دیکھئے نعمۃ الباری ۲۶۱/۱)

کنز العمال کے مذکورہ صفحے پر یہ روایت درج ذیل متن کے ساتھ بحوالہ "ابن عدي عن أبي بكر" مذکور ہے: " من زار قبر أبويه أو أحدهما في كل يوم الجمعة فقرأ عنده يٰس غفرله ." (ح ۴۵۴۸۶)

الکامل لابن عدی میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" عمرو بن زياد: ثنا يحيى بن سليم الطائفي عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه ...."

(ج ۵ ص ۱۸۰۱، دوسرا نسخہ ج ۶ ص ۲۶۰)

حافظ ابن عدی کا فیصلہ: یہ روایت بیان کر کے حافظ ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا:
" و هذا الحديث بهذا الإسناد باطل ليس له أصل، و لعمرو بن زياد غير هذا من الحديث منها سرقة يسرقها من الثقات و منها موضوعات و كان هو يتهم بوضعها." اور یہ حدیث اس سند کے ساتھ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں، اور اس کے علاوہ عمرو بن زیاد کی بیان کردہ اور روایتیں بھی ہیں جو اس نے ثقہ راویوں سے چرائی ہیں اور ان میں موضوع روایات بھی ہیں جن کے گھڑنے میں یہی متہم ہے۔ (ج ۵ ص ۱۸۰۱)

یہ عبارت اور شدید جرح چھپا کر صاحبِ کنز نے اپنی کتاب کی حیثیت واضح کر دی۔

تنبیہ: یہ روایت عمرو بن زیاد البقالی الثوبانی کی سند کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے: طبقات المحدثین باصبہان لابی الشیخ (۳۳۲/۳ ح ۵۱۹) اخبار اصبہان لابی نعیم الاصبہانی (۲/ ۳۴۴۔۳۴۵) الموضوعات لابن الجوزی (۳/ ۲۳۹)

عمرو بن زیاد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان البقال الخراسانی الجند یسابوری:

اس روایت کے بنیادی راوی عمرو بن زیاد کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں

درج ذیل ہیں:

۱: حافظ ابن عدی نے فرمایا:

"منكر الحديث، يسرق الحديث و يحدث بالبواطيل"

منکر روایتیں بیان کرتا تھا، حدیثیں چوری کرتا تھا اور باطل روایات بیان کرتا تھا۔

(الکامل لابن عدی ۶/۱۸۰۰، ۶/۲۵۹)

۲: امام دارقطنی نے فرمایا: "عمرو بن زياد الثوباني: يضع الحديث"

(الضعفاء والمتروکون: ۳۹۱ص ۳۰۵)

۳: حافظ ذہبی نے بھی اس راوی کو ایک روایت کا گھڑنے والا قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال ۳/۲۶۱ ت ۶۳۷۱)

نیز فرمایا: "وضاع" (تلخیص کتاب الموضوعات للذہبی ۱/۲۰۶ ح ۹۴۰ بحوالہ شاملہ)

اور فرمایا: "وهو كذاب" (ایضاً ۱/۹۰ ح ۳۳۰، شاملہ)

ابن الجوزی نے فرمایا: "و قد ذكرنا آنفًا أن الثوباني كان كذابًا."

اور ہم نے تھوڑی دیر پہلے بتایا ہے کہ ثوبانی کذاب تھا۔

(الموضوعات لابن الجوزی ۲/۳، دوسرا نسخہ ۲/۲۳۰)

تنبیہ: ایک اور راوی ہے جسے عمرو بن زیاد الباہلی کہتے ہیں، یہ رے (ایک شہر) میں گیا تھا۔

یہ مصری یا بصری شخص ہے اور اسے ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۸/۴۸۸)

جبکہ اسی باہلی کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:

"كان يضع الحديث ... وكان كذاباً (أفاكاً)... " وہ حدیثیں گھڑتا تھا... اور وہ کذاب افاک (بہت بڑا جھوٹا مفتری) تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۳/۲۳۴ ت ۱۲۹۴)

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ الباہلی اور الثوبانی ایک ہی ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۴/۳۶۴، دوسرا نسخہ ۵/۳۰۵)

لیکن انھوں نے کوئی واضح دلیل پیش نہیں کی، لہٰذا ان کا یہ دعویٰ محلِ نظر ہے۔
بشرطِ صحت اگر دونوں کو ایک ہی راوی تسلیم کر لیا جائے تو حافظ ابن عدی، امام ابو حاتم الرازی اور امام دارقطنی وغیرہم (جمہور) کی شدید جروح وتکذیب کے مقابلے میں یہ توثیق مردود ہے۔
یاد رہے کہ اس موضوع روایت میں بعض الفاظ کے موضوع ومردود شواہد بھی ہیں، لیکن علمی میدان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

۵) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت: موضوع روایت کے زور سے:

غلام رسول سعیدی صاحب نے لکھا ہے:
"حضرت فاطمہ علیہا السلام کی فضیلت کے متعلق احادیث
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:
حضرت علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی پردے کی اوٹ سے یہ اعلان کرے گا کہ اے اہل محشر! اپنی نظریں جھکا لو، حتیٰ کہ فاطمہ بنت محمد گزر جائیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (المستدرک: ۴۷۸۱۔ ج ۵، المعجم الکبیر: ۱۸۰۔ ج ۱، المعجم الاوسط: ۲۳۰۷)" (نعمۃ الباری ج ۶ ص ۸۱)

اس روایت کی دو سندیں ہیں:

۱: ایک میں عباس بن ولید بن بکار الضبی ہے۔ (المستدرک: ۴۷۲۸)

۲: دوسری میں عبدالحمید بن بحر ہے۔
(المعجم الکبیر للطبرانی ۱/ ۱۰۸ ح ۱۸۰، الاوسط: ۲۳۰۷، المستدرک: ۴۷۵۷)

حافظ ذہبی کا فیصلہ: جب حاکم نے اس روایت کو "صحیح علیٰ شرط الشیخین" لکھا تو حافظ ذہبی نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:
"لا واللّٰہ! بل موضوع، والعباس قال الدارقطني: كذاب ..."

اللہ کی قسم! یہ ہرگز صحیح نہیں بلکہ موضوع (من گھڑت) ہے اور عباس (بن ولید بن بکار) کے بارے میں دارقطنی نے فرمایا: کذاب ہے۔ (تلخیص المستدرک ۳/۱۵۳ ح ۴۷۲۸)

مستدرک للحاکم کی فنی حیثیت کا بیان: اس عنوان کے تحت خود سعیدی صاحب نے لکھا ہے: ''علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

امام حاکم تصحیح حدیث میں متساہل ہیں، علامہ نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ حاکم کے شاگرد بیہقی ان سے زیادہ تحقیق کرتے ہیں، حافظ ذہبی نے مستدرک کا خلاصہ کیا ہے اور مستدرک کی بہ کثرت احادیث کو ضعیف اور منکر قرار دیا ہے اور ایک رسالہ میں مستدرک کی تقریباً ایک سو موضوع احادیث جمع کی ہیں۔''

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۱)

سعیدی صاحب نے مزید لکھا ہے:

''علامہ سخاوی لکھتے ہیں:

امام حاکم متساہل ہیں اور انھوں نے ضعیف احادیث تو الگ رہیں کئی موضوع احادیث کو بھی صحیح قرار دیا ہے...'' (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۲)

انھی موضوعات میں سے ایک موضوع روایت کو سعیدی صاحب نے فضائل میں بطورِ حجت پیش کر کے اپنے ہی اصول کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔

عباس بن ولید بن بکار الضبی: عباس بن ولید بن بکار کے بارے میں محدثین کرام کی بعض گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: مستدرک والے حاکم نیشاپوری نے فرمایا:

" العباس بن الولید بن بکار الضبي من أهل البصرة ، روی عن خالد بن عبداللّٰه الواسطي حدیثًا منکرًا لم یتابع علیه و حدث عن غیره بالمعضلات."

عباس بن ولید بن بکار الضبی البصری نے خالد بن عبداللہ الواسطی سے ایک منکر روایت

بیان کی، جس میں کسی (ثقہ وصدوق) کی طرف سے اس کی متابعت نہیں کی گئی اور اس نے دوسروں سے معضل (منقطع) روایات بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۸۳ ت ۱۵۱)

حاکم کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ روایت منکر ومردود ہے۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مستدرک کی تصنیف کے وقت وہ تغیرِ حفظ کا شکار ہو کر بہت سے شدید مجروح وکذاب راویوں کے بارے میں بھی جرحیں بھول گئے تھے اور کئی مقامات پر کذاب راویوں کی روایات کو صحیح کہہ دیا تھا، لہٰذا حافظ ذہبی اور جمہور محدثین کی جرح کے مقابلے میں ان کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں۔

۲: دارقطنی نے فرمایا: "کذاب" (الضعفاء والمتروکون: ۴۲۳)

۳: عقیلی نے فرمایا: " الغالب علی حدیثه الوهم والمناکیر "

اس کی احادیث میں منکر اور وہم والی روایات غالب ہیں۔

(الضعفاء ۳/ ۳۶۳ دوسرا نسخہ ۳/ ۱۰۶۷)

۴: حافظ ابن عدی نے فرمایا:

" منکر الحدیث عن الثقات وغیرهم ." (الکامل ۵/ ۱۶۶۵، دوسرا نسخہ ۶/ ۲)

نیز انھوں نے اس کی روایت مذکورہ (در فضیلتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کو منکر قرار دیا۔

(ایضاً ص ۱۶۶۶، دوسرا نسخہ ۶/ ۷)

۵: حافظ ذہبی نے فرمایا: " وکان کذاباً " (تاریخ الاسلام ۱۶/ ۲۱۴ وفیات ۲۲۱۔۲۳۰ھ)

۶: محمد طاہر پٹنی نے ایک روایت کے بارے میں کہا:

" هو من أباطیل العباس بن بکار الکذاب "

وہ عباس بن بکار الکذاب کی باطل روایتوں میں سے ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۵۸)

۷: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

" لا یجوز الاحتجاج به بحال ولا کتابة حدیثه إلا علی سبیل الاعتبار للخواص ." اس سے استدلال کرنا کسی حال میں جائز نہیں اور خواص کے لئے روایات کی

جان پڑتال کے سوا اس کی حدیث لکھنا جائز نہیں۔ (کتاب المجروحین ۲/۱۹۰، دوسرا نسخہ ۲/۱۸۲)

نیز حافظ ابن حبان نے اس جرح کے بعد فضیلت والی مذکورہ روایت ذکر کی۔

اگر کوئی کہے کہ ابن حبان نے عباس بن بکار کو کتاب الثقات میں ذکر کر کے لکھا ہے:

" و كان يغرب ، حديثه عن الثقات لا بأس به ." (۵۱۲/۸)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توثیق تین وجہ سے مردود ہے:

اول: عین ممکن ہے کہ ابن حبان کے نزدیک عباس بن ولید بن بکار اور عباس بن بکار دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہوں، لہٰذا اعتراض کی بنیاد ہی سرے سے ختم ہے۔

ابو حاتم الرازی نے بھی اس قسم کے ایک راوی یا اسی کو "شیخ" قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعدیل ۶/۲۱۷ ت ۱۱۹۱)

اور شیخ کا لفظ نہ جرح ہے اور نہ تعدیل، لہٰذا جمہور کی جروح شدیدہ کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

دوم: ابن حبان کی توثیق ان کی جرح سے متصادم و متعارض ہو کر ساقط ہے۔

سوم: یہ توثیق جمہور کی جرح کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۸: ابو نعیم الاصبہانی نے فرمایا: " يروي المناكير ، لا شئ "

(کتاب الضعفاء ص ۱۲۳ ت ۱۷۹)

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عباس بن ولید بن بکار کذاب راوی ہے۔

عبدالحمید بن بحر البصری: اس روایت کی دوسری سند کے راوی عبدالحمید بن بحر کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں درج ہیں:

۱: حافظ ابن عدی نے فرمایا: " و لعبد الحميد هذا غير حديث منكر رواه و سرقه من قوم ثقات ." اس عبدالحمید کی بیان کردہ کئی حدیثیں منکر ہیں، جنھیں اس نے ثقہ راویوں سے چرایا ہے۔ (الکامل لابن عدی ۵/۱۹۵۹، دوسرا نسخہ ۷/۱۱)

۲: حافظ ابن حبان نے فرمایا: " كان يسرق الحديث فيرويه ، لا يحل

الاحتجاج به بحال." وہ حدیث چوری کر کے روایت کر دیتا تھا، اس سے کسی حال میں استدلال کرنا حلال نہیں۔ (کتاب المجروحین ۲/۱۴۲، دوسرا نسخہ ۲/۱۲۵)

ان دونوں گواہیوں سے معلوم ہوا کہ یہ راوی چور تھا۔

۳: حاکم نے فرمایا: اس نے مالک اور شریک بن عبداللہ سے مقلوب (اُلٹ پلٹ) روایات بیان کی ہیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۷۳ ت ۱۳۲)

۴: حافظ ذہبی نے فرمایا: "عبد الحميد كان يسرق الحديث"

(تلخیص کتاب الموضوعات للذہبی ۱/۶۱ ح ۲۵۶ شاملہ)

دیگر اسانید: اس روایت کی تائید میں کچھ اور سندیں بھی ہیں لیکن ساری موضوع و مردود ہیں۔

ایک میں عمرو بن زیاد الثوبانی کذاب ہے، دوسری میں محمد بن یونس الکدیمی کذاب ہے اور دیگر مجروح راوی بھی موجود ہیں۔

ان تمام شواہد کے ساتھ یہ روایت موضوع ہی ہے۔

۶) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے کی نماز جنازہ:

سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس پر نماز پڑھیں، آپ نے اس پر نماز نہیں پڑھی، آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ نے اس سے پہلے کسی کی نماز جنازہ ترک کی ہو؟ آپ نے فرمایا: یہ عثمان سے بغض رکھتا تھا، اس لیے اللہ نے اس سے بغض رکھا۔ (سنن ترمذی: ۳۷۰۹)" (نعمۃ الباری ج ۶ ص ۸۷۷)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" عثمان بن زفر: حدثنا محمد بن زياد عن محمد بن عجلان عن أبي الزبير عن جابر ..."

امام ترمذی کا فیصلہ: یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام ترمذی نے فرمایا:
" **هذا حديث غريب ، لا نعرفه إلا من هذا الوجه و محمد بن زياد هذا هو صاحب ميمون بن مهران ضعيف في الحديث جدًا .**" یہ غریب روایت ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے ہی جانتے ہیں اور یہ محمد بن زیاد میمون بن مہران کا شاگرد ہے، حدیث میں سخت ضعیف ہے۔ (سنن ترمذی:۳۷۰۹)

محمد بن زیاد الیشکری الطحان الاعور الکوفی المیمونی:

محمد بن زیاد الاعور مذکور کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: امام احمد بن حنبل نے فرمایا:" **كذاب خبيث أعور، يضع الحديث .**"
کذاب خبیث کانا، وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (العلل ومعرفۃ الرجال ۲۹۸/۳ فقرہ:۵۳۲۲)
اورفرمایا:" **كان أعور كذابًا، يضع الأحاديث**"
(الجرح والتعدیل ۲۵۸/۷ ت ۱۴۱۲، وسندہ صحیح)

۲: عمرو بن علی الفلاس الصیرفی نے فرمایا:" **كان كذابًا، متروك الحديث**"
(ایضاً ص ۲۵۸ وسندہ صحیح)

نیز فرمایا:" **متروك الحديث كذاب، منكر الحديث، سمعته يقول: حدثنا ميمون بن مهران عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ :زينوا مجالس نسائكم بالغزل .**" متروک الحدیث کذاب منکر الحدیث ہے، میں نے اسے میمون بن مہران عن ابن عباس کی سند سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی عورتوں کی مجلسوں کو عاشقانہ غزلوں کے ساتھ مزین کرو۔ (تاریخ بغداد ۲۸۰/۵ وسندہ صحیح)

۳: ابوزرعہ الرازی نے فرمایا:" **كان يكذب** "وہ جھوٹ بولتا تھا۔
(کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ج ۲ ص ۴۴۷)

۴: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:" **وكان كذابًا خبيثًا .**"
(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۴۹۴۸)

اور فرمایا:" ليس بشيءٍ ، كذاب." وہ کوئی چیز نہیں، کذاب ہے۔ الخ

(سوالات ابن الجنید:۴۸۴)

اور فرمایا:" كان ببغداد قوم يضعون الحديث منهم محمد بن زياد كان يضع الحديث" بغداد میں کچھ لوگ حدیثیں گھڑتے تھے، ان میں سے محمد بن زیاد بھی ہے جو حدیث گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۵/ ۲۷۹ ت ۲۷۷۸ وسندہ حسن)

۵: دارقطنی نے فرمایا:" يكذب" وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (الضعفاء والمتروکون:۴۶۶)

۶: ابن حبان نے فرمایا:" كان ممن يضع الحديث على الثقات ..."

وہ حدیثیں گھڑ کر ثقہ راویوں سے منسوب کر دیتا تھا۔ (کتاب المجروحین ۲۵۰/۲ دوسرا نسخہ ۲/ ۲۵۹)

۷: حاکم نیشاپوری نے فرمایا:" محمد بن زياد الجزري اليشكري الحنفي يروي عن ميمون بن مهران وغيره الموضوعات." وہ میمون بن مہران وغیرہ سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۹۴ ت ۱۷۰)

۸: ابونعیم الاصبہانی نے فرمایا:" يروي عن ميمون بن مهران وغيره الموضوعات." (کتاب الضعفاء:۲۰۹)

۹: ابن شاہین نے فرمایا:" كان كذاباً خبيثاً "

(تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین لابن شاہین:۵۶۴)

۱۰: امام بخاری نے اسے" متروك الحديث" کہا اور ثقہ ثبت محدث عمرو بن زرارہ بن واقد الکلابی النیسابوری رحمہ اللہ سے نقل کیا:" كان محمد بن زياد يتهم بوضع الحديث." (کتاب الضعفاء للبخاری تحقیقی:۳۲۷)

امام نسائی نے بھی اسے" متروك الحديث" کہا۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی:۵۴۷)

ابوحاتم الرازی نے بھی اسے" متروك الحديث" کہا۔ (الجرح والتعدیل ۷/ ۲۵۸)

ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے فرمایا:" كان كذاباً" إلخ (احوال الرجال للجوزجانی:۳۶۳)

حافظ ذہبی نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا:" ذا من وضع الطحان."

یہ طحان کی گھڑی ہوئی روایتوں میں سے ہے۔ (تلخیص المستدرک ۴/۴۴۱ ح ۸۲۶۴)

ایسے کذاب راوی سے روایت بیان کر کے غلام رسول سعیدی صاحب نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کی کتابوں میں جھوٹی اور من گھڑت روایات سے بھی استدلال کیا گیا ہے اور ان کتابوں کا حجم بہت سی جھوٹی روایات اور اکاذیب، افتراءات و مغالطات وغیرہ سے بھر دیا گیا ہے، لہٰذا ان کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں اور عوام کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ ہرگز جائز نہیں۔

۷) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھانا:

سعیدی صاحب نے اس مفہوم کا عنوان باندھ کر حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) کے حوالے سے لکھا ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا، آپ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس پر چار تکبیریں پڑھیں اور انہوں نے بتایا کہ فرشتوں نے حضرت آدم پر چار تکبیریں پڑھی تھیں اور حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ پر چار تکبیریں پڑھیں اور حضرت عمر نے حضرت ابوبکر پر چار تکبیریں پڑھیں اور حضرت صہیب نے حضرت عمر پر چار تکبیریں پڑھیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۹۶، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۹ھ)'' (نعمۃ الباری ج ۷ ص ۶۱۷)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

'' محمد بن زیاد عن میمون بن مهران عن ابن عباس ....'' (حلیۃ الاولیاء ۴/۹۶)

محمد بن زیاد الطحان الیشکری الحنفی المیمونی راوی بہت بڑا کذاب ہے، جیسا کہ سابقہ فقرے میں محمد بن زیاد الخ کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے، لہٰذا یہ روایت بھی موضوع ہے۔

۸) پندرہ شعبان کی فضیلت اور سنن ابن ماجہ کی ایک موضوع روایت:

سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف

شعبان کی رات ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ سبحانہٗ اس رات غروبِ شمس سے آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، پس فرماتا ہے: سنو! کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو بخش دوں، سنو! کوئی رزق طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو رزق دوں، سنو! کوئی مصیبت زدہ ہے تو وہ اس کو عافیت میں رکھوں، سنو! کوئی (وہ یونہی فرماتا رہتا ہے) حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۳۸۸، شعب الایمان رقم الحدیث ۳۸۲۶، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۵، جامع المسانید والسنن مسند علی رقم الحدیث: ۴۰۷، اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں معتبر ہے)'' (تبیان القرآن ۱۰/ ۷۴۵)

یہ روایت جمع الجوامع میں بغیر کسی سند کے اور بحوالہ ابن ماجہ و شعب الایمان للبیہقی مذکور ہے، جبکہ جامع المسانید لابن کثیر میں بحوالہ ابن ماجہ مذکور ہے۔

سنن ابن ماجہ اور شعب الایمان میں اس کی سند درج ذیل ہے:

" ابن أبي سبرة عن إبراهيم بن محمد عن معاوية بن عبد الله بن جعفر عن أبيه عن علي بن أبي طالب قال قال رسول الله ﷺ "

ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ المدنی القرشی العامری:

ابن ابی سبرہ کے بارے میں محدثین کرام کی بعض گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: امام احمد بن حنبل نے فرمایا: " كان يضع الحديث " وہ حدیثیں بناتا تھا۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۱/ ۵۱۰ فقرہ: ۱۱۹۳، کتاب الجرح والتعدیل ۷/ ۳۰۶ ت ۱۶۶۱، وسندہ صحیح، مسائل صالح بن احمد بن حنبل ۲/ ۷۰ ۳ رقم: ۱۰۲۹، دوسرا نسخہ: ۸۰۶)

۲: حافظ ابن عدی نے فرمایا: " وهو في جملة من يضع الحديث " اور یہ ان لوگوں میں شامل ہے جو حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ (الکامل ۷/ ۲۷۵۲، دوسرا نسخہ ۹/ ۲۰۲)

۳: حافظ ابن حبان نے فرمایا: " كان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات ، لا تحل كتابة حديثه ولا الاحتجاج به . " وہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان

کرنے والوں میں سے تھا، اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں اور نہ اس سے استدلال جائز ہے۔ (کتاب المجروحین ۳/ ۱۴۷، دوسرا نسخہ ۲/ ۵۰۱)

۴: امام بخاری نے فرمایا: " منکر الحدیث"

(الکامل لابن عدی ۷/ ۲۷۵۱، دوسرا نسخہ ۹/ ۱۹۸، وسندہ صحیح)

امام بخاری نے فرمایا: جنھیں منکر الحدیث کہا جائے تو میں ان سے روایت بیان کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ (التاریخ الاوسط ۲/ ۱۰۷)

نیز دیکھئے میزان الاعتدال (۱/ ۶ ت ۳) اور لسان المیزان (۳/ ۸۳)

۵: عبدالکریم بن محمد بن منصور السمعانی نے فرمایا: " وكان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات ، لا يحل كتبة حديثه ولا الاحتجاج به بحال."

(الانساب ۳/ ۲۱۴، السبری)

۶: حاکم نیشاپوری نے فرمایا: " يروي الأحاديث الموضوعات عن الشيوخ الأثبات..." (سوالات مسعود بن علی السجزی: ۱۵۳)

۷: ابن الاثیر الجزری نے فرمایا:

" و كان ممن يروي الموضوعات عن الثقات ..."

(اللباب فی تہذیب الأنساب ۱/ ۴۲۷، السبری)

۸: نورالدین الہیثمی نے فرمایا: " و فيه أبو بكر بن أبي سبرة وهو كذاب "

(مجمع الزوائد ۶/ ۲۶۸)

اور فرمایا: " و فيه أبو بكر بن أبي سبرة وهو وضاع." (مجمع الزوائد ۴/ ۹)

۹: ابن الملقن نے ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے:

" وهذا إسناده واهٍ، أبو بكر بن أبي سبرة وضاع، كما قاله أحمد وغيره."

(البدر المنیر ۷/ ۱۶۰)

امام نسائی نے فرمایا: " متروك الحديث" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۶۶۶)

ثابت ہوا کہ یہ روایت ابوبکر بن ابی سبرہ کذاب ومتروک کی وجہ سے موضوع ہے، لہٰذا اسے ''بہت ضعیف'' یا ''صرف ضعیف'' قرار دینا غلط ہے۔

تنبیہ: جس راوی کو محدثین کرام نے کذاب، وضاع اور متروک قرار دیا ہو اور جمہور محدثین نے جرح کی ہو، اگر بعض نے اسے ضعیف لکھ دیا ہو تو ایسا راوی کذابین کے گروہ سے خارج نہیں ہو جاتا بلکہ ضعیف کذاب ہی رہتا ہے۔

ہر کذاب ضعیف بھی ہوتا ہے لیکن ہر ضعیف کا کذاب ہونا ضروری نہیں، لہٰذا ان دونوں گواہیوں میں کوئی تعارض نہیں۔

۹) نبی کریم ﷺ کی والدہ کو قبر میں زندہ کرنے والی روایت:

سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''پھر امام ابن شاہین نے ان دونوں حدیثوں کی ناسخ حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

حدثنا محمد بن الحسن بن زیاد نا احمد بن یحییٰ نا ابو عروہ محمد بن یحییٰ الزھری نا عبد الوہاب بن موسیٰ الزہری از عبد الرحمٰن بن ابی الزناد از ھشام بن عروہ ان عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی ﷺ مقام حجون پر افسردہ اور غمزدہ اترے، جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے، میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مقام حجون پر غمزدہ اترے تھے پھر جب تک اللہ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لے آئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔ (الناسخ والمنسوخ ص ۲۸۵۔ ۲۸۴، رقم الحدیث: ۶۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)''

(تبیان القرآن ج ۸ ص ۴۹۹۔۵۰۰)

ابوبکر محمد بن الحسن بن زیاد النقاش المفسر الموصلی البغدادی:

اس روایت کے پہلے راوی محمد بن الحسن بن زیاد کے بارے میں محدثین کرام کی

گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: حافظ ذہبی نے فرمایا:" فإنه كذاب " (میزان الاعتدال ۵۱۶/۳ ت ۷۳۹۰)

ابوعمرو الدانی نے نقاش مذکور کی تعریف کی تو ذہبی نے فرمایا:" ولم يخبره " اور انھیں اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ (میزان الاعتدال ۵۲۰/۳ ت ۷۴۰۴)

ظاہر ہے کہ بے خبری اور بے علمی کی بات حجت نہیں ہوتی، چہ جائیکہ جمہور کی جرح کے مقابلے میں اسے کھڑا کر دیا جائے۔

۲: خطیب بغدادی نے فرمایا:" و في أحاديثه مناكير بأسانيد مشهورة " اور اس کی بیان کردہ روایتوں میں مشہور سندوں کے ساتھ منکر حدیثیں ہیں۔

(تاریخ بغداد ۲۰۲/۲ ت ۶۳۵)

خطیب نے دو روایتیں ذکر کر کے فرمایا:

" و أقل مما شرح في هذين الحديثين تسقط به عدالة المحدث و يترك الاحتجاج به . " ان دو روایتوں سے کم از کم یہ واضح ہے کہ راویٔ حدیث کی عدالت ساقط ہے اور اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔ (تاریخ بغداد ۲۰۴/۲۔۲۰۵ مفہوماً)

۳: ابوبکر البرقانی نے فرمایا:" كل حديثه منكر " اس کی (بیان کردہ) ہر حدیث منکر ہے۔ (تاریخ بغداد ۲۰۵/۲)

بریلویہ و دیوبندیہ کے معتمد علیہ محمد زاہد الکوثری نے لکھا ہے:

" أقول: النقاش صاحب شفاء الصدور كذاب زائغ من أسقط خلق الله .."

میں کہتا ہوں: شفاء الصدور (کتاب) والا نقاش کذاب گمراہ ہے، وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے گرا ہوا ہے۔ (تأنیب الخطیب ص ۷۲)

صاحب کنز العمال نے بھی ابن زیاد النقاش کو متہم قرار دیا ہے۔ (۳۱۳/۱۰ ح ۲۹۵۶۴)

محمد طاہر پٹنی نے لکھا ہے:" منكر الحديث يكذب " (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸۹)

تنبیہ: طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد نام کا ایک معتزلی مجروح تھا جس نے مسند ابی حنیفہ کے

نام سے بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ خوارزمی حنفی نے اس کے بارے میں غلو کرتے ہوئے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے جامع المسانید ۲/ ۴۸۷)

اس طلحہ بن محمد نے ابن زیاد النقاش کے بارے میں کہا:

"كان يكذب في الحديث و الغالب عليه القصص."

وہ حدیث میں جھوٹ بولتا تھا اور عام طور پر قصے بیان کرتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۲/ ۲۰۵)

اس روایت کی سند طلحہ بن محمد تک صحیح ہے۔

اگر کوئی کہے کہ علی بن ایوب الکعبی نے ابن زیاد النقاش کی متابعت کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کعبی مذکور غیر معروف ہے۔ (دیکھئے لسان المیزان ۴/ ۱۹۲، دوسرا نسخہ ۴/ ۷۱۳)

بلکہ یہ بھی علی بن احمد الکعبی ہے جو مصری متہم ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۴/ ۱۹۲، دوسرا نسخہ ۴/ ۷۱۴)

صاحبِ لسان نے امام دارقطنی سے اس کی اس روایت کے بارے میں نقل کیا۔

یہ سند اور متن کی رُو سے باطل ہے الخ۔ (لسان المیزان ۴/ ۱۹۳، دوسرا نسخہ ۴/ ۷۱۴)

اب اس سند کے دوسرے راوی کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

احمد بن یحییٰ الحضرمی: اس کے ساتھ یہ منسوب ہے کہ اس نے مکہ میں حدیث بیان کی۔ ہمیں کسی کتاب میں اس راوی کی کوئی توثیق نہیں ملی اور نہ غلام رسول سعیدی صاحب کوئی توثیق پیش کر سکے ہیں، تاہم انھوں نے حافظ ابن حجر کے کلام سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ احمد بن یحییٰ بن زکیر المصری ہے۔ (تبیان القرآن ۸/ ۵۰۲)

عرض ہے کہ اس دعوے کی کوئی دلیل موجود نہیں، نیز یہ ابن زکیر بھی سخت مجروح ہے۔

امام دارقطنی نے فرمایا: "ليس بشيءٍ في الحديث " وہ حدیث میں کوئی چیز نہیں۔

(المؤتلف والمختلف ۲/ ۱۱۰۵، لسان المیزان ۱/ ۳۲۳ دوسرا نسخہ ۱/ ۴۹۰)

اسے کہتے ہیں کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔

ہم تو کہہ رہے تھے کہ یہ راوی مجہول ہے، جبکہ سعیدی صاحب نے اسے مجروح ثابت

کر دیا۔

اس سند کے تیسرے راوی کا تذکرہ درج ذیل ہے:

ابوغزیہ محمد بن یحییٰ الزہری المدنی:

اس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا:" یضع" وہ (روایات) گھڑتا تھا۔

(الضعفاء والمتروکون:۴۸۱)

معلوم ہوتا ہے کہ سعیدی صاحب نے چُن چن کر وضاعین کی روایات اکٹھی کر رکھی ہیں اور وہ اس طریقے سے اپنی کتابوں کا حجم بڑھانا چاہتے ہیں۔

اس روایت کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں:

اب خاص اس روایت کے بارے میں محدثین کرام کی چند گواہیاں پیشِ خدمت ہیں:

۱: ابوالفضل ابن ناصر نے فرمایا:

" هذا حديث موضوع، و أمّ رسول الله ﷺ ماتت بالأبواء بين مكة و المدينة و دفنت هناك وليست بالحجون ."

یہ روایت موضوع ہے، رسول اللہ ﷺ کی والدہ مکے اور مدینے کے درمیان ابواء کے مقام پر فوت ہوئیں اور وہیں ان کی قبر بنی، انھیں حجون (مکے) میں دفن نہیں کیا گیا۔

(الموضوعات لابن الجوزی ۱/۲۸۴ دوسرا نسخہ ۲/۱۳)

امام ابوالفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علی بن عمر السلامی البغدادی رحمہ اللہ (م ۵۵۰ھ) بڑے ثقہ امام تھے۔ انھیں ابن الجوزی، ابوسعد السمعانی اور ابن النجار وغیرہم نے ثقہ قرار دیا۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۲۰/ ۲۶۷۔۲۶۹)

حافظ ذہبی نے انھیں " ثقة ثبت إمام" کہا۔ (تاریخ الاسلام ۳۷/ ۴۱۰)

امام محمد بن ناصر نے اپنے دعویٰ پر یہ تاریخی دلیل بھی پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ابواء (مدینے کے قریب ایک مقام) میں فوت ہوئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

(دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی، السیرۃ النبویہ ص ۵۰)

سعیدی صاحب اپنی لکھی ہوئی ضخیم جلدوں کے باوجود یہ ثابت نہ کر سکے کہ وہ ابواء میں نہیں بلکہ مکے میں فوت ہوئی تھیں اور حجون (مکہ) میں ہی ان کی قبر بنی۔

۲: حافظ ابن الجوزی نے فرمایا: " هذا حديث موضوع بلا شك" إلخ
بے شک یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے۔

(کتاب الموضوعات ۱/۲۸۴، دوسرا نسخہ ۲/۱۲)

۳: حافظ ذہبی نے خاص اس روایت کے بارے میں فرمایا:
" فإن هذا الحديث كذب..." بے شک یہ روایت جھوٹ ہے۔

(میزان الاعتدال ۲/۶۸۴ ت ۵۳۲۶)

۴: امام دارقطنی نے بھی اسے منکر باطل قرار دیا۔ (لسان المیزان ۴/۹۱)

۵: حسین بن ابراہیم جورقانی نے کہا: " هذا حديث باطل"

(الاباطیل والمناکیر ۱/۲۲۴ ح ۲۰۷)

ملا علی قاری حنفی نے کہا: یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ ابن دحیہ نے کہا اور میں نے اس مسئلے پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ (الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ص ۱۰۸ رقم ۱۶)

ہمارے علم کے مطابق ابن شاہین (الناسخ والمنسوخ ح ۶۵۶، دوسرا نسخہ: ۶۴۶) کی اس روایت کو کسی قابلِ اعتماد محدث نے صحیح یا حسن نہیں کہا، اور کبار محدثین کے مقابلے میں سیوطی وغیرہ متساہلین کی آراء کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس موضوع روایت کے شواہد بھی موضوع ومردود ہیں۔

تنبیہ: مشہور صحیح حدیث "ارم فداك أبي وأمي" کی رو سے نبی کریم ﷺ کے والدین کے بارے میں سکوت کرنا ہی بہتر ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس نازک مسئلے پر سعیدی وسیوطی وغیرہما موضوع وبے اصل روایات بیان کرنا شروع کر دیں یا صحیح احادیث کا انکار کر دیں۔

۱۰) جمعہ کے دن مرنے والے پر شہداء کی مہر:

غلام رسول سعیدی نے لکھا ہے:

''اور امام ابونعیم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کی رات کو یا جمعہ کے دن فوت ہوا اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس پر شہداء کی مہر لگی ہوئی ہوگی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۵۵) اس کی سند میں عمر بن موسیٰ ضعیف راوی ہے۔'' (تبیان القرآن ج ۶ ص ۱۸۶)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

'' عمر بن موسى بن الوجيه عن محمد بن المنكدر عن جابر قال قال رسول الله ﷺ .''

عرض ہے کہ عمر بن موسیٰ الوجیہی صرف ضعیف نہیں بلکہ کذاب اور وضاع بھی ہے، جیسا کہ درج ذیل محدثین کرام کی گواہیوں سے ثابت ہے:

عمر بن موسیٰ بن وجیہ الوجیہی المیثمی الحمصی:

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: **'' كذاب ليس بشئ''**

وہ کذاب ہے، کوئی چیز نہیں۔ (سوالات ابن الجنید: ۵۳۵)

۲: ابوحاتم الرازی نے فرمایا: **'' متروك الحديث، ذاهب الحديث ، كان يضع الحديث ''** (کتاب الجرح والتعدیل ۶/۱۳۳ ت ۷۲۷)

۳: اسماعیل بن عیاش نے عمر بن موسیٰ الوجیہی سے کہا: تو نے خالد بن معدان سے کس سن میں سنا تھا؟ اس نے کہا: ۱۰۸ھ میں۔ اسماعیل بن عیاش نے فرمایا: تو نے اُن کی وفات کے چار سال بعد سنا ہے!!

پھر پوچھا: تو نے اُن سے کہاں سے سنا تھا؟ اس نے کہا: ارمینیہ اور آذربائیجان میں۔ انھوں نے فرمایا: وہ (خالد بن معدان رحمہ اللہ) کبھی ارمینیہ اور آذربائیجان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/۱۳۳، وسندہ حسن)

۴: حافظ ابن عدی نے فرمایا:" وهو بيّن الأمر في الضعفاء وهو في عداد من يضع الحديث متناً و إسناداً ." اور ضعیف راویوں میں اس کا معاملہ واضح ہے، وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو سند اور متن کے لحاظ سے حدیثیں گھڑتے تھے۔

(الکامل ۵/۳/۱۶۷۳، دوسرا نسخہ ۶/۲۳)

امام ابن عدی کے اس قول سے ثابت ہوا کہ ضعیف راوی کذاب بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا ضعیف اور کذاب کہنے میں کوئی تعارض و تناقض نہیں۔

۵: حافظ ذہبی نے فرمایا:" وضاع "وہ احادیث گھڑنے والا ہے۔

(تلخیص المستدرک ۳/۱۲۳ ح ۴۶۲۶)

۶: ہیثمی نے فرمایا:" وهو كذاب " (مجمع الزوائد ۸/۴۹)

اور فرمایا:" وهو وضاع" (مجموع الزوائد ۵/۱۳۵)

۷: حافظ ابن حبان نے فرمایا:" كان ممن يروي المناكير عن المشاهير فلما كثر [في] روايته عن الثقات مالا يشبه حديث الأثبات ، خرج عن حد العدالة فاستحق الترك ." وہ مشہور راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتا تھا، پھر جب اس کی روایتوں میں ثقہ راویوں سے ایسی روایتوں کی کثرت ہو گئی جو ثقہ راویوں کی روایات کے مشابہ نہیں تو وہ حدِ عدالت سے نکل گیا پھر متروک قرار دیئے جانے کا مستحق ٹھہرا۔

(کتاب المجروحین ۲/۸۶، دوسرا نسخہ ۲/۵۸)

۸: امام بخاری نے فرمایا:" منكر الحديث"

(التاریخ الکبیر ۶/۱۹۷، الکامل لابن عدی ۵/۱۶۷۰، دوسرا نسخہ ۶/۱۳، وسندہ صحیح)

۹: سیوطی نے بھی سخت متساہل اور حاطب اللیل ہونے کے باوجود لکھا:

" يضع" وہ (حدیثیں) گھڑتا تھا۔ (اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ۲/۴۱۲)

ثابت ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے۔

قارئین کرام آپ نے دیکھ لیا کہ سعیدی صاحب نے تفسیر قرآن اور شرح صحیح بخاری

کے نام سے موٹی موٹی کتابیں لکھ کر کذاب راویوں کی موضوع روایات سے استدلال کیا ہے اور بعض جگہ موضوع روایتوں کو صرف ضعیف کہہ کر "فضائل اعمال میں انھیں معتبر" قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

سعیدی صاحب کی بیان کردہ موضوع روایات اور بھی بہت ہیں۔ مثلاً دیکھئے:

۱: **غلام رسول سعیدی، حیلہ اسقاط اور ایک موضوع روایت**

(طبع ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو: ۱۰۳ص ۴۲-۴۵)

۲: **غلام رسول سعیدی: ایک موضوع روایت اور قربانی کا وجوب؟**

سعیدی صاحب نے بہت سی بے اصل و بے سند روایات بھی لکھ رکھی ہیں۔ مثلاً:

۱: سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا کسی وعدے پر اس جگہ ایک سال انتظار کرنا۔

(تبیان القرآن ۷/ ۲۹۰ بحوالہ تفسیر کبیر للرازی ۷/ ۵۴۹)

۲: موطأ امام مالک کی بے سند و بے اصل روایت کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ضرور بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میں کسی عمل کو سنت بنا دوں۔"

(نعمۃ الباری ۲/ ۳۰۱)

اگر سعیدی صاحب یا آلِ بریلی کو اس روایت کی کوئی سند مل گئی ہے تو پیش کریں، ورنہ موطا کا نام لے کر رعب جمانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب کی مذکورہ تین کتابوں (تبیان القرآن، نعمۃ الباری یا نعم الباری اور شرح صحیح مسلم) میں اور بھی بہت سی موضوع، من گھڑت، باطل، مردود اور ضعیف روایات، نیز مردود و باطل آثار اور ائمہ کی طرف منسوب اقوال ہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ان کی تحریرات و تحقیقات پر اعتماد صحیح نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سعیدی صاحب کو اس جرم عظیم سے توبہ کرنے کی استطاعت دے اور ہم سب کو ہمیشہ سچ لکھنے، سچ بیان کرنے سچ پڑھنے، سچ سننے اور سچ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

غلام رسول سعیدی صاحب کا امام ابو حنیفہ سے اختلاف:

سعیدی صاحب نے کئی اہم مسائل میں اپنے مزعوم امام سے اختلاف کر رکھا ہے۔ مثلاً:

۱: سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''امامِ اعظم نے احادیث کو قبول کرنے لیے بڑی کڑی شرطیں عائد کی ہیں اور اس سلسلہ میں جو اصول اور قواعد مقرر فرمائے ہیں، وہ آپ کی دور رس نگاہ اور تفقہ پرمبنی ہیں۔''

(تذکرۃ المحدثین ص۸۲)

عرض ہے کہ سعیدی صاحب نے ان مزعومہ کڑی شرطوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اور امام ابو حنیفہ کے مزعومہ اصول وقواعد کا جنازہ نکالتے ہوئے اپنی تصنیفات میں کذاب، متروک اور مجروح راویوں کی موضوع ومردود روایات سے بے تحاشا استدلال کیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ روایتِ حدیث میں احتیاط سے ہزاروں لاکھوں میل دُور ہیں۔

۲: امام ابو حنیفہ کا مشہور قول ہے کہ ''مارأیت أحدًا أکذب من جابر الجعفي.''
میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا۔ (العلل الصغیر للترمذی ص ۳ب وسندہ حسن)

یہ قول اسماء الرجال کی بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً:

تاریخ ابن معین (روایۃ الدوری :۱۳۹۸) الکامل لابن عدی (۲/ ۵۲۷، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۲۷) کتاب الضعفاء للعقیلی (۱/ ۱۹۶ ت ۲۴۰) کتاب المجروحین لابن حبان (۱/ ۲۰۹ دوسرا نسخہ ۱/ ۲۴۶) میزان الاعتدال (۱/ ۳۸۰ ت ۱۴۲۵) تہذیب الکمال (۱/ ۴۳۱) تہذیب التہذیب (۲/ ۴۸، دوسرا نسخہ ۲/ ۴۲) وغیرذلک۔

حنفیوں نے بھی جابر جعفی پر امام صاحب کی یہ جرح نقل کر رکھی ہے۔ مثلاً دیکھئے مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار للعینی (۱/ ۱۳۶)

حنفیوں کو دُور چھوڑیئے! بریلویہ کے ''امام'' احمد رضا خان نے بھی امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ ''اور جابر جعفی سے زیادہ جُھوٹا کوئی نہیں دیکھا'' (فتاویٰ رضویہ ۵/ ۶۰۸)

جابر جعفی کی اگرچہ بعض محدثین نے توثیق بھی کی ہے لیکن جمہور محدثین اس پر شدید جرح کی ہے، مثلاً امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''و کان جابر الجعفی کذابا'' اور جابر جعفی کذاب تھا۔ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۳۹۷)

حافظ ابن حجر اور حافظ عراقی نے فرمایا کہ جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(طبقات المدلسین ۱۳۳/ ۵، تخریج احیاء العلوم ۴/ ۲۸۵)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کذاب راوی جابر الجعفی کی روایت سے سعیدی صاحب نے استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے شرح صحیح مسلم ج۱ ص ۱۱۱۵، طبع خامس ۱۹۹۵ء)

جس شخص کو اپنے مزعوم امام کی گواہی پر ہی اعتماد نہ ہو، وہ کس منہ سے اپنے آپ کو حنفی باور کرانے کی کوشش کرتا ہے؟!

ہم نے آلِ تقلید کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، اگر کوئی راوی ان کی من پسندیدہ روایت کی سند میں ہو تو اس کی توثیق ثابت کرنے میں جُت جاتے ہیں اور زمین و آسمان کے قلابے ملانے میں مگن ہو جاتے ہیں، لیکن اگر یہی راوی ان کی مرضی کے خلاف کسی روایت میں ہو تو اسی پر قسما قسم کی جرحیں شروع کر دیتے ہیں۔ کیا موت کا وقت قریب نہیں ہے؟!

(۱۴/ اپریل ۲۰۱۳ء)

غلام رسول سعیدی، حیلہ اسقاط اور ایک موضوع روایت

غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے:

''نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

حافظ سیوطی نے جامع صغیر میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ اگر صدقہ سو ہاتھوں سے منتقل ہوتا ہوا کسی شخص کو ملے تو ہر شخص کو اتنا ثواب ہوگا جتنا پہلے شخص کو ثواب ملے گا اور کسی کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ (فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۵ ص ۳۳۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ)

علامہ مناوی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو خطیب بغدادی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، اس کی سند میں بشیر بلخی ضعیف راوی ہے۔

اس اصل پر فقہاء نے حیلہ اسقاط کو جائز کہا ہے۔'' (تبیان القرآن ج ۱ ص ۷۴۴ طبع ۲۰۰۵ء)

یہ روایت تاریخ بغداد میں بشیر بن زیاد البلخی: حدثنا عبداللہ بن سعید المقبری عن ابیہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے موجود ہے اور اس کا عربی متن درج ذیل ہے:

''لو مرت الصدقة علی یدي مائة لکان لهم من الأجر مثل أجر المبتدئ من غیر أن ینقص من أجره شیئاً'' (۷/۱۳۱ ت ۳۵۶۸)

اس کے راوی عبداللہ بن سعید بن ابی سعید المقبری کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جلست إلی عبدالله بن سعید بن أبي سعید المقبري و کنیته أبو عباد و استبان لي کذبه في مجلس'' میں ابو عباد عبداللہ بن سعید بن ابی سعید المقبری کے پاس بیٹھا اور ایک ہی مجلس میں میرے سامنے اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ (الکامل لابن عدی ۴/۱۴۸۰، دوسرا نسخہ ۵/۲۶۹ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے التاریخ الاوسط للبخاری ۲/۵۱۲۔۵۱۳ ت ۷۶۸)

۲: ابو حفص عمرو بن علی الفلاس الصیرفی نے فرمایا:

"منكر الحديث، متروك الحديث" (کتاب الجرح والتعدیل ۵/۷۱ وسندہ صحیح)

۳: نسائی نے فرمایا: "متروك الحديث" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۴۳)

۴: دارقطنی نے فرمایا: "متروك" (الضعفاء والمتروکون: ۳۱۰)

۵: محمد بن طاہر المقدسی نے کہا: "وعبدالله لا شئ في الحديث"

اور عبداللہ (بن سعید المقبری) حدیث میں کوئی چیز نہیں۔ (ذخیرۃ الحفاظ ۲/۹۹۱ ح ۲۰۶۵ شاملہ)

۶: حافظ ذہبی نے فرمایا: "تركوه" یعنی محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے۔

(دیوان الضعفاء المتروکین ۲/۳۸ ت ۲۱۸۳)

اور فرمایا: "متروك" (المهذب فی اختصار السنن الکبیر ۳/۱۱۰۷ ح ۴۹۸۷)

۷: حافظ ابن حجر نے فرمایا: "متروك" (تقریب التہذیب: ۳۳۵۶)

۸: نورالدین ہیثمی نے فرمایا:

"وهو متروك" (مجمع الزوائد ۷/۱۶۳ باب منہ فی فضل القرآن ومن قرأہ)

۹: امام بخاری نے فرمایا:

"تركوه" یعنی محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ۲/۲۵۹ ت ۸۱۰)

۱۰: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

"لا يكتب حديثه" اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی۔ (الضعفاء للعقیلی ۲/۲۵۸ وسندہ حسن)

نیز محمد بن طاہر پٹنی ہندی (م ۹۸۶ھ) نے کہا: "متروك" (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۹)

ایسے متروک وکذاب راوی کی روایت موضوع ہوتی ہے، نیز اس سند میں بشیر بن زیاد البلخی ہے جسے ہمارے علم کے مطابق کسی نے بھی ثقہ نہیں کہا، بلکہ حافظ ذہبی نے اسے بشیر بن زیاد الخراسانی قرار دے کر میزان الاعتدال میں جرح کی ہے اور دیوان الضعفاء والمتروکین میں لکھا ہے: "صاحب مناكير" منکر روایتیں بیان کرنے والا۔

(ج ۱ ص ۱۲۲ ت ۶۱۱)

ضعف الطالب والمطلوب کی کتنی بڑی مثال ہے کہ غلام رسول سعیدی صاحب اور

ان کے فقہاء کی اصل دلیل وہ روایت ہے جسے صاحبِ مناکیر نے کذاب ومتروک سے روایت کیا ہے اور ایسی روایات وتحریفات پر ہی بریلویت کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔

تنبیہ بلیغ: سعیدی صاحب نے عبدالرؤف المناوی (صوفی) کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اس کی سند میں بشیر بلخی ضعیف راوی ہے۔'' (تبیان القرآن ۱/۴۴۷)

حالانکہ مناوی نے بشیر البلخی پر کوئی جرح نہیں کی بلکہ لکھا ہے:

''**وفیه عبدالله بن سعید المقبري قال الذهبي في الضعفاء ترکوه**'' اس میں عبداللہ بن سعید المقبری ہے، ذہبی نے کتاب الضعفاء میں فرمایا: انھوں (محدثین) نے اسے ترک کردیا ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۵/۴۲۳ ح ۷۴۹۲ وضعفہ السیوطی فی الجامع الصغیر)

معلوم یہی ہوتا ہے کہ سعیدی صاحب مناوی صاحب کی عبارت سمجھے ہی نہیں، نیز ترکوہ کی جرح چھپالینا اُن کی بہت بڑی غلطی (یا خیانت) ہے۔

بہت سے لوگ ''فضائلِ اعمال میں ضعیف روایت حجت ہے'' کے غلط اصول کا حیلہ کرتے ہوئے موضوع ومردود اور بے اصل روایات پیش کر کے عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں، جس کا انھیں پورا پورا حساب دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

(۱۰/ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۷/ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

ضعیف روایات اور بریلویہ....

(ظفر القادری بکھروی بریلوی کے جواب میں)

الحمدللہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا:

اے اللہ! اسے الکتاب کا علم سکھا دے۔

اور ایک روایت میں ہے: اسے حکمت سکھا دے۔ (صحیح بخاری: ۷۵، ۳۷۵۶)

اور فرمایا: اے اللہ! اسے (ابن عباس رضی اللہ عنہ کو) دین میں فقہ (سمجھ، سوجھ بوجھ) سکھا دے اور (قرآن کی) تفسیر سکھا دے۔ (المستدرک ۳/ ۵۳۴ ح ۶۲۸۰ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ووافقہ الذھبی، وھو فی مسند الامام احمد ۱/ ۲۶۶، ۳۱۴، ۳۲۸، ۳۳۵)

۱: ایک دفعہ ایک تابعی بُشَیر بن کعب العدوی رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے روایتیں بیان کرنا شروع کر دیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نہ اُن کی روایتیں سنیں اور نہ ان کی طرف دیکھا۔

(دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام: ۲۱)

چونکہ یہ مرسل روایات تھیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مرسل یعنی ضعیف روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے اور حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اس واقعے سے یہی سمجھا ہے۔ (دیکھئے النکت علی ابن الصلاح ۲/ ۵۵۳ نوع ۹، المرسل)

۲: سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف القرشی الزہری رحمہ اللہ (ثقہ تابعی صغیر) نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے صرف ثقہ راوی ہی حدیث بیان کریں۔

(مقدمہ صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام: ۳۱)

معلوم ہوا کہ امام سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ غیر ثقہ اور ضعیف راویوں کی روایات حجت

نہیں سمجھتے تھے۔

۳: امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا:

حدیث نہ دیکھو بلکہ سند دیکھو، پھر اگر سند صحیح ہو تو (ٹھیک ہے) اگر سند صحیح نہ ہو تو دھوکے میں نہ آنا۔ (الجامع للخطیب ۲/۱۰۲ح ۱۳۰۱، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۲/۱۴۰ح ۱۳۳۶)

۴: امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع الشافعی المطلبی الہاشمی المکی المصری رحمہ اللہ (ناصر الحدیث وفقیہ الملۃ) نے (امام احمد بن حنبل وغیرہ سے) فرمایا:

جب تمھارے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو مجھے بتا دو تاکہ میں اسے اپنا مذہب قرار دوں، جس علاقے میں بھی (یہ حدیث) ہو۔

(حلیۃ الاولیاء ۹/۱۰۶، وسندہ صحیح)

نیز فرمایا: تم حدیث اور رجال کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو، لہٰذا اگر صحیح حدیث ہو تو مجھے بتا دینا، چاہے کوفے کی حدیث ہو یا بصرے کی، یا شام کی ہو تاکہ میں اس پر عمل کروں بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔ (مناقب الشافعی للامام ابن ابی حاتم ص ۷۰ وسندہ صحیح)

نیز فرمایا: ''وکذلك نحن لا نقبل خبر من جهلناه، وکذلك لا نقبل خبر من لم نعرفه بالصدق وعمل الخیر.'' اور اسی طرح ہم جسے مجہول سمجھتے ہیں اُس کی (بیان کردہ) حدیث نہیں مانتے اور اسی طرح جسے ہم سچائی اور نیک اعمال کے ساتھ نہیں جانتے تو اس کی (بیان کردہ) حدیث بھی قبول نہیں کرتے۔

(اختلاف الحدیث آخر کتاب الام للشافعی طبع بیت الافکار الدولیہ ص ۱۷۱۷، باب اول)

اور فرمایا: پس ہم نے کہا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتی کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے۔ (کتاب الرسالہ ص ۵۳، وتحقیق احمد شاکر: ۱۰۳۵، تحقیقی مقالات ۴/۱۵۱)

ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ امام شافعی رحمہ اللہ ضعیف روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

۵: امام لیث بن سعد المصری رحمہ اللہ نے ابن لہیعہ کی بیان کردہ ایک روایت پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ (دیکھئے الکامل لابن عدی ۴/۱۴۶۳، تحقیقی مقالات ۲/۲۷۳)

٦: امام مسلم بن الحجاج النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''باقی رہا یہ امر کہ راویوں کے عیوب بیان کرنا کیا غیبت اور مسلمان کی پردہ دری ہے جب اس سلسلہ میں علماء حدیث سے فتوی طلب کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ راویوں کے احوال بیان کرنا ضروری ہیں کیونکہ دین کے اکثر مسائل جو حلال وحرام، امر ونہی اور رغبت اور خوف سے متعلق ہیں وہ احادیث پر موقوف ہیں۔ اب اگر کسی حدیث کا کوئی راوی خود صادق اور امانت دار نہ ہو اور وہ حدیث کو روایت کرے اور بعد والے اس راوی کی عدم ثقاہت کے باوجود اس کی روایت کو بیان کردیں اور اصل راوی کے احوال پر کوئی تنقید اور تبصرہ نہ کریں، تو یہ عوام مسلمین کے ساتھ خیانت ہے کیونکہ ان احادیث میں سے بہت سی احادیث موضوع اور من گھڑت ہوں گی اور عوام کی اکثریت راویوں کے احوال سے ناواقفیت کی بناء پر ان احادیث کے مطابق عمل کرے گی اور اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے حدیث بیان کردی اور اس کے راوی کے احوال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ جب کہ احادیث صحیحہ جن کو معتبر اور ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے اس قدر کثرت سے موجود ہیں کہ ان باطل روایات کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے، اس تحقیق کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کتاب میں مجہول، غیر ثقہ، غیر معتبر راویوں کی احادیث بیان نہیں کرے گا خصوصاً جب کہ وہ سند حدیث کی کیفیت پر مطلع ہو۔ سوا اس شخص کے جو لوگوں کے دماغوں میں یہ بات بٹھانا چاہتا ہو کہ وہ احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ پیش کرسکتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ باطل اور موضوع۔ اسانید کے ساتھ بھی احادیث پیش کردے گا تاکہ جب لوگوں کے سامنے احادیث کا ایک ضخیم مجموعہ پیش ہو تو لوگ اس کی وسعت علمی ژرف بینی پر داد دیں لیکن جو شخص ایسے طریقہ کو اختیار کرے گا اہل علم کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں ہوگی اور وہ شخص عالم کہلانے کے بجائے جاہل کہلانے کا زیادہ مستحق ہوگا۔''

(مقدمہ صحیح مسلم مع شرح غلام رسول سعیدی بریلوی ج ۱ ص ۲۳۴۔۲۳۵)

امام مسلم نے مزید فرمایا: ''اور جمہور اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل مقبول نہیں ہوتی۔''

(مقدمہ صحیح مسلم، ترجمہ سعیدی ج ۱ ص ۲۳۷)

اس ترجمے میں ''اور جمہور اہل علم'' سے پہلے ''ہمارے اصل قول میں'' کا ترجمہ رہ گیا ہے۔

۷: حافظ ابن حبان نے فرمایا: گویا جو ضعیف روایات بیان کرے اور جس روایت کا وجود ہی نہ ہو وہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔ (کتاب المجروحین ۱/ ۳۲۸، تحقیق مقالات ۴/ ۳۰۴)

۸: پانچویں صدی کے محدث امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وأصل مذهبنا أنا لانقبل خبر المجهولين حتى يعرفوا بالشرائط التي توجب قبول خبرهم.''

اور ہمارا اصل مذہب یہ ہے کہ ہم مجہول راویوں کی روایتیں قبول نہیں کرتے، حتی کہ وہ ان شرائط کے ساتھ معلوم ہو جائیں جو ان کی روایات کو قبول کرنا واجب قرار دیتی ہیں۔

(کتاب القراءت خلف الامام ص ۱۵۲ تحت ح ۳۴۱)

اور فرمایا:

''وإذا كنا لانقبل رواية المجهولين فكيف نقبل رواية المجروحين ؟ لا نقبل من الحديث إلا ما رواه من ثبتت عدالته وعرف بالصدق رواته''

اور جب ہم مجہول راویوں کی روایتیں نہیں مانتے تو مجروح راویوں کی روایتیں کس طرح مان سکتے ہیں؟ ہم صرف وہی حدیث قبول کرتے ہیں جس کے راوی کی عدالت ثابت ہو اور جس کے راوی سچائی کے ساتھ معروف ہوں۔ (کتاب القراءت خلف الامام ص ۱۵۱ تحت ح ۳۴۲)

۹: خطیب بغدادی نے فرمایا:

اور دوسروں نے کہا: مدلس کی روایت مقبول نہیں ہوتی اِلا یہ وہ وہم کے احتمال کے بغیر صریح طور پر تصریح بالسماع کے ساتھ بیان کرے، اگر وہ ایسا کرے تو اس کی روایت مقبول ہے اور ہمارے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔ (الکفایہ فی علم الروایہ ص ۳۶۱، تحقیق مقالات ۴/ ۱۵۳)

۱۰: ابن الصلاح الشہرزوری الشافعی نے کہا: اور حکم (فیصلہ) یہ ہے کہ مدلس کی روایت تصریح سماع کے بغیر قبول نہ کی جائے، اسے شافعی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جاری فرمایا ہے جس نے ہماری معلومات کے مطابق صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہے۔ واللہ اعلم

(مقدمۃ ابن الصلاح ص ۹۹، دوسرا نسخہ ص ۱۶۱، تحقیقی مقالات ۴/۱۵۴)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں اور میرے علم کے مطابق کسی ایک مستند امام سے ضعیف یعنی مردود روایت کے حجت ہونے کی صراحت ثابت نہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (جو بقولِ ملا علی قاری حنفی: اولیائے اُمت میں سے تھے) نے فرمایا:

مشرکینِ نصاریٰ سے مشابہ ان گمراہ لوگوں کا اعتماد ضعیف، موضوع روایات یا ان لوگوں کے حوالوں پر ہوتا ہے جن کا قول حجت نہیں، یہ حوالے یا تو ان لوگوں کی طرف جھوٹے منسوب ہوتے ہیں یا پھر ان لوگوں کی بات ہی غلط ہوتی ہے، کیونکہ یہ غیر مصدقہ حوالہ اس شخص سے پیش کیا گیا ہے جو معصوم نہیں۔ اگر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی کسی ثابت حدیث کو پیش کریں تو (یہودیوں کی طرح) تحریف کرتے ہیں، نصاریٰ کی طرح محکم کو چھوڑ کر متشابہ لے لیتے ہیں۔ (الرد علی البکری ص ۳۵۲، تلخیص کتاب الاستغاثہ ۲/۶۸۰ شاملہ)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ عبارت عام بریلویہ و دیوبندیہ پر مکمل فٹ ہے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ ابو طالب نے بوقتِ وفات رازداری سے انھیں (اپنے) اسلام کی خبر دی۔

اس پر بحث کرتے ہوئے احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: ''اوّل یہ روایت ضعیف و مردود ہے، اس کی سند میں ایک راوی مبہم موجود ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۷۱۶)

اس کے کئی صفحات بعد احمد رضا خان نے لکھا ہے:

''اور ضعیف حدیث ثابت کو رفع نہیں کر سکتی۔ ضعیف حدیثیں جہاں قبول کی جاتی ہیں وہاں ان کو قبول کرنے میں راز یہ ہے کہ وہاں ضعیف حدیثیں کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں جیسا کہ ہم اپنے رسالہ ''الھاد الکاف فی حکم الضعاف'' میں اس کی تحقیق کر دی ہے جس پر زیادتی نہیں کی جا سکتی جس نے اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے تمام وہموں کا ازالہ کر دیا ہے۔ چنانچہ جب وہ ضعیف حدیثیں غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کر سکتی ہیں تو ثابت چیز کو رفع کیسے کریں گی۔ یہ محض غلط اور حق سے دُوری ہے، یہ خوب واضح ہے۔ بحمد اللہ واضح

ہو گیا کہ روایت مذکورہ ضعیف اور بیہودہ ہے..." (فتاویٰ رضویہ ج۲۹ ص۷۲۶۔۷۲۷)

ان حوالوں کو مدنظر رکھ کر ابو اسامہ ظفر القادری بکھروی بریلوی کی درج ذیل عبارت پڑھ لیں، بریلوی مذکور نے لکھا ہے: **"ضعیف حدیث کا مطلقاً انکار آج کے دور کا ایک بڑا فتنہ ہے اور منکرین حدیث کا نیا روپ بھی۔ دورِ اوّل میں اس فتنے کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن آج اس فتنے کو ہوا دینے والے جگہ جگہ موجود ہیں۔"**

بکھروی بریلوی نے مزید لکھا ہے: **"ان متاثرین میں ماہنامہ "الحدیث" کے مدیر زبیر علی زئی صاحب نے اس فتنہ کو اور ہوا دی۔"** الخ (مجلہ چار یار مصطفیٰ، راولپنڈی اسلام آباد، جولائی ۲۰۱۲ء ص۳۱)

بکھروی صاحب کا یہ مضمون البرہان واہ کینٹ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۲ء) میں بھی چھپا ہے۔

تعجب ہے کہ آج کل بہت سے منکرینِ حدیث مثلاً چکڑالوی، پرویزی، اصلاحی اور فراہی وغیرہ مکاتبِ فکر کے لوگ کھلم کھلا صحیحین کی احادیث کا انکار کرتے ہیں، بعض اپنے آپ کو سنی و علمائے حق سمجھتے ہوئے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث صحیحہ کو مختلف چھتریوں تلے ضعیف، شاذ اور منکر قرار دیتے ہیں۔ جبکہ بریلویہ و دیوبندیہ کے بعض لوگ ضعیف و مردود روایات کو حجت منوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ

اگر ضعیف روایت بھی حجت ہے تو اصولِ حدیث میں اسے مردود کی قسم میں کیوں ذکر کیا گیا ہے؟! (دیکھئے تیسیر مصطلح الحدیث ص۵۲، نیز دیکھئے شرح صحیح مسلم للسعیدی ۱/۱۱۲)

ضعیف و مردود روایات کا دفاع کرنے والے لوگوں کی "خدمت" میں (شواہد و متابعات سے قطع نظر کرتے ہوئے) تیس (۳۰) بلکہ تیس سے زیادہ ایسی روایات پیش کی جاتی ہیں، جن پر نہ تو یہ لوگ عمل کرتے ہیں اور نہ انھیں حجت تسلیم کرتے ہیں، بلکہ انھیں ضعیف کہتے ہیں:

۱) مشہور ثقہ تابعی امام طاوس بن کیسان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ **"كان رسول الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرى، ثم يشدّبهما على صدره وهو في الصلوٰة."** رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے، پھر آپ ان دونوں کو

مضبوطی کے ساتھ اپنے سینے پر رکھتے اور آپ نماز میں ہوتے تھے۔

(کتاب المراسیل لابی داود ص ۸۹ ح ۳۴، سلیمان بن موسی وثقہ الجمہور)

اس روایت کی سند امام طاوس تک حسن لذاتہ ہے اور باقی روایت مرسل ہے، جو کہ بریلویہ ودیوبندیہ کے نزدیک حجت ہے، بلکہ وہ بعض روایتوں کو "وإسناده مرسل قوي" کہہ دیتے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے آثار السنن: ۱۵۸) لیکن پھر بھی وہ اس روایت کو نہیں مانتے۔

نیموی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "وإسناده ضعيف" (آثار السنن: ۳۲۷)

تراب الحق قادری بریلوی نے لکھا ہے: "واضح ہوا کہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے والی تمام احادیث ضعیف ہیں تو ان کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔" (رسولِ خدا ﷺ کی نماز ص ۱۹۱)

۲) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "صليت مع رسول الله ﷺ ووضع يده اليمنٰى علٰى يده اليسرىٰ علٰى صدره."

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا تھا۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳ ح ۴۷۹)

اس روایت میں سفیان ثوری ثقہ مدلس ہیں، لیکن آلِ بریلی وآلِ دیوبند ترکِ رفع یدین کے مسئلے میں ان کی معنعن روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

تنبیہ: اس سند کے راوی مؤمل بن اسماعیل جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں اور اُن پر امام بخاری کی طرف منسوب جرح: منکر الحدیث، امام بخاری سے ثابت نہیں۔

(دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ۱/ ۴۱۷۔ ۴۲۷)

اس حدیث کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے: "وفي إسناده نظر وزيادة علٰى صدره غير محفوظة" (آثار السنن: ۳۲۵)

۳) سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جہری نماز کے بعد اپنے مقتدیوں سے فرمایا:

((لاتفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لاصلوة لمن لم يقرأبها.))

سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ بھی نہ پڑھو کیونکہ جو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام بیہقی نے فرمایا: "وھذا إسناد صحیح ورواتہ ثقات." اور یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (کتاب القراءت خلف الامام ص ۶۴ ح ۱۲۱)

لیکن نیموی تقلیدی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "وفیہ مستور، قال النیموي: إن حدیث عبادۃ بن الصامت في التباس القرآءۃ قد روي بوجوہ کلھا ضعیفۃ." (آثار السنن: ۳۵۴)

۴) سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الإمام.))

جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام بیہقی نے فرمایا: "وھذا إسناد صحیح"

(کتاب القراءت خلف الامام ص ۷۰ ح ۱۳۵)

اس روایت کی سند میں امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں لیکن یہ روایت صحیح شواہد کے ساتھ صحیح یعنی صحیح لغیرہ ہے۔

۵) صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین راتیں نمازِ تراویح باجماعت پڑھائی۔ سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں نماز پڑھائی، آپ نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے۔ الخ

(صحیح ابن خزیمہ ۲/ ۱۳۸ ح ۱۰۷۰، صحیح ابن حبان ۴/ ۶۲، ۶۴ ح ۲۴۰۱، ۲۴۰۶)

اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے نیموی تقلیدی نے لکھا ہے:

"وفي إسنادہ لین" اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔ (آثار السنن: ۷۷۳)

۶) ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا قیس بن قہد رضی اللہ عنہ نے صبح کی (فرض) نماز کے بعد (طلوعِ آفتاب سے پہلے) دو رکعتیں (سنتیں) پڑھیں پھر جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تو انھوں نے بتادیا کہ میری دو رکعتیں رہ گئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

(سنن ابی داود: ۱۲۶۷، صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۱۶، صحیح ابن حبان: ۶۲۴ وصححہ الحاکم ۱/ ۲۷۴۔۲۷۵ ح ۱۰۱۷)

اس حدیث کو نیموی نے بحوالہ سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور مستدرک الحاکم وغیرہ نقل کر کے لکھا ہے: "وإسناده ضعيف" (آثار السنن: ۷۳۲)

۷) سنن ابی داود (۱۲۲۰) وغیرہ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ غزوۂ تبوک میں سورج ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے (یعنی جمع تقدیم فرماتے تھے) اور اس طرح بعض اوقات مغرب وعشاء کی دونوں نمازوں میں جمع تقدیم فرماتے تھے۔ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: "حسن غریب" (سنن ترمذی: ۵۵۳)

لیکن نیموی نے لکھا ہے: "وهو حديث ضعيف جدًا" (آثار السنن: ۸۵۴)

احمد رضا خان بریلوی نے اس حدیث کو "مگر ایک روایت غریبہ شاذہ" لکھا ہے۔!

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۰۴)

یہی مسئلہ ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے۔ (سنن ابی داود: ۱۲۰۸)

اس کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے: "وهو حديث ضعيف" (آثار السنن: ۸۵۳)

تنبیہ: آثار السنن کے دو نسخے زیادہ مشہور ہیں اور ان کی بعض روایتوں میں ایک نمبر کا فرق ہے، لہٰذا حوالہ چیک کرتے ہوئے پہلی یا بعد والی روایت بھی دیکھ لیں۔

۸) سنن دارقطنی (۱/ ۱۲۴ ح ۴۴۱) میں شریک القاضی عن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی سند سے بیان شدہ ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے منی کے بارے میں فرمایا: یہ بے شک بلغم اور تھوک کی طرح ہے اور تمھارے لئے صرف یہی کافی ہے کہ اُسے کپڑے کے کسی ٹکڑے یا گھاس سے پونچھ لو۔

یہ روایت ذکر کرنے کے بعد نیموی نے لکھا ہے: "وإسناده ضعيف ورفعه وهم."

(آثار السنن: ۳۲)

۹) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات تک نمازِ فجر میں قنوت پڑھتے رہے۔

اس روایت کو نیموی نے بحوالہ عبدالرزاق، احمد، دارقطنی، طحاوی اور بیہقی نقل کر کے لکھا ہے:

"وفي إسناده مقال" اور اس کی سند میں کلام ہے۔ (آثار السنن: ۶۳۷)

یہ روایت اگر صحیح ہے تو بریلویہ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر ضعیف ہے تو ان کا ضعیف روایات کو حجت سمجھنا باطل و مردود ہے۔

۱۰) سفر میں جمع بین الصلوٰتین کی ایک حدیث فقرہ نمبر ۷ کے تحت گزر چکی ہے، جسے بریلویہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''نبی کریم ﷺ سفر میں تھے، جب آپ کی منزل میں ہی سورج ڈھل جاتا، تو سوار ہونے سے پہلے ظہر اور عصر کو اکٹھا ادا فرماتے'' الخ (آثار السنن مترجم ص ۵۱۴ بحوالہ مسند احمد ۱/ ۳۶۷)

یہ جمع تقدیم کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے اور اس روایت کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے: "وإسناده ضعيف" اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (آثار السنن: ۸۵۵)

۱۱) سنن ترمذی (۲۸۴۔۲۸۵) وغیرہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ دو سجدوں کے درمیان (جلسے میں) درج ذیل دعا پڑھتے تھے:

"اللهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني."

اے میرے اللہ! مجھے معاف کردے، مجھ پر رحم فرما، میرا نقصان پورا کردے، میری راہنمائی فرما اور مجھے رزق عطا کردے۔ (صححہ الحاکم ۱/ ۲۶۲، ۲۷۱، ووافقہ الذہبی وحسنہ النووی فی الاذکار)

اس کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے: "وهو حديث ضعيف" اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ (آثار السنن: ۴۴۶)

یاد رہے کہ یہ دعا معمولی اختلاف کے ساتھ مطلقاً نماز میں ثابت ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۲۶۹۷)

نیز امام مکحول تابعی رحمہ اللہ درج ذیل دعا سجدوں کے درمیان پڑھتے تھے۔

"اللهم اغفرلي وارحمني واسترني وأجرني وارفعني."

(المعجم لابن المقرئ: ۱۳۵۷، وسندہ صحیح)

۱۲) جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی عبدالحمید بن جعفر نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابو

حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان کی، جس میں دس صحابہ کرام کی موجودگی اور تصدیق کے ساتھ (چار رکعتوں والی نماز میں) درج ذیل مقامات پر رفع یدین کرنے کا ثبوت ہے:

۱: تکبیر تحریمہ

۲: رکوع سے پہلے

۳: رکوع کے بعد

۴: دو رکعتیں پڑھنے کے بعد کھڑے ہونے پر

(سنن ابی داود: ۷۳۰ وصححہ الترمذی وابن خزیمہ وابن حبان وغیرہم)

احمد یار خان نعیمی بدایونی بریلوی رضا خانی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ...''

اور مزید لکھا ہے: ''ان میں سے عبدالحمید ابن جعفر سخت مجروح وضعیف ہیں۔''

(''جاء الحق'' حصہ دوم ص ۶۳ طبع قدیم)

غلام مصطفیٰ نوری بریلوی رضا خانی نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا اور عبدالحمید بن جعفر کے بارے میں لکھا: ''جو کہ بدعتی اور تقدیر کا منکر ہے اور سخت ضعیف ہے۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۳۲۱)

یاد رہے کہ عبدالحمید بن جعفر کو امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، ابن سعد، یعقوب بن سفیان الفارسی، امام علی بن المدینی، ابن شاہین، ابن حبان اور ابن القطان الفاسی وغیرہم نے ثقہ کہا اور حافظ ذہبی نے فرمایا: ''الإمام المحدّث الثقة''

(دیکھئے نور العینین ص ۲۵۰۔۲۵۱)

لیکن بریلویہ کے نزدیک یہ راوی پھر بھی سخت مجروح اور ضعیف ہیں۔ سبحان اللہ!

۱۲) سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوبکر الصدیق (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ وہ نماز شروع کرتے وقت، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۷۳ وقال: رواتہ ثقات)

یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ نور العینین میں دلائل صحیحہ کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے لیکن غلام مصطفیٰ نوری بریلوی نے لکھا ہے:

''اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ اس کی سند بھی ضعیف مجروح ہے نا قابل احتجاج۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۳۹۴، طبع جون ۲۰۰۴ء)

۱۴) ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شروع نماز میں رفع یدین کیا اور رکوع سے پہلے رفع یدین کیا اور قسم کھا کر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نماز تھی حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (المعجم لابن الاعرابی ج ۱ ص ۲۲۶ ح ۱۴۲، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۱۳۱ ح ۱۴۴)

اس روایت کی سند میں محمد بن عصمہ الرملی مجہول الحال راوی ہے اور باقی سند حسن ہے۔

اسی روایت کی دوسری سند میں رکوع کے بعد بھی رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔

(مسند الشامیین للطبرانی ۲/ ۳۵ ح ۸۶۸)

اس سند میں حصین بن وہب مجہول الحال راوی ہے اور باقی سند حسن ہے۔

اس روایت کو نہ بریلویہ حجت سمجھتے ہیں اور نہ دیوبندیہ، بلکہ اس روایت سے رفع یدین کے بارے میں ان لوگوں کا مذہب فنا و برباد ہو جاتا ہے۔

۱۵) رفع یدین کے بارے میں ایک اور روایت پیشِ خدمت ہے، جسے امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے:

"حدثنا عبدالواسع بن محمد بن الحسن بن بنت أبي بكر الإسماعيلي: أنبأ الرئيس أبوعبدالله محمد بن العباس بن أحمد العصمي: أنبأ أحمد بن محمد بن عمر القرشي ليلة الوداع: ثنا تميم بن محمد: ثنا إبراهيم بن الحسن العلاف: ثنا سلام بن أبي الصهباء عن سليمان التيمي عن أنس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: من صلّى لم يرفع يديه إذا افتح الصلوٰة وإذا ركع وإذا رفع رأسه لعنته أعضاؤه."

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھے

(اور) نماز شروع کرتے وقت، رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھا کر رفع یدین نہ کرے تو اس کے اعضاء (ہاتھ پاؤں) اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

(المنتقیٰ من مسموعات مرو ص ۲۵۸ ح ۴۶۲ بحوالہ مکتبہ شاملہ)

اس سند کے راویوں کا مختصر اور جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: عبدالواسع بن محمد بن الحسن الجرجانی الفارسی التاجر

عبدالغافر بن سماعیل الفارسی نے انھیں ثقہ کہا۔

(الحلقۃ الاولیٰ من تاریخ نیسابور، المنتخب من السیاق ص ۵۴۵ ت ۱۱۸۹)

آپ ذوالقعدہ ۴۲۳ھ کو فوت ہوئے۔

آپ سے یہ حدیث قاضی ابو محمد عبداللہ بن یوسف الجرجانی رحمہ اللہ (م ۴۸۹ھ) نے سنی ہے اور وہ ثقہ صاحبِ حدیث تھے۔ (دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی ۳۲/۳۰۰)

عبداللہ بن یوسف الجرجانی سے سالم بن عبداللہ بن عمر العمری الہروی نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ (دیکھئے مسموعات مرو ص ۲۵۷ ح ۴۶۰/۱)

سالم بن عبداللہ الہروی العدوی العمری کے بارے میں ابن السمعانی نے فرمایا:

"کان شیخًا صالحًا عفیفًا من بیت الحدیث" (تاریخ الاسلام للذہبی ۳۷/۳۶۰)

سالم سے یہ حدیث ابو القاسم زنگی محمود بن ابی الوفاء الخیاط نے بیان کی جو کہ شیخ عفیف (نیک، پاک دامن) تھے۔ (مسموعات مرو ص ۲۷۱)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "شیخ صالح کان یخبّط" توفی ۶۰۹ھ (تاریخ الاسلام ۴۳/۳۳۰)

وہ ضیاء المقدسی کے استاذ تھے، لہٰذا عبدالواسع تک یہ سند متصل ہے۔

۲: ابو عبداللہ محمد بن العباس بن احمد الرئیس العصمی، ابن ابی ذہل رحمہ اللہ

وہ ثقہ ثبت تھے۔ (تاریخ بغداد ۳/۱۲۰ ت ۱۱۳۸، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۳۸۰۔۳۸۲)

۳: ابوبکر احمد بن محمد بن عمر القرشی (لعلہ المنکدری)

اگر ان سے مراد المنکدری ہیں تو مختلف فیہ راوی ہیں، محمد بن ابی سعید السمرقندی نے ان کی

تعریف کی۔ (لسان المیزان ۱/ ۲۸۷۔ ۲۸۸)

اور حافظ ذہبی نے فرمایا: "الإمام الحافظ البارع" (النبلاء ۱۴/ ۵۳۲)

لیکن لسان المیزان کے مطالعے سے ظاہر یہی ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں۔ واللہ اعلم

۴: تمیم بن محمد (لعله الطوسی)

طوسی کے بارے میں ذہبی نے فرمایا: "الحافظ الإمام الجوال الثقة" (النبلاء ۱۳/ ۴۹۶)

۵: ابراہیم بن الحسن العلاف

امام ابوزرعہ الرازی نے فرمایا: "وكان شيخًا ثقة" (الجرح والتعدیل ۲/ ۹۲ ت ۲۴۲)

۶: سلام بن ابی الصہباء

اسے یحییٰ، ابن حبان، بخاری اور عقیلی نے ضعیف قرار دیا اور احمد و ابن عدی نے توثیق کی۔ ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "هو شيخ"

لسان المیزان (۳/ ۵۸۔ ۵۹) سے یہی ظاہر ہے کہ یہ ضعیف راوی ہے۔

۷: سلیمان التیمی ثقہ مدلس تابعی ہیں اور سند عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

لیکن یاد رہے کہ جو لوگ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم پر مکمل یقین رکھتے ہیں تو عرض ہے کہ حافظ صاحب نے انھیں طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (۲/۵۴)

لہٰذا حنفیہ، بریلویہ اور دیوبندیہ تینوں کی طرف سے یہاں تدلیس کا اعتراض اُن کے اصولوں کی روشنی میں غلط ہے۔

۸: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

اس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت صرف ضعیف ہے، موضوع یا متروک نہیں، لہٰذا جو لوگ ضعیف روایات کو حجت سمجھتے ہیں انھیں چاہئے کہ وہ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر رفع یدین کے بارے میں اپنے عمل کا جائزہ لیں۔

۱۶) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی ثابت شدہ سند سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نمازِ عید میں پہلی تکبیر میں سات اور دوسری میں پانچ یعنی کُل بارہ تکبیریں کہیں۔

سے مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دار قطنی اور السنن الکبریٰ للبیہقی کے حوالے سے نقل کر کے نیموی نے لکھا ہے: "وإسناده ليس بالقوي" اور اس کی سند قوی نہیں۔ (آثار السنن:۹۸۹)

۱۷) نمازِ عیدین میں بارہ تکبیرات والی ایک روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے، جسے ابو داود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے لیکن نیموی صاحب نے ابن لہیعہ راوی کو نشانہ بناتے ہوئے لکھا ہے: "وفي اسناده ابن لهيعة وفيه كلام مشهور." (آثار السنن:۹۹۱)

۱۸) ام شریک الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ (سنن ابن ماجہ:۱۴۹۶، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۵/۹۷ ح ۲۵۲)

بریلویہ و دیوبندیہ اگر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں تو عمل کیوں نہیں کرتے اور اگر ضعیف سمجھتے ہیں تو بسم اللہ کریں اور اپنی اس ضعیف حدیث کو حجت سمجھتے ہوئے اس پر علانیہ عمل شروع کریں۔!

۱۹) سنن دار قطنی (۱/۳۳۵) اور مستدرک الحاکم (۱/۲۲۳) کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو اونچی آواز سے آمین کہتے تھے۔ اس روایت کی سند زہری تک حسن لذاتہ ہے اور بعد والی سند دیوبندیہ و بریلویہ کی شرط پر صحیح ہے لیکن نیموی نے لکھا ہے: "وفي إسناده لين" اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔ (آثار السنن:۳۷۸)

۲۰) ام حصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، پھر جب آپ نے ولا الضالین پڑھا تو آمین کہا۔ انھوں نے عورتوں کی صف میں اس آمین کو سن لیا تھا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۵/۵۸ ح ۳۸۳ و اسحاق بن راہویہ فی مسندہ)

اس روایت کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے:

"وفيه إسماعيل بن مسلم المكي وهو ضعيف." (آثار السنن:۳۸۰)

عجیب انصاف ہے کہ یہ لوگ خود تو بہت سی روایتوں کو ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور

اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی یعنی اہلِ حدیث عالم اصولِ حدیث، اسماء الرجال اور جمہور محدثین کی گواہیوں کو مدنظر رکھ کر کسی روایت کو ضعیف قرار دے تو انھیں مرچیں لگ جاتی ہیں اور ''منکرِ حدیث'' کا فتویٰ لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ سبحان اللہ!

۲۱) ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**فأما زلة عالم فإن اهتدى فلا تقلدوه دينكم.**'' رہی عالم کی غلطی تو اگر وہ ہدایت پر بھی ہو تو دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ۹/ ۳۲۶۔۳۲۷ ح ۸۷۰۹۔۸۷۱۰)

یہ سند مرسل ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۳۔۳۴)

اور اس مفہوم کے الفاظ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہیں۔ (ایضاً ص ۳۵۔۳۷)

کیا ظفر القادری بکھروی صاحب اور فرقۂ بریلویہ و دیوبندیہ اصول و فروع ہر مسئلے میں درج بالا ضعیف مرفوع روایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں؟!

۲۲) ابو صالح باذام (ایک ضعیف راوی) نے ایک روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے زائرات القبور (قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں)، ان پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (سنن ابی داود: ۳۲۳۶)

امام ابو داود نے اس روایت پر ''سکوت'' فرمایا ہے، جسے بکھروی صاحب حافظ ابن حجر کی چھتری تلے قابلِ احتجاج قرار دیتے ہیں۔ (چار یار مصطفیٰ، اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۴)

امام ترمذی نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: ''حدیث حسن'' (سنن ترمذی: ۳۲۰)

جبکہ احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: ''مگر اس کی سند ضعیف ہے اگرچہ ترمذی نے اسکی تحسین کی اس میں ابو صالح باذام ہے...'' (فتاویٰ افریقیہ ص ۸۱)

۲۳) عمر بن ذر المرہبی نے صحیح سند کے ساتھ ایک روایت بیان کی کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سفر میں فرض نماز چار رکعتیں پڑھتی تھیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۱۴۲)

اس کے بارے میں غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے:

''اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن الترکمانی فرماتے ہیں اس

حدیث کی سند میں ایک راوی عمر بن ذر المرہبی ہے۔علامہ ابن الجوزی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مرجیٔ اور ضعیف تھا۔" (شرح صحیح مسلم ج۲ص۳۷۹)

عرض ہے کہ عمر بن ذر بن عبداللہ الہمدانی المرہبی الکوفی صحیح بخاری کے راوی اور امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام دارقطنی، امام عجلی، امام یعقوب بن سفیان الفارسی، حافظ ابن حبان، حافظ ابن شاہین اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے لہٰذا جمہور کے مقابلے میں ابن الجوزی وغیرہ کی جرح کی حیثیت ہی کیا ہے؟!

نیز صحیح بخاری (۱۰۹۰) اور صحیح مسلم (۶۸۵) میں عمر بن ذر کی بیان کردہ روایت کا صحیح شاہد بھی ہے۔دیگر شواہد کے لئے دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/۱۴۲۔۱۴۳)

۲۴) امام نسائی کی سنن صغریٰ (المجتبیٰ: ۱۴۵۷) میں ایک روایت ہے کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ (سفر میں) قصر کرتے تھے اور میں پوری نماز پڑھتی تھی۔الخ تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! تُو نے اچھا کیا ہے۔

اس حدیث کو امام دارقطنی (۲/ ۱۸۸ح ۲۲۷۱۔۲۲۷۰) نے اسنادہ حسن کہا، لیکن غلام رسول سعیدی نے لکھا ہے:

"ایک اور سند سے یہ حدیث علاء بن زہیر عن عبدالرحمٰن عن عائشہ مروی ہے۔علاء کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ غیر ثابت احادیث ثقہ راویوں کی طرف منسوب کردیتا تھا نیز ابن الترکمانی فرماتے ہیں یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے، اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔" (شرح صحیح مسلم ج۲ص۳۷۹)

علاء بن زہیر کو یحییٰ بن معین، عبدالحق اشبیلی اور حافظ ابن حجر نے ثقہ قرار دیا۔

یحییٰ بن معین، دارقطنی اور عبدالحق الشبیلی وغیرہم جمہور کے مقابلے میں اکیلے حافظ ابن حبان کی بات مرجوح ہے اور خود ابن حبان نے بھی علاء بن زہیر کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۷/ ۲۶۵)

حافظ ذہبی نے ایک اصول بیان کیا ہے کہ جس راوی کو ابن حبان ثقہ قرار دیں اور

جرح بھی کریں تو ابن حبان کے دونوں اقوال ساقط ہو جاتے ہیں۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ۲/ ۵۵۲ ت ۴۸۲۹ عبدالرحمٰن بن ثابت بن الصامت)

۲۵) ثقہ راوی سعید بن محمد بن ثواب رحمہ اللہ کی سند سے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں قصر بھی کرتے تھے اور پوری نماز بھی پڑھتے تھے۔ الخ

(سنن دارقطنی ۲/ ۱۸۹ ح ۲۲۷۵ وقال: وھذا اسناد صحیح)

غلام رسول سعیدی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح حدیث کا غلط مفہوم پیش کر کے لکھا ہے:

''صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ سفر میں قصر کر کے پڑھا کرتے تھے لہٰذا اس کے مقابلہ میں دار قطنی اور بیہقی کی ضعیف السند روایات سے سفر میں پوری نماز پڑھنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔'' (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۰)

عرض ہے کہ یہ حدیث بقول امام دارقطنی صحیح سند سے ہے، لہٰذا سعیدی کا درج ذیل بیان مردود ہے:

''اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سفر شرعی میں قصر کرنا واجب ہے اور اس کا ترک گناہ ہے''

(شرح صحیح مسلم ۲/ ۳۷۸ بحوالہ ابن ہمام/ فتح القدیر ۲/ ۵)

امام ابوحنیفہ تو اس بے سند حوالے سے بری ہیں کیونکہ ابن ہمام کی پیدائش اُن کی وفات کے صدیوں بعد ہوئی ہے اور بے سند بات کی علمی میدان میں حیثیت ہی کیا ہے؟!

اگر یہ مذکورہ بالا روایت بقولِ سعیدی ضعیف السند ہے تو بریلویہ کو چاہئے کہ وہ اس پر عمل کریں، ورنہ ضعیف روایات کے دفاع میں اُن کا بکھروی مذہب فنا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

۲۶) ایک حدیث میں آیا ہے کہ پھر اس کے بعد آپ ﷺ صبح کی نماز اندھیرے میں ہی پڑھتے رہے حتیٰ کہ وفات پا گئے اور دوبارہ یہ نماز روشنی کر کے نہیں پڑھی۔

(سنن ابی داود: ۳۹۴، صحیح ابن حبان: ۴۴۹۲)

اسے ابن خزیمہ، حاکم اور خطابی نے صحیح قرار دیا ہے، نیز مستدرک الحاکم (۱/ ۱۹۰ ح ۶۸۲ وصححہ الحاکم ووافقہ الذھبی) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/ ۴۳۵ ح ۲۰۴۶) میں اس کا حسن شاہد

بھی ہے لیکن نیموی نے لکھا ہے: "وفي إسناده مقال والزيادة غير محفوظة."
اوراس کی سند میں کلام ہے اوراس میں بیان شدہ اضافہ غیر محفوظ ہے۔ (آثار السنن: ۲۱۳)
۲۷) ایک حدیث میں آیا ہے کہ "كان النبي ﷺ يفتتح صلاته ببسم الله الرحمن الرحيم." نبی ﷺ اپنی نماز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے تھے۔
(سنن ترمذی باب من رأى الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم ح ۲۴۵ وقال: ليس اسناده بذاك وقد قال بهذا علىة من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ منهم: أبوهريرة وابن عمرو ابن عباس وابن الزبير ومن بعدهم رأوا الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم ...الخ)
یہی حدیث حافظ ابن عبدالبر نے اپنی سند کے ساتھ بیان کی:
"أن النبي عليه السلام كان يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم."
یعنی نبی ﷺ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھتے تھے۔ (الاستذکار ۱/ ۴۵۷ تحت ح ۱۶۱)
اورامام اسحاق بن راہویہ کی روایت میں ہے:
"يعني كان يجهر بها" یعنی آپ اسے جہراً پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۴۷)
اس حسن لذاتہ حدیث کے بارے میں احمد یار نعیمی بریلوی نے بحوالہ ترمذی لکھا ہے:
"فرماتے ہیں... یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔" (جاء الباطل حصہ دوم ۲۴)
۲۸) ایک صحیح وثابت موقوف حدیث میں آیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً یعنی اونچی آواز سے پڑھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۱۲ ح ۴۷۵۷، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/ ۱۳۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۴۸)
اس اثر کی سند بالکل صحیح ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین ص ۳۷۔ ۳۸ ح ۱۳)
لیکن احمد یار نعیمی بریلوی نے لکھا ہے: "لہٰذا یہ حدیث شاذ ہے اوراحادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔" (جاء... حصہ دوم ص ۲۵)
۲۹) نافع (ثقہ تابعی) سے روایت ہے کہ بے شک ابن عمر (رضی اللہ عنہ) جب کسی (جاہل وناواقف) آدمی کو دیکھتے کہ وہ رکوع سے پہلے اوررکوع سے اٹھ کررفع یدین نہیں کرتا تو وہ

اسے کنکریوں سے مارتے تھے۔

(جزء رفع الیدین للبخاري: ۱۵، وصححہ النووي فی المجموع شرح المہذب ۳/ ۴۰۵)

اس روایت کے بارے میں تراب الحق قادری بریلوی نے لکھا ہے:

''یہ روایت سخت مجروح، ضعیف اور نا قابلِ احتجاج ہے۔'' (رسولِ خدا ﷺ کی نماز ص ۱۰۸)

حالانکہ یہ روایت صحیح ہے۔ ولید بن مسلم صحیحین کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''وثقه الجمهور''

(فتح الباری ۱/ ۴۵۰)

ولید بن مسلم ثقہ مدلس ہیں لیکن انھوں نے اپنے استاد زید بن واقد سے سماع کی تصریح کر دی ہے اور زید بن واقد نے امام نافع سے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ (التمہید ۹/ ۲۲۴)

یعنی یہ سماع مسلسل ہے لہٰذا تدلیس تسویہ والا اعتراض بھی مردود ہے۔

اس صحیح روایت کو تراب صاحب نے سخت مجروح، ضعیف اور نا قابلِ احتجاج قرار دیا ہے، لہٰذا بریلویہ کو چاہیے کہ وہ اپنے اصول کی لاج رکھتے ہوئے اس ''ضعیف'' قرار دی ہوئی روایت پر علانیہ عمل کریں۔ کیا خیال ہے؟!

۳۰) سفیان ثوری کی بیان کردہ ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور جوتوں پر مسح کیا۔ (سنن ترمذی: ۹۹ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور سند عن سے ہے، اس کے علاوہ باقی ساری سند صحیح ہے، نیز اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہما نے بھی صحیح قرار دیا ہے لیکن محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا: ''اس حدیث کی تصحیح میں امام ترمذیؒ سے تسامح ہوا ہے، چنانچہ محدثین کا اس حدیث کے ضعف پر اتفاق ہے...'' (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۳۶)

اتفاق والی بات غلط ہے۔

یہ تیس روایات بطورِ نمونہ اور مشتے از خروارے پیش کی گئی ہیں جن میں سے بہت سی روایات صحیح اور حسن ہیں، جبکہ آلِ بریلی اور آلِ دیوبند قولاً یا عملاً ان روایات کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

یاد رہے کہ ان روایات کی سندوں میں کوئی کذاب یا متروک راوی نہیں لہٰذا بریلویہ ودیوبندیہ کو چاہیے کہ وہ اپنی ان ''ضعیف'' روایات پر عمل کریں اور ان کے مطابق اپنے عقیدے بھی بنائیں۔

ظفر القادری بکھروی بریلوی رضا خانی کی چند عبارات بطورِ یاددہانی پیشِ خدمت ہیں:

۱: ''ضعیف احادیث کا کلی انکار کرنا، انکار حدیث کا دروازہ کھولنا ہے۔ اور منکرین احادیث کی کھلم کھلا حمایت کرنی ہے۔'' (چاریار مصطفیٰ اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۱)

۲: ''مگر آج کے یہ نااہل لوگ ضعیف روایات کو جھوٹی روایات کے ساتھ ملا رہے ہیں۔'' (ایضاً ص ۳۲)

۳: ''یہ دین نہیں، بے دینی ہے، یہ سلفیت نہیں، رافضیت ہے، یہ سنت نہیں، بدعت ہے، یہ راستہ مؤمنین کا نہیں بلکہ منکرین حدیث کا ہے۔'' الخ (ایضاً)

۴: ''اسلاف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ضعیف احادیث کو قبول کرتے تھے۔ اور اس پر عمل کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ اصول ہے۔ کہ اگر کوئی راوی ظاہر العدالۃ ہے۔ تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔'' (ایضاً)

اس نام نہاد ''اسلافی طریقے'' کی لاج رکھتے ہوئے اپنی قرار دی ہوئی ضعیف احادیث (جن میں سے تیس حوالے پیش کر دیئے گئے ہیں) کو قبول کریں اور ان پر عمل بھی کریں، ورنہ اپنے ہی اصول کا جنازہ نہ نکالیں۔

یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب مذکورہ اصول ہرگز اُن سے باسند صحیح ثابت نہیں اور نہ آلِ بریلی وآلِ دیوبند میں سے کسی شخص میں ہمت ہے کہ وہ اس اصول کو صحیح یا حسن سند کے ساتھ امام صاحب سے ثابت کر سکے۔ بریلویہ اور دیوبندیہ دونوں فرقے امام ابوحنیفہ کے نام سے بہت سی من گھڑت اور جھوٹی باتیں لوگوں میں پھیلاتے ہیں، حالانکہ امام صاحب ان باتوں سے بری ہیں، لہٰذا جو شخص بھی امام ابوحنیفہ کے نام سے کوئی قول یا روایت پیش کرے تو اس سے صحیح وثابت سند کا ضرور مطالبہ کریں۔

ان شاء اللہ دُم دبا کر بھاگ جائے گا۔

نیز نافع بن محمود المقدسی (دیکھئے فقرہ نمبر:۳۰) کی روایت کے سلسلے میں اس اصول کا جنازہ کیوں نکالا جاتا ہے؟ یہ بے اصولی اور دوغلی پالیسی کی کتنی شرمناک مثال ہے!

۵: ''یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی۔کہ بہت سی وہ روایتیں جن پر محدثین ضعف کا حکم لگاتے ہیں۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وہ صحیح ہیں۔'' (ایضاً ص ۳۲)

یہ بات امام ابوحنیفہ پر بہتان ہے اور وہ اس سے بری ہیں۔

۶: ''جو احادیث محدثین کے اصول پر ضعیف ہوں۔ان کا ترک کرنا کسی امام کے ہاں ضروری نہیں۔'' (ایضاً ص ۳۴)

۷: ''کہ محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث سے حجت پکڑی جاتی تھی۔'' (ایضاً)

۸: ''لہٰذا ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث ضعیف کا مطلقاً انکار کرنا، انکارِ حدیث ہے۔'' (ایضاً ص ۳۶)

عرض ہے کہ پھر آپ لوگ مذکورہ ''ضعیف احادیث'' اور فقہ بریلویہ کے خلاف دوسری ضعیف روایات پر کیوں عمل نہیں کرتے؟

دوغلی پالیسی اور دوُرخیاں چھوڑ دیں، ورنہ یاد رکھیں کہ حساب کتاب کا وقت دور نہیں بلکہ قریب ہے۔

قارئین کرام! تیس مثالوں کے بعد دو مزید روایتیں بھی پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، پھر وہ بہت زیادہ پریشان ہوئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک طلاق قرار دیا اور رجوع کرنے کا اختیار دیا۔

(مسند احمد ۱/ ۲۶۵ ح ۲۳۸۷، مسند ابی یعلی الموصلی: ۲۵۰۰)

اس روایت کے بارے میں سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''یہ روایت بھی قابلِ احتجاج نہیں ہے...'' (عمدۃ الاثاث ص ۱۰۹)

یادر ہے کہ اس کے ایک راوی محمد بن اسحاق بن یسار جمہور محدثین کے نزدیک صدوق حسن الحدیث ہیں۔ عینی حنفی نے لکھا ہے:

ابن الجوزی کا ابن اسحاق پر جرح کرنا کوئی چیز نہیں کیونکہ ابن اسحاق جمہور کے نزدیک بڑے ثقہ راویوں میں سے ہیں۔ (عمدۃ القاری ۲۷۰/۷، تحقیقی مقالات ۲۹۴/۳)

احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: ''ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کے نزدیک بھی راجح محمد بن اسحاق کی توثیق ہی ہے...'' (فتاویٰ رضویہ ج ۵۹۲/۵)

اس روایت کو عام بریلویہ و دیوبندیہ ہرگز نہیں مانتے ہیں بلکہ طلاق کے مسئلے میں اس کے سراسر خلاف ہیں۔

۴) امام ابن ابی شیبہ نے فرمایا: ''حدثنا حسین بن محمد قال: حدثنا جریر بن حازم عن عائشة قالت: قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبي بعده'' روایت ہے کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: خاتم النبیین کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰۹/۹۔۱۱۰ ح ۲۶۶۴۴، دوسرا نسخہ ۳۳۷/۵)

جریر بن حازم کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات نہیں لہٰذا یہ سند منقطع یعنی ضعیف ہے۔

بریلویہ کا قادیانیہ کی اس دلیل کے بارے میں کیا خیال ہے؟

بکھروی بریلوی صاحب نے اپنے مضمون میں کچھ شبہات اور اکاذیب بھی پیش کئے ہیں، جن کا جواب فقرات کی صورت میں درج ذیل ہے:

۱: ''اور زبیر صاحب نے ناصر الدین البانی کی تقلید میں سنن اربعہ میں سے ضعیف روایات کو اکٹھا کر کے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔'' (ضعیف احادیث کا کلی انکار ایک فتنہ ص ۱)

تقلید والی بات کالا جھوٹ اور بہتان ہے۔

۲: باز کے شکار کے بارے میں سنن ترمذی (۱۴۶۷) کی ایک روایت کو بکھروی صاحب نے پیش کر کے لکھا ہے: ''اس روایت پر اہلِ علم کا عمل ہے۔ سے ثابت ہوا کہ اہل علم ضعیف روایتوں کو قبول کرتے اور اس کی بنیاد پر عمل بھی کرتے تھے۔ یہ اہل علم صحابہ و تابعین، محدثین

وفقہاء ہیں۔" (چاریار مصطفیٰ اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۲)

عرض ہے کہ "والعمل علی ھذا" کا مطلب اس روایت پر عمل نہیں بلکہ اس مسئلے پر عمل ہے۔ یہ حدیث واقعی ضعیف ہے لیکن قرآن مجید سے ثابت ہے کہ الجوارح کا شکار کیا ہوا حلال جانور حلال ہے۔ (دیکھئے سورۃ المائدہ:۴)

اس آیت کو امام ترمذی نے بھی اسی باب میں ذکر کیا ہے اور خیثمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) نے فرمایا: شکرا اور باز الجوارح میں سے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۵/ ۳۶۵ ح ۱۹۶۳۸، وسندہ صحیح، تفسیر طبری ۴/ ۳۴۴ ح ۱۱۱۶۷، الہیثم ھوابن حبیب الصیر فی)

امام زین العابدین علی بن حسین بن ابی طالب رحمہ اللہ نے بھی باز اور شکرے کو الجوارح میں سے قرار دیا۔ (تفسیر طبری: ۱۱۱۶۸، وسندہ حسن، عبداللہ بن عمر العمری عن نافع قوی)

یہ مسئلہ تو قرآن سے ثابت ہو گیا کہ الجوارح (باز وغیرہ) کا شکار حلال ہے، لہٰذا سنن ترمذی وغیرہ کی ضعیف روایت کی کوئی ضرورت نہیں۔

باز کے شکار کی دو صورتیں ہیں:

۱: شکار زندہ ہو اور باز نے اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا ہو، پھر آپ اسے مسنون طریقے سے ذبح کر دیں۔

یہ بلا اختلاف حلال ہے۔

۲: شکار مر جائے یا باز نے اس میں سے کھایا ہو۔

اس کے بارے میں سلف صالحین کے دو مسلک ہیں:

اول: عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر اس نے اس میں سے کھایا ہو تو اسے نہ کھاؤ۔ (تفسیر طبری ۴/ ۳۵۰ ح ۱۱۲۰۷، وسندہ صحیح)

دوم: مکحول رحمہ اللہ نے فرمایا: اسے کھاؤ اگرچہ اس نے اس میں سے کھایا ہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۵/ ۳۶۶ ح ۱۹۶۴۴، وسندہ صحیح)

اگر کسی مسئلے میں کتاب و سنت سے واضح دلیل نہ ملے تو اجماع اور آثار دیکھے جاتے ہیں۔

جب اجماع اور آثار صحیحہ ثابتہ سے مسئلہ ثابت ہو گیا تو ضعیف روایات کی ضرورت ہی کیا ہے؟!

ان دو آثار میں سے جن پر عمل کر لیں، اجتہاد کی وجہ سے عند اللہ ماجور ہوں گے۔ ان شاء اللہ

ہمارے نزدیک دوسرا اثر راجح ہے۔ واللہ اعلم

۳: ایک حدیث میں آیا ہے کہ زندہ جانور سے جو گوشت کاٹا جائے وہ مُردار ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۴۸۰، وقال الترمذی: ''حسن غریب...'' وصححہ ابن الجارود والحاکم والذھبی)

یہ حدیث بکھروی نے ترمذی کے حوالے سے نقل کر کے لکھا ہے:

''اب محدثین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے۔'' (ص ۴۳)

عرض ہے کہ بکھروی کا اس حدیث پر اعتراض دو وجہ سے باطل و مردود ہے:

اول: توثیق و تصحیح حدیث کے لحاظ سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار کو جمہور محدثین نے ثقہ و صدوق قرار دیا ہے لہٰذا وہ حسن الحدیث راوی ہیں۔

دوم: مستدرک الحاکم (۴/ ۲۳۹ ح ۷۵۹۸) میں اس کا ایک صحیح السند شاہد ہے، جسے حاکم اور ذہبی دونوں نے بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

لہٰذا حدیث صحیح اور بکھروی اعتراض باطل ہے۔ والحمد للہ

۴: ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ دار کی غلامی میں آجائے تو وہ آزاد ہے۔ (دیکھئے سنن ترمذی: ۱۳۶۵، سنن ابی داود: ۳۹۴۹)

اسے ابن الجارود (۹۷۳) حاکم (۲/ ۲۱۴) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے اور سنن ابن ماجہ (۲۵۲۴) والی روایت بذاتِ خود حسن لذاتہ ہے، لہٰذا امام ترمذی کا اسے خطا قرار دینا بذاتِ خود خطا ہے۔

عاصم الاحول نے قتادہ کی متابعت کر رکھی ہے اور حسن بصری کی سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح ہوتی ہے، کیونکہ یہ کتاب سے روایت ہے اور کتاب پر جرح ثابت نہ ہو تو کتاب سے روایت صحیح ہوتی ہے۔

یہ کل تین روایات تھیں جو بکھروی نے پیش کیں اور آپ نے ان کی تحقیق دیکھ لی، لہٰذا عرض ہے کہ ''فیوض النبوی'' کے نام سے بکھروی صاحب جو ''موتی'' بکھیر رہے ہیں، علمی میدان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ بریلویت کی گرتی ہوئی دیواروں کو سہارا دینے کی کوشش مردود ہے۔

۵: بکھروی صاحب نے امام ابوداود کے سکوت کا تذکرہ بھی کیا ہے، حالانکہ رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام وغیرہما مسائل کے سلسلے میں بریلویہ و دیوبندیہ دونوں فرقے سکوتِ ابی داود سے استدلال نہیں کرتے بلکہ اہل حدیث کی بیان کردہ کئی احادیث پر جرح کر دیتے ہیں اور اس طریقے سے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مار کر ضعیف روایت کی حجیت کے اصول کے پرخچے اڑا دیتے ہیں۔

۶: بکھروی صاحب نے صحیح بخاری (۶۵۴۱) میں اسید بن زید (ایک ضعیف راوی) کی نشاندہی کی ہے۔

عرض ہے کہ یہ راوی صحیح بخاری کے اصول و بنیادی روایتوں کا راوی نہیں بلکہ اس کی صحیح بخاری میں صرف ایک روایت ہے اور وہ بھی متابعات میں ہے۔ اسید نے یہ حدیث امام ہشیم بن بشیر سے بیان کی اور یہی حدیث درج ذیل راویوں نے بھی اسی طرح امام ہشیم سے بیان کی ہے:

۱: سریج بن النعمان (مسند احمد ۱/۲۷۱ ح ۲۴۴۸)

۲: شجاع بن مخلد الفلاس (زوائد مسند احمد ۱/۲۷۱ ح ۲۴۴۹)

۳: سعید بن منصور (صحیح مسلم: ۵۲۷/۲۲۰)

۴: زکریا بن یحییٰ زحمویہ (شعب الایمان للبیہقی: ۱۱۶۳، کتاب الایمان لابن مندہ: ۹۸۲)

اتنی متابعات صحیحہ کے بعد بھی اسید بن زید کی اس روایت پر اعتراض کرنا بڑا ظلم ہے۔

اگر کہا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ضعیف راوی کو کیوں اہمیت دی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اسے ضعیف نہیں بلکہ صدوق سمجھتے تھے اور اس کی تائید اس سے

بھی ہوتی ہے کہ وہ کتاب الضعفاء میں اسید بن زید کو نہیں لائے۔ (نیز دیکھئے التاریخ الکبیر ۲/۱۵)

ہم تو جمہور محدثین کے پابند ہیں، لہٰذا اس راوی کو ضعیف اور صحیح بخاری میں اس کی بیان کردہ حدیث کو متابعات و شواہد کی وجہ سے صحیح سمجھتے ہیں۔ والحمد للہ

۷: بکھروی صاحب نے صحیح بخاری کی ایک معلق روایت (قبل ح ۳۵۱) کے بارے میں لکھا ہے: ''امام بخاری کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔'' (چاریار مصطفیٰ ص ۳۵)

عرض ہے کہ یہ حدیث سنن ابی داود (۶۳۲) وغیرہ میں ہے اور اسے ابن خزیمہ (۷۷۷، ۷۷۸) ابن حبان (۲۲۹۱) حاکم (۱/۲۵۰) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے، نیز ابوداود نے سکوت (!) کیا ہے۔

اس کے راوی موسیٰ بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن المخزومی جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں، لہٰذا یہ حدیث حسن ہے اور امام بخاری کا اسے ضعیف قرار دینا صحیح نہیں۔

۸: ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص وضو کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا اُس کا وضو نہیں ہوتا۔ (سنن ترمذی وغیرہ)

اس حدیث کے بارے میں بکھروی نے لکھا ہے: ''یہ روایت ضعیف ہے۔''

(چاریار مصطفیٰ اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۶)

حالانکہ اس مسئلے میں سنن ابن ماجہ (۳۹۷) اور مسند احمد (۴۱/۳) کی حدیث حسن لذاتہ ہے اور بوصیری نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔

۹: آمین بالجہر کے بارے میں بکھروی نے تدلیس و تلبیس سے کام لیتے ہوئے سنن ابن ماجہ (۸۵۳) کی ایک ضعیف روایت نقل کی اور لکھا ہے: ''مگر غیر مقلدین کے عوام اور انکے محدثین و محققین نے اس ضعیف حدیث کو قبول کیا ہے۔ کیونکہ اپنے مطلب کی ہے۔''

(ایضاً ص ۳۶)

عرض ہے کہ اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت نے اس روایت کو قبول نہیں کیا بلکہ رد کر دیا

ہے۔ (دیکھئے انوار الصحیفہ ص ۴۶ ح ۹۳۴، ص ۴۰۸ ح ۸۵۴)

نیز یاد رہے کہ اس روایت پر امام ابوداود نے سکوت (!!) فرمایا ہے۔ (دیکھئے ح ۹۳۴)

ہم جن دلائل کی وجہ سے آمین بالجہر کے قائل و فاعل ہیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی "فجھر بآمین" پس آپ نے آمین بالجہر کہی۔ (سنن ابی داود: ۹۳۳ و سکت علیہ و سندہ حسن لذاتہ)

(۲) سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے مقتدی اونچی آواز میں آمین کہتے تھے۔

(دیکھئے صحیح بخاری قبل ح ۷۸۰، القول المتین ص ۴۷)

اس کے خلاف کسی صحابی سے کچھ بھی ثابت نہیں، لہٰذا یہ اجماع ہے۔

(۳) عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے لوگوں کو اونچی آواز سے آمین کہتے ہوئے پایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۲۵ و سندہ حسن، القول المتین ص ۵۳)

(۴) یہود کے حسد والی حدیث (دیکھئے سنن ابن ماجہ: ۸۵۶ و سندہ صحیح و صححہ المنذری والبوصیری)

تفصیل کے لئے میری کتاب: القول المتین فی الجہر بالتامین پڑھ لیں اور اہلِ حدیث کے خلاف "غیر مقلدین" کا ناپسندیدہ لفظ استعمال کر کے جھوٹا پروپیگنڈا نہ کریں۔

۱۰: بھروی نے لکھا ہے: "...ظہر کی نماز سارا سال اول وقت میں پڑھتے ہیں۔ جامع ترمذی ۱/ ۲۹۲ برقم ۱۵۵ ایک روایت ہے۔ یہ ضعیف روایت ہے۔ اس کو ناصر الدین البانی نے بھی ضعیف کہا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی حکم بن جبیر ہے۔ محدثین نے اس پر سخت کلام کیا ہے۔" (ایضاً ص ۳۶)

عرض ہے کہ اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"ما رأیت أحدًا کان أشدّ تعجیلًا للظھر من رسول اللّٰہ ﷺ ولا من أبي بکر ولا من عمر." (سنن ترمذی ص ۵۷ وقال في حکیم بن جبیر: "ولم یر یحیی بحدیثہ بأسًا")

عرض ہے کہ حکم بن جبیر کا اس روایت میں تفرد نہیں بلکہ سفیان ثوری عن منصور عن ابراہیم کی سند سے بھی یہ روایت موجود ہے۔ (دیکھئے السنن الکبری للبیہقی ۱/ ۴۳۷)

نیز اس کے کئی شواہد بھی ہیں۔ مثلاً:

(۱) ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "كان رسول الله ﷺ أشد تعجيلاً للظهر منكم..." (سنن ترمذی: ۱۶۱، وسندہ صحیح، مسند احمد ۶/ ۲۸۹، ۳۱۰)

(۲) سنن ابی داود (۳۹۹ وسندہ حسن)

(۳) صحیح مسلم (۶۱۹/ ۱۴۰۵۔۱۴۰۶)

(۴) ایک حدیث میں آیا ہے کہ اول وقت نماز پڑھنا سب سے افضل عمل ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۱۶۹ ح ۳۲۷، صحیح ابن حبان: ۲۸۰ وصححہ الحاکم ۱/ ۱۸۸۔۱۸۹ ح ۶۷۵ ووافقہ الذہبی)

نیز دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین (ص ۲۱ ح ۵)

ان شواہد صحیحہ کے ساتھ ترمذی والی روایت بھی حسن ہے اور اہلِ حدیث کا عمل احادیث صحیحہ پر ہے لہٰذا حکم بن جبیر کی روایت سے ان پر اعتراض غلط ہے۔

ویسے عرض ہے کہ اگر سنن ترمذی والی حدیث آپ لوگوں کے نزدیک ضعیف ہے تو آپ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ ضعیف روایات کا دفاع بھی اور پھر اپنی ضعیف کردہ روایات پر عمل نہ کرنا عجیب دوغلی پالیسی ہے۔

آخر میں بکھروی صاحب، تمام بریلویہ اور دیوبندیہ کے اُن اشخاص کی "خدمت" میں عرض ہے جو کہ ضعیف روایات کو حجت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: "احادیث ضعیفہ کا مطلقاً انکار کرنا، انکار حدیث ہے۔"

وہ بسم اللہ کریں اور اس مضمون میں مذکورہ تمام احادیث (جنھیں یہ لوگ ضعیف سمجھتے ہیں) پر عمل کریں، ورنہ اپنے ہی اصول کے مطابق منکرین حدیث میں اپنا نام درج کروا دیں۔

جب وہ ان ضعف روایات پر عمل کریں گے تو ان شاء اللہ ہم ان کی "خدمات" میں صحیح وحسن لذاتہ روایات بھی پیش کر دیں گے جن پر یہ لوگ قطعاً عمل نہیں کرتے، بلکہ بعض احادیث صحیحہ کو ضعیف باور کرانے کی کوششوں میں جُتے ہوئے ہیں۔ وما علينا إلا البلاغ

(۲۶/ شوال ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۴ ستمبر ۲۰۱۲ء)

جنات کے نام: حرزِ ابی دجانہ والی روایت موضوع ہے

کسی ''خانقاہ شریف'' سے عطاء اللہ (دیوبندی) نے ''حرزِ ابی دجانہ رضی اللہ عنہ جنات کے نام'' سے دو صفحات کا ایک مضمون لکھا ہے جو دیوبندیوں کے ''مجلہ المصطفیٰ بہاولپور'' کی اشاعت ۳۵ (ربیع الاول ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ) میں ص ۲۶۔۲۷ پر شائع ہوا ہے اور اس کا عکس درج ذیل ہے:

رسائل و مسائل | ربیع الاول ربیع الثانی | ۱۴۳۴ھ



سیدنا حضرت ابو دجانہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آج رات میں نے ایک آواز سنی چکی کی آواز کی طرح، کبھی وہ آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ... بجلی کی چمک کی طرح چمکی۔

میں نے جب سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک سیاہ سایہ میرے گھر کے صحن کے اوپر کی جانب بڑھ رہا ہے۔

تو میرے دیکھتے اس نے میری جانب ایک انگارہ پھینکا جیسے کہ آگ کی چنگاری ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو بلا کر فرمایا ... لکھو۔

حضرت ابو دجانہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ دعا اور تعویذ ... لپیٹ کر ... رکھا اور سو گیا تو پوری رات جن

کے رونے کی آواز آتی رہی اور میں نے جن کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ اے ابو دجانہ تم نے تو اس تعویذ سے جلا دیا ہے ... میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی بھی تمہارے گھر بلکہ تمہارے پڑوس میں بھی کسی کے گھر بلکہ جہاں یہ نقش ہوگا وہاں اس مکان میں بھی نہیں آؤں گا۔

وہ دعا یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا كتاب من محمد رسول رب العالمين إلى من طرق الدار من العمار والزوار إلا طارقا يطرق بخير. أما بعد فإن لنا ولكم في الحق سعة فإن تك عاشقا مولعا أو فاجرا مقتحما فهذا كتاب الله ينطق علينا وعليكم بالحق إنا كنا نستنسخ ما كنتم تعملون ورسلنا يكتبون ما تمكرون اتركوا صاحب كتابي هذا وانطلقوا إلى عبدة الأصنام وإلى من يزعم أن مع الله إلها آخر لا إله إلا هو كل شيء هالك إلا وجهه له الحكم وإليه ترجعون حم لا ينصرون حم عسق تفرق أعداء الله وبلغت حجة الله ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم

وظائف و اعمال | ربیع الاول ربیع الثانی | ۱۴۲۳ھ

اس نقش کے فوائد

[1] اگر صاف صاف لکھ کر مکان کی دیوار پر چسپاں کر دیا جائے تو جنات کے شر سے وہ چار دیواری اور مکان محفوظ رہتا ہے۔

[2] جو آدمی جنات کو دیکھ رہا ہو یا اس کو نظر آتے ہوں تو اس کو لکھ کر تکیے کے نیچے رکھ دیں۔

[3] یا اس کو لکھ کر پی لیا کرے خوف کے وقت۔

[4] اگر مریض کی آنکھ بند ہو جائے تو اس کی پیشانی پر رکھ دیں۔

[5] جس گھر میں جنات چوری کرتے ہوں تو اس میں یہ آیت لکھ کر یہ تعویذ سامان میں رکھ دیں یا کپڑے میں لگا دیں یا الماری میں رکھیں۔ "اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ"

[6] جس مکان کی دیوار پر سائے نظر آتے ہوں تو اس پر لٹکا دیا جائے تب بھی وہ سایہ غائب ہو جائے گا۔

[7] جس مکان میں آوازیں آتی ہوں یا شور آتا ہو یا الٹی آوازیں آتی ہوں یا دروازے بجتے ہوں تو اس کو لٹکا دیں۔

[8] جس مکان میں آگ لگ جاتی ہو کپڑوں میں یا بستروں میں تو اس مکان میں کہیں لٹکا دیا جائے۔

[9] [illegible]

[10] اگر کوئی مریض گلے میں تعویذ نہ باندھے تو اس کے سر کے بالوں سے باندھ دیں۔

[11] اگر کسی مرد یا عورت پر جن عاشق ہو جائے اور وہ جان نہ چھوڑتا ہو تو یہ تعویذ استعمال کیا جائے۔ ۱۔ بازو میں، ۲۔ تکیے میں رکھیں، [illegible]

اس نقش کو [illegible] کئی مفسرین نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے جو کہ بہشتی زیور، خصائص الکبریٰ، الجامع الکبیر امام سیوطی میں بھی ہے علاوہ ازیں اور کتب میں بھی ہے۔

مرشد العلماء پیر طریقت رہبر شریعت حضرت سید نفیس الحسینی [illegible] تکیے میں ڈالنے کی اجازت بھی دیتے تھے۔ میں حضرت کے ایصال ثواب کے لئے نقل کر رہا ہوں اور تمام اہل اسلام کو اس سے مستفید ہونے کی اجازت بھی دیتا ہوں۔ یہ نقش لکھ کر [illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم

احد	الله	هو	قل
يلد	لم	الصمد	الله
ولم	له	يو	ولم
احدا	كفوا	له	يكن

[illegible]

اس رسالے پر مدیر وغیرہ کے سلسلے میں محمد یوسف الحسینی، عبدالصمد اور عطاء الرحمٰن (دیوبندیوں) کے نام لکھے ہوئے ہیں۔

یہ روایت بہشتی زیور، خصائص کبریٰ للسیوطی اور الجامع الکبیر للسیوطی میں بے سند ہے، لیکن حافظ ابوبکر البیہقی رحمہ اللہ نے اسے درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

"أخبرنا أبو سهل محمد بن نصرويه المروزي قال: حدثنا أبو أحمد علي بن محمد بن عبد الله الحبيبي المروزي قال: أخبرنا أبو دجانة محمد بن أحمد بن سلمة بن يحيى بن سلمة بن عبد الله بن زيد بن خالد بن أبي دجانة...

قال: حدثني أبي أحمد بن سلمة قال: حدثنا أبي سلمة بن يحيىٰ قال: حدثنا أبي يحيى بن سلمة قال: حدثنا أبي سلمة بن عبد اللّٰه قال: حدثنا أبي عبد اللّٰه بن زيد بن خالد قال: حدثنا أبي زيد بن خالد قال: حدثنا أبي خالد بن أبي دجانة قال: سمعت أبي أبا دجانة.."

(دلائل النبوة ۷/ ۱۱۸۔۱۱۹، دوسرا نسخہ ۷/ ۸۸ ح ۳۱۰۸)

یہ روایت لکھنے کے بعد حافظ بیہقی نے فرمایا:

"و قدروي في حرز أبي دجانة حديث طويل وهو موضوع، لا تحل روايته، واللّٰه تعالىٰ أعلم بالصواب..." اور حرزِ ابی دجانہ کے بارے میں طویل حدیث مروی ہے اور وہ موضوع (من گھڑت، جھوٹی) ہے، اس کی روایت بیان کرنا حلال نہیں اور اللہ تعالیٰ صحیح کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ (ایضاً ص ۱۱۹، دوسرا نسخہ ص ۸۹)

اس روایت کی سند میں علی بن محمد بن عبداللہ الحبیبی المروزی کذاب ہے۔

اس کے شاگرد حاکم نیشاپوری نے فرمایا: "كان يكذب..." وہ جھوٹ بولتا تھا۔

(سوالات مسعود بن علی السجزی للحاکم: ۳۰ ص ۷۴)

امام ابوزرعہ احمد بن الحسین الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: "ضعيف جدًا" وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔ (سوالات حمزہ بن یوسف السہمی للدارقطنی وغیرہ: ۴۰۷ ص ۲۷۹)

امام دارقطنی نے عبدالرحمٰن بن محمد الحبیبی المروزی نے اور علی بن محمد الحبیبی المروزی دونوں کے بارے میں فرمایا: "يحدثان بنسخ و أحاديث مناكير" وہ دونوں (منکر) نسخے اور منکر حدیثیں بیان کرتے تھے۔ (المؤتلف والمختلف ۲/ ۹۵۷۔۹۵۸)

حافظ ابویعلیٰ الخلیلی نے فرمایا: وہ معرفت اور حفظ والا تھا لیکن اس نے نسخے اور منکر احادیث بیان کیں جن میں اس کی متابعت نہیں کی گئی اور وہ اس کے ساتھ مشہور ہے۔

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۳/ ۹۰۶ ت ۸۳۱)

حبیبی کذاب کے بعد ابودجانہ محمد بن احمد سے لے کر خالد بن ابی دجانہ تک تمام راوی

مجہول العین یا مجہول الحال ہیں۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع ہے۔

حافظ بیہقی نے جس حرزِ ابی دجانہ والی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، اسے حافظ ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

" أنبأنا هبة الله بن أحمد الحريري: أنبأنا إبراهيم بن عمر البرمكي أنبأنا أبو بكر محمد بن عبد الله بن خلف بن بخيت: حدثنا أبو يعلى حمزة بن محمد بن شهاب العكبري: حدثنا أبي: حدثنا إبراهيم بن مهدي الأيلي: حدثني عبد الله بن عبد الوهاب أبو محمد الخوارزمي: حدثني محمد بن بكر البصري: حدثنا محمد بن أدهم القرشي عن إبراهيم بن موسى الأنصاري عن أبيه قال: شكا أبو دجانة الأنصاري ..." (۳/۱۶۸، دوسرا نسخہ ۳/ ۴۲۶۔۴۲۷ح ۱۶۶۰)

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن الجوزی نے فرمایا: **"هذا حديث موضوع بلاشك و إسناده منقطع و ليس في الصحابة من اسمه موسى أصلاً. و أكثر رجاله مجاهيل لا يعرفون"** یہ روایت بلاشک وشبہ موضوع (من گھڑت) ہے، اس کی سند منقطع ہے اور صحابہ کرام میں موسیٰ نام کا کوئی آدمی سرے سے ہی موجود نہیں، اس روایت کے اکثر راوی مجہول نامعلوم ہیں۔ (الموضوعات ۳/۱۶۹، دوسرا نسخہ ۳/ ۴۲۸)

غالباً اسی روایت کو بیہقی نے موضوع کہا اور حافظ ذہبی نے فرمایا:

"و حرز أبي دجانة شيٌ لم يصح، ما أدري من وضعه" اور حرزِ ابی دجانہ ایسی چیز ہے جو صحیح نہیں، مجھے معلوم نہیں کہ کس نے اسے گھڑا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲۴۵)

نیز سیوطی جیسے متساہل و حاطب اللیل نے بھی کہا:

"موضوع..." (اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ۲/ ۳۴۸)

اس روایت کی سند میں عبداللہ بن عبدالوہاب الخوارزمی کی روایات میں منکرین

ہے۔ (تاریخ اصبہان ۲/۵۲، لسان المیزان ۲/۳۱۳)

اس سند کا دوسرا راوی ابراہیم بن مہدی الایلی ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''کذبوہ'' انھوں (علماء) نے اسے کذاب کہا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۲۵۷)

اس سند کے باقی راوی مجہول ہیں۔

اس روایت کی دونوں سندیں آپ نے دیکھ لیں کہ موضوع یعنی من گھڑت (جھوٹی) ہیں اور ایسی روایات کو مذکور دیوبندی ''حضرات'' عوام الناس میں پھیلا کر جرم عظیم کا ارتکاب بھی کر رہے ہیں اور حدیث: من کذب عليّ إلخ کا مصداق بھی بن رہے ہیں۔

آخر میں انھوں نے سورۃ الاخلاص کی آیات مبارکہ کو توڑ کر جو تعویذ لکھا ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۰/ فروری ۲۰۱۳ء)

رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ حدیث ثابت ہے

حافظ ابن عساکر الدمشقی (م ۵۷۱ھ) نے لکھا ہے:

" أخبرنا أبو سهل محمد بن إبراهيم :أنا أبو الفضل الرازي :أنا جعفر بن عبد الله :نا محمد بن هارون :نا محمد بن بشار :نا عبد الوهاب :نا عوف: ثنا مهاجر أبو مخلد :حدثني أبو العالية :حدثني أبو مسلم قال :غزا يزيد ابن أبي سفيان بالناس فغنموا فوقعت جارية نفيسة في سهم رجل ، فاغتصبها يزيد، فأتى الرجل أبا ذر فاستعان به عليه فقال له :ردّ على الرجل جاريته ، فتلكأ عليه ثلاثًا، فقال :إني فعلت ذاك لقد سمعت رسول الله ﷺ يقول :((أوّل من يبدّل سنتي رجل من بني أمية ، يقال له يزيد.)) فقال له يزيد بن أبي سفيان :نشدتك بالله أنا منهم ؟ قال: لا. قال :فردّ على الرجل جاريته. " ابو مسلم (الجذمی رحمہ اللہ) نے فرمایا: یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں کے ساتھ مل کر (ایک) جہاد کیا پھر انھیں مالِ غنیمت حاصل ہوا تو ایک آدمی کے حصے میں ایک بہترین قیمتی لونڈی آئی۔ پھر اس لونڈی کو یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) نے اپنے قبضے میں لے لیا تو وہ آدمی ابو ذر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا اور اُن کے خلاف تعاون کرنے کی درخواست کی۔ پھر انھوں (ابو ذر رضی اللہ عنہ) نے اُنْ (یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: اس آدمی کو اُس کی لونڈی واپس دے دو۔ تو انھوں نے تین دفعہ عذر پیش کیا پھر (ابو ذر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: میں نے یہ اس لئے کیا ہے، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری سنت کو سب سے پہلے بنواُمیہ کا ایک آدمی تبدیل کرے گا جسے یزید کہا جائے گا۔

یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) نے اُن (سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: اللہ کی قسم! کیا میں وہ آدمی ہوں؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔

پھر انھوں (یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) نے اس لونڈی کو واپس کر دیا۔

(تاریخ دمشق ۶۵/۲۴۹۔۲۵۰)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے اور راویوں کا تعارف درج ذیل ہے:

۱: ابو سہل محمد بن ابراہیم بن محمد بن سعدویہ الاصبہانی رحمہ اللہ (م ۵۳۰ھ)

حافظ ذہبی نے فرمایا: " الثقة العالم ... صالح خيّر صدوق مكثر "

(سیر اعلام النبلاء ۲۰/۴۷)

ابن الجوزی نے فرمایا: " و كان حسن السيرة ثقة ثبتًا، ذكره شيخنا أبو الفضل ابن ناصر و أثنى عليه . " (المنتظم ۱۷/۳۶۶ ت ۴۰۱۵)

ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور السمعانی نے فرمایا: " شيخ أمين، ديّن صالح، ثقة صدوق، حسن السيرة ، كثير السماع... و من مسموعاته كتاب المسند لأبي بكر محمد بن هارون الروياني بروايته عن أبي الفضل الرازي عن أبي القاسم ابن فناكي عنه . " (المنتخب من معجم الشیوخ ۲/۱۳۵۲۔۱۳۵۳ ت ۸۸۹)

۲: ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد بن الحسن بن بندار المقرئ الرازی رحمہ اللہ (م ۴۵۴ھ)

عبدالغافر بن اسماعیل القاری نے فرمایا: " ثقة فاضل ، إمام في القراء ات ، أوحد في طريقته . " (الحلقۃ الاولیٰ من تاریخ نیسابور، المنتخب من السیاق ص ۴۷۸ ت ۱۰۱۴)

ذہبی نے فرمایا: " الإمام القدوة ، شيخ الإسلام " (النبلاء ۱۸/۱۳۵)

اور فرمایا: " الزاهد الإمام " (تاریخ الاسلام ۳۰/۳۶۱ ت ۱۱۴)

یحییٰ بن مندہ نے اپنی تاریخ میں فرمایا: "ثقة ورع متدين عارف بالقراء ات و الروايات عالم بالأدب والنحو وهو مع هذا أكبر من أن يدل عليه مثلي وهو أشهر من الشمس و أضوأ من القمر، ذوالفنون من العلم۔ رحمه الله۔ وكان شيخًا مهيبًا منظورًا فصيح اللسان حسن الطريقة كبير الوزن . "

(بحوالہ التقیید لابن نقطہ ۲/۸۴ ت ۴۰۳)

۳: ابوالقاسم جعفر بن عبداللہ بن یعقوب بن الفنا کی الرازی رحمہ اللہ (م ۳۸۳ھ)
ابویعلیٰ الخلیلی نے فرمایا: " موصوف بالعدالة و حسن الديانة. "

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۲/ ۶۹۱ ت ۴۶۲)

ضیاء مقدسی نے اُن کی کئی احادیث المختارۃ میں بیان کیں۔

(مثلاً دیکھئے المختارۃ ۲/ ۳۵۳ ح ۷۳۵)

وہ مسند الرویانی کے بنیادی راوی ہیں اور ایک جماعت نے ان سے روایت بیان کی ہے۔
حافظ ذہبی نے اُن کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:
" وهذا إسناد صحيح " (تاریخ الاسلام ۲۷/ ۶۱)
تین ائمہ کی اس تعریف و توثیق کے بعد جعفر بن عبداللہ کے بارے میں اعدل الاقوال یہی ہے کہ وہ ثقہ وصدوق ہیں۔
اس توثیق کے بعد بھی اگر کوئی شخص بضد ہے کہ " جعفر بن عبداللہ کے حافظہ وضبط کے بارہ میں کوئی دلیل مجھے نہیں ملی البتہ..." تو ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو فہم سلیم اور حافظہ وضبط عطا فرمائے۔ آمین

۴: ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی رحمہ اللہ (م ۳۰۷ھ)
حافظ خلیلی نے فرمایا: "ثقة" (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۲/ ۸۰۱ ت ۶۹۹)

حافظ ذہبی نے فرمایا: " الإمام الحافظ الثقة .. صاحب المسند المشهور "

(النبلاء ۱۴/ ۵۰۷ ت ۲۸۴)

محمد بن عبدالغنی البغدادی یعنی ابن نقطہ نے فرمایا: " ثقة إمام " (تکملۃ الاکمال ۲/ ۷۴۸ ت ۲۶۵۳)

۵: ابوبکر محمد بن بشار بن عثمان العبدی عرف بندار رحمہ اللہ (م ۲۵۲ھ)
آپ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے بنیادی راوی ہیں۔
انھیں امام عجلی اور جمہور نے ثقہ و صحیح الحدیث قرار دیا۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: " ثقة "

(تقریب التہذیب: ۵۷۵۴)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "ثقة صدوق..." إلخ (میزان الاعتدال ۳/ ۴۹۰ ت ۷۲۶۹)
ان پر امام ابوحفص عمرو بن علی الفلاس وغیرہ کی جرح جمہور کی توثیق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۶: **ابومحمد عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت الثقفی البصری رحمہ اللہ (م ۱۹۴ھ)**
آپ صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے مرکزی راوی ہیں۔
عبدالوہاب الثقفی رحمہ اللہ (م ۱۹۴ھ) کی توثیق درج ذیل ہے:

۱: بخاری (احتج به في صحيحه)
۲: مسلم (احتج به في صحيحه)
۳: یحییٰ بن معین نے فرمایا: "ثقة"
(کتاب العلل و معرفۃ الرجال لعبداللہ بن احمد ۳/ ۳۲ فقرہ: ۴۰۳۵، تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۶۲ وغیرہما)
۴: ایوب السختیانی نے فرمایا: اس نوجوان عبدالوہاب الثقفی کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہو۔
(تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۹ ت ۵۶۸۷ وسندہ صحیح ولفظہ: الزموا هذا الفتى عبد الوهاب الثقفي)
۵: عجلی نے فرمایا: "ثقة" (التاریخ: ۱۱۴۷)
۶: ابن خزیمہ (احتج به في صحيحه)
۷: ابن حبان (ذکرہ فی الثقات ۷/ ۱۳۲۔۱۳۳، واحتج به في صحيحه)
۸: علی بن عبداللہ المدینی نے فرمایا: "ليس في الدنيا كتاب عن يحيى أصح من كتاب عبد الوهاب..." دنیا میں یحییٰ (بن سعید) سے عبدالوہاب (ثقفی) کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۱/ ۶۵۰)
۹: امام شافعی نے فرمایا: "وهو ثقة"
(کتاب الام ج ۱ ص ۲۶۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/ ۱۷۰ ح ۲۰۶۵۳)
۱۰: بیہقی نے فرمایا: "وهو من الثقات" (السنن الکبریٰ ۱۰/ ۱۶۹ ح ۲۰۶۵۳)
۱۱: ترمذی (صحح لہ: ۲۰، ۲۲۷۰ وغیرہما)

۱۲: ابن الجارود (روی لہ فی المنتقیٰ: ۸۷، ۲۹۷، ۳۰۱)

۱۳: دارقطنی (صحح لہ ۳/ ۲۲۲۔۲۲۳ ح ۳۲۸۴)

۱۴: حاکم (صحح لہ ۳/ ۴۰۸ ح ۵۷۲۹ ووافقہ الذہبی)

۱۵: ذہبی (ایضاً) نیز فرمایا: " هو الإمام الأنبل الحافظ الحجة " (النبلاء ۹/ ۲۳۷)
اور تذکرۃ الحفاظ میں انھیں ذکر کر کے فرمایا: " كان ثقة سرياً جليل القدر "
(۱/ ۳۲۱ ت ۳۰۰)

حافظ ذہبی کا کلام آگے بھی آرہا ہے۔ (ص ۷۔۸)

۱۶: ابوعوانہ (روی لہ فی مستخرجہ)

۱۷: بغوی (صحح لہ فی شرح السنۃ ۱/ ۳۶۰ ح ۲۳۷)

۱۸: ابونعیم الاصبہانی (روی لہ فی مستخرجہ)

۱۹: ابن عساکر (صحح لہ فی معجم شیوخہ ۱/ ۱۰۲۔۱۰۳ ح ۱۰۸)

۲۰: الضیاء المقدسی (احتج بہ فی المختارۃ)

۲۱: امام قتیبہ بن سعید الثقفی نے فرمایا: " ما رأيت مثل هؤ لاء الفقهاء الأشراف الأربعة : مالك بن أنس والليث بن سعد و عباد بن عباد المهلبي و عبد الوهاب الثقفي. " میں نے ان چار معزز فقہاء جیسا کوئی نہیں دیکھا: مالک، لیث بن سعد، عباد بن عباد اور عبدالوہاب ثقفی۔ (سنن ترمذی: ۲۶۱۱)

۲۲: حافظ ابن حجر نے فرمایا: " أحد الأثبات " وہ ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔
(ہدی الساری ص ۴۲۲)

اور فرمایا: " ثقة ، تغير قبل موته بثلاث سنين . " (تقریب التہذیب: ۴۲۶۱)

۲۳: امام احمد بن حنبل نے اُن سے روایت بیان کی اور حافظ ابن حجر نے محمد بن الحسن بن آتش الیمانی پر امام نسائی کی جرح کا درج ذیل جواب دیا: " و كلام النسائي فيه غير مقبول لأن أحمد و علي ابن المديني لا يرويان إلا عن مقبول مع قول أحمد

بن صالح فيه . " اوراُن کے بارے میں نسائی کا کلام مقبول نہیں کیونکہ احمد اور علی بن المدینی دونوں صرف مقبول (یعنی اپنے نزدیک ثقہ) سے ہی روایت بیان کرتے تھے، اس کے ساتھ ان کے بارے میں احمد بن صالح کا قول بھی ہے۔ (تہذیب التہذیب ۳/۵۴۰)

۲۴: اُن سے علی بن المدینی نے روایت بیان کی۔ نیز دیکھئے فقرہ سابقہ: ۲۳

۲۵: عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی (م ۵۶۲ھ) نے فرمایا:

" و كان من الثقات و كان صحيح الكتاب ثقة صدوقاً ، قيل إنه اختلط في آخر عمره قبل موته بثلاث سنين . " (الانساب ۱/۵۰۹، الثقفی)

۲۶: ابن ناصر الدین الدمشقی نے فرمایا: " و كان من الحفاظ الأثبات المتقنين مع سخائه و كثرت نفقاته على الطالبين . " (التبیان لبدیعۃ البیان ۱/۳۸۷ رقم: ۲۷۷)

۲۷: ابن الجوزی نے فرمایا: " و كان ثقة إلا أنه اختلط في آخر عمره. " (المنتظم ۱۰/۹ ت ۱۰۶۴)

۲۸: خلیلی نے انھیں ثقات (ثقہ راویوں) میں شامل کیا۔

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۱/۲۰۷ ت ۳۳)

۲۹: ابن عبدالہادی (م ۷۴۴ھ) نے فرمایا: " الإمام الحافظ ... كان ثبتاً سرّياً جليل القدر . " (طبقات علماء الحدیث ۱/۴۶۳ ت ۲۸۱)

۳۰: ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) نے فرمایا: " و كان ثقة واختلط قبل موته بثلاث سنين " (اللباب فی تہذیب الانساب ۱/۱۶۵)

اس جم غفیر اور جمہور علمائے حدیث و سلف صالحین کے مقابلے میں درج ذیل جرح موجود ہے:

۱: ابن سعد نے کہا: " و كان ثقة و فيه ضعف " (طبقات ابن سعد ۷/۲۸۹)

۲: عقیلی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء) قال: " تغير في آخر عمره . "

(کتاب الضعفاء طبع جدیدہ ۳/۵۶۰ ت ۱۰۴۵، وطبعات قدیمہ)

یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے:

۱: یہ جمہور محدثین کے خلاف ہے اور جمہور کی توثیق کے خلاف (تعارض وعدم تطبیق کی صورت میں) ہر جرح مردود ہوتی ہے۔

۲: اس جرح کا تعلق اختلاط سے ہے۔

حافظ ابن حجر نے ابن سعد کی جرح کے بارے میں لکھا ہے:

"قلت :عنى بذلك ما نقم عليه من الاختلاط.. والظاهر أنه إنما أخرج له عمن سمع منه قبل اختلاطه كعمرو بن علي وغيره ..."

میں نے کہا: اس (ابن سعد) کی اس سے مراد اختلاط والی جرح ہے...اور ظاہر یہ ہے کہ انھوں (بخاری) نے ان (عبدالوہاب ثقفی) سے ان لوگوں کی روایات بیان کی ہیں جنھوں نے ان کے اختلاط سے پہلے سنا تھا مثلاً عمرو بن علی وغیرہ. الخ (ہدی الساری ص ۴۲۲-۴۲۳)

ہم نے اس مضمون میں ثابت کر دیا ہے کہ محمد بن بشار کا عبدالوہاب ثقفی سے سماع اُن کے اختلاط سے پہلے کا ہے لہٰذا اختلاط کا اعتراض سرے سے مردود ہے۔

بعض معاصرین کا یہ کہنا کہ "اور ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح اختلاط سے متعلق نہیں بلکہ فیہ ضعف کی مطلق جرح ہے" حافظ ابن حجر کی صراحت اور جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

یہاں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ ابن سعد پر امام یحییٰ بن معین کی جرح: "کذب" جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور ابن سعد صدوق موثق عند الجمہور ہیں۔

عقیلی کی جرح کا تعلق بھی اختلاط سے ہے، جس کا جواب گزر چکا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ثقة تغيّر قبل موته بثلاث سنين"

(دیکھئے فقرہ سابقہ: ۲۲ ص ۵)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "فثقة مشهور" (میزان الاعتدال ۲/۶۸۰ ت ۵۳۲۱)

حافظ ذہبی نے اُن کے ساتھ "صـــح" کی علامت لکھی اور حافظ ذہبی کے نزدیک اس

علامت کا یہ مطلب ہے کہ اُن کی توثیق راجح ہے اور جرح مردود ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۲/ ۱۵۹، دوسرا نسخہ ۲/ ۲۸۹، تحقیقی مقالات ۳/ ۱۸۲۔۱۸۳)

اگر کوئی کہے کہ عبدالوہاب الثقفی ثقہ تو ہیں لیکن آخری عمر میں انھیں اختلاط ہو گیا تھا تو اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

(۱) حافظ ذہبی نے فرمایا: " **لکنه ماضرّ تغیرہ حدیثه فإنه ما حدّث بحدیث فی زمن التغیر.** " لیکن آپ کی حدیث کو اختلاط نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ آپ نے زمانۂ اختلاط (یا زمانۂ تغیر) میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۶۸۱)

نیز فرمایا: " **لکن ما ضرہ تغیرہ فإنه لم یحدث زمن التغیر بشئ.** "

لیکن انھیں اختلاط نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، کیونکہ انھوں نے زمانۂ اختلاط میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ (سیر اعلام النبلاء ۹/ ۲۳۹)

(۲) عبدالوہاب الثقفی رحمہ اللہ سے یہ حدیث امام محمد بن بشار رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اور ابن بشار کی ثقفی سے روایات صحیح بخاری (۱۷، ۳۷۷، ۹۷۲، ۲۰۹۷، ۲۱۶۲، ۲۶۳۴) اور صحیح مسلم (۱۲۰۸ [۲۹۰۵]، ۲۵۱۵ [۶۴۳۲]) وغیرہما میں موجود ہیں۔

(نیز دیکھئے الکواکب النیرات ص ۳۱۹)

ابن الصلاح نے فرمایا: " **واعلم أن من کان من ھذا القبیل محتجًا بروایته فی الصحیحین أو أحدھما فإنا نعرف علی الجملة أن ذلك مما تمیز و کان مأخوذًا عنه قبل الاختلاط واللّٰہ أعلم.** "

اور جان لے کہ اس قسم کے جن راویوں سے صحیحین یا صحیحین کی کسی ایک کتاب میں بطورِ حجت روایت لی گئی ہے تو ہم عمومی طور پر یہ جانتے ہیں کہ ان روایتوں کو علیحدہ کر دیا گیا ہے اور یہ اس راوی کے اختلاط سے پہلے کی ہیں۔ واللہ اعلم (مقدمۃ ابن الصلاح ص ۳۶۶ نوع: ۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جس مختلط راوی سے صحیحین میں روایت بطورِ استدلال موجود ہو تو یہ اس کے اختلاط سے پہلے کی ہوتی ہے اِلا یہ کہ کسی خاص راوی کے بارے میں کوئی خاص

دلیل ثابت ہو جائے تو اسے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔

چونکہ یہاں مقابلے میں کوئی خاص دلیل موجود نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث امام عبدالوہاب الثقفی کے اختلاط سے پہلے کی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ یہ حدیث صرف عبدالوہاب نے متصلاً بیان کی ہے اور دوسرے دو ثقہ راویوں (ھوذہ بن خلیفہ اور معاذ بن معاذ العنبری) نے اس طرح بیان نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالوہاب ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادت (اگر اوثق کے مخالف نہ ہو تو) مقبول ہوتی ہے۔ یہاں یہ زیادت کسی ثقہ یا اوثق راوی کے بھی خلاف نہیں اور بعض راویوں کا متصل روایت بیان نہ کرنا ہرگز مخالفت نہیں ہوتی، ورنہ اس باطل اعتراض کی رو سے صحیحین کی بعض روایات اور دیگر احادیث صحیحہ کو بھی ضعیف قرار دیا جا سکتا ہے جو کہ اصلاً باطل و مردود ہے۔

مثال نمبر۱: امام بخاری رحمہ اللہ نے "عيسى بن يونس عن هشام (بن عروة) عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها" کی سند سے ایک حدیث بیان کی:

"كان رسول الله ﷺ يقبل الهدية و يثيب عليها."

رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کے بدلے میں ہدیہ دیتے تھے۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام بخاری نے فرمایا:

"لم يذكر وكيع و محاضر: عن هشام عن أبيه عن عائشة" وکیع اور محاضر نے (اس سند میں) عروہ کے بعد عن عائشہ کا واسطہ بیان نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: ۲۵۸۵)

وکیع بن الجراح کی مرسل روایت کے لئے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۶/۵۵۲ ح ۲۱۹۹۵)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "و الناس يحدّثون به مرسلاً." اور لوگ (عیسیٰ بن یونس کے علاوہ) اسے مرسل بیان کرتے ہیں۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۹۷۳، نیز دیکھئے: ۱۱۳۸)

امام ترمذی نے فرمایا: ہم اسے صرف عیسیٰ بن یونس عن ہشام کی سند سے ہی مرفوع (یعنی متصل) جانتے ہیں۔ (سنن الترمذی: ۱۹۵۳، وقال: حسن صحیح غریب)

دار قطنی نے اسے الالزامات والتتبع میں ذکر کیا۔ (ص ۳۴۳ ح ۱۸۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہوتی ہے اور دو ثقہ راویوں کا روایت مذکورہ کو مرسل بیان کرنا اُن کے نزدیک ضعف کی دلیل نہیں۔

مثال نمبر۲: علی بن حفص المدائنی نے "شعبة عن خبيب بن عبد الرحمن عن حفص بن عاصم عن أبي هريرة" رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث بیان کی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " كفى بالمرء كذبًا أن يحدّث بكل ما سمع . "

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرتا رہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۔ ۹ ح ۵ ترقیم دار السلام: ۷)

امام ابوداود نے فرمایا: اسے اس شیخ یعنی علی بن حفص المدائنی کے علاوہ کسی نے مسند (یعنی متصل سند کے ساتھ) روایت نہیں کیا۔ (سنن ابی داود: ۴۹۹۲)

امام دارقطنی نے فرمایا: " هذا حديث رواه غندر و ابن أبي عدي وغيرهما عن شعبة مرسلاً لم يذكروا فيه أبا هريرة و ذكره علي بن حفص المدائني وغيره أثبت منه . " اسے غندر اور ابن ابی عدی وغیرہما نے شعبہ سے مرسل بیان کیا ہے، انھوں نے ابو ہریرہ کا (سند میں) ذکر نہیں کیا، ان کا ذکر علی بن حفص المدائنی نے کیا ہے اور دوسرے اس سے زیادہ ثقہ ہیں۔ (تعلیقات الدارقطنی علی المجروحین لابن حبان ص ۴۱)

شعبہ سے مرسل روایات درج ذیل ہیں:

۱: عبدالرحمٰن بن مہدی (صحیح مسلم والزہد للامام احمد: ۲۴۹)

۲: معاذ العنبری (صحیح مسلم)

۳: حفص بن عمر (سنن ابی داود والمستدرک ۱/ ۱۱۲ ح ۳۸۲)

۴: سلیمان بن حرب (المستدرک للحاکم ۱/ ۱۱۲ ح ۳۸۲)

۵: وھب بن جریر (البحر الزخار ۱۵/ ۲۰ ح ۸۲۰۱)

۶: محمد بن جعفر (مسند الشہاب ۲/ ۳۰۵ ح ۱۴۱۶)

۷: ابواسامہ (مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ عوامہ ۱۳/ ک ۱۵۷۔ ۱۵۸ ح ۲۶۱۳۱)

دوسرے نسخوں میں اس حدیث میں تحریفات ہیں مثلاً حمد بن عبداللہ اور محمد بن ابراہیم اللحید ان (مکتبہ الرشد الریاض) کے نسخے میں " أبو اسامة عن سعيد قال قال حدثني خبيب عن حفص بن عاصم عن أبي هريرة " چھپ گیا ہے۔

(ج ۸ ص ۴۲۸ ح ۲۶۰۱۰)

حالانکہ خود انھوں نے حاشیے میں بعض نسخوں سے شعبہ کا حوالہ لکھا ہے۔

دوسرے یہ کہ امام ابن ابی شیبہ کی سند سے جس سے بھی یہ حدیث متصل بیان کی ہے، اس میں علی بن حفص کا واسطہ ہے۔

ان سات (۷) ثقہ راویوں کے مقابلے میں علی بن حفص ثقہ وصدوق نے یہ روایت متصل بیان کی اور زیادتِ ثقہ مقبولہ کے اصول سے علی بن حفص کی یہ حدیث صحیح ہے۔ والحمدللہ

زیادت ثقہ کی مقبولیت پر تحقیقی مقالات (ج ۲ ص ۲۴۸۔ ۲۶۰) سے دس مزید حوالے بعض اصلاح اور کمی بیشی کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں:

ثقہ راوی کی زیادت کی مناسبت سے دس مثالیں پیشِ خدمت ہیں جن سے ہمارے موقف کی زبردست تائید ہوتی ہے کہ شرطِ مذکور کے ساتھ زیادتِ ثقہ مقبول ہے:

مثال اول: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

" ثنا يحي بن سعيد عن سفيان: حدثني سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يمينه وعن شماله ورأيته يضع هذه على صدره/ وصف يحي اليمنىٰ على اليسرىٰ فوق المفصل "

ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو (نماز سے فارغ ہو کر) دائیں اور بائیں (دونوں) طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھا ہے اور دیکھا ہے کہ آپ یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔ یحییٰ (القطان راوی) نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر جوڑ پر رکھ کر (عملاً) بتایا۔ (مسند احمد ۵/ ۲۲۶ ح ۲۲۳۱۳ وسندہ حسن والتحقیق لابن الجوزی ۱/ ۲۸۳)

— اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔

دیکھئے میری کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' (ص ۱۴۔۱۶)

آلِ تقلید میں سے محمد بن علی النیموی صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اسے وکیع اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے ''علی صدرہ'' کے بغیر روایت کیا ہے۔ ابوالاحوص اور شریک نے اسے اس زیادت کے بغیر بیان کیا ہے (لہٰذا) یہ (زیادت) محفوظ نہیں ہے۔

دیکھئے آثار السنن (ص ۱۴۴ ح ۳۲۶)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں نیموی صاحب کا زبردست اور مضبوط رد کیا ہے۔ دیکھئے ابکار المنن (ص ۱۱۳، ۱۱۴)

خلاصہ یہ کہ اس روایت میں علیٰ صدرہ کا اضافہ صرف مسند احمد میں ہے اور دوسری کتابوں مثلاً سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن دارقطنی وغیرہ میں یہ اضافہ نہیں ہے تو کیا اس زیادت کو رد کر دیا جائے گا!؟

ثقہ راوی کے اس تفرد والی روایت کے بارے میں مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وإسنادہ حسن'' اور اس کی سند حسن ہے۔ (التعلیق المغنی ۱/۲۸۵)

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صریح دلیلوں میں یہ سب سے قوی دلیل ہے۔

صحیح ابن خزیمہ (۱/۲۴۳ ح ۴۷۹) میں ''مؤمل بن إسماعیل :نا سفیان عن عاصم ابن کلیب عن أبیہ عن وائل بن حجر'' رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت میں علیٰ صدرہ آیا ہے۔ اس زیادت کو بھی نیموی صاحب نے غیر محفوظ قرار دیا ہے کیونکہ اسے مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ کسی نے بھی اس سند و متن سے بیان نہیں کیا اور دوسرے راویوں نے اسے اس اضافے کے بغیر روایت کیا ہے مثلاً عبداللہ بن الولید عن سفیان الثوری، زائدہ و بشر بن المفضل وغیرہما عن عاصم بن کلیب... الخ (دیکھئے آثار السنن ص ۱۴۰، ۱۴۱ ح ۳۲۵)

ہمارے نزدیک مؤمل بن اسماعیل تحقیقِ راجح میں موثق عند الجمہور اور حسن الحدیث ہیں۔ دیکھئے میری کتاب مقالات جلد اول (ص ۴۱۷۔۴۲۷) اور ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۱ ص ۱۸

لہٰذا اُن کا امام سفیان ثوری سے تفرد یہاں مضر نہیں ہے مگر سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے یہ روایت ہمارے نزدیک ضعیف ہے۔

تنبیہ نمبر۱: اس حدیث کو امام ابن خزیمہ کا کسی جرح کے بغیر صحیح ابن خزیمہ میں درج کرنا اس کی دلیل ہے کہ اُن کے نزدیک متنِ حدیث میں ثقہ وصدوق راوی کی زیادت صحیح ومقبول ہوتی ہے۔

تنبیہ نمبر۲: حنفی، بریلوی اور دیوبندی (تینوں) حضرات میں سے جو لوگ ضعیف یا حسن لغیرہ روایات کو بھی حجت سمجھتے ہیں اُن کے اصول پر سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت تو حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ سیدنا ہلب رضی اللہ عنہ والی روایت، مؤمل بن اسماعیل والی روایت اور امام طاوس رحمہ اللہ کی مرسل، لیکن پھر بھی وہ اسے حسن وحجت نہیں سمجھتے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ حسن لغیرہ کو حجت سمجھنے کے خلاف ہیں۔

یہ اعتراض آلِ تقلید کے خلاف بطورِ الزام ذکر کیا گیا ہے جو ان کے لئے ''پھکی'' ہے۔

مثال دوم: ابو ابراہیم محمد بن یحییٰ الصفار فرماتے ہیں:

" ثنا عثمان بن عمر عن یونس عن الزهري عن محمود بن الربیع عن عبادة ابن الصامت قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :

((لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب خلف الإمام .)) "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جس نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

(کتاب القراءت للبیہقی ص ۷۰ ح ۱۳۵، وقال: وھذا إسناد صحیح والزیادۃ التي فیہ کالزیادۃ في حدیث مکحول.....الخ)

اس روایت کو عثمان بن عمر سے خلف الامام کے اضافے کے بغیر امام دارمی (۲۸۳/۱ ح ۱۲۴۵، دوسرا نسخہ: ۱۲۷۸) نے بیان کیا ہے۔

یونس بن یزید سے اس حدیث کو خلف الامام کی زیادت کے بغیر لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب (جزء القراءۃ للبخاری بتحقیقی: ۶، صحیح مسلم: ۳۹۴، ترقیم دارالسلام: ۸۷۵) نے بیان کیا ہے۔

یونس بن یزید الایلی کے علاوہ امام زہری سے اسے ایک جماعت مثلاً سفیان بن عیینہ، صالح بن کیسان اور معمر بن راشد نے خلف الامام کے اضافے کے بغیر روایت کیا ہے۔
دیکھئے صحیحین وغیرہما اور المسند الجامع (۶۲/۸، ۶۳)
محمد بن یحییٰ الصفار (راوی) کے زبردست تفرد والی اس روایت کے بارے میں امام بیہقی نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے۔ (حوالہ سابقہ صفحے پر گزر چکا ہے۔)

مثال سوم: **يونس بن يزيد الأيلي عن ابن شهاب الزهري عن نافع مولى أبي قتادة الأنصاري عن أبي هريرة رضي الله عنه** کی سند سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**كيف أنتم إذا نزل ابن مريم فيكم و إما مكم منكم .**))
تمھارا اس وقت کیا حال ہوگا جب عیسیٰ بن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۳۴۴۹، صحیح مسلم: ۱۵۵)

اسے یونس بن یزید سے اس مفہوم کے ساتھ ابن بکیر اور عبداللہ بن وہب نے روایت کیا ہے۔ یونس کے علاوہ معمر، عُقیل بن خالد، اوزاعی، ابن اخی الزہری اور ابن ابی ذئب نے یہ روایت اسی مفہوم کے ساتھ اور من السماء کے اضافے کے بغیر روایت کی ہے۔
دیکھئے میری کتاب تحقیقی مقالات (ج ۱ ص ۱۰۳)

یہی روایت امام بیہقی نے احمد بن ابراہیم عن ابن بکیر عن یونس بن یزید عن ابن شہاب عن نافع عن **أبي هريرة** کی سند کے ساتھ درج ذیل الفاظ سے بیان کی ہے: ((**كيف أنتم إذا نزل ابن مريم من السماء فيكم و إما مكم منكم .**))
تمھارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم آسمان سے اتریں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔ (الاسماء والصفات ص ۵۳۵، دوسرا نسخہ ص ۴۲۴، تیسرا نسخہ ص ۳۰۱)

چونکہ صحیحین میں مدلسین کی روایات سماع پر محمول ہیں لہٰذا امام زہری کی یہ روایت صحیح ہے۔ اس حدیث کو علمائے حق نے مرزائیوں قادیانیوں کے خلاف بطورِ حجت پیش کیا ہے اور اس حدیث کا دفاع کیا ہے، مثلاً دیکھئے محمدیہ پاکٹ بک (ص ۵۸۹، ۵۹۰)

معلوم ہوا کہ مسئلہ عقیدے کا ہو یا اعمال واحکام کا، ثقہ راوی کی زیادت حجت ہے بشرطیکہ من کل الوجوہ ثقات یا اوثق کے خلاف نہ ہو لہٰذا عدمِ ذکر کو خلاف بنا دینا غلط ہے۔

مثال چہارم: ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (عشاء کی) نماز پڑھتے تھے پھر واپس جا کر اپنے قبیلے والوں کو (عشاء کی) نماز پڑھاتے تھے۔ اسے عمرو بن دینار نے سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۷۰۰) وصحیح مسلم (۴۶۵)

اسے عمرو بن دینار سے سفیان بن عیینہ، شعبہ اور ایوب وغیرہم نے اس مفہوم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دیکھئے المسند الجامع (۳/ ۴۶۸، ۴۶۹ ح ۲۲۷۰)

جبکہ یہ حدیث امام ابن جریج نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے:

"هي له تطوع و هي لهم مكتوبة" وہ (نماز) اُن (معاذ رضی اللہ عنہ) کے لئے نفل ہوتی تھی اور ان لوگوں کے لئے (جو ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے) فرض ہوتی تھی۔ دیکھئے کتاب الام للشافعی (ص ۱۷۳ ج ۱) شرح معانی الآثار (۱/ ۴۰۹) سنن الدارقطنی (۱/ ۲۷۴، ۲۷۵ ح ۱۰۶۲، ۱۰۶۳) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/ ۸۵)

اس روایت میں امام ابن جریج رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ دیکھئے سنن الدارقطنی (ح ۱۰۶۳، وسندہ صحیح)

اس زیادت والی روایت پر نیموی صاحب نے اپنے تقلیدی مذہب کو بچانے کے لئے "وفي هذه الزيادة كلام" کہہ کر حملہ کر دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۲۶۴ ح ۵۲۴)

نیموی صاحب کا رد کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" كلا بل هذه الزيادة صحيحة فإنها زيادة من ثقة حافظ ليست منافية لرواية من هو أحفظ منه أو أكثر عددًا كما ستقف عليه " ہرگز نہیں! بلکہ یہ زیادت صحیح ہے کیونکہ یہ ثقہ حافظ کی زیادت ہے، یہ زیادہ حافظ یا اکثر کے منافی نہیں ہے جیسا کہ آپ عنقریب واقف ہو جائیں گے۔ (ابکار المنن ص ۲۴۹، نیز دیکھئے ص ۲۵۰، ۲۵۱)

معلوم ہوا کہ ابن جریج (ثقہ راوی) کے تفرد والی روایت (جس میں اضافہ ہے) صحیح ہے اور مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ یہاں اور سینے پر ہاتھ باندھنے والے مسئلے میں ثقہ راوی کی زیادت کو صحیح سمجھتے تھے۔

تنبیہ بلیغ: نیموی صاحب نے اپنے مذہب کے مخالف بہت سی روایات پر کلام کیا ہے جن میں ثقہ وصدوق راویوں کی زیادات ہیں مگر ایک جگہ اپنی مرضی کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''وإسناده صحيح'' (آثار السنن ص۳۳ ح۳۶)

التعلیق الحسن میں اس حدیث کے تحت نیموی صاحب نے محدث بزار سے نقل کیا کہ ہمارے علم کے مطابق اسے بشر بن بكر عن الأوزاعي عن يحي عن عمرة عن عائشة کی سند سے حمیدی کے سوا کسی نے بھی مسند (یعنی متصل) بیان نہیں کیا۔ پھر نیموی صاحب نے جواب دیا: عبداللہ بن الزبیر الحمیدی ثقہ حافظ امام اور امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے لہٰذا اُن کی یہ زیادت زبردست طور پر مقبول ہے کیونکہ یہ اوثق کی روایت کے منافی نہیں ہے۔ (آثار السنن ص۳۳ تحت ح۳۶)

معلوم ہوا کہ نیموی صاحب زیادتِ ثقہ کے مسئلے میں دوہری پالیسی پر گامزن تھے۔

مثال پنجم: ولید بن عیزار نے ابو عمرو الشیبانی سے، انھوں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا عمل اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا:

((الصلوة على وقتها .)) نماز اپنے وقت پر پڑھنا۔ (صحیح بخاری: ۵۲۷، صحیح مسلم: ۸۵)

اسے ولید بن عیزار سے شعبہ، مسعودی، ابو اسحاق الشیبانی اور ابو یعفور نے اسی مفہوم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (المسند الجامع ۱۱/۵۰۶، ۵۰۷)

مالک بن مغول (ثقہ) کی روایت میں درج ذیل الفاظ آئے ہیں:

((الصلوة في أول وقتها .)) اول وقت میں نماز پڑھنا۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۳۲۷، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۴۷۷، دوسرا نسخہ: ۱۴۷۹، وقال: ''تفرد به عثمان بن عمر'' أي عن

مالک بن مغول، وح ۱۴۷۳/ ۱۴۷۵، المستدرک للحاکم ۱/۱۸۸، وصححہ ووافقہ الذہبی)

اس روایت میں عثمان بن عمر نے مالک بن مغول سے تفرد کیا ہے جبکہ محمد بن سابق (صحیح بخاری: ۲۷۸۲) نے اسے مالک بن مغول سے مذکورہ اضافے کے بغیر روایت کیا ہے۔

سنن دارقطنی وغیرہ میں اس کے کچھ ضعیف شواہد (تائید کرنے والی ضعیف روایات) بھی ہیں تاہم حق یہ ہے کہ عثمان بن عمر رحمہ اللہ (ثقہ) کی بذاتِ خود منفرد اور اول وقت کے اضافے والی روایت صحیح ہے۔ والحمدللہ

مثال ششم: ثقہ امام زائدہ بن قدامہ رحمہ اللہ نے عاصم بن کلیب عن أبیہ عن وائل بن حجر رضي الله عنه کی سند سے ایک حدیث بیان کی کہ ''فرأیته یحر کھا یدعو بھا'' پس میں نے آپ (ﷺ) کو دیکھا، آپ (تشہد میں) اسے (شہادت کی انگلی کو) حرکت دے رہے تھے، اس کے ساتھ دعا کر رہے تھے۔

(سنن النسائی ۲/۱۲۷ ح ۸۹۰ وسندہ صحیح وصححہ ابن الجارود: ۲۰۸ وابن حبان، الاحسان: ۱۸۵۷)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کر کے فرماتے ہیں: '' لیس في شيء من الأخبار " یحر کھا " إلا في ھذا الخبر ، زائدة ذکرہ " اس حدیث کے علاوہ کسی حدیث میں یحر کھا کا لفظ نہیں ہے، اسے (صرف) زائدہ نے ذکر کیا ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/۳۵۴ ح ۷۱۴)

روایتِ مذکورہ پر بعض معاصرین نے کلام کیا ہے لیکن معاصرین میں سے ہی شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ اور ابو اسحاق الحوینی وغیرہما نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

شیخ البانی کی تصحیح کے لئے دیکھئے ارواء الغلیل (۲/۶۹ ح ۳۵۲)

بلکہ شیخ البانی نے (شذوذ کی وجہ سے ؟!) اس حدیث کو ضعیف کہنے والوں کا زبردست رد کیا ہے۔ دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ (۷/۵۵۱ ح ۳۱۸۱)

تنبیہ نمبر ۱: شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی تائید میں صحیح اور ضعیف جتنی روایات پیش کی ہیں

اُن میں سے زائدہ کی روایت کے علاوہ کسی ایک میں بھی ''یحو کھا'' کا لفظ نہیں ہے۔

تنبیہ نمبر۲: ہمارے شیخ مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ نے بھی شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کو بطورِ حجت پیش کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

دیکھئے احکام ومسائل (ج۱ص۱۹۶، ۱۹۷)

یہ اس کی دلیل ہے کہ حافظ صاحب بھی ثقہ کی زیادت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم

مثال ہفتم: هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها کی سند سے ایک

روایت میں آیا ہے کہ ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے یہاں آئے تو نبی کریم ﷺ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا دن تھا، دو لڑکیاں یوم بعاث کے بارے میں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو انصار کے شعراء نے اپنے فخر میں کہے تھے.... ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ شیطانی گانے باجے! (... ﷺ کے گھر میں) دو مرتبہ انھوں نے یہ جملہ دہرایا، لیکن آپ نے فرمایا: ابوبکر! انھیں چھوڑ دو۔ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور ہماری عید آج کا یہ دن ہے۔''

(صحیح بخاری مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور ج۵ ص۳۰۶ ح۳۹۳۱)

اس حدیث کو ہشام بن عروہ سے شعبہ، حماد بن سلمہ اور ابو معاویہ الضریر نے بیان کیا ہے۔ (المسند الجامع ۲۰/۵۱۷ ح۱۶۹۹۶)

یہ ان احادیث میں سے ایک ہے جن سے غامدی گروپ موسیقی کے جواز پر استدلال کرتا ہے۔ مثلاً دیکھئے مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' (ص۱۶، ۱۷)

اس حدیث کو جب امام ابو اسامہ حماد بن اسامہ رحمہ اللہ نے ہشام بن عروہ سے اس سند و متن سے روایت کیا تو حدیث میں درج ذیل اضافہ بھی بیان کیا۔

''ولیستا بمغنیتین'' وہ دونوں (بچیاں) مغنیہ نہ تھیں۔

(صحیح بخاری: ۹۵۲، صحیح مسلم: ۸۹۲، دارالسلام: ۲۰۶۱)

یہ اضافہ اگرچہ دوسرے راوی نہیں بیان کرتے مگر ثقہ کی زیادت مقبول ہونے کے اصول سے یہ اضافہ صحیح ہے اور اس حدیث سے غامدی گروپ کا استدلال باطل ہے۔

مثال ہشتم: ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے (سیدنا) ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: میں تمھارے پاس سے گزرا اور تم آہستہ آواز میں قراءت کر رہے تھے؟ انھوں نے کہا: میں اسے (اللہ کو) سناتا تھا جس سے میں سرگوشی کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: آواز تھوڑی بلند کیا کرو۔

آپ (ﷺ) نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: میں تمھارے پاس سے گزرا اور تم اونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: میں سوئے ہوؤں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آپ نے فرمایا: اپنی آواز ذرا کم کیا کرو۔ (سنن الترمذی: ۴۴۷ وقال: غریب الخ)

امام ترمذی نے فرمایا: اس حدیث کو صرف یحییٰ بن اسحاق (السیلحینی) نے عن حماد ابن سلمة (عن ثابت البناني عن عبدالله بن رباح الأنصاري عن أبي قتادة رضي الله عنه) کی سند سے بیان کیا ہے اور اکثر لوگ اس حدیث کو ثابت عن عبدالله ابن رباح (رحمه الله عن النبي ﷺ) مرسلاً بیان کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی تحقیق مختصر للشیخ الالبانی ص ۱۲۰)

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں یحییٰ بن اسحاق ثقہ راوی کا تفرد ہے۔ ثقہ راوی کے تفرد والی اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۲/ ۱۸۹، ۱۹۰ ح ۱۱۶۱) حافظ ابن حبان (الاحسان ۳/ ۷ ح ۷۳۰، دوسرا نسخہ: ۷۳۳) حاکم (المستدرک ۱/ ۳۱۰) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ ان تمام محدثین کے نزدیک ثقہ کی زیادت صحیح و معتبر ہوتی ہے۔ والحمدللہ

تنبیہ نمبر ۱: حدیثِ مذکور کو شیخ البانی رحمہ اللہ وغیرہ معاصرین نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: نیز دیکھئے سنن ابی داود (۱۳۲۹)

مثال نہم: سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم کوئی مزید چیز چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے سفید (روشن) نہیں کر دیئے؟ کیا تو نے ہمیں آگ سے نجات دے کر جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ پھر اللہ پردہ ہٹائے گا تو وہ

اپنے رب کی طرف دیکھنے سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں دیئے جائیں گے۔

(صحیح مسلم:۱۸۱، دارالسلام:۴۴۹)

اسے حماد بن سلمہ نے ثابت البنانی عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن صہیب کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث کو سلیمان بن المغیرہ نے ثابت سے انھوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے قول سے روایت کیا ہے اور صہیب عن النبی ﷺ کا اضافہ بیان نہیں کیا۔ (سنن الترمذی:۳۱۰۵)

امام ترمذی نے مزید فرمایا: اس حدیث کو صرف حماد بن سلمہ نے (متصل) سند کے ساتھ اور مرفوع بیان کیا ہے اور سلیمان بن مغیرہ (اور حماد بن زید) نے اس حدیث کو ثابت البنانی عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے قول سے روایت کیا ہے۔ (ح ۲۵۵۲)

☆ سلیمان بن المغیرہ کی روایت کے لئے دیکھئے تفسیر طبری (۱۱/۷۴) الزہد لابن المبارک (زوائد نعیم بن حماد الصدوق المظلوم: ۴۲۸ وسندہ صحیح)

☆ حماد بن زید کی روایت کے لئے دیکھئے تفسیر طبری (۱۱/۷۵، وسندہ صحیح)

☆ معمر بن راشد کی روایت کے لئے دیکھئے تفسیر طبری (۱۱/۷۵ وسندہ صحیح)

یہ بات مسلّم ہے کہ حماد بن سلمہ اثبت الناس عن ثابت ہیں لیکن اسی روایت کو مرفوع متصل بیان نہ کرنے والے تینوں امام زبردست ثقہ ہیں اور جماعت ہونے کی بنا پر حماد سے زیادہ قوی ہیں۔

ہمارے نزدیک ثقہ کی زیادت معتبر ہونے کی وجہ سے صحیح مسلم والی روایت بالکل صحیح ہے اور تین ثقہ اماموں کی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مقطوع روایت بھی صحیح ہے۔ والحمدللہ

مثال دہم: امام زہری کی بیان کردہ عن عروة بن الزبير عن بشير بن أبي مسعود الأنصاري عن أبيه رضي الله عنه کی سند سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو پانچ نمازیں پڑھائی تھیں۔

دیکھئے صحیح بخاری (۵۲۱) صحیح مسلم (۶۱۰) وغیرہما۔

اسے امام زہری سے ایک جماعت مثلاً امام مالک، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد اور شعیب بن ابی حمزہ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ امام زہری سے اسامہ بن زید اللیثی (صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور) کی روایت میں درج ذیل اضافہ ہے:

"ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس حتى مات ولم يعد إلى أن يسفر"

پھر اس کے بعد آپ (ﷺ) کی (فجر کی) نماز وفات تک اندھیرے میں تھی اور آپ نے دوبارہ کبھی روشنی کر کے (یہ نماز) نہیں پڑھی۔ (سنن ابی داود: ۳۹۴، مطبوعہ دار السلام ۱/۳۴۱)

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: "هذه الزيادة لم يقلها أحد غير أسامة بن زيد"

اس زیادت (اضافے) کو اسامہ بن زید کے سوا کسی نے بھی روایت نہیں کیا۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/۱۸۱ ح ۳۵۲)

صدوق راوی کے اس تفرد والی روایت کو امام ابن خزیمہ، حافظ ابن حبان (الاحسان: ۱۴۴۶) اور حاکم (۱/۱۹۲، ۱۹۳ ح ۶۹۲) نے صحیح قرار دیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ ان محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی کی زیادت صحیح وحسن ہوتی ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: چونکہ امام زہری کی اصل حدیث صحیحین میں ہے اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/۴۴۱) میں انھوں نے اصل حدیث میں عروہ سے سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا یہ روایت حسن ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: المستدرک للحاکم (۱/۱۹۰ ح ۶۸۲) میں اس حدیث کا ایک حسن لذاتہ شاہد بھی ہے لہٰذا اسامہ بن زید کی حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب انوار السنن فی تحقیق آثار السنن (مخطوط ص ۴۳ ح ۲۱۳) والحمد للہ

تنبیہ نمبر ۳: جس طرح ایک شخص نے صحیح مسلم کی ایک حدیث کو شاذ (یعنی ضعیف) قرار دیا، اُسی طرح نیموی تقلیدی صاحب نے اسامہ بن زید اللیثی کی حدیث کو "والزيادة غير محفوظة" کہہ کر ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۹۷ ح ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ نے نیموی پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کو مسلط کر دیا۔

مولانا مبارکپوری نے نیموی کے اعتراضات کے جوابات دے کر اسامہ بن زید کی توثیق ثابت کی اور فرمایا:

"فإن زيادة الثقة إنما تكون شاذة إذا كانت منافية لرواية غيره من الثقات و أما إذا لم تكن منافية فهي مقبولة وهو مذهب المحققين وسيأتي تحقيقه في باب وضع اليدين على الصدر وزيادة أسامة بن زيد في هذا الحديث لا ينافي لرواية غيره فهذه الزيادة مقبولة بلامرية"

کیونکہ ثقہ کی زیادت تو اس وقت شاذ ہوتی ہے جب وہ دوسرے ثقہ راویوں کے منافی ہو اور اگر منافی نہ ہو تو وہ مقبول ہوتی ہے اور یہی محققین کا مذہب ہے، اس کی تحقیق سینے پر ہاتھ باندھنے والے باب میں آئے گی اور اس حدیث میں اسامہ بن زید کی زیادتی (اضافہ) دوسرے راویوں کے منافی نہیں ہے پس یہ زیادت بغیر کسی شک کے مقبول ہے۔

(ابکار المنن فی تنقید آثار السنن ص۸۰)

ہم جب کسی راوی کو ثقہ وصدوق حسن الحدیث یا حدیث کو صحیح وحسن لذاتہ قرار دیتے ہیں تو اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، تناقض وتعارض سے ہمیشہ بچتے ہوئے، غیر جانبداری سے اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے راوی کو ثقہ وصدوق حسن الحدیث اور حدیث کو صحیح وحسن قرار دیتے ہیں۔ ایک دن مر کر اللہ کے دربار میں ضرور بالضرور اور یقیناً پیش ہونا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی مرضی کی روایت کو صحیح وثابت کہہ دیں اور دوسری جگہ اسی کو ضعیف کہتے پھریں۔ یہ کام تو آلِ تقلید کا ہے!

اگر کوئی شخص میری کسی تحقیق یا عبارت میں سے تضاد وتعارض ثابت کر دے تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ علانیہ رجوع کروں گا، توبہ کروں گا اور جو بات حق ہے برملا اس کا اعلان کروں گا۔ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، بس اگر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ اے اللہ! میری ساری خطائیں معاف کر دے۔ آمین

صحیح بخاری وصحیح مسلم اور مسلکِ حق: مسلکِ اہلِ حدیث کے لئے میری جان بھی

حاضر ہے۔ یہ باتیں جذباتی نہیں بلکہ میرے ایمان کا مسئلہ ہے۔

قارئین کرام! ان دس مثالوں سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت اگر (من کل الوجوه) منافی نہ ہو (جس میں تطبیق و توفیق ممکن ہی نہیں ہوتی) تو پھر عدمِ منافات والی یہ زیادت مقبول و حجت ہے۔ والحمدللہ

زیادتِ ثقہ کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً:

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار نے "رباط یوم في سبیل اللّٰه ..." والی ایک حدیث بیان کی۔ (صحیح بخاری: ۲۸۹۲)

اس کے بارے میں ابن عساکر نے فرمایا: "تفرد بذکر الرباط فیه ابن دینار"

(الاربعون فی الحث علی الجہاد: ۲۳، فضائل جہاد مترجم ص ۱۱۸)

زیادتِ ثقہ پر طویل بحث کے بعد مضمون کے شروع والی حدیث کے بقیہ راویوں کا تعارف درج ذیل ہے:

۷: عوف بن ابی جمیلہ الاعرابی العبدی البصری رحمہ اللہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے بنیادی راوی ہیں، جمہور نے اُن کی توثیق کی ہے۔

امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور ابن حبان وغیرہم نے انھیں ثقہ قرار دیا۔

حافظ ذہبی نے فرمایا: "ثقة کبیر" (معرفة الرواة المتکلم فیهم بما لا یوجب الرد: ۲۶۷)

اس کے بعد انھوں نے محمد بن بشار بندار کی جرح بغیر کسی سند کے نقل کی اور یہ جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

۸: ابو مخلد مہاجر بن مخلد سے ایک جماعت نے روایت بیان کی، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ یحییٰ بن معین نے فرمایا: "صالح"، عجلی نے فرمایا: ثقة.

ترمذی (۳۸۳۹) نے اُنکی ایک حدیث کو "حسن غریب" کہا۔ ابن الجارود (۸۷) ابن حبان (۱۳۲۴، ۱۳۲۸) اور ابن خزیمہ (۱۹۲) نے اُن کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔ جمہور کی اس توثیق وتعریف کے مقابلے میں امام ابو حاتم الرازی کی جرح غلط و مردود ہے، لہٰذا مہاجر

بن مخلد صدوق حسن الحدیث ہیں۔ رحمہ اللہ

۹: ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحی رحمہ اللہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور زبردست ثقہ ہیں۔ انھیں امام یحییٰ بن معین، ابو زرعہ الرازی، ابو حاتم الرازی، عجلی، ابن حبان اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا اور اُن پر جرح مردود ہے۔

اس حدیث میں ابو العالیہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا ارسال کا اعتراض بھی مردود ہے۔

ابو العالیہ طبقہ ثانیہ کے تابعی یعنی کبار تابعین میں سے ہیں، بلکہ انھوں نے زمانۂ جاہلیت بھی پایا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

۱۰: ابو مسلم الجذمی سے ایک جماعت نے روایت بیان کی اور انھیں امام عجلی، حافظ ابن حبان اور حافظ ذہبی (الکاشف ۳/ ۳۱۵) نے ثقہ قرار دیا ہے۔

امام ترمذی نے ان کی ایک حدیث کو ''حسن غریب'' کہا۔ (سنن الترمذی: ۱۸۸۰)

یعنی وہ امام ترمذی کے نزدیک حسن الحدیث ہیں۔

ابن اثیر نے انھیں ''ومن التابعین'' میں شمار کیا۔ (اسد الغابۃ ۱/ ۱۶۵، جارود)

اگر کوئی شخص کہے کہ امام ابن معین نے فرمایا: '' لا أدري '' یعنی میں نہیں جانتا کہ ابو مسلم کون ہے؟ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۳۶۷)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ چار علماء کی توثیق کے بعد یہ قول مرجوح ہے اور اصول حدیث واسماء الرجال کی رُو سے ابو مسلم الجذمی صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔ واللہ اعلم

ابو مسلم کی سیدنا ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے۔

(دیکھئے مسند احمد ۵/ ۱۷۹، وکتب حدیث)

بلکہ ایک روایت میں '' حدثني أبو ذر '' کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

(مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۷۸ وسندہ حسن لذاتہ)

نیز امام بخاری نے بھی لکھا ہے: '' سمع أبا ذر '' (الکنیٰ ص ۶۸ رقم ۶۲۸)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام بخاری نے یہ بھی لکھا ہے:

" والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان و عليها معاوية و مات يزيد في زمن عمر، ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عمر."

اور معروف (مشہور) یہ ہے کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے زمانے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے دورِ امارت میں ابوذر (رضی اللہ عنہ) شام میں تھے اور یزید (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں فوت ہو گئے تھے اور عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں ابوذر (رضی اللہ عنہ) کا شام آنا معروف (مشہور) نہیں۔ (التاریخ الاوسط ۱/ ۳۹۸ ح ۱۲۷، دوسرا نسخہ ۱/ ۷۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور کسی بات کا معروف (مشہور) ہونا یا نہ ہونا اس کے صحیح یا ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ صحیح سند والی روایت صحیح ہوتی ہے چاہے مشہور ہو یا نہ ہو۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ مشہور حدیث صحیح بھی ہوتی ہے، حسن بھی ہوتی ہے، ایسی بھی ہوتی ہے کہ جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی اور کلیتاً موضوع بھی ہوتی ہے۔

(دیکھئے اختصار علوم الحدیث اردو مترجم ص ۱۰۸، نوع: ۳۰)

اصل مسئلہ یہ نہیں کہ فلاں بات معروف ہے یا معروف نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ فلاں بات باسند صحیح ثابت ہے یا ثابت نہیں۔

کتنے ہی مشہور قصے ہیں جو بلحاظِ سند ضعیف، مردود اور باطل ہوتے ہیں۔

مثلاً دیکھئے "مشہور واقعات کی حقیقت" (مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور فیصل آباد)

صحیح حدیث کے مقابلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کی مبہم جرح کون سنتا ہے؟

امام بخاری کے مذکور قول کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابویعلیٰ نے فرمایا:

" حدثنا محمد بن إسماعيل بن أبي سمينة: ثنا عبد الوهاب عن عوف عن المهاجر أبي مخلد عن أبي العالية: ثنا أبو مسلم قال: كان أبو ذر بالشام زمن يزيد بن أبي سفيان فغزا المسلمون فغنموا و أصابوا جارية نفيسة

فصارت لرجل من المسلمين في سهمه ... " فذكر نحوه.

(المطالب العالیہ ۸/ ۶۴۵ ح ۴۴۵۹/ ۲)

محمد بن اسماعیل بن ابی سمینہ صحیح بخاری وغیرہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۷۳۳)

لہٰذا یہ سند بھی حسن لذاتہ ہے۔

اس روایت سے صاف ثابت ہوا کہ یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں ابوذر (رضی اللہ عنہ) شام میں موجود تھے لہٰذا ہر قسم کے "معروف اور غیر معروف" کا اعتراض سرے سے ہی ختم ہو گیا۔

حافظ ابن عبدالبر نے بھی لکھا ہے: "ثم خرج بعد وفاة أبي بكر رضي الله عنه إلى الشام، فلم يزل بها حتى ولي عثمان رضي الله عنه."

پھر آپ (ابوذر رضی اللہ عنہ) ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام تشریف لے گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے تک وہیں رہے۔ (الاستیعاب ۱/ ۱۵۵، جندب بن جنادہ)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث حسن لذاتہ یعنی مقبول، ثابت اور حجت ہے، لہٰذا بعض معاصرین کا اس روایت کو ضعیف یا موضوع قرار دینا غلط ہے۔

ابن ابی عاصم کی ایک روایت میں ابوالعالیہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے درمیان ابومسلم الجذمی کا واسطہ رہ گیا ہے، اس کے باوجود شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابن ابی عاصم کی روایت کو " وهذا إسناد حسن " قرار دیا۔ (دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۴/ ۳۲۹ ح ۱۷۴۹)

یعنی شیخ البانی کے نزدیک بھی یہ حدیث حسن بمعنی مقبول وحجت ہے۔

اگر کوئی کہے کہ آپ نے " فاغتصبها يزيد " کا ترجمہ ومفہوم "قبضے میں لے لیا" کیوں کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تمام صحابہ سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور ہمارا یہ منہج ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اپنے آپ کو صحابہ کی تنقیص یا اشارۂ تنقیص سے بھی بچایا جائے اور ان شاء اللہ اسی منہج میں خیر ہے۔

آخر میں اس حدیث پر بعض معاصرین کے اعتراضات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱) اعتراض: ''یہ روایت باسند صحیح ثابت نہیں، بلکہ اسکی سند میں انقطاع ہے اور کچھ رواۃ متکلم فیہ بھی ہیں اور کچھ کے حفظ وضبط کا ہی کچھ علم نہیں، ہمارے فاضل دوست محترم... فرماتے ہیں: یہ روایت باطل ہے کسی سبائی درندے نے اسے گھڑا ہے۔''

جواب: اس حدیث کی سند ابو مسلم الجذمی تک متصل سند اور تصریحِ سماعات کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں درج سند سے ظاہر ہے، ابو مسلم الجذمی کا سماع سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور ان کا مدلس ہونا ثابت نہیں، لہٰذا یہ روایت شروع سے آخر تک متصل ہے اور کسی قسم کے انقطاع کا نام ونشان تک نہیں۔

''کچھ رواۃ متکلم فیہ'' کا اگر یہ مطلب ہے کہ کچھ راوی ضعیف ہیں تو یہ بات غلط ہے، جیسا کہ اس مضمون میں راویوں کی مفصل تحقیق کر کے ثابت کر دیا گیا ہے۔ اگر مجرد کلام کا تذکرہ ہے تو عرض ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد متکلم فیہ ہونا چنداں مضر نہیں ہوتا۔

صحیحین (یا ان دونوں میں سے کسی ایک) کے کئی مرکزی راوی مثلاً فلیح بن سلیمان، یحییٰ بن سلیم الطائفی اور عکرمہ مولیٰ بن عباس وغیرہم بھی تو ''متکلم فیہ'' ہیں لیکن جمہور کی توثیق کی وجہ سے اُن پر جرح مردود ہے اور اہلِ حدیث اُن کی بیان کردہ احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں۔

تفصیل کے لئے ''الامر المبرم لابطال الکلام المحکم'' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

''ضبط وحفظ کا ہی کچھ علم نہیں'' والا اعتراض بھی غلط ہے، جیسا کہ ہمارے اس مضمون میں تحقیق رواۃ سے ثابت ہے۔

اس حسن لذاتہ متصل روایت کو باطل یا موضوع قرار دینا ظلم ہے اور اس کے ثقہ و صدوق راویوں میں سے کسی کو سبائی درندہ قرار دینا تو ظلم عظیم ہے، جس کا حساب ایسے الفاظ کہنے والے کو اللہ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

نیز یہ کہنا بھی بالکل باطل ہے کہ ''جس نے بھی اسے گھڑا ہے وہ تاریخ سے نابلد تھا۔''

جب اس سند میں کوئی کذاب وضاع راوی نہیں بلکہ تمام راوی ثقہ یا صدوق ہیں تو

گھڑنے یا مکذوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو صحیح حدیث کی تکذیب ہے جو کہ اہلِ حدیث کا منہج ہرگز نہیں۔

۲) ایک شخص نے امام عبدالوہاب الثقفی (ثقہ) کی روایت کو باطل یا موضوع ثابت کرنے کے لئے پانچ روایات پیش کیں اور بعد میں لکھا:

" مؤخر الذکر تین رواۃ تک سند کمزور ہے لیکن اوپر کے دو رواۃ سے ثابت ہے کہ انہوں نے روایت مذکورہ کو منقطع بیان کیا ہے"

عرض ہے کہ جب تین روایتیں مردود ہیں تو انھیں پیش کرنے اور تدلیس سے کام لینے کی کیا ضرورت تھی؟

جب صرف دو روایات ہیں تو یہی ظاہر ہے کہ دو راوی ابو مسلم الجذمی کا واسطہ بیان نہیں کرتے اور ایک راوی بیان کرتے ہیں۔ زیادتِ ثقہ مقبولہ کے اصول کی رُو سے ابو مسلم کے اضافے والی بات مقبول ہے اور ہمارے اس مضمون میں صحیح بخاری (۲۵۸۵) میں امام بخاری کے عمل سے، نیز دوسرے دلائل سے بھی یہی ثابت کر دیا گیا ہے۔

۳) **اعتراض:** "بہت سارے محدثین نے اس زیر بحث روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔"

جواب: معترض نے ابن عساکر، بیہقی، ابن کثیر اور کسی ابن طولون کے حوالے پیش کئے۔

☆ جس حدیث کو اس مضمون کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے، اُس پر ابن عساکر نے اس مقام پر کوئی جرح نہیں کی اور تاریخ دمشق (۱۸/۱۶۰) میں جب ابو العالیہ رحمہ اللہ کی روایت: " **كنا بالشام مع أبي ذر** " لکھی تو فرمایا کہ الثقفی نے اسے **أبو العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر** کی زیادت کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ حدیث یزید بن ابی سفیان کے تذکرے میں آرہی ہے۔

حافظ ابن عساکر نے ابو مسلم کی بیان کردہ حدیث کو ہرگز منقطع نہیں کہا، بلکہ "زاد" کے لفظ کے ساتھ زیادتِ مذکورہ کا اشارہ کیا اور یہ معلوم ہے کہ زیادتِ ثقہ مقبول ہوتی ہے۔

حافظ ذہبی نے بھی تاریخ الاسلام (۲۷۳/۵) میں ابو مسلم کی اس حدیث کو منقطع یا

ضعیف نہیں کہا بلکہ یہ بتایا کہ دوسری سند میں ابومسلم کا واسطہ موجود نہیں، اور حافظ ذہبی کی اس بات سے کسے انکار ہے؟!

☆ بیہقی نے دلائل النبوۃ (٦/ ٤٦٦۔٤٦٧) میں ابومسلم الجذمی کی روایت بیان ہی نہیں کی بلکہ ابوالعالیہ کی ابومسلم کے بغیر روایت بیان کی اور فرمایا:

اس سند میں ابوالعالیہ اور ابوذر کے درمیان ارسال ہے۔

امام بیہقی سے پہلے امام یحییٰ بن معین نے اس سوال ''کیا ابوالعالیہ نے ابوذر سے سنا'' کا جواب دیا: '' **لا ، إنما يروي أبو العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر .** ''

نہیں۔ابوالعالیہ تو صرف ابومسلم عن ابی ذر (کی سند) سے روایت کرتے ہیں۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ٣٤٦٧)

اس ارشاد میں امام ابن معین نے سمجھا دیا کہ ابوالعالیہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے درمیان ابو مسلم الجذمی کا واسطہ ہے۔

دوسری طرف ابن عساکر نے ابوالعالیہ کے بارے میں لکھا ہے: '' **وفد الشام مجاهدًا و سمع بها أبا ذر و قيل :إنه و فد على عمر بن عبد العزيز .** ''

وہ جہاد کرنے کے لئے شام آئے اور شام میں ابوذر سے سنا، اور یہ کہا گیا ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس بطورِ وفد آتے تھے۔ (تاریخ دمشق ١٨/ ١٥٩)

ابوحاتم الرازی نے فرمایا: " **بصري أدرك الجاهلية** "

(الجرح والتعدیل ٣/ ٥١٠ ت ٢٣١٢)

ابوالعالیہ نے فرمایا: '' **دخلت على أبي بكر ..** '' میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا۔ (التاریخ الاوسط ١/ ٣٦٩ ح ٨١٧ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ٣/ ٣٢ ح ٥٢، الربیع بن انس وثقہ الجمہور)

ابوالعالیہ کبار تابعین (من الثانیہ) میں سے تھے اور ان کے استاد ابومسلم کو ''من الثالثۃ'' کہنا محلِ نظر ہے۔

☆ حافظ ابن کثیر نے یزید بن معاویہ کے بارے میں خاص باب کے تحت کئی باتیں لکھی

ہیں:

۱: یزید شہوات کی طرف بھی جاتا تھا اور بعض اوقات نمازیں ترک بھی کر دیتا تھا۔ (ص ۳۲۵).

۲: امام بخاری نے فرمایا: "والحدیث معلول"

۳: ہماری (یعنی ابن کثیر کی) ذکر کردہ روایات ضعیف اور بعض منقطع سندوں سے ہیں۔

۴: ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ ساری موضوع ہیں، ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ (البدایہ والنہایہ ۸/ ۳۲۷)

ان چاروں باتوں کا علی الترتیب جواب درج ذیل ہے:

۱: شہوات اور ترکِ صلوٰات والی بات باسند صحیح ثابت نہیں۔

۲: والحدیث معلول کے الفاظ امام بخاری سے باسند صحیح ثابت نہیں۔

۳: ابو مسلم الجذمی نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح کی ہے جیسا کہ مسند احمد وغیرہ میں صراحت ہے، لہٰذا ابو مسلم کی روایت کو منقطع کہنا غلط ہے۔

۴: یہ قول بھی اپنے عموم کے لحاظ سے اُسی طرح غلط ہے، جیسا کہ ابن حزم نے وضو کے دوران میں داڑھی کے خلال کے بارے میں لکھا: "و ھذا کلہ لا یصح منہ شيءٌ." (المحلی ۲/ ۳۶ مسئلہ: ۱۹۰)

۷) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ نے خود اعمش کی ایک معنعن روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، جس سے ایک صحابی کا منافق ہونا "ثابت" ہوتا ہے یعنی صحابی کی عدالت (صحابیت) ہی ساقط ہو جاتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت صرف اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اعمش مدلس ہیں اور یہ روایت عن سے ہے۔

اگر کسی شخص کو اس روایت میں تصریح سماع مل گئی ہے تو حوالہ پیش کرے، ورنہ یہ روایت ضعیف و مردود ہی ہے۔

رہا استاذ محترم محب اللہ شاہ رحمہ اللہ کو راقم الحروف کا جواب تو وہ دوسرے نمبر پر بطورِ الزام

پیش کیا گیا ہے، کیونکہ وہ ابو صالح سے اعمش کی روایت کو سماع پر محمول یعنی صحیح سمجھتے تھے۔

۵) اگر کوئی کہے کہ ''کیا سند کے تمام رواۃ کا ثقہ ہونا سند کی صحت کے لئے کافی ہے؟''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سند متصل ہو، شاذ یا معلول نہ ہو تو اس سند کے راویوں کا ثقہ و صدوق ہونا صحت کے لئے کافی ہے اور اسی پر اہل حدیث کا عمل ہے۔

یاد رہے کہ ہماری روایت مذکورہ کا معلول (یعنی معلل) ہونا ثابت نہیں۔

٦) محترم کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ نے لکھا ہے:

''اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو مسلم کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں''

عرض ہے کہ ثبوت تو حسن لذاتہ سند کے ساتھ مسند احمد (۵/ ۱۷۹) اور مختصر قیام اللیل للمروزی (ص ۷۸) وغیرہما میں موجود ہے اور امام بخاری نے بھی فرمایا ہے کہ ابو مسلم نے ابو ذر (رضی اللہ عنہ) سے سنا ہے۔ (کتاب الکنیٰ ص ٦٨)

لہٰذا سماع کے انکار کا دعویٰ باطل ہے اور امام بخاری کے ارشاد سے یہی ظاہر ہے کہ امام بخاری بھی اسے ثابت سمجھتے تھے۔

۷) اگر کوئی کہے کہ ''اور ان کے فیصلہ کے برخلاف متقدمین محدثین نے بالاتفاق اس روایت کو مردود قرار دیا'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے علم کے مطابق متقدمین محدثین میں سے کسی ایک نے بھی اس روایت کو مردود قرار نہیں دیا بلکہ متاخرین میں سے صرف حافظ ابن کثیر نے منقطع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، جو کہ مذکور سند متصل ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

بعض علماء نے صحیح مسلم کی بعض روایات کو منقطع قرار دیا ہے تو کیا ہم ان روایات کو مردود قرار دیں گے؟! ہرگز نہیں، بلکہ اصولِ حدیث واصولِ محدثین کو ترجیح دیں گے اور اس طرح صحیح بخاری وصحیح مسلم کی کوئی حدیث ضعیف ومردود ثابت نہیں ہوتی، بلکہ صحیح یا حسن ہی رہتی ہے۔

۸) ایک شخص نے معجم المختلطین کے حوالے سے امام فلاس کی طرف منسوب ایک قول:

" إنه اختلط حتى كان لا يعقل ، و سمعته وهو مختلط يقول :ثنا محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان باختلاط شديد . " پیش کر کے لکھا ہے:

''اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ اختلاط کے بعد بھی انہوں نے روایت کیا ہے، بہر حال یہ بے سند اور عصر حاضر کے مولف کی کتاب ہے لٰہذا مردود ہے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ قول باسند صحیح نہیں ملا اور اگر یہ باسند صحیح ثابت ہو جائے تو اس سے یہی ظاہر ہے کہ امام عبدالوہاب الثقفی کا آخری عمر میں دماغ خراب ہو گیا تھا۔

اس مناسبت سے حافظ ذہبی کا ایک قول پیشِ خدمت ہے:

حافظ ذہبی نے امام ابن خزیمہ کے پوتے اور صحیح ابن خزیمہ کے راوی محمد بن الفضل بن محمد کے بارے میں فرمایا:

" قلت :ما أراهم سمعوا منه إلا في حال وعيه ، فإن من زال عقله كيف يمكن السماع منه ؟ بخلاف من تغير و نسي وانهرم . "

میں نے کہا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ان کے حافظے کے دور میں ہی ان سے سنا ہے، کیونکہ جس کی عقل زائل ہو جائے تو اس سے سماع کس طرح ممکن ہے؟ برخلاف اس کے جو تغیر کا شکار ہو، بھول جائے (یا) بوڑھا ہو جائے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۶/۳۹۰)

(۲۲/ مارچ ۲۰۱۳ء)

کفایت اللہ سنابلی ہندی کے دس (۱۰) جھوٹ

اُصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی رُو سے ایک حسن لذاتہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری سنت کو سب سے پہلے بنواُمیہ کا ایک آدمی تبدیل کرے گا جسے یزید کہا جائے گا۔ (تاریخ دمشق ۶/۲۴۹۔۲۵۰، اشاعۃ الحدیث:۱۰۳ص۱۹)

راقم الحروف نے اس حدیث کے دفاع پر مفصل تحقیقی مضمون لکھا ہے جو مکتبۃ الحدیث کی ویب سائیٹ پر موجود ہے۔

اس تحقیقی مضمون کے خلاف کفایت اللہ سنابلی ہندی صاحب نے ایک جوابی تحریر لکھی ہے جو محترم محمد اسد حبیب حفظہ اللہ نے پرنٹ نکال کر تقریباً ۶۵ صفحات کی صورت میں راقم الحروف کی طرف بھیجی ہے، جو ۲۲/ جون ۲۰۱۳ء کو موصول ہوئی۔

سنابلی صاحب کی اس تحریر سے اُن کے دس (۱۰) صریح جھوٹ باحوالہ و مع رد پیشِ خدمت ہیں، تاکہ وہ مرنے سے پہلے پہلے توبہ کرلیں:

۱) سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

''یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے عہد رسالت سے لیکر عصر حاضر تک چودہ سو سالہ دور میں دنیا کے کسی بھی معتبر محدث یا امام نے اس روایت کو صحیح یا حسن نہیں کہا ہے، بلکہ اس کے برعکس متقدمین و متاخرین و معاصرین میں سے متعدد اہل علم نے اس روایت کو موضوع، منقطع یا مردود قرار دیا ہے، یا اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، ملاحظہ ہو:''

اس کے بعد سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

''امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی 365) نے اس روایت کو منکر روایات میں شمار کیا ہے دیکھئے: [الکامل فی الضعفاء الرجال لابن عدي: 97/4] ۔ واضح رہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ضعفاء میں اس روایت کو نقل کر کے یہ بھی فرمایا: و فی بعض الأخبار مفسراً

زاد ، يقال له :يزيد یعنی بعض روایات میں رجل کی اس وضاحت کے ساتھ اضافہ ہے کہ اس آدمی کو یزید کہا جائے گا[الکامل فی الضعفاء الرجال لابن عدي: 97/4]

عرض ہے کہ یہ اضافہ زیر بحث روایت ہی میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے سامنے ہر طرح کی روایات تھیں اس کے باوجود امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر روایات میں شمار کیا ہے جیسا کہ امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے دیکھئے[الذخیرة فی الأحادیث الضعیفة والموضوعة: 540/1]'' (سنابلی کی تحریر ص ۳)

عرض ہے کہ امام ابن عدی نے ہماری مذکورہ روایت (**عبد الوهاب الثقفي نا عوف ثنا مهاجر أبو مخلد حدثني أبو العالية حدثني أبو مسلم قال:غزا يزيد بن أبي سفيان**)والی روایت بیان ہی نہیں کی بلکہ '' **هوذة بن خليفة عن أبي خلدة عن أبي العالية عن أبي ذر** '' والی روایت بیان کی اور بعد میں یہ فرمایا:اور بعض مفسر روایتوں میں یزید کا اضافہ ہے۔ (الکامل ۴/ ۹۷ دوسرا نسخہ ۳/ ۱۰۲۴، تیسرا نسخہ ۵/ ۱۱-۱۲ ح ۷۰۲۳)

حافظ ابن عدی نے اس روایت کو ہرگز منکر نہیں کہا اور نہ منکر روایات میں ذکر کیا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ (دروغ گورا حافظہ نباشد کے اصول کی رُو سے) خود سنابلی نے ابن القیسرانی یعنی محمد بن طاہر المقدسی سے نقل کیا ہے کہ ''امام ابن عدی نے اس پر کوئی کلام ذکر نہیں کیا ہے اور ابو العالیہ کے تذکرہ میں اسے ذکر کیا ہے گویا کہ آپ نے اسے منکر مان کر ذکر کیا ہے'' (سنابلی تحریر ص ۴)

یہ تحریر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ابن عدی نے اس روایت کو منکر قرار نہیں دیا، رہا ابن طاہر کا ظن وتخمین (کأن، گویا) تو بے سند و بے دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اگر سنابلی صاحب کہیں کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ راوی کے ترجمے میں ضرور بالضرور اس کی منکر روایات ہی ذکر کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک یہ اصول صحیح نہیں بلکہ تفصیل طلب ہے:

۱: اگر راوی ثقہ وصدوق ہے تو ضروری نہیں کہ ہر مذکورہ روایت حافظ ابن عدی کے نزدیک ضرور بالضرور منکر ہی ہے۔

۲: اگر راوی ضعیف ومتروک ہے تو اس کی ہر منفرد روایت مردود ہے، چاہے کامل ابن عدی میں مذکور ہو یا کسی دوسری کتاب میں مذکور ہو۔

فقرہ نمبر ا کی توضیح کے لئے پانچ مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

مثال نمبر ۱: امام ابن عدی نے ابو العالیہ الریاحی کے ترجمے میں ایک حدیث ذکر کی کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! میرے لئے ان میں برکت کی دعا فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو اکٹھا کر کے برکت کی دعا فرمائی اور ان سے کہا: ان کھجوروں کو لے کر اپنے توشہ دان میں ڈال لو...الخ

(الکامل لابن عدی ۴/ ۹۹، نیز دیکھئے فضائل صحابہ صحیح روایات کی روشنی میں ص ۱۲۲۔۱۲۳)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور ابن عدی نے کچھ کلام کیا لیکن اسے منکر قرار نہیں دیا۔ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: ''حسن غریب'' (سنن الترمذی: ۳۸۳۹)

حافظ ابن حبان نے اسے صحیح ابن حبان میں درج کیا یعنی صحیح قرار دیا ہے۔

(دیکھئے الاحسان: ۶۴۹۸)

مثال نمبر ۲: ابو العالیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً بیان کیا کہ ''کان یفطر علی التمر'' آپ چھوہاروں پر روزہ افطار کرتے تھے۔ (الکامل ۴/ ۹۷)

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن صحیح بخاری (۹۵۳) اور سنن الترمذی (۵۴۳) وغیرہما میں اس کے صحیح شواہد ہیں لہٰذا یہ بھی منکر نہیں بلکہ صحیح ہے۔

مثال نمبر ۳: فلیح بن سلیمان (صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور) نے سعید بن الحارث کی سند سے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے تکبیر والی ایک روایت بیان کی۔ الخ

(الکامل ۷/ ۱۴۴، پرانا نسخہ ۶/ ۲۰۵۶)

یہ روایت منکر نہیں، بلکہ معمولی اختلاف اور فلیح کی سند سے ہی صحیح بخاری (۸۲۵) میں موجود ہے۔

مثال نمبر۴: فلیح بن سلیمان نے عثمان بن عبدالرحمٰن عن انس بن مالک کی سند سے ایک حدیث بیان کی کہ جب زوال ہوتا تھا تو نبی ﷺ نمازِ جمعہ پڑھتے تھے۔

(الکامل لابن عدی ۱۴۴/۷)

یہ روایت اسی سند و متن کے ساتھ صحیح بخاری (۹۰۴) میں موجود ہے۔

مثال نمبر۵: عبداللہ بن معبد الزمانی عن ابی قتادۃ الانصاری رضی اللہ عنہ کی سند سے آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عاشوراء کا روزہ سابقہ سال کا کفارہ ہے اور عرفات کا روزہ گزشتہ اور اس کے بعد والے موجودہ سال کا کفارہ ہے۔ (الکامل لابن عدی ۳۷۲/۵، دوسرا نسخہ ۱۵۳۹/۴۔۱۵۴۰)

اس حدیث کو امام ابن عدی نے منکر قرار نہیں دیا، لیکن امام بخاری سے نقل کیا: " عبد اللّٰه بن سعيد الزماني الأنصاري عن أبي قتادة لا يعرف له سماع من أبي قتادة "

یہ جرح " ولا نعرف سماعه من أبي قتادة " کے الفاظ سے التاریخ الکبیر للبخاری (۱۹۸/۵ ت ۶۲۲) میں اور " ولا يعرف سماعه من أبي قتادة " کے الفاظ سے الضعفاء الکبیر للعقیلی (۳۰۵/۲) میں موجود ہے۔ (نیز دیکھئے التاریخ الکبیر ۶۸/۳ ت ۲۴۰)

عبداللہ بن معبد کی امام ابن عدی والی حدیث صحیح مسلم (۱۱۶۲[۲۷۴۶۔۲۷۴۷]) سنن الترمذی (۷۴۹ وقال: حدیث حسن) صحیح ابن خزیمہ (۲۰۸۷) صحیح ابی عوانہ (۱۶۸/۲ ح ۲۳۳۸) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۶۲۲۔۳۶۲۳ [۳۶۳۱۔۳۶۳۲]) التمہید (۱۶۲/۲۱، وقال ابن عبدالبر: وھذا إسناد حسن صحیح وھو یعضد ما تقدم) شرح السنۃ للبغوی (۳۴۴/۶ ح ۱۷۹۰، وقال: ھذا حدیث صحیح أخرجہ مسلم...) المستخرج علیٰ صحیح مسلم لابی نعیم (۲۰۲/۳ ح ۲۵۴۵) معجم الشیوخ لابن عساکر (۷۴۷/۲ ح ۹۳۱ وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح غریب") اور البدر المنیر لابن الملقن (۷۵۰/۵ وقال: ھذا الحدیث صحیح) میں موجود ہے۔

مسلم، ابن خزیمہ، ابوعوانہ، ابن حبان، بغوی اور ابن عبدالبر رحمہم اللہ وغیرہم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا اس روایت پر معلول، منکر، منقطع اور لا یعرف سماعہ وغیرہ کی سب جروح جمہور کے مقابلے میں مردود ہیں۔

سنابلی صاحب ایسے منہج پر گامزن ہیں، جس سے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث کا ضعیف ہونا لازم آتا ہے اور ہم ایسے ہر منہج اور طرزِ عمل سے بری ہیں جس سے صحیحین پر حملہ ہوتا ہو۔

یہ پانچ مثالیں اس لئے بیان کی ہیں کہ سنابلی صاحب کا پروپیگنڈا غلط و باطل ہے۔

سنابلی صاحب نے لکھا ہے: ''و في بعض الأخبار مفسرًا ، زاد :يقال له يزيد''

عرض ہے کہ اس سے روایت مذکورہ کا معلول یا ضعیف ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

بعض روایات مختصر ہوتی ہیں اور بعض مفسر اور یہ مقرر ہے کہ مفسر مختصر پر مقدم ہوتا ہے، نیز ''زاد'' زیادت بیان کی، اضافہ بیان کیا، سے بھی کسی روایت کا ضرور بالضرور معلول و منکر ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ زیادت کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

۱: ثقہ وصدوق عندالجمہور راوی کی زیادت

یہ اگر اوثق کے سو فیصد مخالف نہ ہو (کہ تطبیق ممکن نہ رہے) تو مقبول ہوتی ہے۔

۲: ضعیف ومجروح عندالجمہور راوی کی زیادت

یہ مردود ہوتی ہے۔

''وزاد'' سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ مذکورہ روایت منکر ومعلول یا ضعیف ہے۔

مثال نمبر ا: امام ابن عدی نے امام محمد بن یوسف الفربری اور امام زکریا الساجی دونوں سے روایت بیان کی کہ ہم نے عبداللہ بن احمد بن شبویہ کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے قتیبہ (بن سعید) کو فرماتے ہوئے سنا: اگر احمد نہ ہوتے تو وہ (لوگ) دین میں (غلط عقائد) داخل کر دیتے۔'' زاد الفربري:''امام فربری نے ابن شبویہ سے یہ زیادت بیان کی کہ میں نے قتیبہ سے کہا: کیا آپ احمد بن حنبل کو تابعین کے ساتھ ملاتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: تابعین میں سے بھی بہتر لوگوں کے ساتھ ملاتا ہوں۔ (الکامل لابن عدی ۱/۲۱۱-۲۱۲، دوسرا نسخہ ۱/۱۲۸)

اصولِ حدیث کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ روایت مذکورہ میں ''زاد الفربری'' سے مذکورہ اضافہ ضعیف ثابت نہیں ہوتا بلکہ امام فربری کے ثقہ ہونے کی وجہ

سے یہ اضافہ بھی صحیح ہے۔

مثال نمبر۲: سفیان ثوری نے عمر بن عامر عن انس کی سند سے ایک روایت بیان کی، اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا:" **و زاد شعبة :عن عمرو عن أنس :حتی یخرج النبي ﷺ** " (صحیح البخاری:۵۰۳)

ظاہر ہے کہ یہ اضافہ وزیادت بھی بالکل صحیح ہے۔

مثال نمبر۳: سفیان ثوری نے منصور بن المعتمر وغیرہ سے ایک روایت بیان کی، اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا:" **و زاد أسباط عن منصور. فدعا رسول الله ﷺ فسقوا الغیث...** " (صحیح البخاری:۱۰۲۰)

اسباط بن نصر صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور ہیں اور یہ زیادت حسن لذاتہ یعنی مقبول ہے۔ سنابلی صاحب کو چاہئے کہ وہ تمنا عمادی اور بشیر احمد میرٹھی وغیرہما کی پگڈنڈیوں کو چھوڑ کر محدثین کرام کی جرنیلی شاہراہ پر گامزن ہو جائیں اور منکرینِ حدیث کے لئے چور دروازے نہ کھولیں۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ کفایت اللہ سنابلی صاحب نے امام ابن عدی پر جھوٹ بولا ہے۔

۲) سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

"امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی 458)، نے اسے منقطع قرار دیا ہے، اور اس کے متن کو بھی منکر بتلایا ہے دیکھئے [دلائل النبوۃ للبیھقي :467/6]۔

واضح رہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ حدیث پر حکم لگاتے وقت حدیث کے دیگر طرق کو بھی پیش نظر رکھتے تھے لیکن یہاں پر امام بیہقی رحمہ اللہ نے بغیر کسی اور طریق کی پرواہ کئے اسے منقطع قرار دیا گویا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ روایت اصلاً منقطع ہی ہے۔" (سنابلی تحریر ص۳)

اس عبارت میں سنابلی صاحب نے دو جھوٹ بولے ہیں:

ا: بیہقی نے اسے (یعنی **عبد الوهاب الثقفي نا عوف ثنا مهاجر أبو مخلد**

حدثني أبو العالية حدثني أبو مسلم والی سندکو) منقطع قرار دیا ہے۔

۲: بیہقی نے اسے منکر بتلایا ہے۔

یزید کی مذمت والی حدیث دو مشہور سندوں سے مروی ہے:

اول: **أبو مخلد عن أبی العالية عن أبي مسلم الجذمي عن أبي ذر رضي الله عنه** (تاریخ دمشق وابن خزیمہ)

دوم: **أبو مخلد مهاجر بن مخلد عن أبی العالية عن أبي ذر رضي الله عنه** (ابویعلیٰ وغیرہ)

بیہقی نے اسے **عوف عن أبي خلدة (خالد بن دينار) عن أبی العالية** کی سند سے روایت کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ۶/ ۴۶۶۔۴۶۷، دوسرا نسخہ ۶/ ۴۱۰ ح ۲۸۳۸)

ہوسکتا ہے کہ ابوخلدہ تصحیف ہو اور یہاں ابومخلد (مہاجر بن مخلد) کا نام ہو۔ واللہ اعلم

امام بیہقی نے ابومسلم کے اضافے کے بغیر ابوالعالیہ والی روایت بیان کر کے لکھا ہے:

" قلت: يزيد بن أبي سفيان كان من أمراء الأجناد بالشام في أيام أبي بكر و عمر لكن سميه يزيد بن معاوية يشبه أن يكون هو والله أعلم

و في هذا الإسناد إرسال بين أبی العالية و أبي ذر ."

میں نے کہا: ابوبکر اور عمر کے زمانے میں یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) شام میں جہادی لشکروں کے امراء میں سے تھے لیکن قریب یہی ہے کہ اس حدیث سے مراد ان کا ہم نام یزید بن معاویہ ہو۔ واللہ اعلم

اور اس سند میں ابوالعالیہ اور ابوذر کے درمیان ارسال ہے۔ (دلائل النبوۃ)

معلوم ہوا کہ حافظ بیہقی نے صرف اپنی مذکورہ منقطع سند پر ہی کلام کیا ہے اور عن ابی العالیہ عن ابی مسلم الجذمی کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا۔

بیہقی کے کلام میں منکر کا لفظ سرے سے موجود نہیں اور سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ امام بیہقی حدیث پر حکم لگاتے وقت حدیث کے دیگر طرق کو بھی پیش نظر رکھتے تھے، نرا ظن و تخمین

ہے، کیونکہ انھوں نے صرف اپنی مذکورہ سند پر ہی کلام کیا ہے۔

۳) سنابلی صاحب نے بلند بانگ دعوے ''متعدد اہل علم نے اس روایت کو موضوع، منقطع یا مردود قرار دیا ہے، یا اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے'' کے بعد لکھا ہے:

''امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی 256)، دیکھئے [التاریخ الاوسط 397/1]۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے معلول بھی کہا، دیکھئے: [البدایۃ والنھایۃ 231/8]۔'' (ص ۳)

عرض ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ہرگز موضوع، مردود یا معلول نہیں کہا اور اس سلسلے میں حافظ ابن کثیر کا بے سند و بے حوالہ قول تحقیقی میدان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

یہ بالکل اسی طرح کی مثال ہے کہ حافظ ذہبی نے فاتحہ خلف الامام کی ایک صحیح حدیث پر حافظ ابن حبان کی کتاب الثقات سے جرح نقل کی: '' **وقال: حديثه معلل** '' اور ابن حبان نے کہا: اس (نافع بن محمود المقدسی) کی حدیث معلول ہے۔ (میزان الاعتدال ۴/ ۲۴۲ ت ۸۹۹۵) حالانکہ یہ الفاظ حافظ ابن حبان سے ہرگز ثابت نہیں۔

دیکھئے تحقیق الکلام للمبارکفوری (۱/ ۸۳۔ ۸۶ چوتھی حدیث)

ہم نے التاریخ الاوسط للبخاری ۱/ ۳۹۷۔ ۳۹۸ ح ۱۲۷) دیکھ لی ہے، امام بخاری نے ''**المهاجر أبو مخلد حدثنا أبو العالية و حدثني أبو مسلم ...**'' والی حدیث کے بعد صرف یہ فرمایا: '' **والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان وعليها معاوية و مات يزيد في زمن عمر ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عمر** ''

۱: اور مشہور و معروف یہی ہے کہ عثمان کے زمانے میں ابوذر شام میں تھے اور وہاں کے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہم) تھے۔

۲: اور یزید (بن ابی سفیان) عمر (رضی اللہ عنہما) کے زمانے میں فوت ہوئے۔

۳: اور عمر کے زمانے میں ابوذر (رضی اللہ عنہما) کا شام جانا معروف نہیں۔ (انتہی)

عرض ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہی سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ شام سے مدینے تشریف لے آئے تھے، لہٰذا عہدِ عثمانی سے بعض زمانہ مراد ہے۔

دوسری بات بھی صحیح ہے، لیکن تیسری بات میں اس وجہ سے نظر ہے کہ حسن لذاتہ یعنی صحیح حدیث میں عہدِ فاروقی میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا شام میں ہونا ثابت ہے۔ (دیکھئے: رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ حدیث ثابت ہے: ص ۲۵۔۲۶، المطالب العالیہ ۷/ ۶۴۵ ح ۲/۴۴۵۹)

امام بخاری کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ بعض روایتوں اور راویوں کے بارے میں ''ولا یعرف'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے تھے، جس کی ایک مثال فقرہ نمبر۱ مثال نمبر۵ کے تحت گزر چکی ہے۔

ایسی حالت میں اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھ کر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث مذکور کے بارے میں امام بخاری کا قول'' ولا یعرف سماعه ''اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے اور دوسرے یہ کہ اس سے صحیح مسلم کی صحیح حدیث کا منقطع یعنی ضعیف ہونا لازم آتا ہے جو کہ باطل ہے۔

دوسری مثال: صحیح مسلم میں أیوب بن خالد عن عبد اللّٰه بن رافع عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه کی سند سے ''خلق اللّٰه التربة يوم السبت ..'' والی مرفوع حدیث آئی ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین، پہاڑ اور درخت، نور یعنی زمین و آسمان و ما بینہما چھ دنوں میں پیدا فرمائے اور ساتویں دن (جمعۃ المبارک) آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

اس حدیث کو امام الائمہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسابوری (م ۳۱۱ھ) نے اپنی صحیح ابن خزیمہ میں روایت کیا ہے، یعنی صحیح قرار دیا ہے۔ (۳/ ۱۱۷ ح ۱۷۳۱)

الفخر ابن البخاری نے فرمایا: '' هذا حديث صحيح ''

(مشیخۃ ابن البخاری ۳/ ۱۷۹۸۔۱۷۹۹ رقم ۱۰۶۸/۵۰۲، شاملہ)

اب اس حدیث کے راویوں کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی

۲: عبداللہ بن رافع المدنی مولیٰ ام سلمہ ثقہ (تقریب التہذیب:۳۳۰۵وغیرہ)

۳: ایوب بن خالد بن صفوان بن اوس بن جابر یعنی ایوب بن خالد بن ابی ایوب الانصاری رحمہ اللہ

آپ کو درج ذیل محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا:

(۱) مسلم (بروایتہ فی صحیحہ)

(۲) ابن خزیمہ (بروایتہ فی صحیحہ)

(۳) ابن حبان (ذکرہ فی الثقات)

(۴) حاکم نیشاپوری (وثقہ فی المستدرک ۱/۳۱۴ ح ۱۱۸۱، وصحح لہ ۲/۱۶۵ ح ۲۶۹۸)

(۵) ذہبی (وثقہ وصحح لہ، انظر الرقم السابق:۴)

ان کے مقابلے میں ازدی (ضعیف) اور حافظ ابن حجر (متاخر) کی جرح غلط ہے۔

۴: ایوب بن خالد سے یہ حدیث اسماعیل بن امیہ نے بیان کی جو ثقہ ثبت ہیں۔ (تقریب التہذیب:۴۲۵)

۵: اسماعیل بن امیہ سے یہ حدیث امام ابن جریج نے تصریحِ سماع کے ساتھ بیان کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث صحیح یا حسن لذاتہ ہے۔

اس کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا: " و قال بعضهم عن أبي هريرة عن كعب وهو أصح "اور بعض نے اسے ابوہریرہ عن کعب (الاحبار) کی سند سے روایت کیا اور وہ زیادہ صحیح ہے۔ (التاریخ الکبیر ۱/۴۱۳۔۴۱۴ ت ۱۳۱۷)

امام بخاری کے اس کلام وغیرہ کی وجہ سے کئی علماء نے صحیح مسلم کی حدیث مذکور کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے، حالانکہ یہ کلام کئی وجہ سے غلط ہے:

اول: أبو هريرة عن كعب الأحبار والی سند ہی معلوم نہیں اور بعضہم مجہول ہیں، لہٰذا اصح کہاں سے ہوگئی؟!

دوم: اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی رُو سے صحیح و حسن حدیث جو صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں موجود ہو، اس پر اس طرح کی مبہم جرح نا قابلِ سماعت ہوتی ہے۔

سوم: روایت مذکورہ میں زمین کی تخلیق چار ہی دنوں میں ہے اور نور و دواب کی تخلیق سے مراد زمین و آسمان وما بینہما کی تخلیق ہے لہٰذا حدیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں۔

معاصرین میں سے شیخ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دے کر فرمایا کہ یہ حدیث قرآن کے مخالف نہیں۔ (دیکھئے السلسلۃ الصحیحہ ۴/ ۴۴۹۔۴۵۰ ح ۱۸۳۳)

جو شخص یزید بن معاویہ والی حدیث کو معلول کہنے پر بضد ہے، اسے چاہئے کہ وہ صحیح مسلم کی اس صحیح حدیث کو بھی ضعیف قرار دے، تا کہ ظاہر ہو جائے کہ کون صحیحین کا دفاع کرتا ہے اور کون صحیحین پر ''ہاتھ صاف'' کرتا ہے۔!

فائدہ: بطورِ تنبیہ و فائدہ عرض ہے کہ ہر معلول روایت ضعیف نہیں ہوتی، بلکہ علت کی دو قسمیں ہیں:

۱: علت قادحہ (یہ روایت ضعیف ہوتی ہے)

۲: علت غیر قادحہ (یہ روایت ضعیف نہیں ہوتی)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ امام بخاری نے یزید والی حدیث کو ''موضوع، من گھڑت یا مردود'' ہر گز قرار نہیں دیا، لہٰذا سنابلی صاحب نے امام بخاری پر جھوٹ بولا ہے۔

۴) سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

''امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی 507) نے ابن عدی کے حوالے سے اسی روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا لم یذکر علیہ کلاما. و أورده في ذكر أبي العالية، و كانه استنكره، فذكره امام ابن عدی نے اس پر کوئی کلام ذکر نہیں کیا ہے اور ابو العالیہ کے تذکرہ میں اسے ذکر کیا ہے گویا کہ آپ نے اسے منکر مان کر ذکر کیا ہے [الذخیرۃ فی الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: 540/1]۔'' (سنابلی تحریر ص ۴)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابن عدی نے یزید والی حدیث پر کوئی کلام

نہیں کیا، لہٰذا اسنابلی صاحب کا ابن عدی کو اس حدیث کے جارحین میں ذکر کرنا دروغ بے فروغ ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فقرہ سابقہ:۱

رہا کأنہ یعنی گویا کہ سے استدلال تو اسی طرح کا اعجوبہ ہے، جیسا کہ خبیب احمد فیصل آبادی نے لکھا ہے:

''مزید برآں امام احمد رحمہ اللہ کے قول میں نہیں جانتا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سبھی مدلسین سے یکساں سلوک نہیں کیا جائے گا۔'' (مقالات اثریہ ص ۲۲۰)

سبحان اللہ! (تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ ضرب حق سرگودھا: ۳۶ ص ۲۳۔۲۴)

تنبیہ بلیغ: ابن القیسرانی یعنی محمد بن طاہر المقدسی کی کتاب کا نام ''الذخیرۃ فی الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ'' نہیں بلکہ ''ذخیرۃ الحفاظ المخرج علی الحروف والالفاظ'' ہے، جیسا کہ خود ابن طاہر نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔

(دیکھئے مقدمہ منتخب المنثور من الحکایات والسوالات ص ۱۹۱)

نیز متعدد علماء مثلاً حافظ ذہبی، ابن حجر، عراقی اور ابن ناصر الدین وغیرہم نے یہی نام ذکر کیا ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ذخیرۃ الحفاظ میں صحیح احادیث بھی موجود ہیں۔ مثلاً:

۱: عاشوراء کی فضیلت کے بارے میں صحیح مسلم کی حدیث (ذخیرۃ الحفاظ ۳/۱۵۴۲ ح ۳۳۱۸)

ایک دوسری روایت کے مقابلے میں ابن طاہر نے اسے ''وھو الصحیح'' کہا۔

(ذخیرۃ الحفاظ ۴/۱۸۷۷ ح ۴۳۰۰)

نیز دیکھئے یہی مضمون فقرہ نمبر امثال نمبر ۵

۲: حدیث أبي ھریرۃ رضي اللہ عنہ في برکۃ التمر (ذخیرۃ الحفاظ ۱/۲۲۲ ح ۲۴۷)

نیز دیکھئے یہی مضمون (فقرہ نمبر امثال نمبر ۱)

خود صوفی محمد بن طاہر المقدسی نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ان کی کتاب میں ''أحادیث صحیحۃ المتون غریبۃ الإسناد'' اور ''صحیح الإسناد منکر

المتن" روایات بھی موجود ہیں۔ (ذخیرۃ الحفاظ، شروع ۱/۱۸۹)

معلوم ہوا کہ ابن طاہر نے حدیث مذکور کو نہ موضوع، من گھڑت لکھا ہے اور نہ منکر قرار دیا ہے، لہٰذا کأنہ سے استدلال مردود ہے۔

۵) سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

''امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی 774)، نے اسے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے، دیکھئے: [البدایۃ والنہایۃ 231/8]۔'' (سنابلی تحریر ص ۴)

عرض ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو ہرگز موضوع اور من گھڑت قرار نہیں دیا، بلکہ انھوں نے صرف یہ لکھا ہے:

" و قد أورد ابن عساكر أحاديث في ذم يزيد بن معاوية كلّها موضوعة لا يصح شئ منها. و أجود ما ورد ما ذكرناه على ضعف أسانيده و انقطاع بعضه ، و الله أعلم ."

اور ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں احادیث بیان کیں، وہ ساری موضوع ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں اور سب سے جید (اچھی) روایتیں وہی ہیں جو ہم نے ذکر کر دیں، ان کی سندیں ضعیف ہیں اور بعض منقطع ہیں۔ واللہ اعلم (البدایہ والنہایہ ۸/ ۲۳۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ''كلها موضوعة'' سے وہ روایتیں مراد نہیں جو ابن کثیر نے اس عبارت سے پہلے درج کی ہیں مثلاً حدیثِ یزید بن ابی سفیان اور حدیث **يكون خلف من بعد ستين سنة أضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات** ''وغیرہما۔

حافظ ابن کثیر یزید بن معاویہ کی بحث میں مذکورہ عبارت سے پہلے یہ حدیث بھی لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ساٹھ سال کے بعد ایسے (نا) خلف ہوں گے جو نماز ضائع کر دیں گے اور شہوات کی پیروی کریں گے، یہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔

(بحوالہ مسند احمد ۳/ ۳۸۔ ۳۹، البدایہ والنہایہ ۸/ ۲۳۵)

اس حدیث کی سند صحیح ہے، اُسے ابن حبان (۷۵۵) حاکم (۲/ ۳۷۴، ۴/ ۵۴۷) اور

ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جسے ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کے ترجمے میں ذکر کیا ہے اور تاریخ دمشق (مطبوع) سے رہ گئی ہے۔

(دیکھئے مختصر تاریخ دمشق لابن منظور ۲۸/ ۲۷)

اس صحیح حدیث کو موضوع اور من گھڑت کہنے والا بہت بڑا کذاب اور ناصبی ہے۔

رہا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث کو حافظ ابن کثیر کا منقطع کہنا تو یہ اس وجہ سے مردود ہے کہ ابو مسلم الجذمی تک سند حسن لذاتہ یعنی صحیح متصل ہے اور انھوں نے فرمایا:

"قلت لأبي ذر" (مسند احمد ۵/ ۱۷۹)

یعنی کسی قسم کے انقطاع کا نام و نشان تک نہیں۔

حافظ ابن کثیر کا اس روایت کو منقطع کہنا اور امام بخاری سے معلول کا قول نقل کرنا اسی طرح غلط ہے، جس طرح کہ ابن کثیر نے یزید کے بارے میں فرمایا: "و كان فيه أيضًا إقبال علٰى الشهوات وترك بعض الصلوات في بعض الأوقات" اور وہ شہوت پرستی پر راغب تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں ترک بھی کر دیتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۸/ ۲۳۵)

بے سند بات ہر حالت میں مردود ہوتی ہے، چاہے اپنے حق میں ہو یا خلاف ہو۔

۶) سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

"امام سیوطي رحمہ اللہ (المتوفی 911) نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے: [الجامع الصغير من حديث البشير النذير 244/1]۔

واضح رہے کہ سیوطی رحمہ اللہ شواہد اور دیگر اسناد کے پیش نظر روایات کو حسن قرار دینے میں معروف ہیں لیکن اس کے باوجود بھی یہاں امام سیوطی رحمہ اللہ نے بغیر کسی اور طریق کی پرواہ کئے اسے ضعیف قرار دیا گویا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ روایت ثابت نہیں بلکہ مردود ہے۔" (ص ۴)

مذکورہ بیان دسویں صدی کے ایک عالم و مولوی اور حاطب اللیل سیوطی صاحب پر دروغ بے فروغ ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سیوطی نے ابن عساکر کی روایت ذکر

نہیں کی بلکہ ابویعلیٰ کی روایت ذکر کی ہے اور ابویعلیٰ کی سند میں ابو مسلم الجذمی کا واسطہ موجود نہیں۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ ۸/۳۲۶)

لہٰذا اگر ایک منقطع سند کو انھوں نے ''ض'' کہہ دیا تو اس سے متصل سند کیوں کر ضعیف ہو جاتی ہے؟!

دوسرے یہ کہ الجامع الصغیر کی رموز میں بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔

نیز حاطب اللیل کو امام قرار دینا بھی اعجوبہ ہے اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ ''سیوطی کی نظر میں یہ روایت (جسے انھوں نے ذکر ہی نہیں کیا) ثابت نہیں بلکہ مردود ہے'' بہت بڑا جھوٹ ہے، جس کا حساب مرنے کے بعد دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

۷) سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی 852) نے زیر بحث روایت کو نقل کرنے کے بعد سند میں ابو مسلم کی زیادتی پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا: رواه معاوية بن هشام، عن سفيان ، عن عوف ، فلم يذكر بين أبي العالية و أبي ذر أحدًا . اس روایت کو معاویہ بن ہشام نے سفیان عن عوف کے طریق سے روایت کیا ہے اور ابو العالیہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیچ کسی کو ذکر نہیں کیا[اتحاف المہرۃ لابن حجر: 224/14]۔'' (ص۴)

آپ نے دیکھ لیا کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو موضوع، من گھڑت، معلول اور مردود ہرگز نہیں کہا، بلکہ بطورِ تخریج و فائدہ یہ فرمایا کہ سفیان ثوری عن عوف والی سند میں ابو مسلم الجذمی کا واسطہ مذکور نہیں۔

یہ اسی طرح ہے کہ امام بخاری نے عبد الوارث اور ابراہیم بن طہمان عن ایوب السختیانی عن عکرمۃ عن ابن عباس کی سند سے ایک صحیح حدیث بیان کی اور فرمایا:

'' ولم يذكر ابن علية ابن عباس ، ابن علیہ نے (عن ایوب عن عکرمہ سے مرسلاً روایت بیان کی اور) ابن عباس کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔ (صحیح البخاری: ۴۸۶۲، فتح الباری ۸/۶۱۴)

ظاہر ہے کہ ابن علیہ کے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا واسطہ ذکر نہ کرنے سے صحیح بخاری کی

حدیث ضعیف یا معلول نہیں ہوگئی۔

دوسری مثال کے طور پر عرض ہے کہ امام ترمذی نے شعبہ عن الجریری عن ابی نضرۃ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث بیان کی کہ (سیدنا) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " ألست أول من أسلم " کیا میں سب سے پہلے مسلمان نہیں ہوا تھا؟ (ح ۳۶۶۷ ملخصاً)

اس روایت کی سند صحیح یا حسن لذاتہ ہے، اسے ابن حبان (الاحسان: ۶۸۲۴ [۶۸۶۳]) اور ضیاء المقدسی (المختارہ ۱/۱۰۱۔۱۰۲ ح ۱۸) نے صحیح قرار دیا۔

لیکن حافظ ابن حجر اور بزار وغیرہما نے فرمایا: " رواہ عبد الرحمن بن مهدي عن شعبة فلم يذكر فيه أبا سعيد ." یعنی اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے شعبہ سے بیان کیا تو ابوسعید (الخدری رضی اللہ عنہ) کا واسطہ بیان نہیں کیا۔

(اتحاف المہرۃ ۸/ ۲۳۵ ح ۹۲۸۰ واللفظ لہ، البحر الزخار ۱/ ۹۵ ح ۳۵)

سنابلی صاحب کو چاہیے کہ وہ اپنے باطل اصول کی لاج رکھتے ہوئے صحیح بخاری اور سنن ترمذی والی حدیث کو بھی موضوع اور من گھڑت قرار دیں، تاکہ سبیل المجرمین واضح ہو جائے۔

کتنا بڑا ظلم ہے کہ کبار محدثین، نیز کبار وصغار علماء پر نمبر ز قائم کر کے جھوٹ بول رہے ہیں اور دعویٰ یہ کر رہے ہیں کہ " حافظ موصوف کا جواب پڑھ کر ہمیں سخت حیرانی ہوئی کہ ہمیں ایسی باتوں کا جواب کیوں دیا جا رہا ہے جو کہ ہمیں پہلے سے تسلیم ہے اور ہم نے کبھی ان کا انکار ہی نہیں کیا۔

مثلاً زیر بحث حدیث کے تمام رواۃ کی توثیق میں حافظ موصوف نے بڑی طویل گفتگو کی ہے، جبکہ ہماری گذشتہ پوری تحریر موجود ہے ہم نے کہیں بھی اس سند کے رواۃ کی تضعیف نہیں کی ہاں صرف ایک راوی کو متکلم فیہ بتلایا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اسے ثقہ ہی تسلیم کیا ہے۔" الخ (سنابلی تحریر ص ۱)

یہ اسی طرح کا بیان ہے جیسا کہ سلطان پشاوری نامی چور پکڑا گیا اور اس سے مال

مسروقہ برآمد ہو گیا تو اس کے باوجود اس نے کہا: میں بے گناہ ہوں۔

(دیکھئے علمی مقالات ج۴ص ۲۶۵۔۲۶۶)

دوسرے یہ کہ جب سند کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں، کوئی مدلس نہیں اور نہ کسی قسم کے انقطاع کا نام ونشان ہے تو سنابلی صاحب کا رٹا لگاتے ہوئے بار بار اسے موضوع اور من گھڑت قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟!

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ سنابلی صاحب نے ہماری پیش کردہ روایت کے تمام راویوں کا ثقہ وصدوق ہونا تسلیم کر لیا ہے اور ثقہ راوی پر متکلم فیہ والی جرح مردود ہوتی ہے، لہٰذا اس حدیث کو سنابلی اینڈ پارٹی کا موضوع، من گھڑت اور مردود کہنا بہت بڑا جھوٹ ہے۔

۸) سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

"امام ذھبی رحمہ اللہ (المتوفی 748) نے بھی زیر بحث روایت کی سند میں ابومسلم کی زیادتی پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا: أخرجه الروياني في مسنده " عن بندار ، و روي من وجه آخر، عن عوف ، وليس فيه أبو مسلم . اسے امام رویانی نے مسند میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہے اس میں ابومسلم کا ذکر نہیں ہے، [تاریخ الإسلام للذھبی ت تدمري 273/5]۔" (ص۴)

آپ نے دیکھ لیا کہ حافظ ذہبی نے اس حدیث کو موضوع، من گھڑت، منقطع یا مردود ہرگز نہیں کہا بلکہ دو سندوں (ایک متصل اور دوسری منقطع) کا ذکر کر دیا ہے، لہٰذا عبارت مذکورہ میں سنابلی صاحب نے حافظ ذہبی پر صریح جھوٹ بولا ہے۔ جب وہ اس حدیث کے جارحین میں ہی نہیں تو خواہ مخواہ اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے نمبر ۸ کے تحت انھیں کیوں ذکر کیا گیا ہے؟!

انٹرنیٹ کے ان نام نہاد محققین کا کلام پڑھ کر ممکن ہے کہ عوام میں سے کوئی نادان یہ سمجھ لے کہ اس حدیث کو تو امام بخاری، امام ابن عدی، حافظ بیہقی، حافظ ابن حجر اور حافظ

ذہبی وغیرہم نے بھی موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ سبحان اللہ!

فائدہ: بطورِ فائدہ عرض ہے کہ حافظ ذہبی نے تاریخ الاسلام کے بعد سیر اعلام النبلاء (مشہور کتاب) لکھی اور اس میں سند کے اختلاف کے ساتھ مسند الرویانی سے یزید والی حدیث مذکور نقل کی، لیکن اس کے بعد کوئی کلام نہیں کیا۔ (ج ا ص ۳۲۹۔۳۳۰)

اس سے معلوم ہوا کہ ذہبی کا مذکورہ بالا بیان جرح ہی نہیں، اور اگر کوئی شخص اسے جرح باور کرانے پر بضد ہے تو یہ منسوخ ہے۔

۹) سنابلی صاحب نے لکھا ہے: ''امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی 571) نے بھی ایک مقام پر اسی روایت کو منقطع روایت کرنے کے بعد کہا: رواه عبد الوهاب الثقفي عن عوف عن مهاجر عن أبي العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر زاد فيه أبا مسلم اسی روایت کو عبدالوھاب الثقفی نے بھی عوف عن أبي مهاجر عن أبي العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر کے طریق سے روایت کیا اس میں اس نے ابو مسلم کا اضافہ کر دیا ہے [تاریخ دمشق لابن عساکر:160/18]۔'' (ص ۴۰)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ حافظ ابن عساکر الدمشقی نے اس حدیث کو موضوع، من گھڑت، معلول یا مردود ہرگز نہیں کہا، لہٰذا سنابلی صاحب نے اُن پر جھوٹ بولا ہے۔ رہا ابن عساکر کا یہ کہنا کہ '' زاد فيه أبا مسلم '' انھوں (عبدالوہاب الثقفی) نے سند میں ابو مسلم کا اضافہ بیان کیا ہے، اس حدیث کی تعلیل نہیں۔ خود ابن عساکر نے عبدالوہاب الثقفی کی بیان کردہ ایک حدیث کو '' هذا حديث صحيح '' کہا۔

(معجم الشیوخ لابن عساکر ۲/ ۱۱۶۹ ح ۱۵۲۵)

یعنی وہ ابن عساکر کے نزدیک ثقہ صدوق صحیح الحدیث تھے۔

اس کے بعد سنابلی صاحب نے لفاظی سے جوتا تا بانا بُنا ہے اور لکھا ہے:

'' حافظ ابن حجر، امام ذہبی اور امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے صرف ایک طریق میں جو زیادتی پر تنبیہ کی ہے اس سے مقصود یہی ہے کہ یہاں پر یہ زیادتی شاذ ہے یعنی مردود ہے کیونکہ ایسے

مواقع پر اہل فن صرف یہی نہیں کہتے کہ فلاں نے زیادتی کی ہے بلکہ ساتھ میں اس اصول کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ زیادہ ثقہ مقبول ہے...'' (ص ۴)

عرض ہے کہ جھوٹ نہ بولیں اور اہلِ علم پر بہتان وافتراء کا طومار نہ باندھیں۔

اس کی تردید کے لئے صحیح بخاری (۴۸۶۲) کا حوالہ ہی کافی ہے جو کہ فقرہ نمبر ۷ کے تحت گزر چکا ہے۔

سنابلی صاحب نے یہاں صحیح مسلم کی صحیح ومنسوخ حدیث (و إذا قرأ فانصتوا) پر بھی حملہ کیا ہے اور امام دارقطنی وامام نسائی سے اس پر جرح نقل کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں اماموں سے اس حدیث کو ضعیف ومردود قرار دینا ثابت نہیں، لہٰذا سنابلی صاحب کے دونوں حوالے مردود ہے۔

سنابلی صاحب نے اپنی تائید میں غلط منہج، باطل اصول اور دوغلی پالیسی والے خبیب احمد فیصل آبادی کا حوالہ مقالات اثریہ (ص ۴۰۳) سے پیش کیا ہے۔

اس کا یہی جواب کافی ہے کہ یہ استغاثۃ الغریق بالغریق یعنی ڈوبتے کو ڈوبتے کا سہارا ہے۔ ہک سجادوجا کھبا واہ جوڑی بنائیا ربا !

۱۰) دسویں صدی کے ایک حنفی مولوی ابن طولون نے ''قید الشرید فی اخبار یزید'' کتاب میں حافظ ابن کثیر کا کلام نقل کیا تو سنابلی صاحب نے لکھا:

''مورخ ابن طولون نے بھی امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات برضاء ورغبت نقل کی ہے دیکھئے [قید الشرید لابن طولون ص 38]۔

واضح رہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے اور ابن طولون نے بھی یہ بات برضاء ورغبت نقل کیا ہے۔

ان دس اہل علم کے برعکس پورے چودہ سو سالہ اسلامی دور میں کسی ایک بھی محدث نے اس روایت کو صحیح یا حسن قطعاً نہیں کہا ہے۔

اس کے برعکس حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ پوری دنیا میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس

روایت کو پیش کردہ سند و متن کے ساتھ حسن قرار دیا، حافظ موصوف کا یہ فیصلہ انہیں کے لہجے میں باطل و یکسر مردود ہے۔" (ص ۵)

جس طرح سنابلی صاحب نے حافظ ابن کثیر پر جھوٹ بولا تھا۔ (دیکھئے فقرہ نمبر ۵)

اسی طرح مولوی ابن طولون پر بھی کالا جھوٹ بولا ہے۔

نہ تو ابن کثیر نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے اور نہ ابن طولون نے ایسا لکھا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ سنابلی صاحب نے اپنے مذکورہ تمام (دس کے دس) حوالوں میں ائمہ و علماء پر جھوٹ بولا ہے۔

سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ زبیر علی زئی سے پہلے کسی نے بھی اس حدیث کو حسن یا صحیح نہیں کہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا وہ ابن الصلاح (تقلیدی) کے منہج پر ہیں جن کے نزدیک سابق مثال کے بغیر حدیث کو صحیح نہیں کہنا چاہیے؟!

جب اصولِ حدیث کی رُو سے یہ حدیث حسن لذاتہ یعنی صحیح ہے اور کسی نے بھی اسے ضعیف، مردود، موضوع یا من گھڑت نہیں کہا تو ایسا فیصلہ کرنا کہ یہ صحیح یا حسن ہے، کیوں کر غلط ہو سکتا ہے؟

یزید کی مذمت والی حدیث دو سندوں سے مروی ہے:

۱: ابو العالیہ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ (یہ منقطع ہے)

۲: ابو العالیہ عن ابی مسلم الجذمی عن ابی ذر رضی اللہ عنہ (یہ متصل ہے)

ان دونوں میں سے پہلی روایت ذکر کر کے البانی صاحب نے کہا: " و هذا إسناد حسن." اور یہ سند حسن ہے۔ (السلسلۃ الصحیحہ ۴/ ۳۲۹ ح ۱۷۴۹)

ظاہر یہی ہے کہ اگر البانی صاحب کے علم میں دوسری روایت ہوتی تو وہ اسے بھی بیان کر دیتے۔

یہ کہنا کہ البانی والی روایت میں "صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر حسن پرستی کا

الزام اور اس کی خاطر لونڈی غصب کرنے کی تہمت نہیں ہے۔"

عرض ہے کہ ابو مسلم کی روایت میں بھی حسن پرستی والی بات کا نام ونشان نہیں بلکہ یہ سنابلی صاحب کا بہتان وافتراء ہے۔

رہا ابو مسلم الجذمی کا " فاغتصبها یزید " کہنا تو یہی ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ الفاظ سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے سنے تھے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ الفاظ ابو مسلم الجذمی کے ہی ہیں تو یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے، کیونکہ یہاں نرم الفاظ استعمال کرنے چاہئیں تھے۔

سیدنا ابوذر اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں جو الفاظ بھی بیان کریں، ہم ان کے بارے میں مکمل احترام وسکوت سے کام لیں گے، کیونکہ ہمیں حکم ہے کہ تمام صحابہ کا احترام وتکریم کریں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم یہاں " فاغتصبها" کا معنی سنابلی صاحب کی طرح غصب کرنا، نہیں بلکہ لونڈی کو اپنے قبضے میں لے لیا کرتے ہیں تاکہ کسی صحابی کی توہین کا شبہ تک نہ ہو، ورنہ یہ مشہور قاعدہ ہے کہ غلطی سے رجوع کرنے والا بری الذمہ ہوتا ہے اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا رجوع اسی حدیث میں ثابت ہے۔

صحابۂ کرام نے بعض حالات میں ایک دوسرے کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے، ان میں سے بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

ا: سیدنا عباس بن عبدالمطلب نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کہا: " **یا أمیر المؤمنین ! اقض بیني و بین هذا الکاذب الآثم الغادر الخائن** " (صحیح مسلم: ۱۷۵۷[۴۵۷۷])

۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

" **فرأیتماه کاذبًا آثمًا غادرًا خائنًا واللّٰه یعلم إنه لصادق بار راشد تابع للحق** " پس تم دونوں اسے (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو)... سمجھتے تھے۔

اور اپنے بارے میں فرمایا:

" فرأيتماني كاذبا آثمًا غادرًا خائنًا ، والله يعلم إني لصادق بار راشد تابع للحق " (صحیح مسلم: ۱۷۵۷)

۳: سیدنا سعد بن عبادہ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما سے کہا: " كذبت لعمر الله "
اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: " كذبت لعمر الله "
بلکہ مزید کہا: " فإنك منافق تجادل عن المنافقين "

(صحیح بخاری: ۴۱۴۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰ [۷۰۲۰])

۴: سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: " كذبت يا عمر؟ "

(صحیح مسلم: ۲۵۰۳ [۶۴۱۱])

۵: سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے ہوئے بددعا فرمائی: " اللهم عليك بمعاوية و أشياعه وعمرو بن العاص و أشياعه و أبا السلمى و أشياعه و عبد الله بن قيس و أشياعه " (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۱۷ ح ۷۰۴۹ نسخہ الرشد ۳/ ۲۷۳ نسخہ عوامہ ۵/ ۴۳ وسندہ صحیح، معانی الآثار للطحاوی ۱/ ۲۵۲، اتحاف المہرۃ ۱۱/ ۵۴۸)

واللہ! یہ سب حوالے بادلِ نخواستہ لکھے ہیں، تاکہ منکرینِ حدیث کے نقوشِ قدم پر چلنے والے سنابلی صاحب کو آئینہ دکھایا جائے۔

سنابلی صاحب کو چاہئے کہ وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کی مذکورہ احادیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دیں، ورنہ وہ اپنے دعوے اور منہج میں کاذب ہیں۔

قارئین کرام! محمد اسد حبیب حفظہ اللہ اور راقم الحروف کے جواب میں سنابلی صاحب کی تحریر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے) کے ابتدائی پانچ صفحات پر یہ دس صریح کالے جھوٹ موجود ہیں، لہٰذا ان کی باقی تحریروں میں کیا کیا سانپ اور بچھو نہ ہوں گے مگر عقل مندوں کے لئے یہی حوالے کافی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مومن کی طبیعت

میں تمام خصلتیں ہوسکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ نہیں ہوسکتا۔

(کتاب الایمان لابن ابی شیبہ: ۸۰۔۸۱، وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " اللهم لا تدركني سنة الستين ، و يحكم تمسكوا بصدغي معاوية ، اللهم لا تدركني إمارة الصبيان " اے اللہ! ساٹھ (ہجری) کا سال مجھے نہ پائے، تمھاری خرابی ہو! معاویہ کی کنپٹیاں مضبوطی سے پکڑ لو۔ اے اللہ! بچوں کی امارت مجھے نہ پائے۔ (دلائل النبوۃ ۶/ ۴۶۶ وسندہ صحیح)

بیہقی اسے مرفوع حکماً سمجھتے تھے۔ نیز دیکھئے تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی (۲۳۴)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ الصادق الصدوق (ﷺ) نے فرمایا: میری اُمت کی ہلاکت قریش کے نوجوانوں کے ہاتھوں پر ہے۔ (صحیح البخاری: ۷۰۵۸)

اس حدیث اور سابق روایت (بحوالہ دلائل النبوۃ ونقلہ الحافظ عن ابن ابی شیبہ) ذکر کرنے کے بعد حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

" و في هذا إشارة إلى أن أول الأغيلمة كان في سنة ستين وهو كذلك فإن يزيد بن معاوية استخلف فيها و بقي إلى سنة أربع و ستين فمات "

اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نوجوانوں کا پہلا ساٹھ (ہجری) میں ہوگا اور یہ اسی طرح ہوا کیونکہ یزید بن معاویہ اس میں خلیفہ بنا اور چونسٹھ (۶۴) تک زندہ رہا، پھر مر گیا۔

(فتح الباری ۱۳/ ۱۰، ۱۱/ ۲۶۶)

اس قسم کی روایات کی شرح میں محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح القرطبی (م ۶۷۱ھ) نے فرمایا: " و كأنهم و الله أعلم يزيد بن معاوية و عبيد الله بن زياد ... "

اور گویا وہ یزید بن معاویہ اور عبید اللہ بن زیاد ... ہیں۔ (التذکرۃ فی احوال الآخرۃ ص ۵۶۲)

ابن طاہر کے کأنہ کو بھی مدِنظر رکھیں۔ (دیکھئے فقرہ نمبر ۴)

اس طرح کی اور روایات بھی مذمتِ یزید والی حدیث کی مؤید ہیں، اور غالباً ایسے دلائل کی بنا پر قاضی ابوالحسین محمد بن ابی یعلیٰ ابن الفراء (م ۵۲۶ھ) نے مستحقین لعنت پر

ایک کتاب لکھی جس میں یزید کو بھی ذکر کیا، جیسا کہ حافظ ابن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب ''الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید'' (ص ۴۱) میں لکھا ہے۔

ہم یزید بن معاویہ پر لعن و تکفیر سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے، اسے ظالم و مجروح اور ساقط العدالت سمجھتے ہوئے اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور تمام ظالموں سے اعلانِ براءت کرتے ہیں۔

اے اللہ! تو ہمیں سیدنا عمر المظلوم الشہید، سیدنا عثمان المظلوم الشہید، سیدنا حسین المظلوم الشہید اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ساتھی بنا اور انھیں کے ساتھ اُٹھانا۔ آمین

(۲۷/ جون ۲۰۱۳ء)

مسند الحمیدی کے نسخۂ دیوبندیہ کی چالیس اَغلاط

حبیب الرحمٰن اعظمی (دیوبندی) نے مسند الحمیدی کو جس نسخۂ دیوبندیہ سے شائع کیا، یہ نسخہ ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں لکھا گیا تھا اور اس نسخے کو اعظمی صاحب نے اصل قرار دیا۔

(دیکھئے مقدمہ مسند الحمیدی نسخہ دیوبندیہ ص ۳)

حیدر آباد سندھ (پیر جھنڈا سعید آباد) کا نسخہ سعیدیہ ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳۔۱۸۹۴ء) میں لکھا گیا ہے، گویا یہ نسخہ دیوبندیہ کی اصل ہے، یعنی نسخہ دیوبندیہ اسی سے منقولہ ہے۔ (ایضاً ص ۳)

اعظمی صاحب کے پاس ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) سے پہلے کا لکھا ہوا نسخہ عثمانیہ بھی موجود تھا، بلکہ ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) کا لکھا ہوا قدیم نسخہ ظاہریہ بھی موجود تھا۔

(دیکھئے مقدمہ مذکورہ ص ۳، ۱۸۔۱۹)

علمی تحقیق اور انصاف کی رُو سے یہ چاہئے تھا کہ اعظمی صاحب قدیم ترین مخطوطے کو تحقیق کر کے شائع کرتے مگر انھوں نے قدیم ترین مخطوطے کو چھوڑ کر جدید ترین دیوبندی مخطوطے کو تختۂ مشق بنایا اور شائع کر دیا۔

حبیب الرحمٰن اعظمی کا یہ مطبوعہ نسخہ اغلاط و تحریفات سے بھرا پڑا ہے، جس میں سے چالیس مثالیں (۴۰) بطورِ نمونہ اور مشتے از خروارے پیشِ خدمت ہیں، جن سے صاف اور واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ نسخہ دیوبندیہ سارے کا سارا نا قابلِ اعتماد ہے۔ ترقیم فقرات کی صورت میں نسخہ دیوبندیہ کی اغلاط و تحریفات باحوالہ نقل کر کے نسخہ ظاہریہ (تحقیقی) اور نسخہ شامیہ (حسین سلیم اسد) کی عبارات سے ان کا رد درج ذیل ہے:

۱) "ذهبا و قا" (نسخہ دیوبندیہ ۱/۱۴ ح ۲۳)

☆ "ذهبا أو ورقا" (نسخہ ظاہریہ ح ۲۳، نسخہ شامیہ: ۲۳)

۲) "ان قريشًا تقربت" (دیو، یعنی نسخہ دیوبندیہ:۲۴)

☆ "ان قريشًا تقوت" (ظ یعنی نسخہ ظاہریہ، حسین یعنی نسخہ حسین سلیم اسد:۲۴)

لطیفہ: اعظمی صاحب نے حافظ ابن حجر کی ایک غلط عبارت سے استدلال کرتے ہوئے ''تقربت'' لکھ دیا، حالانکہ انھوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ اصل مخطوطے میں "تقوت" ہے اور انھوں نے اسے تحریف (وهي محرفة) قرار دیا۔ (دیو ۱/۱۵)

ان کے رد کے لئے دیکھئے نسخہ حسین سلیم اسد (۱/۱۶۰)

۳) "فإنه كان يغزو مع رسول الله ﷺ يقول : يوم وليلة للمقيم و ثلاثة أيام و لياليهن للمسافر" (دیو:۳۶)

☆ "فإنه كان يغزو مع رسول الله ﷺ قال :فسألت عليًا فقال: كان رسول الله ﷺ يقول : يوم و ليلة للمقيم و ثلاثة أيام و لياليهن للمسافر."

(ظ:۳۶، حسین:۳۶ نحو المعنی)

٤) "بعد الريح تسع سنين" (دیو:۱۲۹، وقال :"وعندي ان كلمة تسع تصحيف . سبع")

☆ "بعد الريح بسبع سنين" (ظ:۱۳۰، حسین:۱۲۹)

٥) "قال قلت: كيف أتطهر بها" (دیو:۱٦۷)

☆ "قالت قلت :كيف أتطهر بها " (ظ:۱٦۸، حسین:۱٦۷)

٦) "يحجزه" (دیو:۱۸۳)

☆ "يحجره" (ظ:۱۸۴، حسین:۱۸۳)

۷) "سعد بن إبراهيم عن سلمة عن عائشة" (دیو:۱۸۹)

☆ "سعد بن إبراهيم عن أبي سلمة عن عائشة" (ظ:۱۹۰، حسین:۱۸۹)

۸) "والله ! أرفث عندها سائر اليوم" (دیو:۱۹٦)

☆ "والله! لا أرفث عندها سائر اليوم" (ظ:۱۹۸، حسین:۱۹۷)

۹) "عن عائشة قال: كان" (دیو:۲۰۰ ولعلہ خطأ مطبعی)

☆ "عن عائشة قالت: كان" (ظ:۲۰۳، حسین:۲۰۲)

۱۰) "مسعر عن أبيه عن عائشة" (دیو:۲۷۰)

☆ "مسعر عن المقدام بن شريح عن أبيه عن عائشة" (ظ:۲۷۱، حسین:۲۷۲)

۱۱) "ثنا عمرو بن سعيد الثوري" (دیو:۲۹۹)

☆ "ثنا عمر بن سعيد الثوري" (ظ:۲۹۹، حسین:۳۰۱)

۱۲) "ثنا سفيان قال: ثنا إسحق قال: ثنا موسى بن عقبة" (دیو:۳۳٦)

☆ "ثنا سفيان: ثنا موسى بن عقبة" (ظ:۳۳٦، حسین:۳۳۸)

۱۳) "ثنا أبو منصور عن أبي وائل" (دیو:۳۴۱)

☆ "ثنا منصور عن أبي وائل" (ظ:۳۴۲، حسین:۳۴٦)

۱٤) "سمعت عبيد الله بن الحارث بن نوفل" (دیو:۳٦۰)

☆ "سمعت عبد الله بن الحارث بن نوفل" (ظ۳٦۱، حسین:۳٦۵)

۱۵) "أخبرني أبو الشعثاء جابر بن زيد قال: سمعت رسول الله ﷺ"
(دیو:۳٦۹)

☆ "أخبرني أبو الشعثاء جابر بن زيد قال: سمعت ابن عباس يقول: سمعت رسول الله ﷺ" (ظ:۳۷۰، حسین:۳۷۴وعنده بعض الخطاء)

جابر بن زید رحمہ اللہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔

۱٦) "اقرأ سليم منك السلام" (دیو:۳۸۹)

☆ "اقرى سليمان منك السلام" (ظ:۳۸۹، حسین:۳۹٦)

۱۷) "إذا أكل أحدكم فلا يمسح يديه حتى يلعقها أو يلعقها"
(دیو:۳۹۰، حسین:۳۹۷)

☆ "إذا أكل أحدكم فلا يمسح يده حتى يلعقها أو يلعقها" (ظ:۳۹۰)

نسخہ دیوبندیہ اور نسخہ حسین سلیم اسد دونوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے

کھانا جائز ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے اور حدیث سے صرف ایک ہاتھ (یدہ) سے کھانا ہی ثابت ہے۔

۱۸) "سفیان قال : ثنا عطاء" (دیو:۴۹۱)

☆ "سفیان ثنا عمرو عن عطاء" (ظ:۴۹۱، حسین:۴۹۸)

۱۹) نسخہ ظاہریہ کی حدیث نمبر ۴۹۵ (نسخہ حسین:۵۰۲) مکمل طور پر نسخہ دیوبندیہ سے رہ گئی ہے۔

۲۰) "أراد فطر" (دیو:۵۱۱، حسین:۵۲۱)

☆ "زاد فطر" (ظ:۵۱۲)

۲۱) "عن أبی العاص" (دیو:۵۸۲)

☆ "عن أبی العیاض" (ظ:۵۸۲)

۲۲) "مولی عبید اللّٰه بن عامر" (دیو:۵۸۷)

☆ "مولی عبد اللّٰه بن عامر" (ظ:۵۸۷، حسین:۵۹۸)

۲۳) "بشیر بن سلیمان" (دیو:۵۹۳، حسین:۶۰۴)

☆ "بشیر بن سلمان" (ظ:۵۹۳)

۲٤) "فطر بن خلیفة الخیاط" (دیو:۵۹۴، حسین:۶۰۵)

☆ "فطر بن خلیفة الحناط" (ظ:۵۹۴)

۲۵) "من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین" (دیو:۶۱۴)

☆ "من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین" (ظ:۶۱۴، حسین:۶۲۶)

۲٦) "عبد اللّٰه بن خالد بن أسد" (دیو:۶۳۷)

☆ "عبد اللّٰه بن خالد بن أسید" (ظ:۶۳۷، حسین:۶۵۱)

۲۷) "رجم یهودیة، قال ابن عمر:" (دیو:۶۹۶)

☆ "رجم یهودیاً و یهودیة ، قال ابن عمر:" (ظ:۶۹۷، حسین:۷۱۳)

۲۸) "فلما ذهب لأخذها" (دیو:۷۰۵، ونبه علیه الأعظمي فی الهامش)

☆ "فلما ذهبت لأخذها" (ظ:۷۰۵، حسین:۷۲۲)

۲۹) "ثنا عمرو قال: سمعت عبد اللّٰه بن عمر بن الخطاب" (دیو:۷۰۶)

☆ "ثنا عمرو: سمعت أبا العباس الأعمی یقول: سمعت عبد اللّٰه بن عمر بن الخطاب" (ظ:۷۰۶، حسین:۷۲۳)

۳۰) "سمعت عبد اللّٰه بن أوفی" (دیو:۷۱۴)

☆ "سمعت عبد اللّٰه بن أبي أوفی" (ظ:۷۱۴، حسین:۷۳۰)

۳۱) "عبسه بهرا و عرق" (دیو:۷۴۰)

☆ "غشیه بهر أو عرق" (ظ:۷۴۰، حسین:۷۵۷ وعنده: "غشیه بهر وعرق")

۳۲) "وزاد فیه ابن مسعر عن جریر" (دیو:۷۹۴)

☆ "وزاد فیه زیاد عن جریر" (ظ:۷۹۴، حسین:۸۱۲ وعنده: "وزاد فیه عن زیاد")

۳۳) "قیس بن حازم" (دیو:۸۵۵)

☆ "قیس بن أبي حازم" (ظ:۸۵۷، حسین:۸۷۸)

۳٤) "معتب التمیمي" (دیو:۹۰۷)

☆ "قعنب التمیمي" (ظ:۹۰۹، حسین:۹۳۱)

حبیب الرحمٰن اعظمی نے لکھا ہے: "فی الأصل التیمی و الصواب التمیمی کما فی ع و ظ و لکن وقع فیها قعنب بدل معتب خطأ."

اصل میں تیمی (لکھا ہوا) ہے اور صحیح تمیمی ہے جیسا کہ نسخہ عثمانیہ اور نسخہ ظاہریہ میں ہے، لیکن ان میں معتب کے بدلے میں قعنب لکھا ہوا ہے جو کہ خطا ہے۔ (مسند حمیدی نسخہ دیوبندیہ ۲/۴۰۳)

عرض ہے کہ اعظمی کی بات غلط ہے اور صحیح قعنب ہی ہے جیسا کہ مسند الحمیدی کے مخطوط نسخوں میں لکھا ہوا ہے، نیز مسند ابی عوانہ (۵/۷۰۔۷۱ من حدیث الحمیدی) السنن الکبریٰ للبیہقی (۹/۱۷۳، من حدیث الحمیدی) میں بھی قعنب ہی ہے، صحیح مسلم (۱۸۹۷) سنن ابی

داود (۲۴۹۶) اور سنن نسائی (۳۱۸۹۔۳۱۹۱) میں بھی قعنب ہی لکھا ہوا ہے اور اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی قعنب ہی ہے۔ اعظمی کی غلطیوں میں سے یہ بہت بڑی مثال ہے کہ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دیا ہے۔!!

۳۵) "ثم قام فقال مثل ذلك" (دیو:۹۲۸)

☆ "ثم قامت فقالت مثل ذلك" (ظ:۹۳۴، حسین:۹۵۷)

یہ عورت کا واقعہ ہے اور عورت (قام) کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ (قامت) کھڑی ہوئی تھی۔ کیا مونث حقیقی کو مذکر بنا دینا اعظمی صاحب کے نزدیک جائز تھا؟!

۳۶) "سمعت ابن الزبير على المنبر يقول : صلوة في المسجد الحرام" (دیو:۹۴۱)

☆ "سمعت ابن الزبير على المنبر يقول: سمعت عمر بن الخطاب يقول: صلوة في المسجد الحرام." (ظ:۹۴۷، حسین:۹۷۰)

۳۷) "من هذا الأربع" (دیو:۹۷۲)

☆ "من هذه الأربع" (ظ:۹۷۸، حسین:۱۰۰۲)

۳۸) "عبيد الله بن يزيد" (دیو:۹۹۶)

☆ "عبيد الله بن أبي يزيد" (ظ:۱۰۰۲، حسین:۱۰۲۶)

۳۹) "لواجذه" (دیو:۱۰۰۸)

☆ "نواجذه" (ظ:۱۰۱۴، حسین:۱۰۳۸)

۴۰) "قيل تلقاء ابن المنكدر" (دیو:۱۲۲۷)

☆ "قبل أن نلقى ابن المنكدر" (ظ:۱۲۳۷، حسین:۱۲۶۱)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔ مثلاً:

۱: "وأيضا والله" (دیو:۱۲۵۰)

☆ "وإلهًا والله" (ظ:۱۲۶۰)

۲: "محمد بن ثابت عن أبيه عن أبي هريرة " (دیو:۱۱٦٠)

☆ " محمد بن ثابت عن أبي هريرة" (ظ:۱۱٦٩)

۳: " كافي الثلاثة " (دیو:۱۰٦۸)

☆ " كان الثلاثة" (ظ:۱۰۷۴) وغیرذلک

نسخہ دیوبندیہ اعظمیہ سے بعض روایات اور بہت سی عبارات رہ گئی ہیں۔ مثلاً:

۱: دیکھئے فقرہ نمبر ۱۹

۲: دیوبندیہ:۱۷۹، ظاہریہ:۱۸۰

۳: دیوبندیہ:۲۰۳، ظاہریہ:۲۰٦ وغیرذلک

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حبیب الرحمٰن اعظمی کا نسخہ دیوبندیہ نا قابلِ اعتماد اور اغلاط سے پُر نسخہ ہے، نیز خود اعظمی صاحب نے بھی بہت سے مقامات پر اپنے نسخے کی غلطیوں کا اعتراف کر رکھا ہے۔ مثلاً:

۱: اعظمی نے لکھا ہے:"في الأصل يزيد والصواب زيد" (نسخہ دیوبندیہ ۱/۱)

۲: اعظمی نے لکھا ہے:" في الأصل علی ابو بشر والصواب ما اثبتناه" (ایضاً ۱/۱)

۳: اعظمی نے لکھا ہے:

"عندی ان زيادة ركعتين هنا من سهو الكاتب كما سأبينه" (ایضاً ۲/۱)

۴: اعظمی نے لکھا ہے:"في الأصل تقوت وهي محرفة"(ایضاً ۱۵/۱)

۵: اعظمی نے لکھا ہے:"في الأصل فحرفه والصواب فحذفه"(ایضاً ۲۰۹/۱)

وغیرذلک

آخر میں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ حبیب الرحمٰن اعظمی کے نسخہ دیوبندیہ (مطبوعہ مسند الحمیدی) کا جو صفحہ بھی نکالیں، حاشیے میں اصل مخطوطے (دیوبندیہ) سے کچھ اختلاف یا رد ضرور مذکور ہے اور اگر اس قاعدے سے ایک دو صفحے مستثنیٰ بھی ہوں تو قاعدہ اغلبیہ یہی ہے کہ یہ نسخہ مملوءۃ بالاخطاء ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۲۸/ جنوری ۲۰۱۳ء)

شیعہ کی دو روایتیں

۱: ابو عبداللہ (جعفر الصادق رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"ضرب المسلم فخذه عند المصيبة احباط لأجره" مسلمان کا مصیبت کے وقت اپنی ران پر ہاتھ مارنا اس کے اجر (عمل) کو ضائع کر دیتا ہے۔

(فروع کافی ج ۳ ص ۲۲۴ ح ۴)

اس روایت کی سند شیعہ کے اصول پر صحیح ہے، نیز یہ روایت وسائل الشیعہ (۱/۶۶۰۔ ۶۶۱) اور بحار الانوار (۸۹/۷۹) میں بھی موجود ہے۔

(بحوالہ ماتم جی شرعی حیثیت [سندھی] از ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں حفظہ اللہ ص ۴۸)

۲: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب ''نہج البلاغۃ'' میں لکھا ہوا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''و من ضرب يده على فخذه عند مصيبته حبط عمله''
اور جو شخص اپنی مصیبت کے وقت اپنی ران پر ہاتھ مارے، اس کا عمل اکارت (ضائع ہو) جاتا ہے۔ (ص ۴۹۳ فقرہ: ۱۴۴، دوسرا نسخہ ص ۸۴۹)

ان روایات کی روشنی میں شیعہ فیصلہ کریں کہ وہ کس راستے پر جا رہے ہیں؟

(۸/ اپریل ۲۰۱۳ء)

تجلیاتِ صداقت کی دو روایتوں کا جواب

الحمد للّٰه ربّ العالمین و الصلوٰة والسّلام علی رسوله الأمین، أما بعد:

اہل سنت کے نزدیک حدیث کی کتابیں دو طرح کی ہیں:

۱: جن کی تمام احادیث صحیح ہیں۔

اس طبقہ میں ہمارے علم کے مطابق صرف تین کتابیں مطبوع ہیں:

(۱) صحیفہ ہمام بن منبہ (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح مسلم

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث صحیح یا حسن یعنی حجت ہیں اور تعلیقات، مراسیل و منقطع روایات اور بے سند روایات اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔

۲: جن کی تمام احادیث صحیح نہیں، بلکہ ضعیف و مردود روایات بھی موجود ہیں۔

مذکورہ بالا تین کتابوں کے علاوہ تمام کتبِ حدیث اسی قسم پر مشتمل ہیں۔

اہل سنت کو چاہیے کہ شیعہ کے خلاف اُن کی کتابوں سے جو بھی روایات پیش کریں، اُن کا صحیح یا حسن ہونا شیعہ اسماء الرجال اور شیعہ اصول الحدیث سے ثابت کریں۔

اور شیعہ کو بھی چاہیے کہ اہل سنت کے خلاف اُن کی کتابوں سے جو بھی روایات پیش کریں، اُن کا صحیح یا حسن ہونا اہل سنت اسماء الرجال اور اہل سنت اصول الحدیث سے ثابت کریں۔

۱) اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ محمد حسین نجفی (شیعہ) نے ایک کتاب لکھی ہے: تجلیاتِ صداقت بجواب آفتابِ ہدایت۔ اس کتاب کے بالکل شروع میں نجفی صاحب نے لکھا ہے: ''وعن جابر بن عبد اللّٰه قال کنا عند النبي صلّی اللّٰه علیه و سلّم فاقبل علی فقال النبی صلّی اللّٰه علیه و سلم والذی نفسی بیدہٖ ان هذا و شیعته هم الفائزون یوم القیامة و نزلت انّ الّذین آمنوا (الایة) فکان اصحاب النبی صلّی اللّٰه علیه و سلّم اذا اقبل علی قالوا جاء خیر البریه

جناب جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ حضرت علیؑ تشریف لائے آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ اوران کے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگاری حاصل کرنے والے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی انّ الذین امنوا الایۃ۔

اس کے بعد جب بھی کسی بزم میں حضرت علیؑ تشریف لاتے تو صحابہ کہتے خیر البریہ "بہترین خلائق" آ گئے"۔ (تفسیر درِ منثور ج ۶ ص ۳۷۹ طبع مصر نورالابصار ص ۷۸ طبع مصر وتذکرۃ الخواص ص ۳۱ و ینابیع المودۃ ص ۲۱۴ وصواعقِ محرقہ ص ۱۵۹ وفرائد السمطین ج ۱ ص ۳۱ وغیرہا)" (تجلیاتِ صداقت ص ۳)

جواب: یہ ساری کتابیں (درمنثور، نورالابصار، تذکرۃ الخواص، ینابیع المودۃ، صواعق محرقہ اورفرائد السمطین وغیرہا) بے سند کتابیں ہیں لہٰذا سخت ناقابلِ اعتماد ہیں اوران کا کوئی حوالہ بھی اہلِ سنت کے خلاف پیش کرنا جائز نہیں۔

درمنثور (۶/۳۷۹) میں یہ روایت بحوالہ ابن عساکر مذکور ہے اور ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۴۵/۲۴۳) میں اس کی سند موجود ہے لیکن کئی وجہ سے موضوع ہے:

۱: اس کا راوی ابوالعباس ابن عقدہ چور تھا اور گندا آدمی تھا۔

۲: ابن عقدہ کا استاد محمد بن احمد بن الحسن القطوانی مجہول ہے۔

۳: قطوانی کا استاد ابراہیم بن انس الانصاری مجہول ہے۔

۴: انصاری کا استاد ابراہیم بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن مسلمہ بھی مجہول ہے۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے، لہٰذا بغیر جرح کے اس کا بیان کرنا حلال نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۴ ص ۳۰۵۔۳۰۷)

۲) محمد حسین نجفی نے لکھا ہے:

"عُمر صاحب عموماً جناب حذیفہ سے (جن کو آنحضرت نے بعض منافقین کے نام بتائے تھے اسی لئے انکو صاحب السرِ (رازدارِ رسول) کہا جاتا تھا۔ دریافت کیا کرتے تھے کہ کہیں

میرا نام تو منافقوں میں نہیں ہے؟ مگر وہ حکمِ نبوی کے مطابق بتانے سے گریز کرتے۔ بالآخر ایک دن خود ہی کہہ دیا۔ باللہ یا حذیفۃ انا من المنافقین. اے حذیفہؓ! خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں'' (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۶۵) صاحبانِ انصاف غور فرمائیں جو صاحب خود قسمیں کھا کھا اپنے منافق ہونے کا اعلان کریں (واقرار العقلاً علیٰ انفسہم جائز) تو ہم کیونکر ان کو مومن کامل تصور کر سکتے ہیں؟ یہ مدعی سست، گواہ چست والا معاملہ ہو جائے گا۔ جسے دانشمندانہ معاملہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔'' (تجلیات صداقت ص ۴۵)

جواب: میزان الاعتدال میں یہ روایت بے سند ہے لیکن درج ذیل کتابوں میں یہ اعمش عن زید بن وہب کی سند سے مذکور ہے:

۱: مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۱۰۷ ح ۳۷۳۷۹)

۲: السنۃ للخلال (۱۲۸۸، ۱۶۳۰)

۳: کتاب المعرفۃ (التاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ۲/ ۷۶۹)

۴: مسند مسدد (بحوالہ المطالب العالیہ لابن حجر: ۴۳۷۳ وقال: ''إسنادہ صحیح'' !!)

ان تمام کتابوں میں اس روایت میں اعمش کے زید بن وہب سے سماع کی تصریح موجود نہیں اور سلیمان بن مہران الاعمش ثقہ مدلس تھے۔ اگرچہ حافظ ابن حجر نے اس سند کو اسنادہ صحیح اور اعمش کو طبقات المدلسین کے طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے لیکن اُن کی یہ تحقیق جمہور محدثین اور اصولِ حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

۱: اعمش کے شاگرد امام شعبہ نے فرمایا: تین آدمیوں کی تدلیس کے لئے میں تمھارے لئے کافی ہوں: اعمش، ابواسحاق اور قتادہ۔ (مسألۃ التسمیہ لابن طاہر المقدسی ص ۴۷ وسندہ صحیح)

یعنی امام شعبہ کی روایت کے علاوہ اعمش کی معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے۔

۲: حافظ ابن حبان نے اعمش کو ان مدلس راویوں میں ذکر کیا جن کی عن والی روایت حافظ ابن حبان کے نزدیک حجت نہیں ہوتی، اِلا یہ کہ وہ تصریح سماع کریں۔

(دیکھئے کتاب المجروحین ۱/ ۹۲ دوسرا نسخہ ۱/ ۸۶، صحیح ابن حبان ۱/ ۱۶۱ دوسرا نسخہ ۱/ ۹۰)

۳: اعمش ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتے تھے۔ (مثلاً دیکھئے میزان الاعتدال ۲/۲۲۴)
اور جو راوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو اس کی عن والی روایت (بالاولیٰ) مردود ہوتی ہے۔ (نیز دیکھئے الموقظۃ [فی اصول الحدیث] للذہبی ص ۱۹۹)

۴: اعمش کا مدلس ہونا ناقابلِ تردید حقیقت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:
جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہو گیا کہ اُس نے ایک دفعہ تدلیس کی ہے تو اُس نے اپنی پوشیدہ بات ہمارے سامنے ظاہر کر دی... پس ہم نے کہا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے۔ (الرسالۃ: ۱۰۳۳، ۱۰۳۵)

۵: خود حافظ ابن حجر نے اپنی دوسری کتاب النکت علیٰ ابن الصلاح (۲/ ۶۴۰) میں اعمش کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا، نیز اعمش کی بیان کردہ ایک معنعن روایت کو معلول (ضعیف) قرار دیا اور فرمایا: چونکہ اعمش مدلس ہیں اور انھوں نے عطاء سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ (التلخیص الحبیر ۳/ ۱۹ ح ۱۱۸۱)

یعنی خود حافظ ابن حجر کے نزدیک اعمش کثرت سے تدلیس کرنے والوں میں سے ہیں۔
ثابت ہوا کہ اعمش کی یہ عن والی روایت ضعیف و مردود ہے، لہٰذا امام یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ کا زید بن وہب پر جرح کرنا غلط ہے، وہ تو اس روایت ہی سے بری ہیں۔

جو لوگ مروجہ طبقات المدلسین پر آنکھیں بند کر کے ایمان رکھتے ہیں وہ ذرا ہوش سے کام لیں اور دیکھیں کہ مدلسین کی معنعن روایات سے کیا کیا تباہیاں واقع ہو رہی ہیں۔

روایت کے ضعیف و مردود ہونے کے بعد عرض ہے کہ اس روایت میں یہ ہرگز نہیں لکھا ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو منافق سمجھتے تھے بلکہ صرف یہ لکھا ہوا ہے:
فقال: "أبا للہ منھم أنا؟" پس عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اللہ کی قسم! کیا میں بھی اُن میں سے ہوں؟ حذیفہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: "لا" نہیں۔ (دیکھئے المطالب العالیہ ۸/ ۲۴۰ بحوالہ مسدد)

اس ضعیف روایت سے بھی یہی ظاہر ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو منافق نہیں کہا تھا بلکہ تواضع کے طور پر سوال کیا تھا اور حذیفہ رضی اللہ عنہ نے "لا" کہہ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منافق نہیں بلکہ سچے مومن ہیں۔

اس بات کو چھپا کر محمد حسین نجفی نے اپنے اسلاف کا منہج وطرزِ عمل تازہ کر دیا ہے۔

ہمارے نزدیک تو یہ روایت ضعیف یعنی مردود ہے، لہٰذا اس پر استدلال کی بنیاد رکھنا بھی باطل اور مردود ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی گواہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے عمر (رضی اللہ عنہ) کے دل وزبان پر حق جاری کر رکھا ہے۔
(صحیح ابن حبان، موارد الظمآن: ۲۱۸۴ وسندہ صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دین کی گواہی دی۔ (صحیح بخاری: ۳۶۹۱، صحیح مسلم: ۲۳۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جنتی کہا۔
(سنن ترمذی: ۳۷۴۷ وسندہ صحیح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا محل دیکھا تھا۔
(صحیح بخاری: ۵۲۲۶، ۷۰۲۴، صحیح مسلم: ۲۳۹۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون سا شخص لوگوں میں سب سے بہتر ہے؟ انھوں نے فرمایا: ابوبکر۔ پھر پوچھا گیا: ان کے بعد کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: عمر۔
(صحیح بخاری: ۳۶۷۱)

یہ روایت اہل سنت کی کتابوں میں متواتر ہے اور راقم الحروف نے خاص اس روایت پر ایک مفصل تحقیقی مضمون لکھا ہے۔ والحمد للہ

امام ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین الباقر رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص کو ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل معلوم نہیں، وہ شخص سنت سے جاہل ہے۔
(کتاب الشریعہ للآجری ص ۸۵۱ ح ۱۸۰۳، وسندہ حسن لذاتہ)

امام ابو جعفر محمد بن علی الباقر رحمہ اللہ نے اپنی بیماری کی حالت میں فرمایا:

اے اللہ! میں ابوبکر اور عمر کو اپنا ولی مانتا ہوں اور ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔ اے اللہ!

اگر میرے دل میں اس کے خلاف کوئی بات ہو تو قیامت کے دن مجھے محمد ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ (تاریخ دمشق ۵۷/۲۲۳ وسندہ حسن لذاتہ)

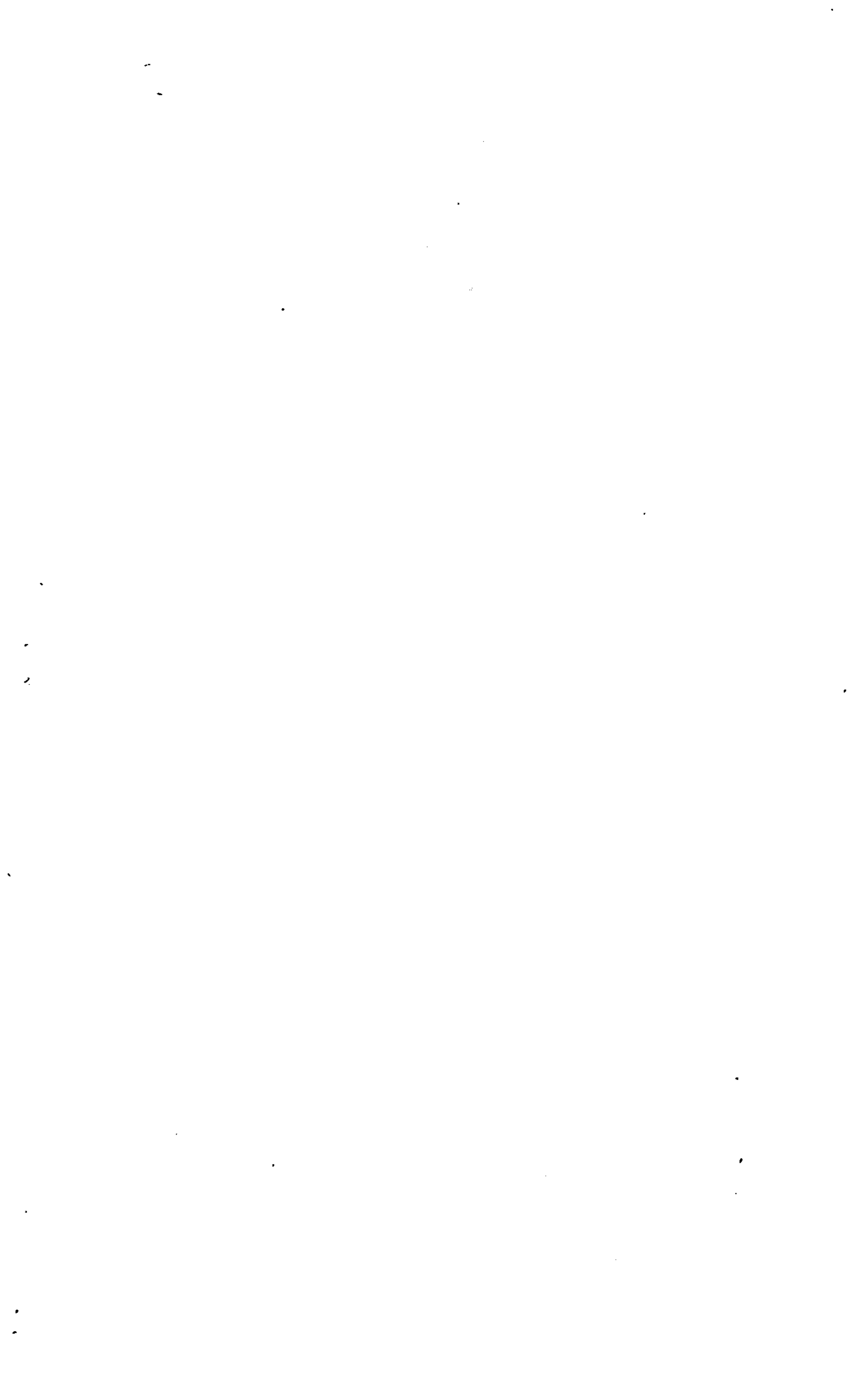
امام جعفر بن محمد الصادق رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ اس شخص سے بری ہے جو ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) سے بری ہے۔ (فضائل الصحابہ للامام احمد بن حنبل ۱/۱۶۰ ح ۱۴۳، وسندہ صحیح)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے دلوں کو سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، تمام صحابۂ کرام، ازواج مطہرات اور تمام اہل بیت کی محبت سے بھر دے۔ آمین

(۱۹/فروری ۲۰۱۳ء)



باطل مذاہب ومسالک اوران کارد



محمد قاسم نانوتوی: بانیٔ مسلکِ دیوبند

مدرسۂ دیوبند و مسلکِ دیوبند کے بانی محمد قاسم نانوتوی صاحب کا مختصر و جامع تعارف درج ذیل ہے:

نام ونسب: محمد قاسم (خورشید حسن) بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن محمد ہاشم نانوتوی

ولادت: ۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۸۳۲ء یا ۱۸۳۳ء بمقام نانوتہ (ضلع سہارنپور) ہندوستان دیکھئے بیس بڑے مسلمان (تصنیف: عبدالرشید ارشد) ص ۱۱۴، تذکرہ مشائخ دیوبند (تصنیف: عزیز الرحمٰن دیوبندی) ص ۱۴۱، اکابر علمائے دیوبند (تصنیف محمد اکبر شاہ بخاری) ص ۱۳، سوانح قاسمی (تصنیف: مناظر احسن گیلانی) ج ۱ ص ۱۱۳، ۱۲۶

اساتذہ: چند اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

۱: مملوک علی نانوتوی

۲: امداد اللہ تھانوی

۳: رشید احمد گنگوہی

مملوک علی نانوتوی کا مختصر تعارف: مملوک علی نانوتوی کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

۱: دہلی کالج کے شعبۂ علوم مشرقیہ کے صدر تھے۔

(سیرت یعقوب ومملوک ص ۱۵، تصنیف: محمد انوار الحسن شیرکوٹی)

☆ یہ سرکاری (یعنی انگریزوں کا) کالج تھا۔ (ایضاً ص ۲۲)

☆ اس سرکاری کالج کے پرنسپل مسٹر ٹیلر تھے۔ (ایضاً ص ۲۷)

☆ ''دہلی کالج کے تمام انگریز پرنسپل ان کی قدر کرتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ بلکہ گورنر جنرل نے مولانا مملوک علی کو انعام بھی دیا۔'' (ایضاً ص ۳۲)

۲: مملوک علی (م ۱۸۵۱ء) انگریزوں کے دہلی کالج میں صدر مدرس تھے۔

(قدیم دہلی کالج ص ۲۷، از محمد اکرام چغتائی)

نظام الدین اسیر ادروی نے لکھا ہے: ''ایسٹ انڈیا کمپنی نے مشرقی علوم کے احیاء کے لئے دہلی میں جو عربک کالج قائم کیا تھا آپ اس کے صدر الاساتذہ تھے۔''

(مولانا محمد قاسم نانوتوی حیات اور کارنامے ص ۲۹۔۳۰)

انٹرنیٹ سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۵۰ء میں سونا ۹۹ روپے تولہ تھا اور مملوک علی کی تنخواہ کا قصہ اس سے سو سال پہلے ۱۸۵۰ء کا ہے، یعنی آج کل کے حساب سے یہ تنخواہ لاکھوں روپوں میں تھی۔

نانوتوی صاحب انگریزوں کے دہلی کالج کے پڑھے ہوئے تھے، جیسا کہ ایوب قادری نے لکھا ہے: ''مولانا محمد قاسم نانوتوی کے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔'' (محمد احسن نانوتوی ص ۲۷)

امداد اللہ تھانوی کا مختصر تعارف

حاجی امداد اللہ تھانوی عرف ''مہاجر مکی'' کے چند عقائد درج ذیل ہیں:

۱: ''نکتہ شناسا مسئلہ وحدۃ الوجود حق و صحیح ہے اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ فقیر و مشائخ فقیر اور جن لوگوں نے فقیر سے بیعت کی ہے سب کا اعتقاد یہی ہے مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم و مولوی رشید احمد صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی احمد حسن صاحب وغیرہم فقیر کے عزیز ہیں اور فقیر سے تعلق رکھتے ہیں کبھی خلاف اعتقادات فقیر و خلاف مشرب مشائخ طریق خود مسلک اختیار نہ کریں گے۔'' (شمائم امدادیہ ص ۳۲)

وحدت الوجود کا مطلب یہ ہے کہ ''سب موجودات عالم کو وجود باری تعالیٰ سمجھنا''

(لغات سعیدی ص ۸۵۶)

''تمام موجودات کو خدا کا وجود ماننا'' (جامع اللغات اردو ص ۷۰۲)

نیز دیکھئے راقم الحروف کی کتاب: بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم (ص ۱۴۔۱۵)

ملا علی قاری حنفی نے ایک رسالہ لکھا ہے: ''الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود''

(دیکھئے مجموعہ رسائل القاری ج ۲)

اس رسالے میں ملا علی قاری نے وحدت الوجود کو اہل الالحاد (یعنی ملحدین) کا مذہب قرار دیا ہے۔ (ص ۱۳)

۲: ایک شخص نے حاجی امداد اللہ کے ایک مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا:

''اس مضمون سے معلوم ہوا کہ عابد و معبود میں فرق کرنا شرک ہے''

حاجی امداد اللہ نے اس کا درج ذیل جواب دیا:

''کوئی شک نہیں کہ فقیر نے یہ سب ضیاء القلوب میں لکھا ہے'' (شمائم امدادیہ ص ۳۴)

۳: حاجی امداد اللہ نے لکھا ہے:

''اس مرتبہ میں خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہونچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس مقام کو برزخ البرازخ کہتے ہیں''

(کلیات امدادیہ/ضیاء القلوب ص ۳۵۔۳۶)

۴: حاجی امداد اللہ نے ذکر نے والے کے لئے لکھا ہے:

''اور اس کے بعد اس کو ہُو ہُو کے ذکر میں استقدر منہمک ہو جانا چاہیے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہو جائے اور فنا در فنا کے یہی معنی ہیں اس حالت کے حاصل ہو جانے پر وہ سراپا نور ہو جائے گا'' (کلیات امدادیہ/ضیاء القلوب ص ۱۸)

۵: حاجی امداد اللہ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے لکھا ہے:

''یا رسول کبریا فریاد ہے، یا محمدؐ مصطفیٰ فریاد ہے
آپ کی امداد ہو میرا یا نبیؐ حال ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آجکل اے مرے مشکل کشا فریاد ہے''

(کلیات امدادیہ/ نالۂ امداد غریب ص ۹۰۔۹۱)

٦: حاجی امداد اللہ نے اپنے پیر نور محمد جھنجھانوی (م ۱۲۵۹ھ) کو مخاطب کر کے کہا:

"آسرا دنیا میں ہے ازبس تمہاری ذات کا
تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا
بلکہ دن محشر کے بھی جس وقت قاضی ہو خدا
آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا برملا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا"

(شمائم امدادیہ ص ۸۳۔۸۴، امداد المشتاق ص ۱۱۶، فقرہ نمبر ۲۸۸، دوسرا نسخہ ص ۱۲۱۔۱۲۲)

۷: حاجی امداد اللہ نے کہا:

"لوگ کہتے ہیں علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا میں کہتا ہوں کہ اہلِ حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت و ادراک غیبیات کا ان کو ہوتا ہے"

(امداد المشتاق ص ۷۶۔۷۷ فقرہ: ۱۲۹، دوسرا نسخہ ص ۷۹۔۸۰)

آلِ دیوبند کے نزدیک حاجی امداد اللہ کا مقام

۱: اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے:

"حضرت... کے وہی عقائد ہیں جو اہلِ حق کے ہیں" (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۷۰)

۲: قاری محمد طیب دیوبندی نے کہا:

"حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ، جو گویا پوری اس جماعت دیوبند کے شیخ طائفہ ہیں"

(خطبات حکیم الاسلام ج ۷ ص ۲۰۶)

۳: "شیخ المشائخ" (بیس بڑے مسلمان ص ۸۴، ۹۷)

۴: "سید الطائفہ" (مقدمہ امداد السلوک از محمد زکریا ص ۳۴)

۵: "شیخ العرب والعجم" (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۴۲، فضائل صدقات حصہ دوم ص ۵۵۵)

(نیز دیکھئے امداد السلوک از رشید احمد گنگوہی ص ۴۰۔۴۱، الشہاب الثاقب از حسین احمد ٹانڈوی ص ۶۰)

رشید احمد گنگوہی کا مختصر تعارف

گنگوہی کے بعض عقائد درج ذیل ہیں:

۱: رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش بن قاضی غلام حسن گنگوہی نے لکھا ہے:
''پس ثابت ہوا کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ جل وعلیٰ ہے...''

(تالیفات رشدیہ ص۹۹)

۲: رشید احمد گنگوہی نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے لکھا ہے:
''یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے۔ جھوٹا ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ تیرا ہی ظل ہے، تیرا ہی وجود ہے مَیں کیا ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ اور وہ جو میں ہوں وہ تُو ہے اور مَیں اور تُو خود شرک در شرک ہے...'' (فضائل صدقات از محمد زکریا تبلیغی حصہ دوم ص۵۵۶)

۳: گنگوہی نے کہا:
''نیز مرید کو یقین کے ساتھ یہ جاننا چاہئے کہ شیخ کی رُوح کسی خاص جگہ میں مقید و محدود نہیں ہے۔ پس مرید جہاں بھی ہوگا خواہ قریب ہو یا بعید تو گو شیخ کے جسم سے دور ہے لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں۔'' (امداد السلوک اردو ص۶۴)

نانوتوی کے تلامذہ: نانوتوی کے چند شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱: محمود حسن بن ذوالفقار علی بریلوی دیوبندی ''اسیر مالٹا''

۲: اشرف علی تھانوی

۳: عزیز الرحمٰن عثمانی وغیرہم

تصانیف: نانوتوی کی چند تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱: تحذیر الناس

۲: قصائد قاسمی

۳: مناظرہ عجیبہ

۴: تصفیۃ العقائد

۵: اجوبہ اربعین

۶: ہدیۃ الشیعہ

۷: قاسم العلوم (مکتوبات)

۸: انتصار الاسلام

۹: جمال قاسمی

۱۰: آبِ حیات

۱۱: حجۃ الاسلام

۱۲: تقریر دلپذیر وغیرہا

تحذیر الناس: تحذیر الناس سے دو اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

۱: ''دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔'' (ص ۷، دوسرا نسخہ ص ۴۷، تیسرا نسخہ ص ۴۔۵)

۲: ''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا'' (ص ۳۴، دوسرا نسخہ ص ۸۵، تیسرا نسخہ ص ۲۴)

قصائد قاسمی: قصائد قاسمی سے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

''رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت — نجانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار'' (ص ۶)

''مدد کراے کرم احمدی کہ تیرے سوا — نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار''

''جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا — بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غمخوار'' (ص ۸)

''رجاؤ خوف کی موجوں میں امید کی ناؤ — جو تو ہی ہاتھ لگائے تو ہووے بیڑا پار''

''امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار'' (ص ۹)

نانوتوی عقائد: مذکورہ عبارات کے علاوہ چند مزید عقائد پیشِ خدمت ہیں:

۱: "...اور اموال انبیاء کرام علیہم السلام میں میراث کا جاری نہ ہونا اور اوروں کے اموال میں جاری ہونا اسپر شاہد ہے کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف و جوانب سے قبض کر لیتے ہیں یعنی سمیٹ لیتے ہیں اور سوا اُن کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں اور اسلئے سماع انبیاء کرام علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے اور اسی لئے اُن کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے جیسے ایام حیات میں احیاء کی زیارت ہوتی ہے..." (جمال قاسمی ص ۱۵، بتصرف یسیر)

نیز دیکھئے تسکین الصدور (ص ۲۱۶) ندائے حق (۵۷۲/۱، ۶۳۵) اور راقم الحروف کے تحقیقی مقالات (۲۱/۱)

نانوتوی صاحب نے مزید لکھا ہے:

"...کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال ابتک برابر مستمر ہے اسمیں انقطاع یا تبدل و تغیر جیسے حیات دنیوی کا حیات برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا..."

(آب حیات ص ۲۷)

۲: نانوتوی نے دروغ یعنی جھوٹ کے بارے میں لکھا ہے:

"پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں اگر چہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی سے محفوظ رہے ہیں..." (تصفیۃ العقائد ص ۲۹)

۳: نانوتوی کے شاگرد منصور علی خان نے اپنے استاد کے بارے میں لکھا ہے:

"بزرگوں کے مزار پر جایا کرتے، دعا کر کے چلے آتے۔"

"سماع اولیاء اللہ کے قائل تھے۔"

"اگر اکیلے کسی مزار پر جاتے، اور دوسرا شخص وہاں موجود نہ ہوتا، تو آواز سے عرض کرتے کہ آپ میرے واسطے دعا کریں۔" (سوانح قاسمی ۲۹/۲)

نانوتوی اور سیاست: عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے نانوتوی وغیرہ اور انگریز سرکار

کے تعلق کے بارے میں لکھا ہے: ''اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے ہاں چند روز کی تفریق بین الاحباب مقدر تھی وہ اُٹھانی تھی سو اُٹھائی...'' (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۹)

عبدالرشید ارشد دیوبندی نے لکھا ہے:

''میرے کانوں میں مولانا غلام رسول مہر کے بار بار کہے ہوئے یہ الفاظ گونج رہے ہیں کہ ''تذکرۃ الرشید'' بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس کو پڑھ کر بڑا دل خوش ہوتا ہے...''

(حاشیہ بیس بڑے مسلمان ص ۱۹۲)

قاری محمد طیب دیوبندی نے پرانے دیوبندیوں کے بارے میں لکھا ہے:

''پھر جس میں اکثریت ایسے حضرات کی تھی جو تارک الدنیا اور مسجد نشین بزرگ تھے، جنھیں سیاسیات سے تو بجائے خود، عام شہری معاملات سے بھی کوئی خاص لگاؤ نہ تھا اور یا ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارہ میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔'' (حاشیہ سوانح قاسمی ۲/ ۲۴۶۔ ۲۴۷، نیز دیکھئے فخر العلماء ص ۶۲۔ ۶۳)

دیوبندی مورخین کے دو طبقے ہیں:

طبقہ اولیٰ: ۱۹۴۷ء یعنی ہندوستان سے انگریزی خروج سے پہلے کے مورخین

طبقہ ثانیہ: ۱۹۴۷ء یعنی آزادیٔ پاک وہند کے بعد والے مورخین

لطیف اللہ نے لکھا ہے:

''(۱) طبقہ اول کے لکھنے والے تھانہ بھون کے مواقع کو فساد اور بغاوت باور کرتے تھے اور ان کے نزدیک یہ واقعہ معرکہ جہاد نہ تھا۔

(۲) یہ حضرات یہ باور کرتے تھے اور دوسروں کو یقین دلا رہے تھے کہ حاجی صاحب، مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز اس فساد میں شریک نہ تھے۔ ان شہادتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مولانا محمد یعقوب اور مولانا عاشق الٰہی رحمہم اللہ کا حضرت حاجی صاحب اور آپ کے دونوں معتمد خلفا کا شرکت جہاد سے انکار کرنا، اس وقت

کے حالات اور فضا کے عین مطابق تھا ورنہ وہ شریک جہاد بھی تھے اور اس کی رہنمائی بھی کر رہے تھے۔ یہ عذر بے بنیاد اور زبردست علمی مغالطہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ عذر مولانا محمد یعقوبؒ اور مولانا عاشق الٰہی کی دیانت وامانت کو مشکوک کرنے کے مترادف ہے۔

اس سے سوا یہ بات ہے کہ اگر اس طرح کے عذر قبول کیے جائیں تو تاریخ کی تمام کتابوں کو دریابرد کرنا پڑے گا، کیونکہ معلوم نہیں ان میں کہاں کہاں دروغ مصلحت آمیز ہے اور کہاں نہیں۔" (انفاس امدادیہ ص ۸۸ مطبوعہ ادارہ نشر المعارف کراچی)

لطیف اللہ نے حاجی امداداللہ کے تذکرے میں مزید لکھا ہے:

"مختلف حقائق وشواہد سے یہ حقیقت بے غبار ہو چکی ہے کہ حاجی صاحب، مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی رحمہم اللہ ۱۸۵۷ کے واقعات میں شریک نہ تھے۔" (انفاس امدادیہ ص ۱۰۶)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انگریز جاسوس پامر نے ۱۸۷۵ء کو مدرسۂ دیوبند کا معائنہ کرنے کے بعد لکھا:

"یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد معاون سرکار ہے"

(محمد احسن نانوتوی ص ۲۱۷، فخر العلماء ص ۶۰)

نیز محمد احسن نانوتوی نے ۲۲/ مئی (۱۸۵۷ء) کو تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

"حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے" (محمد احسن نانوتوی ص ۵۰)

اولاد: حافظ محمد احمد شمس العلماء وغیرہ (دیکھئے مولانا محمد قاسم نانوتوی حیات اور کارنامے ص ۱۷۱)

نانوتوی صاحب کے بیٹے کے لئے شمس العلماء کا لقب انگریز حکومت کی طرف سے عطا کردہ تھا۔ اس کے بارے میں انگریزوں نے کہا:

"پسر محمد قاسم بانیٔ مدرسہ دیوبند۔ یہ مدرسہ کا مہتمم یا پرنسپل اور وفادار ہے۔"

(تحریک شیخ الہند ص ۴۴۹)

آلِ دیوبند کے نزدیک نانوتوی کا مقام: آلِ دیوبند کے نزدیک محمد قاسم نانوتوی کا بہت بڑا مقام ہے، بلکہ عزیز الرحمٰن دیوبندی نے "قابل تقلید زندگی" کی سرخی کے تحت

نانوتوی کے بارے میں لکھا ہے:

"یوں تو حضرت مولانا قدس سرہٗ کی پوری زندگی ہی قابل تقلید ہے بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ ان کی تقلید کرنے کے لئے بھی منہ چاہیے" (تذکرہ مشائخ دیوبند ص ۱۶۶)

ظاہر ہے کہ یہ تقلیدی منہ (یا چہرہ) دیوبندیوں کا ہی ہے لہٰذا اس عبارت سے ثابت ہوا کہ آلِ دیوبند اپنے مزعوم امام ابوحنیفہ کے مقلد نہیں بلکہ اپنے قاسم نانوتوی کے مقلد ہیں، یعنی انھیں حنفی کے بجائے دیوبندی ماتریدی ہی سمجھنا چاہیے۔

وفات: ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ بمطابق اپریل ۱۸۷۹ء بمقام دیوبند

مشہور نیچری اور منکرِ حدیث سرسید احمد نے نانوتوی کی وفات پر تعزیتی تحریر لکھی، جس میں حد درجہ مبالغہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا:

"ابتدا ہی سے آثار تقویٰ اور ورع اور نیک بختی اور خدا پرستی کے ان کے اوضاع اور اطوار سے نمایاں تھے... ان کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی خصلتیں تھیں، ہم اپنے دل سے ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں... درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے"

(مولانا محمد قاسم نانوتوی حیات اور کارنامے ص ۱۷۲۔۱۷۴)

جبکہ دوسری طرف آلِ دیوبند کے سوتیلے بھائی اور حنفیت کی طرف منسوب آلِ بریلی نے انھیں شدید جروح کا نشانہ بنایا، بلکہ احمد رضا خان بریلوی انھیں دائرے سے باہر قرار دیتے تھے۔ کل حزب بما لدیھم فرحون .

نانوتوی صاحب کے عبرت انگریز اور مفصل حالات کے لئے دیکھئے جناب محترم عبدالستار خان نیازی (سابق دیوبندی و بریلوی اور حال اہل حدیث) سرگودھوی کی کتاب: علماء دیوبند کی سیرت و کردار المعروف دیوبندیت حصہ اول۔

تنبیہ: اس تحقیقی مضمون "محمد قاسم نانوتوی: بانیٔ مسلکِ دیوبند" میں تمام حوالے اصل کتابوں سے سیاق و سباق مدنظر رکھ کر اور بغیر کسی تدلیس و تلبیس کے لکھے گئے ہیں۔

(۶/ جون ۲۰۱۳ء)

فیصل خان کی کذب بیانیاں اور فراڈ

فیصل خان بریلوی رضاخانی نے لکھا ہے: ''مزید یہ کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امام محمد بن الحسن سے دقیق مسائل بھی لکھے ہیں۔ امام صیمریؒ اپنی سند سے لکھتے ہیں۔ ''اخبرنا **احمد بن محمد الصیرفی قال ثنا علی بن عمرو الحریری...**''

ترجمہ:- امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ آپ باریک اور مشکل مسائل کہاں سے لیتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ میں نے یہ مشکل اور دقیق مسائل امام محمد بن الحسنؒ کی کتابوں سے لیے ہیں۔

سند کی تحقیق

اس سند کے راویوں کی مختصر توثیق ملاحظہ کریں۔

۱: احمد بن محمد الصیرفی ثقہ سوالات حمزہ السہمی رقم: ۱۲۵''

(توثیق صاحبین ص ۱۱۶۔۱۱۷، واللفظ لہ، ص ۱۵۹۔۱۶۰)

فیصل خان نے دو جگہ پر یہ روایت بطورِ حجت و استدلال پیش کی ہے اور جس ابو بکر احمد بن محمد بن ابراہیم الصیرفی کی توثیق سوالات حمزہ السہمی سے نقل کی ہے، اُن کے بارے میں سوالات کے اسی صفحے پر حاشیے میں بحوالہ تاریخ بغداد (۳۸۴/۴) لکھا ہوا ہے کہ وہ ۳۰۵ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (سوالات السہمی ص ۱۴۰)

جس حسین بن علی بن محمد بن جعفر الصیمری کی کتاب: اخبار ابی حنیفہ واصحابہ (نسخنا ص ۱۲۵) سے ''اخبرنا احمد بن محمد الصیمری'' کے ساتھ مستدل روایت نقل کی گئی ہے وہ ۳۵۱ھ میں پیدا اور ۴۳۶ھ میں فوت ہوئے تھے، جیسا کہ ان کے شاگرد امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ۷۸/۹ ت ۴۶۶۳)

جو ثقہ محدث ۳۰۵ھ میں فوت ہو چکے تھے، ان کے پاس ۴۶ سال بعد پیدا ہونے والے

قاضی صیمری کس طرح حدیث پڑھنے پہنچ گئے تھے؟ کیا عالمِ ارواح میں ملاقات ہوئی تھی؟!

ثابت یہ ہوا کہ فیصل خان نے صیمری کے استادوں میں ابوبکر احمد بن محمد بن ابراہیم الصیرفی یعنی ابن الخنازیری (م ۳۰۵ھ) کا ذکر اور توثیق نقل کر کے بہت بڑا فراڈ کیا ہے اور سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کی مذموم حرکت کی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ احمد بن محمد الصیرفی سے پھر یہاں کون مراد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ابوعبداللہ احمد بن محمد بن علی الصیرفی یعنی ابن الابنوسی مراد ہے، جس کی دو دلیلیں درج ذیل ہیں:

۱: خطیب بغدادی نے ابن الابنوسی یعنی احمد بن محمد الصیرفی کے شاگردوں میں قاضی ابو عبداللہ الصیمری کا نام لکھا ہے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ۵/۶۹ ت ۲۴۴۷)

۲: اخبار ابی حنیفہ للصیمری میں دو جگہ احمد بن محمد الصیرفی کی کنیت ابوعبداللہ لکھی ہوئی ہے۔ (دیکھئے ص ۱، ۲۷)

ابن الابنوسی کی کنیت ابوعبداللہ ہے، جبکہ ابن الخنازیری کی کنیت ابوبکر ہے۔

ابن الخنازیری بے شک ثقہ تھے لیکن ابن الابنوسی کیسا آدمی تھا، اس کا تذکرہ درج ذیل ہے:

ثقہ امام ''الامام العلامۃ الفقیہ الحافظ الثبت، شیخ الفقہاء والمحدثین'' اور صاحبُ التصانیف ابوبکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب البرقانی الخوارزمی رحمہ اللہ (م ۴۲۵ھ) نے ابن الابنوسی کو اچھا نہیں سمجھا اور فرمایا:

اس نے مجھ سے سنن ترمذی کے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے بتایا کہ یہ میں نے (استاد سے) سنی ہے لیکن میرے پاس اس کا کوئی اصل نسخہ موجود نہیں، پھر میں نے ابن الابنوسی کے مرنے کے بعد اس کی کتابوں میں سنن ترمذی کا ایک نسخہ دیکھا، اس نے اس پر میرا اور اپنا نام لکھ رکھا تھا اور اس نے یہ دعویٰ لکھ رکھا تھا کہ اس نے یہ نسخہ مجھ سے سُنا ہے۔ (تاریخ بغداد ۵/۶۹ ت ۲۴۴۷)

یہ ہے جرح مفسر اور اس کے مقابلے میں (ہمارے علم کے مطابق) کسی امام سے ابن الابنوسی الصیرفی کی توثیق ثابت نہیں۔

حمزہ بن محمد بن طاہر الدقاق نے کہا: ابن الابنوسی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا تھا، لیکن اسے کتابیں جمع کرنے سے محبت تھی پھر جب اس کے پاس کوئی کتاب آتی تو اس کا عنوان لکھتا، یہ کتاب سننے سے پہلے ہی اس کے راوی کا نام اور اپنا نام لکھ دیتا تھا پھر بعد میں وہ یہ کتاب (استاد سے) سنتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۶۹/۵۔۷۰)

یہ بیان بعینہ امام برقانی کی تائید ہے، کیونکہ کتاب سننے سے پہلے یہ لکھ دینا کہ میں نے یہ کتاب فلاں استاد سے سنی ہے، صریح جھوٹ ہے لہٰذا حمزہ بن محمد بن طاہر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا تھا، غلط ہے۔

اسے کس نے یہ حق دیا تھا کہ کتاب سننے کے بغیر ہی پہلے سے اس پر یہ لکھ دے کہ میں نے یہ کتاب (فلاں استاذ سے) سُنی ہے؟ جب امام برقانی نے بتایا تھا کہ سنن ترمذی کا اصل نسخہ ان کے پاس موجود ہی نہیں تو اس کے باوجود ابن الابنوسی نے یہ کیوں لکھ دیا کہ میں نے برقانی سے یہ کتاب سنی ہے؟ یہ تو بہت بڑا جھوٹ ہے۔

فیصل خان اور آلِ بریلی کو چاہیے کہ ایسے جھوٹے شخص کی توثیق پر ایک کتاب: ''توثیقِ ابن الابنوسی'' یا ''توثیقِ احمد بن محمد بن علی الصیرفی'' لکھ دیں، جیسا کہ فیصل خان نے ''توثیقِ صاحبین'' کے نام سے ایک کتاب لکھ دی ہے۔

کمپیوٹر اور مکتبہ شاملہ کا آخر فائدہ ہی کیا ہے؟ اگر وہ یہ کام نہ کرسکیں؟!

فیصل خان نے ابوبکر القراطیسی کے بارے میں لکھا ہے:

''اس سند میں ابوبکر القراطیسی عمر بن سعد بن عبدالرحمٰن ہے جس کو خطیب البغدادی نے تاریخ البغداد ۱۳/۶/۸ پر ثقہ کہا ہے۔'' (توثیقِ صاحبین ص ۱۱۷، ۱۶۱)

عرض ہے کہ ابوبکر القراطیسی کی کنیت ولقب کے تین (یا دو) آدمی ہیں:

۱: محمد بن بشر بن موسیٰ بن مروان، اصلہ من انطاکیہ (تاریخ بغداد ۲/۹۱ ت ۴۸۳)

ان کے دو استاد ہیں: حسن بن عرفہ (م ۲۵۷ھ) اور محمد بن شعبہ بن جوان (م ۲۵۸ھ)
اور دو شاگرد ہیں: ابو الحسن علی بن الحسن بن بن علی بن مطرف الجراحی (م ۳۷۶ھ) اور
یوسف بن عمر القواس (۳۸۵ھ)

۲: محمد بن بشر بن مروان من اھل دمشق (تاریخ بغداد ۲/ ۹۱ ت ۴۸۴)

ان کے اساتذہ بحر بن نصر المصری (م ۲۶۷ھ) اور ربیع بن سلیمان المصری (م ۲۷۰ھ یا
۲۵۶ھ) ہیں۔

ان کے شاگرد امام دارقطنی (م ۳۸۵ھ) اور محمد بن جعفر بن عباس النجار (م ۳۷۹ھ) ہیں۔

تنبیہ: تاریخ دمشق لابن عساکر (۵۵/ ۱۱۰۔۱۱۱، طبع قدیم) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں
ایک ہی ہیں۔ واللہ اعلم

۳: عمر بن سعد بن عبدالرحمٰن (تاریخ بغداد ۱۱/ ۲۳۳ ت ۵۹۷۱)

ان کے استادوں میں صرف ابو بکر بن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) کا نام مذکور ہے اور
شاگردوں میں ابو بکر محمد بن الحسین الآجری (م ۳۶۰ھ) ابو الفتح محمد بن الحسین الازدی
(م ۳۷۴ھ) ابو عمر ابن حیویہ (م ۳۸۲ھ) اور ابو عبیداللہ المرزبانی (م ۳۸۴ھ) کے نام مذکور
ہیں۔

علی بن محمد بن کاس النخعی ۳۲۴ھ کو فوت ہوئے۔

اب سوال یہ ہے کہ فیصل خان صاحب نے کس دلیل کے ساتھ ان تین (یا دو)
قراطیسیوں میں سے عمر بن سعد کو متعین کر لیا ہے؟ اگر انھوں نے کوئی خواب دیکھا ہے تو
وضاحت کریں، ورنہ ان تین (یا دو) راویوں میں سے ابو بکر القراطیسی کون ہے؟ اُس کی
واضح دلیل پیش کریں!

فیصل خان نے مزید لکھا ہے: ''غیر مقلد معلمی لکھتے ہیں۔ ''ابراہیم غیر موثوق'' التنکیل ۱/ ۱۶۶
یعنی ابراہیم کی توثیق ثابت نہیں ہے۔

جواب: عرض یہ ہے کہ ابراہیم الحربی کی توثیق قاضی ابو یعلیٰ نے طبقات الحنابلہ ۱/ ۲۳۲

میں، امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ: ۵۸۴ میں، خطیب بغدادی نے تاریخ البغداد ۲۸/۶ پر کی ہے۔ لہٰذا ابراہیم بن اسحاق الحربی مجہول نہیں بلکہ ثقہ راوی ہے۔''

(توثیقِ صاحبین ص ۱۱۷۔۱۱۸، ۱۶۱)

جواب الجواب: مولانا عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمنی المکی رحمہ اللہ نے ابراہیم بن اسحاق الحربی کے بارے میں ہرگز نہیں فرمایا کہ ''ابراہیم کی توثیق ثابت نہیں ہے۔'' بلکہ انھوں نے صرف یہ لکھا ہے: ''أقول الراوي عن إبراهيم غیر موثق ''میں کہتا ہوں کہ ابراہیم سے روایت بیان کرنے والا (ابوبکر القراطیسی) غیر موثق ہے۔

(التنکیل ج ۱ ص ۱۶۶، طبع حدیث اکادمی فیصل آباد)

ثابت ہوا کہ فیصل خان نے عربی زبان سے جہالت کی وجہ سے مولانا معلمی رحمہ اللہ پر بہتان باندھا ہے۔ فیصل خان کو چاہئے کہ وہ محدث معلمی کو اپنے آپ پر قیاس نہ کریں اور اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

آخر میں بطورِ تنبیہ و اصلاح عرض ہے کہ فیصل خان بریلوی نے لکھا ہے:

''عرض ہے کہ امام احمد کے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ ابتداء میں جھمی کے طرف مائل تھے اور اس قول سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام محمد بن الحسن جھمی ہوں۔''

(توثیق صاحبین ص ۱۱۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کسی دور میں بھی جہمی مذہب کی طرف مائل نہیں تھے، لہٰذا فیصل خان نے ان کے خلاف یہ بہت بڑا جھوٹ اور بہتان گھڑا ہے جس کا جواب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول سے تو یہی ثابت ہے کہ محمد بن الحسن (الشیبانی یعنی ابن فرقد) ابتداء میں جہمی مذہب پر تھا۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ۲/۱۷۹ ت ۵۹۳ وسندہ حسن)

ابن فرقد پر جہمیت کی جرح کو خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر اُلٹ دینا فیصل خان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ (۱۸/ نومبر ۲۰۱۲ء بمطابق ۳/ محرم ۱۴۳۴ھ)

الیاس گھمن دیوبندی کا سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ پر بہت بڑا بہتان

محمد الیاس گھمن دیوبندی حیاتی نے سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بارے میں فتاویٰ نذیریہ کے حوالے سے لکھا ہے:

> **آلہ تناسل کو ہاتھ لگوانا جائز**
>
> غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں:
>
> "ہر شخص اپنی بہن، بیٹی اور بہو سے اپنی رانوں کی مالش کروا سکتا ہے، اور بوقت ضرورت اپنے آلہ تناسل کو بھی ہاتھ لگوا سکتا ہے۔"
>
> فتوی نذیریہ ج3 ص176

(جی ہاں! فقہ حنفی قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے ص273)

اب فتاویٰ نذیریہ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

> **سوال:** زید جو سن رسیدہ ہو کر مسلوب القوی الشہوانیہ ہو گیا ہے، اب وہ اپنی محرمات بیٹی و بہو وغیرہ سے پٹھوران پر مالش کرا سکتا ہے یا نہ؟
>
> **سوال دوم:** زید مذکور بالا سے غیر محرم عورتیں بغرض تعلیم احکام اسلام سامنے ہو سکتی ہیں یا نہ، اور کیا غیر محرم عورتوں سے رقیہ وغیرہ کرا سکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔
>
> **الجواب:** ماسوائے عورت کے باقی بدن پر اپنی محرمات سے مالش کرانا جائز ہے بوڑھے کو بھی اور جوان کو بھی، اور عورت پر مالش کرانا دونوں بڈھے کو جائز ہے علاوہ نہ جوان کو، اور عورت کہتے ہیں بدن کے اس حصہ کو جس کا چھپانا ضروری ہے، خلاصہ یہ کہ اس بارے میں سن رسیدہ مسلوب القوی اور جوان دونوں کا ایک حکم ہے، تفسیر فتح البیان تحت آیت غیر اولی الاربۃ کے مرقوم ہے۔ الا کثرون علی ان الشیخ الکبیر کالفحل وقال فی موضع آخر منہ واختلف فی عورۃ الشیخ الذی قد سقطت شہوتہ والاولی بقاء الحرمۃ اھ اِل ضرورت شدیدہ کے وقت محرمات کو عورت کی طرف نظر کرنا، اور اس کا مس کرنا جائز ہے، جیسا کہ طبیب کو جائز ہے۔ لان الضرورات تبیح المحذورات۔

جواب سوال دوم: تعلیم احکام اسلام بغیر سامنے ہوئے کے بھی ہو سکتی ہے لہٰذا زید کو چاہیئے کہ غیر محرم عورتوں کو پردے سے تعلیم دے اور ان کو اپنے سامنے نہ کرے اور اسی طرح

لہ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے کہ بوڑھا کھوسٹ اس مسئلہ میں جوان کی طرح ہے اور بڈھے کی عورت کے متعلق اختلاف ہے جس کی شہوت ختم ہوچکی ہو اور صحیح یہ ہے کہ اس کی حرمت قائم ہے

لہ ضرورتیں ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں "

فتاویٰ نذیریہ جلد سوم — ۱۷۷ — کتاب الحظر والاباحۃ

اس کو چاہیئے کہ غیر محرم عورتوں سے رقیہ بھی پردے سے کرے۔

حررہ محمد عبد الحق ملتانی ۲۲ رجمادی الاخری ۱۳۱۰ھ

سید محمد نذیر حسین

(ج ۳ ص ۱۷۶۔۱۷۷)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ سید نذیر حسین رحمہ اللہ نے اس قسم کی کوئی بات نہیں لکھی کہ "**ہر شخص اپنی بہن، بیٹی اور بہو سے اپنی رانوں کی مالش کروا سکتا ہے، اور بوقت ضرورت اپنے آلہ تناسل کو بھی ہاتھ لگوا سکتا ہے۔**"

لہٰذا الیاس گھمن نے بہت بڑا جھوٹ لکھا ہے اور سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے خلاف بہت بڑا بہتان تراشا ہے، جس کا حساب اسے قیامت کے دن دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ (۱۲/ فروری ۲۰۱۳ء)

الیاس گھمن کے اکاذیب کے بارے میں سابقہ مضامین

۱: الیاس گھمن دیوبندی کا امام ابوحنیفہ پر بہت بڑا بہتان

(دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۹۴)

۲: الیاس گھمن کے "قافلہ حق" کے پچاس جھوٹ (دیکھئے الحدیث حضرو: ۵۹)

۳: الیاس گھمن اور ترویج اکاذیب (دیکھئے الحدیث حضرو: ۶۷)

ہمارے علم کے مطابق ان مضامین کا مکمل جواب ابھی تک کہیں سے نہیں آیا۔

آلِ دیوبند کے اکاذیب کے لئے دیکھئے کتاب: آلِ دیوبند کے تین سو جھوٹ

کھلے راز، چھپے راز کے افتراءات کا جواب

۱: ابو احمد محمد عمر ایم اے (دیوبندی؟؟) نے دارالسلام کی شائع کردہ کتاب: نماز نبوی کے بارے میں لکھا ہے: ''اس کتاب کے حاشیہ نگار زبیر علی زئی صاحب نے ابن خزیمہ اور ابن حبان کی تقریباً ۱۶۵ روایات کو اس لئے صحیح کہا کہ وہ صحیح ابن خزیمہ یا صحیح ابن حبان میں ہیں'' (کھلے راز نمبر ۱ ص ۳)

ابو احمد (دیوبندی) کا درج بالا بیان سارے کا سارا جھوٹ اور افتراء ہے۔

راقم الحروف نے جب بھی صحیح ابن خزیمہ یا صحیح ابن حبان کی کسی حدیث کو صحیح یا حسن لکھا ہے تو ہمیشہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھ کر ہی لکھا ہے۔

اگر کوئی شخص اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی رو سے کسی حدیث کا ضعیف ہونا ثابت کر دے تو ہم علانیہ رجوع کرتے ہیں اور اسی میں نجات ہے۔ ان شاء اللہ

۲: اسی ابو احمد نے لکھا ہے: ''زبیر صاحب کے بعض ماہانہ مضامین میں امام ابوحنیفہؒ کی بابت جو زبان استعمال ہوتی ہے اس کو نقل کرنے سے مجھے شرم آتی ہے'' (چھپے راز ۳/۱۰)

یہ بیان بھی جھوٹ، افتراء اور تلبیس ہے۔

رب نواز دیوبندی کا ''علمی'' مقام!!

رب نواز دیوبندی نے لکھا ہے: ''آل غیر مقلدیت کی عربی دانی
اب ذرا آل غیر مقلدیت کی عربی دانی ملاحظہ فرمائیں۔ سب سے پہلے زبیر علی زئی صاحب کو میدان میں لاتے ہیں۔
آنجناب لکھتے ہیں: ''المنسوب الی الامام ابو حنیفة'' (علمی مقالات جلد ۱ صفحہ ۹۰)
حالانکہ صحیح ''ابی حنیفہ'' ہے جیسا کہ اہل علم بخوبی جانتے ہیں۔''

(مجلہ صفدر شمارہ ۲۶ ص ۲۸، اپریل ۲۰۱۳ء)

عرض ہے کہ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے اور اس کی اصلاح آج سے تقریباً نو سال پہلے اگست ۲۰۰۴ء میں کر دی گئی ہے، جیسا کہ ماہنامہ الحدیث حضرو (شمارہ نمبر ۳) میں صاف لکھا ہوا ہے: ''المنسوب إلی الامام ابی حنیفہ'' (ص ۴۱)

کمپوزنگ کی اس غلطی کی اصلاح کورل ڈرا والی فائل میں کی گئی اور ان پیج والی فائل میں یہ غلطی رہ گئی، بعد میں ان پیج والی فائل کو کاپی کر کے مقالات کی پہلی جلد میں شائع کر دیا گیا۔

کمپوزنگ کی اس غلطی، جس کی اصلاح کئی سال پہلے کر دی گئی تھی، اسے بنیاد بنا کر رب نواز دیوبندی کا ''عربی دانی'' کی سرخی جما کر مذاق اڑانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اسی ایک حوالے سے آپ رب نوازی اعتراضات وتحریرات کا ''علمی مقام'' اور حیثیت بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ آلِ دیوبند کے پاس آخر ہے کیا؟ جھوٹی باتیں، اکاذیب، افتراءات، مغالطات اور وحید الزمان حیدر آبادی (متروک) عنایت اللہ گجراتی (ضال مضل، منکر حدیث، جو کہ اہل حدیث بالکل نہیں تھا) اور فیض عالم صدیقی (ناصبی) وغیرہم کے متروک وشاذ حوالے!

بس ایسی حرکتوں اور چالوں کے ذریعے سے آلِ دیوبند اپنی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانا چاہتے ہیں۔ واللہ من ورائهم محیط (۲۶/ مارچ ۲۰۱۳ء)

رب نواز دیو بندی کے ایک سوال کا جواب

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلٰوۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

عقیدے کے لحاظ سے اُمت اجابت کی دو قسمیں ہیں:

۱: صحیح العقیدہ یعنی متبعین کتاب وسنت (اہلِ سنت: اہلِ حدیث)

۲: بدعقیدہ یعنی مخالفین کتاب وسنت (اہلِ بدعت: غالی مقلدین)

صحیح العقیدہ لوگ قرآن وحدیث وماثبت منہما (مثلاً اجماع وآثار سلف صالحین) سے ستدلال کرتے ہیں اور اسی پر ان کا ایمان وعمل ہے، جبکہ بدعقیدہ لوگ قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنے خود ساختہ اکابر کی آراء ومعمولات سے استدلال کرتے ہیں۔

صحیح العقیدہ گروہ کا منہج:

ان کے نزدیک سلف صالحین کے فہم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، ہر وقت کتاب وسنت یعنی قرآن وحدیث کو برتری حاصل ہے اور کتاب وسنت کے مقابلے میں ہر شخص کی بات کو چھوڑنا ضروری ہے۔ مثلاً:

۱: سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب تک میں اللہ ورسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ ورسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت نہ کرو۔ (سیرت ابن اسحاق ص ۷۱۸ وسندہ صحیح)

۲: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کسی کے قول پر چھوڑ نہیں سکتا۔ (صحیح البخاری: ۱۵۶۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: میری ہر بات جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحیح حدیث کے خلاف ہو (اسے چھوڑ دو) پس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث سب سے زیادہ بہتر ہے اور میری تقلید نہ کرو۔ (آداب الشافعی ومناقبہ ص ۵۱ وسندہ حسن لذاتہ)

۴: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لو ترکتم سنة نبیکم لضللتم"
اور اگر تم نبی (ﷺ) کی سنت کو ترک کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (صحیح مسلم: ۶۵۴[۱۴۸۸])

اس میں سنت سے مراد نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے۔

امام شافعی نے فرمایا: اور جب رسول اللہ ﷺ تک حدیث کی سند صحیح و متصل ثابت ہو جائے تو یہ سنت ہے۔ (آداب الشافعی ص ۱۷۷، دوسرا نسخہ ص ۲۳۲ وسندہ صحیح)

نیز اشرف علی تھانوی دیوبندی نے ایک حدیث کا ترجمہ لکھا ہے:

''اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میں تم لوگوں میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو کبھی نہ بھٹکو گے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن، دوسرے نبی کی سنت یعنی حدیث'' (بہشتی زیور حصہ ہفتم ص ۳۱ قرآن وحدیث کے حکم پر چلنا)

بدعقیدہ گروہ کا منہج:

ان کے نزدیک اصل دلیل قرآن وحدیث نہیں بلکہ اپنے مقرر کردہ عالم یا خود ساختہ اکابر کا قول و عمل حجت و دلیل ہے۔ مثلاً:

۱: بیع خیار کے مسئلے پر ایک تقلیدی نے کہا:

حق و انصاف یہ ہے کہ اس مسئلے میں شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور ہم مقلد ہیں، ہم پر ہمارے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ واللہ اعلم (تقریر ترمذی ص ۳۶، دوسرا نسخہ ص ۳۹)

۲: ایک غالی مالکی نے نماز میں مطلقاً ہاتھ چھوڑنے کے بارے میں کہا:

''میں امام مالک کا مقلد ہوں دلیل ان سے جا کر پوچھو اگر مجھے دلائل معلوم ہوتے تو تقلید کیوں کرتا؟'' (تقریر ترمذی اردو ص ۳۹۹)

۳: ایک تقلیدی نے وتر والی قوی حدیث کے بارے میں کہا:

اور میں نے اس حدیث (کے جواب) کے بارے میں تقریباً چودہ سال غور و فکر کیا ہے، پھر میں نے اس کا شافی (شفا دینے والا اور کافی) جواب نکال لیا۔ (العرف الشذی ص ۱۰۷)

۴: رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

''ورنہ مقلد کے لئے صرف قولِ امام ہی حجت ہوتا ہے۔'' (ارشاد القاری ص ۲۸۸)

اور لکھا ہے:

''اس لئے کہ ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لئے قولِ امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلۂ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفۂ مجتہد ہے۔'' (ارشاد القاری ص ۴۱۲)

نیز لکھا ہے: ''ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفۂ مقلد نہیں'' (احسن الفتاوی ۳/ ۵۰)

۵: زاہد الحسینی دیوبندی نے لکھا ہے:

''حالاں کہ ہر مقلد کے لئے آخری دلیل مجتہد کا قول ہے۔''

(مقدمہ کتاب: دفاع امام ابوحنیفہ ص ۲۶، کشکولِ معرفت ص ۲۰)

اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ بدعت یعنی غالی مقلدین کے نزدیک قرآن و حدیث حجت نہیں بلکہ اپنے خود ساختہ ''امام'' و اکابر (!!) کا قول و عمل ہی حجت ہے۔

حدیث کی دو قسمیں:

۱: بعض احادیث کے صحیح یا ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق یعنی اجماع ہے۔

۲: بعض احادیث کے صحیح یا ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اختلاف ہے۔

اختلاف کی صورت میں اصولِ حدیث اور تقدیم الجمہور فی اسماء الرجال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جاتا ہے اور مرجوح کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

یہاں اصولِ مذکورہ کو مقدم کرنے والا اگر دہ مصیب اور دوسرا مجتہد مخطی ہوتا ہے۔

بعض روایات کے صحیح یا ضعیف ہونے میں علمائے حدیث میں اختلاف رہا ہے۔ مثلاً:

۱: میت کو غسل دینے سے غسل کرنے والی حدیث کو ترمذی (۹۹۳) نے حسن اور ابن حبان (الاحسان: ۱۱۵۸) نے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ نووی نے کہا: " **بل هو ضعيف** " بلکہ وہ ضعیف ہے۔ (المجموع شرح المہذب ۵/ ۱۸۵)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: " **ليس فيه حديث يثبت** " اس میں کوئی حدیث ثابت نہیں

ہوتی۔ (مسائل احمد روایۃ عبداللہ بن احمد ۱/۹۷ رقم ۸۷)

امام ابن المنذر نے فرمایا: اور اس میں کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔ (الاوسط ۵/۳۵۱ ث ۲۹۶۸)

۲: حاکم نے ایک روایت کو "صحیح الاسناد" کہا تو حافظ ذہبی نے رد کیا:

" بل ضعیف " بلکہ (یہ روایت) ضعیف ہے۔ (المستدرک وتلخیصہ ۲/۶۰ ح ۲۳۵۴)

نیز دیکھئے المستدرک وتلخیصہ (۲/۳۹۲ ح ۳۴۸۰، ۳/۹۸ ح ۴۵۳۶، ۳/۱۵۲ ح ۴۷۲۶)

محدثین کرام اور آلِ دیوبند:

آلِ دیوبند نے بھی کئی مقامات پر محدثین کرام کے ساتھ اختلاف کر رکھا ہے۔ مثلاً:

۱: فاتحہ خلف الامام کے بارے میں امام محمد بن اسحاق بن یسار (جو موثق عند الجمہور ہیں) کی حدیث کو درج ذیل محدثین کرام نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے:

امام ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن الجارود اور دارقطنی وغیرہم رحمہم اللہ۔

(دیکھئے الکواکب الدریہ ص ۵۸۔۵۹)

لیکن آلِ دیوبند اسے ضعیف کہتے ہیں، حالانکہ ان کے اصول سے یہ روایت صحیح ہے۔

۲: جرابوں پر مسح والی روایت کو ترمذی (۹۹) ابن خزیمہ (۱۹۸) اور ابن حبان (۱۷۶) صحیح قرار دیتے ہیں مگر دیوبندیہ وغیرہم اسے ضعیف سمجھتے ہیں حالانکہ یہ حدیث اُن کے اصول پر بالکل صحیح ہے۔

۳: سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث کو ابن خزیمہ (۴۷۹) نے صحیح قرار دیا ہے، لیکن آلِ دیوبند اسے مؤمل بن اسماعیل کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث بھی دیوبندی اصول کی رُو سے صحیح ہے اور مؤمل بن اسماعیل کی بیان کردہ ایک سند کے بارے میں ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

" رجاله ثقات" اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (اعلاء السنن ۳/۱۳۳ تحت ح ۸۶۵)

تھانوی مذکور نے مؤمل کی بیان کردہ ایک سند کو حسن قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن ۳/۱۱۸ ح ۸۵۰)

۴: آٹھ رکعت تراویح باجماعت کے بارے میں عیسیٰ بن جاریہ تابعی (رحمہ اللہ) کی

بیان کردہ حدیث کو ابن خزیمہ (۱۰۷۰) اور ابن حبان (الاحسان: ۲۴۰۱، ۲۴۰۶) نے صحیح قرار دیا، مگر آلِ دیوبند اس حدیث کو ضعیف سمجھتے ہیں اور اس کے دو راویوں عیسیٰ بن جاریہ اور یعقوب بن عبداللہ القمی پر جرح کرتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں مختلف فیہ راوی ہیں اور جمہور نے انھیں ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔

(دیکھئے میری کتاب: تعداد رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۹۔۲۰)

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''بایں ہمہ ہم نے توثیق وتضعیف میں جمہور ائمہ جرح وتعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔'' (احسن الکلام ۱/۶۱)

ظفر احمد تھانوی نے لکھا ہے:

اگر راوی مختلف فیہ ہو تو وہ حسن الحدیث ہوتا ہے اور اس کی حدیث حسن ہوتی ہے۔

(قواعد فی علوم الحدیث مترجما ص ۷۷)

عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی الواسطی ایک مختلف فیہ راوی ہے لیکن جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، اس کے بارے میں شبیر احمد دیوبندی نے لکھا ہے:

''یاد رہے کہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس راوی پر جرح بھی ہو اور محدثین نے اس کی تعدیل وتوثیق بھی کی ہو تو اس کی حدیث ''حسن'' درجہ کی ہوتی ہے۔

(قواعد فی علوم الحدیث:75)

تو اصولی طور پر یہ راوی حسن الحدیث درجے کا ہے، ضعیف نہیں۔ لہٰذا یہ روایت صحیح و حجت ہے، اعتراض باطل ہے۔'' (الیاس گھمن کا قافلہ جلد ۶ شمارہ ۴ ص ۵۱)

مومل بن اسماعیل کے بارے میں دیوبندیوں نے اپنا یہ مختلف فیہ والا اصول توڑ کر پسِ پشت پھینک دیا ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ دوغلی پالیسی پر گامزن ہیں۔

قربانی کے کتنے دن ہیں؟ :

۱: جمہور صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔

۲: سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ مسلمان اپنی قربانیوں کو عید الاضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ تک ذبح کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۷۔۲۹۸)

یعنی ۲۹ یا ۳۰ ذوالحجہ تک قربانی کے دن ہیں۔

۳: حسن بصری، عطاء بن ابی رباح اور عمر بن عبدالعزیز تابعین رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی چار دن ہے اور اسی پر امام شافعی و عام اہلِ حدیث کا فتویٰ ہے۔

ایامِ تشریق ایام ذبح ہیں، والی روایت:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''کل أیام التشریق ذبح'' یعنی تشریق کے سارے دنوں میں قربانی ہے۔

اس حدیث کی تین اہم سندیں ہیں:

۱: سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۴/۸۲ ح ۱۶۷۵۲)

یہ سند مرسل یعنی منقطع ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۲۳۹، ۹/۲۹۵)

۲: عبدالرحمٰن بن ابی حسین عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ (صحیح ابن حبان: ۳۸۴۳)

یہ سند بھی منقطع ہے، نیز عبدالرحمٰن بن ابی حسین (خیر القرون کے ایک راوی) مجہول الحال ہیں۔

۳: سوید بن عبدالعزیز عن سعید بن عبدالعزیز التنوخی عن سلیمان بن موسیٰ عن نافع بن جبیر بن مطعم عن ابیہ کی سند والی روایت۔ (السنن الکبریٰ ۵/۲۳۹، ۹/۲۹۶)

اس سند میں سوید بن عبدالعزیز جمہور کے نزدیک ضعیف ہیں۔

(دیکھئے مجمع الزوائد ۳/۱۴۷)

امام ابن خزیمہ (۲۹۸) اور حاکم (۴/۱۹۷ ح ۷۴۲۷) وغیرہما نے سوید مذکور کی بیان کردہ حدیث کو صحیح قرار دیا، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ مختلف فیہ راوی ہیں۔

یہ روایت ہمارے اصول و منہج پر ضعیف ہے لیکن جو لوگ جمع تفریق کر کے ضعیف + ضعیف کو حسن بنا لیتے ہیں، اُن کے اصول پر یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ غالباً اسی منہج کی وجہ

سے البانی صاحب نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ (دیکھئے صحیح الجامع الصغیر: ۴۵۳۷)

نیز آلِ دیوبند کے اصول پر یہ حدیث بالکل صحیح ہے جیسا کہ خیر القرون کی منقطع روایت اور مختلف فیہ راوی کے بارے میں ان کے اپنے اصولوں سے ثابت ہے۔

ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر نے تقریب میں زمانہ کے اعتبار سے راویوں کے بارہ طبقے بیان کئے ہیں۔ جن میں پہلے نو طبقے خیر القرون کے راوی ہیں اور آخری تین مابعد خیر القرون کے۔ اس لئے خوب یاد رکھیں کہ خیر القرون یعنی پہلے نو طبقوں کے راویوں کا ارسال، انقطاع، تدلیس یا جہالت ہمارے ہاں کوئی جرح نہیں۔ (نور الانوار ص ۱۹۲، قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۲۷)۔'' (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۹۹)

لہٰذا آلِ دیوبند کو چاہئے کہ اپنے اُصول والی اس ''صحیح'' حدیث پر عمل کریں ورنہ وہ اپنے اُصول کے مطابق بھی منکرینِ حدیث ٹھہریں گے۔

قربانی کے چار دن اور اہلِ حدیث علماء:

رب نواز دیوبندی نے تین دن قربانی والی روایت کے مطابق فتویٰ دینے یا اس سے استدلال کرنے کے بارے میں درج ذیل علماء کے نام لکھے ہیں:

شوکانی، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا عزیز زبیدی، مولانا علی محمد سعیدی، حافظ عبدالمنان نورپوری، شیخ عبدالقہار و عبدالستار، ڈاکٹر فضل الٰہی، اشرف سلیم صاحب اور مولانا ابوصہیب محمد داود ارشد وغیرہم۔ (دیکھئے رسالہ تسکین الصدور ج اش ۷ شوال تا ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ ص ۵۳)

مذکورہ علماء میں سے حافظ روپڑی رحمہ اللہ نے حدیث مذکور پر منقطع ہونے کے اعتراض کا جواب دیا ہے اور شوکانی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ابن حبان نے اس حدیث کو موصول ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے''

نیز حافظ صاحب نے بحوالہ حافظ ابن القیم تیرھویں تاریخ کو قربانی کے جواز پر حدیثِ ادخار و آثار سلف صالحین سے بھی استدلال کیا ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۹۸)

راقم الحروف کے نزدیک یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے، جبکہ مذکورہ علماء کے نزدیک یہ حدیث صحیح، شواہد کے ساتھ حسن یا آثار کی تائید کی وجہ سے قابلِ استدلال ہے، لہٰذا فریقین کے درمیان اصولی اختلاف نہیں بلکہ اجتہادی اختلاف ہے۔

رب نواز دیوبندی نے سوال لکھا ہے:

''اب سوال یہ ہے کہ ایام تشریق والی روایت پیش کرنے، اس پر فتویٰ دینے اور استدلال کرنے والی بے شمار... ضعیف ہیں؟ اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ منقطع ہونے سے مراد منقطع النسب ہے یا کچھ اور؟'' الخ (رسالہ تسکین الصدور ج اش ۷ ص ۵۴)

الجواب: مذکورہ علماء نے روایات و آثار کو مدنظر رکھتے ہوئے جو موقف اختیار کیا ہے وہ ہمارے نزدیک مرجوح ہے اور یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے روایت مذکورہ کو صحیح سمجھ کر اس سے استدلال کیا ہے اور اسے کسی صحیح صریح دلیل کے خلاف پیش نہیں کیا اور نہ کسی دوغلی پالیسی کا ارتکاب کیا ہے۔

دوسرا رُخ:

صحیح سند سے ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعات (تراویح) پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ (دیکھئے موطأ امام مالک ج ۱ ص ۱۱۵ ح ۲۴۹)

اس اثر کو درج ذیل علماء نے صحیح و قابلِ استدلال قرار دیا ہے:

۱: عینی حنفی (صححہ فی نخب الافکار ۵/۱۰۳، دوسرا نسخہ ۳/۲۷۷)

۲: ضیاء المقدسی

۳: طحاوی (قال: " فهذا يدل " شرح معانی الآثار ۱/۲۹۳)

نیز نیموی نے بھی اس کے بارے میں " و إسناده صحيح " لکھا ہے۔

(آثار السنن: ۷۷۶)

اس صحیح اثر کے مقابلے میں غالی مقلدین درج ذیل روایات پیش کرتے ہیں:

۱: عن يحيى بن سعيد عن عمر بن الخطاب أنه امر رجلاً ان يصلي بهم

عشرين ركعة . (بحوالہ ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲)

۲: عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین رکعة . (''بحوالہ نسخہ ابوداؤد مطبوعہ عرب ص ۱۴۲۹'')

۳: عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فصلّی بھم عشرین رکعة (بحوالہ کنزل العمال ص ۲۶۴، ج ۸)

۴: عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب و تمیم الداری علی احدی و عشرین رکعة ۔ الحدیث

(بحوالہ عبدالرزاق ص ۲۶۰، ج ۴)

یہ سب حوالے ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے ''تحقیق مسئلہ تراویح'' میں پیش کیے تھے۔ (ص ۲۴ تا ۲۵)

روایت نمبر ا کی سند منقطع ہے۔ (دیکھئے حاشیہ آثار السنن: ۷۸۰)

روایت نمبر ۲ کی سند بھی منقطع ہے، نیز سنن ابی داود کے کئی نسخوں میں ''عشرین رکعۃ'' کی بجائے ''عشرين ليلة'' لکھا ہوا ہے اور یہی متن راجح ہے۔

عینی حنفی نے بھی حسن عن عمر والی اس سند کے بارے میں لکھا ہے: اس روایت میں انقطاع ہے کیونکہ حسن (بصری) نے عمر بن خطاب کو نہیں پایا۔ (شرح سنن ابی داود ۵/۳۴۳)

روایت نمبر ۳ کی سند بھی منقطع ہے، جیسا کہ آثار السنن کی حدیث نمبر ۷۸۱ کے حاشیے سے ثابت ہے۔

روایت نمبر ۴ کی سند امام عبدالرزاق (ثقہ مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے، نیز موطأ امام مالک کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر بھی ہے۔

امین اوکاڑوی کے نزدیک شاذ روایت پیش کرنا پادری اور پنڈت کا کام ہے، نیز شاذ روایت پیش کرنے والے کا انجام ''منہ کالا'' ہے۔ (دیکھئے تجلیات صفدر ۲/ ۲۲۶، ۴/ ۶۱۶)

جب شاذ روایت پیش کرنے والے کا منہ کالا ہے تو صحیح حدیث کے خلاف منکر روایت

پیش کرنے والے کا منہ اور سارا جسم کالا ہی کالا ہوگا۔
راقم الحروف نے اوکاڑوی وغیرہ کے اس طرزِ عمل اور باطل پالیسی پر رد کی وجہ سے لکھا تھا:
''امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے باسند صحیح متصل بیس رکعات تراویح قطعاً ثابت نہیں ہے۔ یحییٰ بن سعید الانصاری اور یزید بن رومان کی روایتیں منقطع ہیں (اس بات کا اعتراف حنفی وتقلیدی علماء نے بھی کیا ہے)
اور باقی جو کچھ ہے وہ نہ تو خلیفہ کا حکم ہے اور نہ خلیفہ کا عمل، اور نہ خلیفہ کے سامنے لوگوں کا عمل، ضعیف و منقطع روایات کو وہی شخص پیش کرتا ہے جو خود ضعیف و منقطع ہوتا ہے۔''

(امین اوکاڑوی کا تعاقب ص ۸۲، طبع جدید ص ۹۴، تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۲۶)

اس عبارت کا مطلب واضح ہے کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں جو شخص بھی جان بوجھ کر ضعیف و منقطع روایات پیش کرتا ہے تو وہ شخص بذاتِ خود ضعیف و منقطع ہوتا ہے۔
مذکورہ علمائے حدیث میں سے کسی ایک نے بھی صحیح حدیث کے مقابلے میں جان بوجھ کر ضعیف و منقطع روایت پیش نہیں کی، بلکہ ایک مختلف فیہا مسئلے میں ایک حدیث صحیح سمجھ کر بیان کی ہے اور آثار سے بھی استدلال کیا ہے۔
جبکہ دوسرے طرف مشہور بدعتی اور غالی مقلد ماسٹر اوکاڑوی نے صحیح حدیث کے مقابلے میں ضعیف و منقطع آثار پیش کر کے اپنے ضعیف و متروک ہونے کا ثبوت دیا ہے۔
راقم الحروف کی عبارت مذکورہ میں ''ضعیف و منقطع'' کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں اُن میں منقطع سے مراد سخت ضعیف یعنی متروک ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک کا مذاق اڑانے والوں میں ماسٹر امین اوکاڑوی بہت آگے تھا، مثلاً: ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اگر (کالا) کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۷ ح ۵۱۰)
اس حدیث کا مذاق اُڑاتے ہوئے آنجہانی اوکاڑوی نے لکھا ہے:
''لیکن آپ نماز پڑھاتے رہے اور کُتیا سامنے کھیلتی رہی، اور ساتھ گدھی بھی تھی، دونوں کی

شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔'' (تجلیات صفدر ج ۵ص ۴۸۸)

یاد رہے کہ یہ کتاب اوکاڑوی مذکور کے دستخطی اجازت نامے اور اس کی موت کے بعد آلِ اوکاڑوی وغیرہ کے تصدیق ناموں کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

(دیکھئے تجلیات صفدر ج ۱ص ۲۹۔۳۲)

لہٰذا اس عبارت کو کاتب کی غلطی قرار دینا غلط ہے۔

ثابت ہوا کہ اوکاڑوی نے بدعقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح احادیث کے خلاف ضعیف و منقطع روایات پیش کیں، لہٰذا عبارت مذکورہ میں ضعیف و منقطع (متروک) کا فتویٰ اوکاڑوی اور اس جیسے دوسرے بدعقیدہ لوگوں پر ہے۔

انبیائے کرام کی گستاخیوں کی دلخراش داستان:

آلِ دیوبند وآلِ تقلید کی طرف سے انبیاء کرام کی گستاخیوں اور قابلِ اعتراض عبارات کی دلخراش داستان بہت طویل ہے۔ مثلاً:

۱: کبھی تو شیطان لعین کے علم کو نبی کریم ﷺ کے علم پر ترجیح دیتے ہیں اور کبھی امکانِ نظیرِ مصطفیٰ کا مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں۔

کبھی تو نبی ﷺ کے علم کا موازنہ ''ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم'' سے کرتے ہیں اور کبھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''اور میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ آپ پر ذوق وشوق کی حالت غالب ہوتی تھی جس میں یہ جہر واقع ہو جاتا تھا اور جب کہ آدمی پر غلبہ ہوتا ہے تو پھر اس کو خبر نہیں رہتی کہ کیا کر رہا ہے۔'' (دیکھئے تقریر ترمذی از اشرف علی تھانوی ص ۱۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: ''بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم''

۲: اہلِ سنت کا مشہور عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں، جیسا کہ امام عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی رحمہ اللہ (تابعی کبیر) نے فرمایا:

'' رؤيا الأنبياء وحي '' انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

پھر انھوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قول مبارک قرآن مجید (سورۃ الصافات: ۱۰۲) سے ذکر

کیا: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (اے بیٹے) میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۱۳۸)

اس کے بارے میں عبدالعلی محمد بن نظام الدین لکھنوی حنفی (م۱۲۲۵ھ) نے لکھا ہے:

" و هذا كان ابتلاً منه تعالىٰ لابراهيم و استقر عند المخاطب حكم الامر و علمه علىٰ ما هو عليه في نفس الامر في آخر الحال بعد العزم على ذبح الولد، و أما قبله فقد ظن أنه مأمور بذبح الولد علىٰ طريقة الخطأ في الاجتهاد و الغلط في التعبير "

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے آزمائش تھی، مخاطب کے نزدیک اس کا حکم اور علم مقرر ہو گیا جو بچے کو ذبح کے ارادے کے بعد فی نفسہ آخری انجام تھا، رہا اس سے پہلے تو انھوں (ابراہیم علیہ السلام) نے اجتہاد میں خطا اور تعبیر میں غلطی کرتے ہوئے یہ گمان کیا کہ انھیں بچے کے ذبح کا حکم دیا گیا ہے۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ۲/ ۶۵)

اس گستاخانہ عبارت مین سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو وحی سمجھنے میں خطائے اجتہادی اور تعبیر کی غلطی کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔

عبارت مذکورہ کے قائل عبدالعلی لکھنوی کے بارے میں فقیر محمد جہلمی نے لکھا ہے:

" عالم محقق، فاضل مدقق، جامع معقول ومنقول حاویٔ فروع واصول، صاحبِ طریقت و معرفت تھے۔" (حدائق الحنفیہ ص ۴۸۴)

☆ ملا جیون حنفی نے لکھا ہے: " و ان النبيّ اخطأ حين عمل برائ ابي بكرؓ لكنه لم يقرر على الخطاء بل تنبّه عليه بانزال الآيات ... " اور بے شک نبی (ﷺ) کو غلطی لگی جب آپ نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی رائے پر عمل کیا لیکن آپ خطا پر برقرار نہیں رہے بلکہ نزولِ آیات کے ساتھ آپ کو تنبیہ کر دی گئی۔ (نور الانوار درسی نسخہ ص ۲۱۵)

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

" دینی اور دنیوی معاملات میں خطائے اجتہادی اور زلّت بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی ہو سکتی ہے۔ اوروں کا تو قصہ ہی چھوڑیئے۔ خلاصۂ کائنات۔ فخر موجودات آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی باوجود ع بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ہونے کے بھی بعض اوقات خطائے اجتہادی اور زَلّت سے دوچار ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے غلطی پر برقرار نہیں رکھا۔ وحی کے ذریعہ اصلاح فرمادی۔ مگر حضرات مجتہدینؒ پر چونکہ وحی نہیں اُترتی اس لیے وہ مدت العمر خطا کا شکار رہ سکتے ہیں۔ اور اصولِ فقہ کی کتابوں میں صراحت سے یہ بحث موجود ہے۔'' (الکلام المفید فی اثبات التقلید ص۱۶۴)

آخر میں دواہم باتیں عرض ہیں:

۱: اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''اور دوسرا صحیح السند قول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **لا یقرؤا خلف الامام** کہ امام کے پیچھے کوئی شخص قرأت نہ کرے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱/ص ۳۷۶)'' (جزء القراءۃ، ترجمہ وتشریح: امین اوکاڑوی ص ۶۳ تحت ح ۴۷)

جبکہ امجد سعید دیوبندی نے لکھا ہے:

''جان بوجھ کر قولِ صحابیؓ کو قولِ رسول ﷺ بنانا کفر ہے۔'' (سیف حنفی ص۱۶۴)

یاد رہے کہ اس کتاب پر حمید اللہ جان، انصر باجوہ اور منیر احمد منور کی تائیدات موجود ہیں۔

لہٰذا رب نواز دیوبندی صاحب بتائیں کہ امجد سعید، منیر احمد منور اور انصر باجوہ وغیرہم کا مذکورہ فتویٰ اوکاڑوی پر بھی لگتا ہے یا....؟

۲: عبدالشکور لکھنوی نے لکھا ہے: ''غسل میں ایک فرض ہے۔'' (علم الفقہ ص۱۲۳، دوسرا نسخہ ص۱۲۰)

کفایت اللہ دہلوی دیوبندی نے لکھا ہے: ''غسل میں تین فرض ہیں: (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) تمام بدن پر پانی بہانا!'' (تعلیم الاسلام ص۵۲، دوسرا نسخہ ص۲۸ دوم)

ملا مرغینانی کی کتاب ہدایہ میں ہے:

''اور تیمم میں نیت فرض ہے۔ اور امام زفرؒ نے کہا کہ فرض نہیں ہے۔'' (اشرف الہدایہ ۲۲۰/۲)

جبکہ منیر احمد منور دیوبندی نے لکھا ہے:

''فرض وہ ہے جس کا لزوم قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیل کے ساتھ ثابت ہو اس کا منکر

کافر اور تارک مستحق عذاب ہوتا ہے۔" (نماز عید کے اختلافی مسائل پر حنفی تحقیقی جائزہ ص ۱۷۷)

رب نواز دیوبندی صاحب بتائیں کہ مذکورہ عبارت میں منیر احمد منور کی طرف سے "کافر" اور "مستحق عذاب" کے فتوے عبدالشکور لکھنوی اور حنفیوں کے امام زفر پر لگتے ہیں یا نہیں؟ جو اس کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

۳: عبدالشکور لکھنوی کے نزدیک نماز کی سنتیں پینتیس (۳۵) ہیں اور کفایت اللہ دہلوی نے لکھا ہے: نماز میں اکیس (۲۱) سنتیں ہیں۔

الیاس فیصل دیوبندی کے نزدیک نماز کی سولہ (۱۶) سنتیں ہیں اور خیر محمد جالندھری کے نزدیک نماز کی بارہ (۱۲) سنتیں ہیں۔

عبدالشکور قاسمی دیوبندی کے نزدیک نماز کی چودہ (۱۴) سنتیں ہیں۔

(حوالہ جات کے لئے دیکھئے عظیم الشان اور دیوبند شکن کتاب: آئینۂ دیوبندیت ص ۵۰۵)

دوسری طرف اوکاڑوی نے لکھا ہے: "سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے۔" (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۳۷۱)

ظاہر ہے کہ عبارات مذکورہ کے مطابق کفایت اللہ دہلوی نے ۱۴ سنتوں کا انکار کر رکھا ہے اور اسی طرح الیاس فیصل اور خیر محمد جالندھری وغیرہما نے بھی کئی سنتوں کا انکار کر رکھا ہے، لہٰذا رب نواز صاحب جواب دیں کہ ان مذکورہ آلِ دیوبند میں سے وہ اوکاڑوی کی عبارت کے مطابق کس کو لعنتی سمجھتے ہیں یا اپنے اکابر میں سے سب کو ہی لعنتی قرار دیتے ہیں؟

رب نواز دیوبندی کا سوال کل (۲/ ستمبر ۲۰۱۳ھ کو) وصول ہوا اور آج ہی جواب لکھ دیا ہے۔ والحمد للہ (۳/ ستمبر ۲۰۱۳ء)

رب نواز دیوبندی اور امکانِ کذب باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں آلِ دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ امکانِ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔ (دیکھئے تالیفاتِ رشیدیہ ص ۹۸، علمی مقالات ج ۴ ص ۴۲۷)

رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے:

''پس ثابت ہوا کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ جل وعلیٰ ہے کیوں نہ ہو وھو علی کل شیٔ قدیر ؕ '' (تالیفاتِ رشیدیہ ص ۹۹)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک، اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔

اس عقیدے کے بارے میں حاجی امداد اللہ ''مہاجر'' مکی صاحب نے صاف لکھا ہے:

''براہین قاطعہ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کذب ممکن ہے اس مسئلہ کی وجہ سے کتب الٰہیہ میں احتمال جھوٹ کا پیدا ہوسکتا ہے یعنی مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ شاید یہ قرآن ہی جھوٹا ہے اور اس کے احکام ہی غلط ہیں اور براہین قاطعہ کی اس تحریر کی وجہ سے بہت لوگ گمراہ ہوگئے۔ از فقیر امداد اللہ چشتی فاروقی عفا اللہ عنہ۔'' (تالیفاتِ رشیدیہ ص ۹۸)

اہلِ حدیث اور آلِ دیوبند کے نزدیک ادلۂ شرعیہ چار ہیں:

۱: قرآن مجید

۲: احادیث (صحیحہ مرفوعہ)

۳: اجماعِ اُمت (اجماعِ مجتہدین)

۴: اجتہاد

اہلِ حدیث کے نزدیک اجتہاد سے مراد آثارِ سلف صالحین، مصالح مرسلہ، اولیٰ وغیر اولیٰ، مفہوم، صحیح قیاس اور اجتہادِ علمائے حق ہے، لیکن آلِ دیوبند کے نزدیک اجتہاد سے صرف امام ابوحنیفہ کا اجتہاد مراد ہے، جیسا کہ محمود حسن دیوبندی نے لکھا ہے:

''لیکن سوائے امام اور کسیکے قول سے ہم پر حجت قایم کرنا بعید از عقل ہے''

(ایضاح الادلہ طبع مطبع قاسمی دیوبند ص ۲۷۶، جدید نسخہ محرفہ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۸۹)

مناظر احسن گیلانی دیوبندی نے محمود حسن دیوبندی سے نقل کیا کہ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی نے (مولانا) محمد حسین بٹالوی (رحمہ اللہ) سے کہا تھا:

''دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ ہوں، اس لئے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطورِ معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہئے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہو گی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے، میں اُن کا مقلد نہیں۔'' (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۲)

ان اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ آلِ دیوبند اور اُن کے ہمنواؤں کا امکانِ کذب باری تعالیٰ والا عقیدہ:

۱: نہ تو قرآن مجید سے ثابت ہے۔

۲: نہ حدیث سے ثابت ہے۔

۳: اور نہ اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔

۴: نہ تو یہ عقیدہ خیر القرون کے آثارِ سلف صالحین سے ثابت ہے اور نہ اجتہادِ ابی حنیفہ سے ثابت ہے۔

اپنے آپ کو ''مفتی'' کہلوانے کی کوشش کرنے والے رب نواز دیوبندی نے امکانِ کذب باری تعالیٰ کے دیوبندی عقیدے کی تائید میں حافظ عبداللہ روپڑی صاحب رحمہ اللہ کا توحید الرحمٰن نامی کتاب سے حوالہ پیش کیا ہے، جس سے استدلال چار وجہ سے غلط ہے:

۱: یہ کتاب (توحید الرحمٰن) حافظ عبداللہ روپڑی کی وفات (۱۹۶۴ء) کے بہت بعد سن ۲۰۱۱ء میں پہلی دفعہ چھپی اور روپڑی صاحب کو اس کی تصویب (تصحیح) وتسوید کا موقع نہ مل سکا۔ (دیکھئے توحید الرحمٰن صفحہ ۱)

لہٰذا روپڑی صاحب اس کتاب کے ذمہ دار نہیں۔

۲: یہ عبارت شاذ ہے۔

۳: یہ عبارت غیر مفتی بہا ہے۔

۴: یہ عقیدہ (امکانِ کذب باری تعالیٰ) توہین ہے، لہٰذا قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کی بنا پر مردود ہے۔ عقیدے کے اہم مسئلے میں رب نواز دیوبندی جیسے غالی مقلد بھی اپنے مزعوم امام کی تقلید کا دعویٰ نہیں کرتے، لہٰذا عقیدے کے مسئلے میں اہلِ حدیث کے خلاف چودھویں پندرھویں صدی کے ایک عالم کا مشکوک قول کس طرح پیش کیا جا سکتا ہے؟

☆ ایک شاذ و مردود روایت کی بنیاد پر آلِ دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں ہمارے نبی ﷺ (خاتم النبیین) جیسے نبی (خاتم النبیین) ہیں۔!

اس دیوبندی عقیدے کی وجہ سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی فضیلت اور ختمِ نبوت پر سخت زد پڑتی ہے، لہٰذا راقم الحروف نے اس دیوبندی عقیدے کو غلط اور گندا عقیدہ قرار دیا ہے۔

اس غلط اور گندے عقیدے کے علاوہ دوسرے دو عقیدے درج ذیل ہیں:

۱: اللہ کو قدرت نہیں کہ نبی ﷺ جیسا پیدا کر سکے۔

۲: اللہ تعالیٰ کو قدرت تو ہے، لیکن وہ نبی ﷺ جیسا پیدا نہیں کرے گا۔

آلِ دیوبند کے نزدیک بھی قابلِ احترام میاں نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ نے ان دو عقیدوں میں سے پہلے عقیدے کو گمراہی اور بدعت قرار دیا ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۵۳)

راقم الحروف نے جس امکانِ نظیرِ مصطفیٰ ﷺ کو غلط اور گندا قرار دیا ہے، وہ ان دو عقیدوں کے علاوہ تیسرا عقیدہ ہے، جسے اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔

میاں صاحب کی عبارت میرے خلاف نہیں، لہٰذا رب نواز دیوبندی کا اسے پیش کر کے بغلیں بجانا غلط ہے۔

آلِ دیوبند کے پسندیدہ وحید الزمان (غیر اہلِ حدیث) کا اہلِ حدیث کے خلاف ہر حوالہ غلط ہے۔ آخر میں رب نواز دیوبندی اور آلِ دیوبند سے مطالبہ ہے کہ مرنے سے پہلے امکانِ کذب اور امکانِ نظیر کے باطل و مردود عقیدوں سے توبہ کر لیں، ورنہ یاد رکھیں کہ رب تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے۔ (۱۴/ مارچ ۲۰۱۲ء)

انوراوکاڑوی کے جائزے کا جائزہ

آلِ دیوبند کے نام نہاد "مفتی" محمد انوراوکاڑوی نے لکھا ہے:

" اس حدیث لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کی مثال ایسی ہے جیسے ایک روایت میں آیا ہے کہ لا جمعۃ الا بخطبۃ کہ خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہوتا"

(ماہنامہ الخیر ج ۱۳ ش ۸ ص ۴۳ جولائی ۲۰۱۳ء)

عرض ہے کہ" لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب " والی حدیث صحیح بخاری (۷۵۶) میں ہے اور اس سند میں امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ (ثقہ مدلس) کے سماع کی تصریح مسند الحمیدی (تحقیقی: ۳۸۸، نسخہ دیوبندیہ: ۳۸٦) وغیرہ میں موجود ہے۔

اس مفہوم و معنی کی بہت سی روایات ہیں۔ مثلاً:

۱: عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۳۹۵[۸۷۸] وجزء القراءۃ تحقیقی: ۱۱)

۲: عن عائشہ رضی اللہ عنہا (سنن ابن ماجہ: ۸۴۰، مسند احمد ٦/ ۲۷۵)

۳: عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (سنن ابن ماجہ: ۸۴۳، جزء القراءۃ تحقیقی: ۱۴)

۴: عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (کتاب القراءۃ للبیہقی: ۱۰۰)

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

" و تواتر الخبر عن النبي ﷺ لا صلوۃ إلا بأم القرآن " (جزء القراءۃ: ۱۹)

یعنی یہ حدیث متواتر ہے۔

اس حدیث کے راوی سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ جی ہاں، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۵ ح ۳۷۷۰ وسندہ صحیح)

سرفراز خان صفدر دیوبندی گکھڑوی کرمنگی نے مختلف قلابازیاں کھاتے ہوئے لکھا

ہے: ''....بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے خصوصاً قرآن کریم، صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار کے مقابلہ میں لیکن...'' (احسن الکلام ج ۲ص ۱۵۶، پرانا نسخہ ج ۲ص ۱۴۲)

سبحان اللہ! فہم صحابی اور موقوفِ صحابی تو آلِ دیوبند کے نزدیک حجت نہیں مگر کڑمنگی اور اوکاڑوی وغیرہما کی باتیں ان لوگوں کے نزدیک حجت ہیں۔!!

سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس صحیح، متواتر اور راوی کے عمل والی حدیث کے مقابلے میں انور اوکاڑوی نے ''لا جمعة إلا بخطبة'' یعنی خطبے کے بغیر جمعہ نہیں ہوتا، والی ''روایت'' پیش کی ہے اور انور سے پہلے اس کے بھائی امین اوکاڑوی نے جھوٹ بولتے ہوئے لکھا تھا: ''رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا جمعة إلا بخطبة'' (مجموعہ رسائل ج ۲ص ۱۶۹، الخیر شمارہ مذکورہ ص ۴۴، آلِ دیوبند کے تین سو جھوٹ ص ۴۰)

یہ روایت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہرگز نہیں بلکہ مالکیوں کی غیر مستند اور بے سند کتاب المدونہ میں ابن شہاب الزہری کی طرف منسوب ایک قول ہے کہ '' بلغني '' (ج ۱ص ۱۴۷)

انور نے لکھا ہے: ''اور امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور جب تابعی یہ کہے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے تو ظاہر یہی ہے کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت پہنچی ہے اور صحابی رضی اللہ عنہ کا غیر مدرک بالقیاس قول حکماً مرفوع ہوتا ہے اور اگر مرفوع حکمی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیں تو کوئی حرج نہیں...'' (الخیر ج ۱۳ ش ۸ ص ۴۴)

اس بیت العنکبوت کا رد فقرات کی صورت میں پیشِ خدمت ہے:

۱) شیعوں کی الکافی کی طرح المدونۃ الکبریٰ کے شروع میں کوئی سند مذکور نہیں بلکہ ''قال سحنون'' کے ساتھ یہ کتاب شروع ہو رہی ہے۔ (دیکھئے ص ۲)

سرفراز خان کڑمنگی نے لکھا ہے:

''اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔'' (احسن الکلام ج ۱ص ۳۲۷، دوسرا نسخہ ص ۴۰۳)

۲) اس بے سند کتاب المدونہ میں لکھا ہوا ہے کہ امام مالک نے نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں فرمایا: مجھے یہ فرض نماز میں معلوم نہیں۔ اور وہ اسے مکروہ سمجھتے تھے لیکن نوافل میں اگر قیام لمبا ہو تو جائز سمجھتے تھے۔ (ص ۷۶ ج ۱)

یہ بات امام مالک پر بہتان ہے اور اس کے برعکس موطأ امام مالک میں نماز میں ہاتھ باندھنے کا باب باندھا ہوا ہے اور اس کے تحت سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے۔ (ج ۱ ص ۱۵۸۔۱۵۹، وسندہ صحیح ورواہ البخاری: ۷۴۰)

۳) مدونہ میں اس مقطوع روایت کی سند میں عبداللہ بن وہب ثقہ مدلس ہیں اور روایت عن سے یعنی ضعیف و مردود ہے۔

ابن سعد نے انھیں مدلس قرار دیا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ۷/ ۵۱۸)

۴) امام ابن شہاب الزہری کا (بشرطِ صحت) بلغنی کہنا اس بات کی حتمی دلیل نہیں کہ انھیں یہ روایت ضرور بالضرور کسی صحابی سے ہی پہنچی تھی، بلکہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو عین ممکن ہے کہ ان تک کسی تابعی کا قول پہنچا ہو اور عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ تابعین میں سے بعض ثقہ، بعض ضعیف و کذاب اور بعض مجہول بھی تھے، لہٰذا بلغنی سے استدلال مردود ہے۔

۵) انوار اوکاڑوی بذاتِ خود نہ مجتہد ہیں اور نہ مفتی بلکہ ایک دیوبندی مقلد ہیں۔

فرقہ تقلیدیہ کے محمد اعلیٰ تھانوی نے لکھا ہے:

" و كذا رجوع العامي إلى المفتي أي إلى المجتهد " اور اسی طرح عامی کا مفتی یعنی مجتہد کی طرف رجوع کرنا۔ (کشاف اصطلاحات الفنون ج ۲ ص ۱۱۷۸)

معلوم ہوا کہ جو مفتی ہو وہ مجتہد ہوتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ فقہاء کا اجماع ہے، مفتی کا اہلِ اجتہاد میں سے ہونا واجب ہے۔ (ج ۳ ص ۳۰۸ باب ۱)

رضوان عزیز دیوبندی نے اس کے رد میں فتاویٰ عالمگیری سے آدھی عبارت کانٹ چھانٹ کر پیش کی ہے، جب کہ مکمل عبارت درج ذیل ہے:

" ذكر في الملتقط و إذا كان صوابه أكثر من خطئه حل له أن يفتي و إن لم يكن من أهل الإجتهاد لايحل له أن يفتي إلا بطريق الحكاية فيحكي ما يحفظ من أقوال الفقهاء كذا في الفصول العمادية ."

ملتقط میں ذکر کیا گیا اور اگر اس کی غلطیوں کے مقابلے میں صحیح باتیں زیادہ ہوں تو اس کے لئے فتویٰ دینا حلال ہے اور اگر وہ اہلِ اجتہاد میں سے نہ ہو تو اس کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں اِلا یہ کہ وہ فقہاء کے اقوال یاد کر کے ان میں بطورِ حکایت بیان کرے، فصول عمادیہ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ (۳/۳۰۸۔۳۰۹)

رضوان عزیز کے غلط استدلال کا رد کرتے ہوئے پانچ جواب پیشِ خدمت ہیں:

۱: ہماری عبارت میں اجماع کا ذکر ہے جبکہ دوسرے عبارت میں اجماع کا نام ونشان نہیں۔

۲: ہمارا حوالہ فتاویٰ ظہیریہ کا ہے اور رضوان کا حوالہ فصولِ عمادیہ وملتقط کا ہے، لہٰذا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ حوالے ہیں۔

۳: ہماری عبارت میں صراحتاً مفتی کا ذکر ہے اور دوسری عبارت میں مفتی نہیں بلکہ صرف فتویٰ دینے کا ذکر ہے۔ مفتی اور فتویٰ دینے میں فرق ہے۔

۴: رضوان عزیز وغیرہ اپنے بارے میں یہ پروپیگنڈا کرتے پھرتے ہیں کہ وہ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں اور یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ ملتقط وفصول عمادیہ امام ابوحنیفہ کی کتابیں نہیں، لہٰذا اجماع کے مقابلے میں مقلدین کی طرف سے اپنے جیسے مقلدین کے حوالے باطل ومردود ہیں۔

۵: رضوان عزیز وغیرہ پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے مزعوم امام ابوحنیفہ یا پھر ابن فرقد و یعقوب سے ثابت کریں کہ مقلد بھی مفتی ہو سکتا ہے۔

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: " خیر القرون کے بعد اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہو گیا اب صرف اور صرف تقلید باقی رہ گئی۔" (تقریظ علی الکلام المفید ص ۳)

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۷۹ ص ۲۶۔۲۷

جب ثابت ہو گیا کہ انور اوکاڑوی مجتہد یعنی مفتی نہیں تو اسے کس نے بتایا کہ امام زہری کی طرف منسوب یہ قول غیر مدرک بالقیاس ہے لہٰذا حکماً مرفوع ہے؟

اگر خواب نہیں دیکھی تو ابن فرقد کے استاد تک صحیح متصل سند پیش کی جائے۔

۶) - امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے فرمایا:

" كان رسول الله ﷺ إذا قال ولا الضالين جهر بآمين " رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین کہتے تو آمین بالجہر کہتے تھے۔ (حدیث السراج ۲/۱۰۱ ح ۲۶۶)

اس روایت کی امام زہری تک سند درج ذیل ہے:

" ثنا إسحاق بن إبراهيم و أبو يحيى قالا : ثنا روح بن عبادة ثنا مالك "

اسحاق بن ابراہیم عرف ابن راہویہ مشہور ثقہ امام و مجتہد ہیں اور ابو یحییٰ محمد بن عبدالرحیم البزار عرف صاعقہ ثقہ حافظ اور صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

روح بن عبادہ صحیحین کے مرکزی راوی اور ثقہ فاضل صاحبِ تصانیف ہیں۔

امام مالک کسی تعارف کے محتاج نہیں، لہٰذا یہ سند امام زہری تک بالکل صحیح ہے۔

اس حدیث میں "غیر مدرک بالقیاس" اور مرفوع حکماً والی بھی کوئی بات نہیں بلکہ یہ صراحتاً مرفوع ہے۔

کیا اوکاڑوی پارٹی اس حدیث کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے یا مدین والوں کی طرح ان کے لینے دینے کے پیمانے علیحدہ علیحدہ ہیں؟!

۷) امام زہری کی طرف منسوب غیر ثابت وضعیف السند مذکورہ روایت اول تو مرسل روایت نہیں بلکہ کسی نامعلوم قائل کا قول ہے اور اگر انور صاحب اسے مرسل قرار دینے پر بضد ہیں تو عرض ہے کہ امام زہری کی مراسیل (مرسل روایتیں) اضعف المراسیل (بہت زیادہ ضعیف مرسل روایتیں) ہیں۔

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: " مراسيل الزهري ليس بشئ "

زہری کی مراسیل کچھ چیز نہیں۔ (المراسیل لابن ابی حاتم ص ۳ رقم ۲ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن سعید القطان زہری اور قتادہ کی مراسیل کو کچھ چیز بھی نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے: "هو بمنزلة الريح" یہ ہوا کی طرح ہے۔ (ایضاً رقم ۱، وسندہ صحیح)

اگر انور صاحب یہ دعویٰ کریں کہ آلِ دیو بند تو مرسل روایتیں حجت مانتے ہیں۔!

تو عرض ہے کہ جہاں آلِ دیو بند کی مرضی ہو اور خواہشاتِ نفس کی پیروی ہو وہاں مرسل کی حجیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور جہاں مرضی وخواہش کے خلاف ہو تو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ یہی لوگ مرسل کو رد کر دیتے ہیں۔

مثال اول: نقرہ نمبر ۶ کے تحت امام زہری کی مرسل حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین بالجہر کہتے تھے۔

مثال دوم: ثقہ تابعی امام طاؤس بن کیسان الیمانی (م ۱۰۶ھ) نے فرمایا:

"كان رسول الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشدّ بهما على صدره وهو في الصلوٰة." رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مضبوطی کے ساتھ اپنے سینے پر رکھتے تھے اور آپ نماز میں ہوتے تھے۔

(کتاب المراسیل لابی داود: ۳۴)

اس روایت کی سند سلیمان بن موسیٰ تک صحیح لذاتہ ہے اور سلیمان مذکور جمہور کے نزدیک موثق ہیں۔ (دیکھئے سرفراز خان صفدر کی خزائن السنن ۲/ ۸۹، اور راقم الحروف کی کتاب: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص ۳۶۔۳۷)

اس مرسل کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے، جن کی تفصیل کے لئے میری مذکورہ کتاب کا مطالعہ مفید ہے۔

مثال سوم: مشہور ثقہ تابعی امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک آدمی نے نبی ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، پھر جب نبی ﷺ نے نماز ادا کر دی (یعنی سلام پھیر دیا) تو اس آدمی نے اُٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا: یہ دو رکعتیں کیا ہیں؟ تو اس

نے کہا: یارسول اللہ! میں آیا اور آپ نماز میں تھے، میں نے صبح سے پہلے (والی) دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں لہٰذا میں نے اسے ناپسند کیا کہ آپ نماز پڑھا رہے ہوں اور میں یہ دو رکعتیں پڑھوں۔ پھر جب آپ (یا میں) نے نماز مکمل کی تو میں نے نماز پڑھ لی، پس رسول اللہ ﷺ ہنسے۔ نہ اسے ایسا کرنے کا حکم دیا اور نہ اسے اس سے منع فرمایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۵۴ ح ۶۴۴۰)

اس مرسل روایت کی سند امام عطاء بن ابی رباح تک صحیح لذاتہ ہے اور صحیح ابن خزیمہ و صحیح ابن حبان وغیرہما میں اس کے شواہد بھی ہیں۔ (دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین ص ۵۸ ح ۲۴)

امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ جس شخص کی دو سنتیں رہ جائیں تو وہ یہ سنتیں نہ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پڑھے اور نہ طلوع ہونے کے بعد پڑھے۔ (دیکھئے الہدایہ ۱/۱۵۶، باب ادراک الفریضۃ، ابن فرقد کی طرف منسوب کتاب الرد علی اہل المدینہ یعنی کتاب الحجہ ۱/۲۰۸)

امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے کتاب الرد علی ابی حنیفہ میں امام عطاء کی مذکورہ مرسل روایت ذکر کر کے یہ فرماتے ہوئے لطیف رد فرمایا: ''و ذکر أن أبا حنیفة قال: لیس علیه أن یقضیهما'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۴/۲۳۹۔۲۴۰)

مثال چہارم: ثقہ تابعی امام خالد بن معدان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' فضلت سورة الحج علی القرآن بسجدتین '' سورۃ الحج کو (باقی) قرآن پر دو سجدوں کے ساتھ فضیلت حاصل ہے۔ (کتاب المراسیل لابی داود: ۷۶)

خالد بن معدان تک اس کی سند صحیح ہے، نیز اس کے کئی شواہد بھی ہیں اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں لیکن محمد تقی عثمانی نے کہا:

''اور حنیفہ کے نزدیک سورۂ ص میں سجدہ ہے اور سورۂ حج میں بھی صرف ایک سجدہ ہے۔''

(درس ترمذی ۲/۳۶۲۔۳۶۳)

مثال پنجم: یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد بن ابراہیم (بن الحارث التیمی) عن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن وسلیمان بن یسار کی سند سے روایت ہے کہ ''أنه بلغهما أن النبي ﷺ قال:

الأضاحي إلى هلال المحرم لمن أراد أن يستأني ذلك " ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (بن عوف) اور سلیمان بن یسار (ثقہ تابعین) کو یہ بات پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص انتظار کر کے قربانی لیٹ کرنا چاہے تو یکم محرم تک قربانی کر سکتا ہے۔ (المراسیل لابی داود: ۳۶۷۔۳۶۸، سنن دار قطنی ۴/ ۲۷۵ ح ۴۶۹۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۹۷، المحلی ۷/ ۳۷۹ مسئلہ ۹۸۲)

حافظ ابن حزم نے یہ روایت نقل کر کے لکھا ہے:

" و هذا من أحسن المراسيل و أصحها .."

یہ مرسل روایات میں سے بہترین اور صحیح ترین روایت ہے۔ (المحلی ۷/ ۳۷۹)

حنفیوں اور مالکیوں پر یہ ضروری ہے کہ وہ اس روایت کے مطابق فتویٰ دیں، ورنہ وہ تناقض کا شکار ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ روایت مذکورہ میں یحییٰ بن ابی کثیر مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے، تو اس کے دو جواب ہیں:

۱: حنفیہ اپنی مرضی کی مدلس و معنعن روایات حجت سمجھتے ہیں لہٰذا ان کی طرف سے تدلیس کا اعتراض غلط ہے۔

۲: بعض لوگ حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم کو "وحی الٰہی" کی طرح سمجھتے ہیں لہٰذا عرض ہے کہ یحییٰ مذکور طبقہ ثانیہ کے مدلس ہیں۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۲/۶۳)

☆ چونکہ اس سند میں ایک مدلس راوی آگئے ہیں لہٰذا اسی نمبر کے تحت دوسری روایت پیشِ خدمت ہے:

سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (زندہ) حیوان کو گوشت کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا۔

(موطأ امام مالک ۲/ ۶۵۵ ح ۱۳۹۶، کتاب المراسیل لابی داود: ۲/۱۶۶)

اس روایت کی سند سعید بن المسیب تک بالکل صحیح ہے۔

اس کے مقابلے میں ہدایہ میں لکھا ہوا ہے:

" ويجوز بيع اللحم بالحيوان عند أبي حنيفة و أبي يوسف ... "ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک گوشت کے بدلے میں حیوان بیچنا جائز ہے۔ (اخیرین ص ۸۲ باب الربا)

مثال ششم: سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
" من ضرب أباه فاقتلوه "جو شخص اپنے باپ کو مارے پیٹے تو اسے قتل کردو۔

(المراسیل لابی داود: ۴۸۱)

اس روایت کی سند سعید بن المسیب تک صحیح ہے، لہٰذا عرض ہے کہ کیا کسی حنفی یا دیوبندی "عالم" میں یہ ہمت وجراءت ہے کہ وہ اس مرسل روایت کے الفاظ ومفہوم کے مطابق فتویٰ دے دے؟!

مثال ہفتم: عکرمہ (ثقہ تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو (سجدے میں) زمین پر اپنی ناک نہیں لگاتا تھا۔

آپ نے فرمایا:" من صلّى صلاة لا يصيب الأنف ما يصيب الجبين لم تقبل صلاته " جو شخص ایسی نماز پڑھتا ہے، جس میں ناک وہاں (یعنی زمین پر) نہیں لگتی جہاں لگتی ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۲ ح ۲۶۹۵)

عکرمہ تک سند صحیح ہے۔ (نیز دیکھئے المراسیل لابی داود: ۴۶)

اس کے برعکس امام ابوحنیفہ نے کیا فرمایا؟ ہدایہ سے بطورِ الزامی دلیل پیش خدمت ہے:

" و سجد على أنفه و جبهته لأن النبي عليه السلام واظب عليه فإن اقتصر على أحدهما جاز عند أبي حنيفة و قالا: لا يجوز... " ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے کیونکہ نبی ﷺ نے اس پر مواظبت (ہیشگی) اختیار فرمائی، پس اگر کسی ایک پر بھی اکتفاء کرلے تو ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور دونوں (ابن فرقد ویعقوب) نے کہا: جائز نہیں۔ (اولین ص ۱۰۸، باب صفۃ الصلوٰۃ)

مثال ہشتم: امام ابوقلابہ الجرمی الشامی رحمہ اللہ (ثقہ تابعی، متوفی ۱۰۴ھ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھانے کے بعد اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا اپنے امام کی

قراءت کے وقت تم اپنی نمازوں میں قراءت کرتے ہو؟

پھر جب صحابہ نے کہا کہ ہم ایسا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: " فلا تفعلوا ولیقرأ أحدکم بفاتحة الکتاب في نفسه " پس ایسا نہ کرو اور تم میں سے ہر ایک اپنے دل میں (یعنی سراً) سورۂ فاتحہ پڑھے۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی: ۱۴۸)

اس روایت کی سند ابو قلابہ تک بالکل صحیح ہے۔

(دیکھئے میری کتاب: الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہریہ ص ۱۷ طبع اگست ۲۰۱۱ء)

فی نفسک کی تشریح میں شاہ ولی اللہ حنفی دہلوی نے لکھا ہے:

"یعنی آہستہ بخوان" یعنی آہستہ پڑھ۔ (مصفیٰ فارسی ج ۱ ص ۱۰۶)

مثال نہم: ابو بردہ رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

" لا نکاح إلا بولي " ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۳/۹، سنن الترمذی: ۱۱۰۲، وسندہ صحیح إلی أبي بردۃ رحمه الله)

اس روایت کی سند ابو بردہ تک صحیح ہے اور اس کے صحیح شواہد بھی ہیں لیکن آلِ دیوبند یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے۔!!

مثال دہم: حافظ ابن حبان نے لکھا ہے: " أخبرنا الفضل بن الحسین بهمذان قال: حدثنا یحیی بن عبد الله بن ماهان عن ابن عیینة قال: حدثت أبا حنیفة بحدیث عن النبي علیه الصلوٰة والسلام فقال: بُل علی هذا " سفیان بن عیینہ (رحمہ اللہ، ثقہ امام) سے روایت ہے کہ میں نے ابو حنیفہ کے سامنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث بیان کی تو اس نے کہا: اس پر پیشاب کرو۔ (المجروحین ۳/۷۰)

روایت مذکورہ میں الفضل بن الحسین ثقہ ہیں۔ (تاریخ الاسلام للذہبی ۲۴/۲۱۳)

اُن کے استاذ یحییٰ بن عبداللہ بن ماہان الکرابیسی ثقہ ہیں۔

(المستدرک للحاکم ۱/۱۸۲ ح ۶۴۵، الارشاد للخلیلی ۲/۶۵۱ ت ۳۹۴)

امام سفیان بن عیینہ اگرچہ مدلس ہیں لیکن اس روایت میں سماع کی تصریح موجود ہے۔

اس روایت میں وجہ ضعف صرف یہ ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ الکرابیسی کی امام سفیان بن عیینہ سے ملاقات یا عدمِ ملاقات کی صراحت نہیں ملی اور نہ صراحتاً معاصرت ثابت ہے، لہٰذا اس سند میں انقطاع یعنی ارسال کا شبہ ہے۔

کیا انوراوکاڑوی اور آلِ دیوبندان مذکورہ مراسیل کو حجت تسلیم کرتے ہیں؟!

اگر نہیں تو پھر دوغلی پالیسی چھوڑ دیں اور غیر ثابت کتاب کی مردود روایت کو غیر مدرک بالقیاس اور مرفوع حکماً بنانے کی کوشش چھوڑ دیں۔

مرسل کے حجت نہ ہونے کی عظیم الشان دلیل: امام محمد بن سیرین البصری رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) نے فرمایا: " مکثت عشرین سنة یحدثني من لا أتهم أن ابن عمر طلّق امرأته ثلاثاً و هي حائض " میں نے بیس سال گزارے، مجھے ایسا آدمی حدیث سناتا جسے میں متہم نہیں سمجھتا تھا کہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور وہ حائضہ تھی۔ (صحیح مسلم:۱۴۷۱[۳۶۶۱])

جب بعد میں تحقیق کی تو ثابت ہوا کہ انھوں نے صرف ایک طلاق دی تھی۔

اس ایک حدیث سے ہی یہ ظاہر ہے کہ ثقہ تابعی کی مرسل بھی حجت نہیں، ورنہ آلِ دیوبند کو چاہئے کہ درج ذیل عبارت پر اپنے تصدیقی دستخط کر دیں:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور وہ حالتِ حیض میں تھیں، پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رجوع کرلیا!

آلِ دیوبند بہت سی صحیح لذاتہ اور حسن لذاتہ احادیث نہیں مانتے، مرفوع صریحاً سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں اور دوسری طرف بے سند و غیر ثابت روایات کو مرفوع حکماً بنانے کے چکر میں ہیں، لہٰذا چند صحیح آثارِ صحابہ پیشِ خدمت ہیں جو مرفوع حکماً ہیں اور آلِ دیوبندان آثار کے مخالف ہیں:

۱: سیدنا و مولانا علی رضی اللہ عنہ جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۲)

۲: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک وتر پڑھا۔ (صحیح بخاری:۳۷۶۴)

نیز سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی ایک وتر پڑھا۔ (صحیح بخاری:۶۳۵۶)

۳: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۲۹۶)

۴: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اگر نماز میں سلام کیا جائے تو اس کا جواب اشارے سے دینا چاہئے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۲۵۹)

۵: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ تین وتر دو سلاموں سے پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری:۹۹۱)

کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ نماز یعنی دین کے ان اہم مسائل کو صحابۂ کرام نے اپنے اجتہاد ورائے سے بنالیا تھا اور ان کے پاس نبی کریم ﷺ کی کوئی دلیل موجود نہیں تھی؟!

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج ا ص ۲۰۰۔ ۲۱۲)

اس مضمون کا جواب تمام آلِ دیوبند پر قرض ہے۔

آلِ دیوبند کے تین سو جھوٹ:

راقم الحروف نے ''آلِ دیوبند کے تین سو (۳۰۰) جھوٹ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو مارچ ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی۔ اکاذیبِ آلِ دیوبند سے متعلقہ اس کتاب کے ابواب کا نظارہ درج ذیل ہے:

۹: انوار خورشید کے تیس جھوٹ (ص۱۲۳)

۱۰: آلِ دیوبند کے چھتیس جھوٹ (ص۱۴۶)

کل تعداد: ۳۰۰ جھوٹ

اس کتاب کا جواب تو (ہمارے علم کے مطابق) کہیں سے بھی نہیں آیا اور اب انور اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''...جس میں کتابت کی غلطیاں اور سہو ونسیان اور شاذ اقوال کو ذکر کر کے ''جھوٹ'' کے عنوان سے انہیں شائع کر دیا اور بعض عبارات کا مفہوم بدل ڈالا، جس کی ایک مثال مندرجہ بالا عبارت ہے جس کو اوکاڑوی جھوٹ نمبر۲ کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے''

(ماہنامہ الخیر ج۱۳ ش۸ ص۴۴)

''مندرجہ بالا'' سے مراد یہ ہے کہ مالکیوں کی (غیر مستند وغیر ثابت) کتاب المدونہ میں (ضعیف سند کے ساتھ) امام ابن شہاب زہری کا قول ''بلغني'' لکھا ہوا ہے۔!

ہمارے اس مضمون میں انور صاحب کا مدلل ومفصل رد گزر چکا ہے اور اب ان سے مطالبہ ہے کہ وہ اصل حوالہ پیش کریں جس میں ان کے بقول راقم الحروف نے اوکاڑوی عبارت کا مفہوم بدل دیا ہے، حالانکہ اوکاڑوی اینڈ پارٹی نے ''مرفوع صریحاً'' والی عبارت کو بدل کر ''مرفوع حکماً'' ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کتاب مذکور میں نہ تو کتابت کی غلطیوں اور سہو ونسیان کو جھوٹ قرار دیا گیا ہے اور نہ شاذ اقوال سے استدلال کیا ہے۔

اس کتاب سے چار (۴) حوالے بطور یاد دہانی ومکرر پیشِ خدمت ہیں:

۱: نانوتوی نے کہا:

''لہٰذا میں نے جھوٹ بولا (اور صریح جھوٹ میں نے اسی روز بولا تھا)''

(حکایات اولیاء: ۳۹۱، آلِ دیوبند کے تین سو جھوٹ، جھوٹ نمبر۱ ص۲۱)

اس میں کون سی عبارت بدلی گئی ہے؟ انور صاحب نشان دہی کریں!

۲: اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''اس کا راوی احمد بن سعید دارمی مجسمہ فرقہ کا بدعتی ہے'' (مسعودی فرقہ کے اعتراضات کے جوابات ص ۴۱۔۴۲، آلِ دیوبند کے تین سو جھوٹ، اوکاڑوی جھوٹ نمبر ا ص ۴۰، تجلیات صفدر ج ا ص ۴۰۲)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بنیادی راوی امام احمد بن سعید بن صخر الدارمی رحمہ اللہ کو محدثین نے ثقہ کہا اور ہمارے علم کے مطابق کسی ایک نے بھی انھیں مجسمہ فرقے کا بدعتی قرار نہیں دیا، لہٰذا آنجہانی امین اوکاڑوی کے اس جہانی بھائی انوار اوکاڑوی سے پُرزور مطالبہ ہے کہ وہ معتبر و صریح حوالہ پیش کریں جس میں احمد بن سعید الدارمی کو مجسمہ میں شمار کیا گیا ہے اور اگر پیش نہ کر سکیں تو ثابت ہوا کہ امین اوکاڑوی اور انوار اوکاڑوی دونوں جھوٹے ہیں۔

۳: امین اوکاڑوی نے علانیہ کہا:

''قرآن پاک میں واقعہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دن سیر کرتے کرتے سمندر کی طرف جا نکلے وہاں کیا دیکھا کہ ایک انسانی لاش پڑی ہے، اسے مچھلیاں اور مگرمچھ بھی کھا رہے ہیں، کوے اور چیلیں بھی کھا رہے ہیں، اور کچھ ذرات زمین میں بھی ملتے جا رہے ہیں۔'' (فتوحاتِ صفدر ج ۳ ص ۳۶۵)

قرآنِ پاک میں یہ واقعہ بالکل موجود نہیں لہٰذا اوکاڑوی نے قرآن پاک پر صریح جھوٹ بولا ہے۔ (آلِ دیوبند کے تین سو جھوٹ، اوکاڑوی جھوٹ نمبر ا ص ۱۰۷)

انور صاحب! اپنے بھائی کا یہ حوالہ قرآن مجید سے پیش کریں، ورنہ یہ اعتراف کریں کہ امین اوکاڑوی نے جھوٹ بولا ہے۔

۴: ایک بانی مذہب کا اور دو اوکاڑوی کے جھوٹوں کے بعد اب قافلۂ باطل کا جھوٹ نمبر ا پیش خدمت ہے:

سیف اللہ سیفی دیوبندی نے لکھا: ''حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانے میں بیس تراویح پر صحابہؓ کا اجماع ہو گیا لہٰذا بیس تراویح کا منکر اجماع کا منکر ہے اور علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، لازم ہے تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت۔ کا منکر دوزخی ہے (فتاویٰ نذیریہ ص ۶۳۴ ج ا) اس کے جواب میں آج کا غیر مقلد کہتا ہے کہ کیا میں ان

کو مقلد ہوں؟" (قافلہ ج ا شمارہ ۴ ص ۵۵)

سیفی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ "بیس تراویح پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا لہٰذا بیس تراویح کا منکر اجماع کا منکر ہے... دوزخی ہے۔" حالانکہ فتاویٰ نذیریہ (ج ا ص ۶۳۴) میں اس مفہوم کی عبارت کے آخر میں "العبد المجیب محمد وصیت مدرس مدرسہ حسین بخش" کا نام لکھا ہوا ہے جو کہ اہلِ حدیث نہیں بلکہ تقلیدی تھا۔ مدرسہ "حسین بخش" کے اس محمد وصیت نامی شخص پر رد کرتے ہوئے سید محمد نذیر حسین الدہلوی رحمہ اللہ نے اسی فتوے کے متصل بعد اگلے صفحے پر لکھا:

"سوال مذکور کا یہ جواب جو مجیب نے لکھا ہے بالکل غلط ہے..." (فتاویٰ نذیریہ ج ا ص ۶۳۵)

ثابت ہوا کہ سیفی دیوبندی نے جھوٹ بولتے ہوئے مولانا نذیر حسین رحمہ اللہ سے وہ بات منسوب کی ہے جسے انھوں نے علانیہ "بالکل غلط" قرار دیا تھا۔

مشہور و مطبوع کتاب کے حوالے میں جھوٹ بولنے والے اپنی نجی محفلوں میں کیا کیا جھوٹ نہ بولتے ہوں گے؟! (آلِ دیوبند کے تین سو جھوٹ، جھوٹ نمبر ا ص ۷۰۔۷۱)

ان صریح جھوٹوں کو "کتابت کی غلطیاں، سہو و نسیان، شاذ اقوال اور بعض عبارات کا مفہوم بدل ڈالا" کہنا بذاتِ خود بہت بڑا جھوٹ ہے۔

راقم الحروف نے ۹/ محرم ۱۴۲۷ھ (۲۰۰۶ء) کو "انوار اوکاڑوی صاحب کے جواب میں" کے نام سے ایک تحقیقی مضمون لکھا تھا، جو ماہنامہ الحدیث حضرو کے دو شماروں میں شائع ہوا۔ (ش ۲۲، ۲۳)

نیز دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ا ص ۵۸۴۔۶۰۶)

ہمارے علم کے مطابق اس کا جواب آج تک نہیں آیا، لہٰذا انوار اوکاڑوی سے مطالبہ ہے کہ نام نہاد "مفتی" بننے کی کوشش نہ کریں بلکہ ہمارے سابقہ مضمون، حالیہ مضمون اور آلِ دیوبند کے تین سو جھوٹ (کتاب) کا مکمل جواب لکھیں۔

وما علینا إلا البلاغ (۱۷/ جون ۲۰۱۳ء)

تلبیساتِ ظہور و نثار

عربی زبان میں ''تلبیس'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس کا اردو میں ترجمہ: ''حقیقت کا اخفاء اور خلافِ حقیقت کا اظہار، مکر وفریب'' ہے۔ (دیکھئے القاموس الوحید ص ۱۴۴۸ب)

اُردو زبان میں تلبیس کا مفہوم: ''عیب پوشیدہ رکھنا۔ مکر، فریب، جعل، دھوکا'' ہے۔ (دیکھئے علمی اردو لغت ص ۴۶۲)

مسلمان مسلمان کا خیر خواہ ہوتا ہے، مسلمان مسلمانوں کو دھوکا نہیں دیتا اور نہ مکر وفریب سے کام لیتا ہے اور یہی راستہ صحیح العقیدہ سچے لوگوں کا راستہ ہے، لیکن کچھ بدنصیب و بدعقیدہ لوگ ایسے بھی ہیں جو مکر وفریب، دھوکوں اور تلبیسات سے کام لے کر سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس تحقیقی مضمون میں حضرو کے ظہور احمد کوثری اور صوفی نثار احمد خانقاہی کی تلبیسات کے دس (۱۰) حوالے ان کی اپنی لکھی اور شائع کی ہوئی کتابوں و تحریرات سے مع رَد پیشِ خدمت ہیں، تاکہ عام مسلمان ان دونوں کے مکر وفریب اور دھوکوں سے بچ جائیں:

۱) ظہور احمد نے اپنے ''محدث ناقد علامہ'' زاہد الکوثری الجرکسی الجہمی کے حوالے سے ایک راوی احمد بن محمد بن الصلت بن مغلس الحمانی عرف ابن عطیہ کے بارے میں لکھا ہے:

''اس کا پورا نام ابوالعباس احمد بن محمد بن مغلس الحمانیؒ ہے۔ یہ امام ابن ماجہؒ کے شیخ امام جبارہ بن مغلسؒ کا بھتیجا ہے۔ اگرچہ کئی علماء نے اس پر جرح کی ہے لیکن اس کے اپنے معاصر محدث امام ابن ابی خیثمہؒ اس کی توثیق کرنے والوں میں شامل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا: **اکتب عن هذا الشیخ یا بنی، فانه کان یکتب معنا فی المجلس منذ سبعین سنة.** تانیب الخطیب (ص ۱۶۷) بیٹا! اس شیخ (احمد بن مغلس) سے احادیث لکھا کرو، کیونکہ یہ ہمارے ساتھ مجلس میں ستر سال سے احادیث

لکھ رہا ہے۔" (امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام ص ۴۸۹ حاشیہ)

کوثری نے یہ روایت تاریخ بغداد (ج ۴ ص ۲۰۹ ت ۱۸۹۶) سے لی ہے، کیونکہ امام احمد بن ابی خیثمہ رحمہ اللہ اس کوثری کی پیدائش سے صدیوں پہلے وفات پا چکے تھے۔

تاریخ بغداد میں اس روایت کے متصل بعد لکھا ہوا ہے کہ " قلت: لا أبعد أن تكون هذه الحكاية موضوعة و في إسنادها غير واحد من المجهولين وحال أحمد بن الصلت أظهر من أن يقع فيها الريبة.أو تدخل عليها الشبهة."

میں (خطیب بغدادی) نے کہا: میرے نزدیک یہ بعید نہیں کہ یہ حکایت موضوع ہو اور اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں اور احمد بن صلت کا حال ایسا ظاہر ہے کہ اس میں کوئی شک واقع نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی شبہ داخل ہو سکتا ہے۔ (ج ۴ ص ۲۰۹)

اس موضوع (من گھڑت) قصے کی سند درج ذیل ہے:

" أخبرنا علي بن المحسن التنوخي: حدثني أبي: حدثنا أبو بكر محمد بن حمدان بن الصباح النيسابوري بالبصرة: حدثنا أبو علي الحسن بن محمد الرازي قال قال لي عبد الله بن أبي خيثمة قال لي أبي أحمد بن أبي خيثمة...." (ص ۲۰۹ ج ۴)

اس سند میں تین راوی مجہول ہیں: محمد بن حمدان بن الصباح النیسابوری، حسن بن محمد الرازی اور عبداللہ بن ابی خیثمہ۔ (دیکھئے لسان المیزان اور التنکیل للیمانی ۱/۱۷۲۔۱۷۳ ت ۳۴)

ظہور و نثار سے مطالبہ ہے کہ وہ ان تین راویوں کی توثیق محدثین کرام سے ثابت کریں اور اس سلسلے میں رات کے اندھیرے میں ھُوھُو کی ضربیں بھی لگا کر دیکھ لیں۔

ان شاء اللہ ناکام رہیں گے۔!!

جب روایت ہی ثابت نہیں تو کوثری کی چھتری تلے احمد بن عطیہ الحمانی کی توثیق نیست و نابود ہوگئی اور اب ذرا اپنے اس راوی پر محدثین کرام کی جرح پڑھ لیں:

۱: امام ابن عدی نے فرمایا: وہ بغداد کے مشرقی محلے میں رہتا تھا، میں نے اسے ۲۹۷

(ہجری) میں دیکھا..... میں نے جھوٹے لوگوں میں اتنا بے حیا اور کوئی نہیں دیکھا۔

(الکامل ۱/۲۰۲، دوسرا نسخہ ۱/ ۳۲۷۔۳۲۸)

۲: حافظ ابن حبان نے فرمایا: وہ اہلِ بغداد میں سے ہے، وہ عراقیوں سے روایت کرتا تھا، وہ اُن پر حدیث گھڑتا تھا۔ (کتاب المجروحین ۱/۱۵۳، دوسرا نسخہ ۱/۱۶۸)

۳: امام دارقطنی نے فرمایا: وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (الضعفاء والمتروکون: ۵۹، سوالات الحاکم: ۳۴)

۴: امام ابن ابی الفوارس نے فرمایا: وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۴/ ۲۹ ت ۱۸۹۶)

۵: خطیب بغدادی نے فرمایا: اس نے حدیثیں بیان کیں، ان میں سے اکثر باطل ہیں، اُس نے انھیں گھڑا تھا۔ (تاریخ بغداد ۴/ ۲۰۷)

۶: حافظ ابن الجوزی نے اسے حدیث کا چور قرار دیا۔ (الموضوعات ۳/ ۱۱۸، دوسرا نسخہ ۳/ ۳۴۱)

۷: حاکم نیشاپوری نے فرمایا: اس نے قعنبی، مسدد، اسماعیل بن ابی اویس اور بشر بن الولید سے حدیثیں بیان کیں جنھیں اُس نے گھڑا تھا، اُس نے ان سے ملاقات کے جھوٹے دعوے کے علاوہ روایتوں کے متن بھی بنائے۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۲۱ ت ۱۹)

۸: ابو نعیم اصبہانی نے فرمایا: وہ ابن ابی اویس، قعنبی اور ایسے شیوخ سے مشہور اور منکر روایتیں بیان کرتا تھا جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی، وہ کوئی چیز نہیں۔

(کتاب الضعفاء لابی نعیم ص ۶۵ ت ۳۱)

۹: حافظ ذہبی نے فرمایا: "كذاب وضاع" (میزان الاعتدال ۱/۱۴۰)

اور فرمایا: وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (المغنی فی الضعفاء ۱/ ۸۹ ت ۳۲۶)

۱۰: حافظ ابن کثیر نے فرمایا: وہ حدیث گھڑنے والوں میں سے ایک تھا۔

(البدایہ والنہایہ ۱۲/ ۲۷ وفیات ۳۰۸ھ)

ان دس گواہیوں سے ثابت ہوا کہ احمد بن الصلت الحمانی کذاب راوی تھا، جسے ظہور احمد صاحب کوثری کی چھتری تلے ثقہ ثابت کرنے کی کوشش میں جتے ہوئے ہیں، حالانکہ حیاتی دیوبندیوں کے نام نہاد "امام" سرفراز خان صفدر نے سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے

جواب میں لکھا ہے:

''اور فریقِ ثانی کے شیخ الکل کا یہ تعصب بھی ملاحظہ کیجئے کہ انھوں نے معیار الحق ص ۱۳ سے لیکر ص ۲۹ تک ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ تابعی نہیں ہیں۔ اور اپنے مطلب کے حوالے بھی نقل کیے ہیں اور احمد بن الصلت الحمانی وغیرہ انتہائی کمزور اور جعل ساز راویوں پر گرفت بھی کی ہے جو بجا ہے مگر ہمارا استدلال اُن پیش کردہ روایتوں اور حوالوں میں سے بھی نہیں ہے.....'' (الکلام المفید ص ۲۴۵)

ایسے کذاب، وضاع، انتہائی کمزور اور جعل ساز راوی کی توثیق ثابت کرنے کی کوشش کرنا ظہور وشار جیسے لوگوں کا ہی کام ہے اور پھر یہ کہنا کہ ''یہ (احمد بن الصلت الحمانی) امام ابن ماجہؒ کے شیخ امام جبارہ بن مغلس کا بھتیجا ہے'' نری تلبیس ہے، کیونکہ ظہور احمد (ننھے کوثری) کا یہ ''امام'' جبارہ بن مغلس جمہور محدثین کے نزدیک سخت مجروح راوی ہے۔

ہیثمی نے فرمایا: '' وضعفه الجمهور '' اور جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد ۹/۲۱)

امام ابن نمیر نے کہا: '' ما هو عندي يكذب '' وہ میرے نزدیک جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں تھا۔

امام ابوزرعہ نے ان سے پوچھا: آپ نے اس سے حدیثیں لکھی ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ہاں!

انھوں نے پوچھا: کیا آپ اس سے حدیث بیان کرتے ہیں؟ ابن نمیر نے فرمایا: نہیں۔

انھوں (ابوزرعہ) نے پوچھا: اس کا کیا حال ہے؟ انھوں (ابن نمیر) نے فرمایا:

'' كان يوضع له الحديث فيحدث به وما هو عندي ممن يتعمد الكذب ''

اس کے لئے حدیث گھڑی جاتی تو وہ اسے بیان کر دیتا تھا اور میرے نزدیک وہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: '' جبارة كذاب '' جبارہ کذاب ہے۔

امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: وہ قاسم بن ابی شیبہ کی طرح مجروح ہے۔

امام ابوزرعہ الرازی نے اس سے حدیث بیان کرنا ترک کردی تھی۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۲/۵۵۰)

امام دارقطنی نے فرمایا: "متروك" (سوالات البرقانی: ۷۱)

جس طرح نجاست پر مکھیاں بیٹھ جاتی ہیں، اسی طرح مقلدینِ کوثری بھی احمد بن الصلت اور جبارہ بن المغلس وغیرہما کو اپنا امام بنا کر ایسے کذابین کا دفاع شروع کر دیتے ہیں۔ سبحان اللہ !

۲) اردو زبان میں عام دستور ہے کہ کسی مشکوک، غیر ثابت اور شبہے والی چیز کے بارے میں "سے منسوب" اور "کی طرف منسوب" کہا جاتا ہے اور عربی زبان میں بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

" و ذكر النووي أنه رآه في كتاب الودائع المنسوب لابن سريج، قال: و لا أظنه يثبت عنه " اور نووی نے ذکر کیا کہ انھوں نے اسے ابن سریج کی طرف منسوب کتاب الودائع میں دیکھا ہے، فرمایا: اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ اس سے ثابت ہے۔

(فتح الباری ۱۰/۳۴۶ تحت ح ۵۸۸۸۔۵۸۸۹)

اسے مدِنظر رکھ کر عرض ہے کہ ظہور احمد کوثری دیو بندی نے بہت سے اماموں کی ثابت شدہ عبارات و جروح کو "سے منسوب" لکھا ہے، مثلاً:

۱: "امام بخاریؒ سے منسوب جرح کا جواب:"

(تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام ص ۲۱۱)

حالانکہ یہ جرح امام بخاری کی مشہور ترین کتاب: التاریخ الکبیر (۸/۳۹۷) میں لکھی ہوئی ہے۔

۲: "امام احمد بن حنبلؒ سے منسوب جرح کا جواب:" (تلامذہ.....ص ۲۱۹)

حالانکہ یہ جرح امام احمد بن حنبل کی مشہور کتاب: العلل و معرفۃ الرجال (۳/۳۰۰ فقرہ: ۵۳۳۲) میں موجود ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل (۹/۲۰۱)

میں صحیح ترین سند کے ساتھ اسی کتاب سے نقل کیا ہے۔

۳: ''امام ابو جعفر العقیلیؒ'' سے منسوب جرح کا جواب:'' (تلامذہ ص ۲۳۲)

حالانکہ یہ جرح امام عقیلی کی مشہور کتاب الضعفاء (۴/ ۴۳۸۔۴۴۴) میں موجود ہے۔

نیز دیکھئے تلامذہ (ص ۳۹۵، ۵۰۷)

۴: ''امام نسائیؒ'' سے منسوب جرح کا جواب:'' (تلامذہ ص ۳۸۳، نیز دیکھئے ص ۵۰۷)

حالانکہ یہ جرح امام نسائی کی کتاب الضعفاء والمتر وکین (ص ۲۶۶) میں موجود ہے۔

۵: ''امام ابن حبانؒ'' سے منسوب جرح کا جواب:'' (تلامذہ ص ۳۹۶)

حالانکہ یہ جرح حافظ ابن حبان کی کتاب المجر وحین (۳/ ۲۷۶) میں موجود ہے۔

۶: ''امام دارقطنیؒ'' سے منسوب جرح کا جواب:'' (تلامذہ ص ۴۹۳)

حالانکہ یہ جرح امام دارقطنی کے شاگرد امام برقانی کی کتاب سوالات (۸۸) میں موجود ہے اور اس مجروح راوی کو امام دارقطنی نے اپنی کتاب الضعفاء والمتر وکین (۱۸۷) میں ذکر کیا ہے۔

۷: ''امام ابو حاتمؒ'' سے منسوب جرح کا جواب:'' (تلامذہ ص ۴۹۲)

حالانکہ یہ جرح امام ابو حاتم الرازی کے بیٹے امام عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم کی مشہور کتاب: الجرح والتعدیل (۳/ ۱۵) اور علل الحدیث (۲/ ۴۳۲ ح ۲۸۰۶) میں موجود ہے۔

۸: ''امام ابن شاہینؒ'' سے منسوب جرح کا جواب:'' (تلامذہ ص ۴۰۵)

حالانکہ یہ جرح امام ابن شاہین (محمدی المذہب) کی کتاب: تاریخ اسماء الضعفاء والمتر وکین (ص ۱۶۳ ت ۵۳۶) میں موجود ہے۔

(نیز دیکھئے تلامذہ ص ۵۱۸، اور تاریخ أسماء الضعفاء ص ۴۷ ت ۱۱۸)

۹: ''حافظ ابن الجوزیؒ'' سے منسوب جرح کا جواب:'' (تلامذہ ص ۵۱۰)

حالانکہ یہ جرح علامہ ابن الجوزی کی کتاب الضعفاء والمتر وکین (۱/ ۲۰۲ ت ۸۲۱) میں موجود ہے۔

۱۰: ''حافظ ابن الاثیرؒ سے منسوب جرح کا جواب:'' (تلامذہ ص ۵۱۲)

حالانکہ یہ جرح حافظ ابن اثیر کی مشہور کتاب: غایۃ النہایہ فی طبقات القراء (۱/۲۱۳ ت ۹۷۵) میں موجود ہے۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور یہ دس حوالے مشتے از خروارے پیش کئے گئے ہیں جس میں ظہور احمد نے تدلیس و تلبیس کرتے ہوئے ثابت شدہ جروح کو ''سے منسوب'' لکھ کر عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے کہ گویا یہ جرحیں ثابت نہیں۔

دوسری طرف جب ظہور احمد نے اپنی مرضی کے خلاف راویوں پر انھی محدثین کی انھی کتابوں سے جروح کو ''سے منسوب'' کے بغیر بطورِ جزم بیان کیا ہے، جس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: ''امام عقیلیؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کو ضعفاء یعنی ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔''

(تلامذہ ص ۳۱۲)

۲: ''امام ابن الجوزیؒ نے بھی اس کو ضعیف اور متروک راویوں میں شمار کر کے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے۔'' (تلامذہ ص ۳۱۳)

۳) حافظ ذہبی نے حسن بن زیاد اللؤلؤی کے بارے میں لکھا ہے:

''لم یخرجوا لہ فی الکتب الستۃ لضعفہ .... '' محدثین نے اس کی ضعف (ضعیف ہونے) کی وجہ سے کتبِ ستہ میں اس سے روایت بیان نہیں کی...الخ

(العبر ۱/۲۷ وفیات ۲۰۴ھ)

اس کا ظہور احمد نے درج ذیل جواب لکھا ہے:

''اصحاب صحاح ستہ کا کسی شخص سے روایت نہ لینا اس شخص کے ضعف کو مستلزم نہیں ہے، اس کا اقرار حافظ ذہبیؒ اور خود غیر مقلدین کو بھی ہے۔'' (تلامذہ ص ۵۱۴)

حالانکہ مسئلہ صرف روایت نہ لینا نہیں بلکہ '' لضعفہ ''یعنی اس کے ضعف کی وجہ سے روایت نہ لینا ہے اور '' لضعفہ '' کو لفاظی کے چکر میں چھپا کر ظہور احمد نے بہت بڑی

تدلیس کی ہے۔

جن راویوں کی صحیحین میں روایات میں موجود نہیں، ان کی دو قسمیں ہیں:

۱: جنھیں ضعیف و مجروح سمجھ کر کتبِ ستہ کے مصنفین نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

حافظ ذہبی کے نزدیک حسن بن زیاد اللؤلوی بھی انھی راویوں میں سے ہے۔

۲: جن پر کسی کو کوئی جرح نہیں۔

ایسے راوی اگر بالاجماع ثقہ یا موثق عندالجمہور رہوں تو ثقہ ہیں اور اگر مجروح عند الجمہور رہوں تو مجروح ہیں۔

۴) حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

" و أما عبد الرحمٰن ابن أبي حاتم فغلط بلا ريب فنقل عن أبيه أنه قال قيل لأحمد: كيف لم تكتب عن معلّى؟ فقال: كان يكذب، و إنما الصواب ما قدمناه." رہے عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم تو بلا شک انھیں غلطی لگی ہے، پس انھوں نے اپنے والد (ابو حاتم الرازی) سے نقل کیا، انھوں نے کہا: احمد (بن حنبل) سے کہا گیا: آپ نے معلّی (بن منصور الرازی) سے حدیث کیوں نہیں لکھی؟ تو انھوں نے فرمایا: وہ جھوٹ بولتا تھا۔ اور صحیح وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ (النبلاء ۱۰/ ۳۶۹)

عرض ہے کہ کتاب الجرح والتعدیل میں حافظ ذہبی کی مذکورہ عبارت قطعاً موجود نہیں، بلکہ صرف یہ لکھا ہوا ہے کہ " سمعت أبي يقول قيل لأحمد بن حنبل: كيف لم تكتب عن المعلى بن منصور الرازي؟ فقال: كان يكتب الشروط و من كتبها لم يخل من أن يكذب." (ج ۸ ص ۳۳۴ ت ۱۵۴۱)

یہی عبارت حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں نقل کی ہے۔ (ج ۱۰/ ۳۶۷)

اور اسے ہی انھوں نے صواب (صحیح) قرار دیا ہے۔

کتاب الجرح والتعدیل اور علل الحدیث دونوں کتابوں میں معلّی بن منصور کے ساتھ "کان یکذب" کے الفاظ ہرگز موجود نہیں، لہٰذا حافظ ذہبی کو اس مسئلے میں غلطی لگی

ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے تو معلّٰی بن ہلال الطحان الکوفی (کذاب) کے ساتھ " کان یکذب " کے الفاظ لکھے ہیں۔ (دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل ۱۰/۳۳۱)

اور حافظ ذہبی نے سہو و نسیان کی وجہ سے یہ الفاظ معلّٰی بن منصور کے ساتھ منسوب کر دیئے ہیں جو بلا شک وشبہ اُن کی غلطی و سہو ہے۔ حافظ ابن عساکر نے بھی صحیح سند کے امام ابن ابی حاتم سے وہی عبارت نقل کی ہے جو کتاب الجرح والتعدیل میں موجود ہے۔

(تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۳۸۴)

یاد رہے کہ اصل کتاب اور اس سے نقل کی صورت میں ظہور احمد کے نزدیک اصل کتاب کو ترجیح حاصل ہے۔ (دیکھئے تلامذہ ص ۵۰۲۔۵۰۳)

اب ابن ابی حاتم کے خلاف ظہور احمد (ننھے کوثری) کا زہریلا بیان قارئین کی عدالت میں پیشِ خدمت ہے، ظہور احمد نے لکھا ہے:

''ان متعصبین میں سے ایک امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم مؤلف ''الجرح والتعدیل'' بھی ہیں، یہ ائمہ احناف کے خلاف اقوال نقل کرنے میں بعض دفعہ ایسی غلط بیانیاں کرتے ہیں کہ اصل بات کو ہی بالکل بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً امام معلّٰی بن منصور رازی حنفیؒ کے بارے میں امام ابو داودؒ نے فرمایا ہے کہ امام احمدؒ ان سے روایت نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ رائے (فقہ) میں نظر رکھتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے جب اس قول کو امام احمدؒ سے نقل کیا تو اس کا مطلب بالکل بدل دیا اور کہا کہ امام احمدؒ ان سے اس لیے حدیث نقل نہیں کرتے تھے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔'' (تلامذہ ص ۲۲۰)

ظہور احمد نے اپنے بے مہار قلم کو استعمال کرتے ہوئے حافظ ذہبی کی غلطی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

''عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے بلا شبہ غلط بیانی کی ہے جو انہوں نے اپنے والد سے یہ نقل کیا کہ امام احمدؒ سے کہا گیا کہ آپ نے معلّٰی سے حدیث کیوں نہیں لکھی؟ تو انہوں نے فرمایا: اس

لیے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ (ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ) درست بات وہی ہے جو ہم نے ما قبل نقل کی ہے۔''

اس کے بعد ظہور احمد نے درج ذیل عبارت لکھی ہے:

''احناف کے خلاف جن لوگوں کے تعصب کا یہ حال ہو ان کی نقل کا احناف کے خلاف کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟'' (تلامذہ ص ۲۲۱)

حالانکہ امام ابن ابی حاتم حافظ ذہبی کے اعتراض سے بالکل بری ہیں، جمہور کے نزدیک ثقہ بلکہ شیخ الاسلام ہیں اور ظہور و شار کی نیش زنیوں سے بیحد بلند و بالا ہیں۔ رحمہ اللہ

قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ امام ابن ابی حاتمؒ نے معلّٰی بن منصور الرازی کے بارے میں اپنے والد (ابو حاتم الرازی) سے نقل کیا کہ ''**كان صدوقًا في الحديث و كان صاحب راي**'' اور امام ابن معین سے نقل کیا کہ ''**ثقة**''

(الجرح والتعدیل ۸/۳۳۴)

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ امام احمد بن حنبل معلّٰی بن منصور کو ناپسند کرتے تھے، بلکہ انھوں نے فرمایا: ''**كان معلى بن منصور من أشرّهم، لا يحل لأحد يروي عن معلى**'' (سوالات ابن ہانی: ۱۹۲۹)

اور فرمایا: ''**كان معلى معاندًا، كان مرجئًا، لا يحل لأحد أن يحدث عن معلى**'' (ایضاً: ۲۳۰۱)

اور فرمایا: ''**كان يحدث بما وافق الرأي، و كان كل يوم يخطئ في حديثين و ثلاثة**'' (تاریخ بغداد ۱۳/۱۸۹ ت ۷۱۶۶)

لیکن ہمارے نزدیک چونکہ جمہور محدثین کو ہمیشہ ترجیح حاصل ہے، لہٰذا جمہور کی توثیق کی وجہ سے معلّٰی بن منصور الرازی ثقہ وصدوق راوی ہیں۔

۵) ظہور احمد نے لکھا ہے:

''امام احمدؒ اہل سنت والجماعت کے مشہور امام اور علم حدیث و اسماء الرجال کے مایہ ناز سپوت

ہیں۔ان سے بھی امام ابویوسفؒ کے بارے میں متعدد اقوال منقول ہیں۔مثلاً امام ابن ابی حاتمؒ (م:۳۲۷ھ) نے امام احمدؒ کے صاحبزادے امام عبداللہ بن احمدؒ (م:۲۹۰ھ) سے روایت کیا ہے کہ سألت عن أبي یوسف فقال: صدوق.

میں نے اپنے والد سے ابویوسفؒ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''وہ (روایت حدیث میں) صدوق (انتہائی سچے) ہیں۔'' (تلامذہ ص۱۴۴، بحوالہ الجرح والتعدیل ۲۰۱/۹)

حالانکہ کتاب الجرح والتعدیل میں لکھا ہوا ہے:

" سألت أبي عن أبي یوسف فقال: صدوق و لکن من أصحاب أبي حنیفة لا ینبغي أن یروی عنه شيً." میں نے اپنے ابا سے ابویوسف کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: صدوق (انتہائی سچا) ہے، لیکن وہ ابوحنیفہ کے ساتھیوں (شاگردوں) میں سے ہے، اس سے کوئی چیز بھی روایت نہیں کرنی چاہئے۔ (ج۹ص ۲۰۱ ت ۸۴۱)

" لا ینبغي أن یروی عنه شيً " کے الفاظ یہاں چھپا کر ظہور احمد نے بڑی تلبیس کی ہے، بلکہ خیانت کا بھی ارتکاب کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اصحابِ ابی حنیفہ (تلامذہِ ابی حنیفہ) سے اتنی نفرت کرتے تھے کہ اسحاق بن منصور الکوسج رحمہ اللہ نے بیان کیا:

" قلت: یؤجر الرجل علی بغض أصحاب أبي حنیفة؟ " میں نے کہا: کیا آدمی کو اصحابِ ابی حنیفہ سے بغض رکھنے پر ثواب ملے گا؟ انھوں نے فرمایا: " إي و اللّٰه ! " جی ہاں! اللہ کی قسم! (مسائل الامام احمد واسحاق بن راہویہ ۵۶۵/۲ فقرہ: ۳۳۸۵)

ثابت ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا موقف یہ تھا کہ حنفیوں سے بغض رکھنے پر ثواب ملے گا۔ان شاء اللہ

۶) مولانا عبدالحق بن فضل اللہ عثمانی نیوتنی بنارسی المکی رحمہ اللہ (م۱۲۷۶ھ) مشہور اہلِ حدیث عالم تھے جو حالتِ احرام میں منیٰ (مکہ) میں فوت ہوئے اور مسجد خیف کے دروازے کے پاس دفن کئے گئے۔ان کے استادوں مثلاً شوکانی یمنی اور شاگردوں مثلاً محمد

بن عبدالعزیز الزینبی نے ان کی بڑی تعریف کی، بلکہ صوفی ابوالحسن الندوی التقلیدی کے والد عبدالحی بن فخر الدین الحسنی الندوی (حنفی تقلیدی) نے بھی اُن کے بارے میں لکھا:

" الشیخ العالم المحدّث المعمر..... أحد العلماء المشهورین "

(نزھۃ الخواطر ۷/۲٦٦)

محمد بن عبدالعزیز الزینبی نے فرمایا:" و لم أر بعیني أفضل منه " میں نے اپنی آنکھوں سے ان سے زیادہ افضل کوئی انسان نہیں دیکھا۔ (نزھۃ الخواطر ۷/۲٦۷)

ان (افضل ترین عالم ومحدّث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ) کے بارے میں صوفی نثار احمد خانقاہی نے لکھا ہے:

"برصغیر میں فرقہ غیر مقلدیت کے بانی عبدالحق بناری ہندو وغیر مقلد کا ایک اقتباس مولانا عبدالرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے جس میں اس نے صحابہ رضی اللہ عنھم کی توہین کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"ان کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں اور ہم کو سب حدیثیں یاد ہیں اور ان کا علم کم تھا اور ہمارا علم بڑا ہے" (تلامذہ ص ۷۵ بحوالہ کشف الحجاب ص ۲۱ بحوالہ مقدمہ رسائل اہل حدیث ۱/۲۹)

نثار احمد نے مزید لکھا ہے:

"نیز اس بدبخت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین کرتے ہوئے یہ بکواس کی ہے کہ:

"عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑ کر مرتد ہوئی اور اگر بے توبہ مری تو کافر مری۔" (تلامذہ ص ۷۵ بحوالہ کشف الحجاب ص ۲۱، مقدمہ رسائل اہل حدیث ۱/۲۹)

قارئین کرام! کشف الحجاب نامی کتاب مولانا عبدالحق البناری المکی رحمہ اللہ کی کتاب نہیں، بلکہ ایک غالی دیوبندی محمود حسن کے غالی ومتروک استاد عبدالرحمٰن پانی پتی کی کتاب ہے۔ (دیکھئے سوانح شیخ الہند ص ۲۳٦)

یہ جھوٹا شخص (پانی پتی) اہلِ حدیث کا عموماً اور مولانا عبدالحق کا خصوصاً دشمن تھا اور

مقدمہ رسائل اہل حدیث کا لکھنے والا انوار خورشید (نعیم الدین) غالی دیوبندی اور متروک شخص ہے۔

یہاں تو نثار احمد نے مولانا عبدالحق کی اپنی کتاب سے حوالہ پیش کرنے کے بجائے اُن کے دشمنوں کی کتابوں سے جھوٹا حوالہ پیش کر کے تلبیس کی ہے اور اللہ کی مخلوق کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے، جبکہ دوسری طرف ظہور احمد نے دشمن کی روایت کے بارے میں درج ذیل عبارت لکھی ہے:

''محدث ناقد حافظ ذہبیؒ، ابن ابی داود کے خلاف ان کے ایک مخالف کی بیان کردہ روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: **لا يسمع قول العدو في عدوه .**
ایک مخالف کی دوسرے مخالف کے خلاف کوئی بھی بات ناقابلِ سماعت ہے۔''

(تلامذہ ص ۴۰۹ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۱۳/ ۲۲۱)

یہاں تو یہ اصول لکھ کر اپنے ایک پسندیدہ راوی کو بچانے کی کوشش کی اور دوسری طرف مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے بارے میں اُن کے شدید ترین غالی اور کذاب دشمن کا حوالہ پیش کیا ہے۔ کیا ظہور احمدی اور نثار احمدی انصاف اسی کا نام ہے؟

۷) یحییٰ بن محمد بن سابق الکوفی المصیصی کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:
" أتيته بالمصيصة فنظرت في حديثه فوجدت أحاديث مشهورة ولم أكتب عنه." میں اس کے پاس مصیصہ میں آیا تو اس کی حدیثوں کو (غور و تدبر سے) دیکھا، پس میں نے پایا کہ ان کی حدیثیں مشہور ہیں اور میں نے ان سے نہیں لکھا۔

(الجرح والتعدیل ۹/ ۱۸۵ ت ۷۶۸)

حافظ ذہبی نے الکاشف میں ابن سابق کو ثقہ کہا۔ (۳/ ۲۹۱ ت ۶۲۳۳)

امام نسائی نے سنن نسائی (المجتبیٰ والکبریٰ) میں اُن سے روایت لی اور ظہور احمد کے نزدیک امام نسائی کا روایت کرنا اور جرح نہ کرنا راوی کی توثیق کی دلیل ہے۔

(دیکھئے امام اعظم ابوحنیفہ کا محدثانہ مقام ص ۳۵۶، ۳۲۳)

ابن سابق سے ایک جماعت نے روایت بیان کی مثلاً ابو بکر الاثرم، ہیثم بن خالد بن عبداللہ المصیصی، محمد بن عامر الانطا کی، محمد بن داود المصیصی اور احمد بن علی۔

حافظ ابن حجر نے "مقبول" کہا یعنی اپنے نزدیک مجہول الحال قرار دیا۔

ظہور احمد نے ابن سابق مذکور کے بارے میں لکھا ہے:

''نیز اس راوی کے متعلق امام ابوحاتم رازیؒ نے اس کی احادیث کو دیکھ کر فرمایا:

و لم اکتب عنہ کہ میں اس سے حدیث نہیں لکھتا۔ (تلامذہ ص ۲۱۴)

اس عبارت میں ظہور نے دو تلبیسات کی ہیں:

۱: امام ابوحاتم کی باقی عبارت " أتيته بالمصيصة فنظرت في حديثه فوجدت أحاديث مشهورة " چھپالی ہے، جس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یحیی بن محمد بن سابق کی بیان کردہ احادیث اجنبی اور اوپری نہیں تھیں بلکہ مشہور حدیثیں تھیں۔

۲: و لم أكتب عنه کا ترجمہ ''کہ میں اس سے حدیث نہیں لکھتا۔'' لکھا ہے جو کہ غلط ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ میں نے اس سے نہیں لکھا۔

نہیں لکھا اور نہیں لکھتا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لم کو لا بنانا ظہور کی تلبیس ہے۔

۸) ظہور احمد نے لکھا ہے:

''نیز اس وقعہ کے ناقل یحییٰ بن محمد بن سابق کو اگرچہ حافظ ذہبیؒ نے ''الکاشف'' میں ثقہ کہا ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی ''تقریب التہذیب'' (جس کے بارے میں خود علی زئی نے اقرار کیا ہے کہ اس میں راوی کے متعلق وہی قول ذکر کیا جاتا ہے جو سب اقوال میں "اَعْدَلُ الْاَقْوَالْ" (سب سے زیادہ انصاف والا ہو) میں اس کو مقبول قرار دیتے ہیں۔''

اس کے بعد لفاظی کرتے ہوئے ظہور احمد نے لکھا ہے:

''اور علی زئی کا اس " اَعْدَلُ الْاَقْوَالُ" قول کو چھوڑ کر "غیر اَعْدَلُ الْاَقْوَالُ" قول نقل کرنا بھی باطل ہے۔'' (تلامذہ ص ۲۱۴)

الاقوال کی جزم سے ظہور و نثار کی عربیت دانی ظاہر ہے، تاہم صرفِ نظر کرتے ہوئے

عرض ہے کہ عبارت مذکورہ میں ظہور احمد نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ تقریب التہذیب میں مذکورہ فیصلے یعنی اعدل الاقوال سے مراد پوری اُمت کے نزدیک اعدل الاقوال ہے، لہٰذا اسے رد کرنا باطل ہے۔ سبحان اللہ

راقم الحروف نے دو ضعیف راویوں عمران بن زید اور حجاج بن تمیم پر جرح بحوالۂ تقریب التہذیب نقل کی اور بطورِ تنبیہ لکھا:

"ان راویوں پر محدثین کرام کی جرح تفصیلاً تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہ میں موجود ہے۔ تقریب کا حوالہ بطورِ اختصار اور بطورِ خلاصہ و اعدل الاقوال دیا جاتا ہے۔ والحمد للہ" (الحدیث: ۴۸ ص ۱۱)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جس راوی پر ہم تقریب التہذیب سے جرح نقل کریں اور کسی قسم کا رد نہ کریں تو یہ قول ہمارے نزدیک اعدل الاقوال قول ہوتا ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تقریب التہذیب کا ہر قول بھی ہمارے نزدیک اعدل الاقوال قول ہی ہے۔ جب حافظ ابن حجر کا فیصلہ جمہور محدثین یا اصولِ حدیث کے خلاف ہو تو ہم ادب و احترام کے ساتھ ان سے اختلاف کرتے ہیں اور اس کی بہت سی مثالیں ہماری عبارات میں موجود ہیں۔

کتنے ہی راویوں کو حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ثقہ و صدوق قرار دیا مثلاً انھوں نے صحیح العقیدہ سُنی امام عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا: "ثقۃ"

(تقریب التہذیب: ۳۲۰۵)

مگر ظہور احمد نے کوثری کے بھی کان کاٹتے ہوئے اس عظیم الشان امام کے بارے میں لکھا:

"اس ساری تفصیل سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ امام احمدؒ کے بیٹے عبداللہ ایک بدعتی فرقے مجسمہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور امام صاحب کے بارے میں اس قدر عناد رکھتے ہیں کہ آپ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

جس قول کی سند اس قدر خرابیوں اور عیوب کا خزانہ ہو اس کو صحیح کہنا علی زئی جیسے لوگوں

کا ہی کام ہوسکتا ہے جن کا مقصد محض امام اعظم ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو بدنام کرنا ہے۔" (تلامذہ ص ۲۵۰۔۲۵۱)

اس عبارت میں ظہور احمد نے حافظ ابن حجر کے نزدیک اعدل الاقوال "ثقہ" بلکہ ثقہ بالاجماع امام عبداللہ بن احمد کو کافر اور کذاب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

و إلى الله المشتكىٰ

یہاں اعدل الاقوال کہاں گیا؟!

۹) محمد بن عیسیٰ بن نجیح المعروف با بن الطباع رحمہ اللہ نے ایک روایت بیان کی تو ظہور احمد نے لکھا:

"اس قول کی ابتدائی سند سے قطع نظر اس قول کو امام ابن عیینہؒ سے نقل کرنے والا محمد بن عیسیٰ بن نجیح ہے جو کہ ابن الطباع سے مشہور ہے، اور یہ باقرار علی زئی مدلس ہے...."

(تلامذہ ص ۲۰۹)

ظہور احمد نے مزید لکھا ہے:

"اس ابن الطباع جس کو خود علی زئی بھی مدلس کہہ رہے ہیں، نے امام ابن عیینہؒ سے مذکورہ قول کو یوں نقل کیا ہے: قال ابن الطباع، قال سفيان ....

اب یہاں ابن الطباع نے امام ابن عیینہؒ سے سماع کی تصریح نہیں کہ بلکہ صرف یوں کہا ہے کہ سفیان نے فرمایا....." (تلامذہ ص ۲۱۰)

عرض ہے کہ امام عقیلی نے اس کی حدیث کی سند کو درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

"**حدثنا أحمد بن علي: حدثنا الحسن بن علي الحلواني: حدثنا محمد بن عيسىٰ الطباع: حدثنا سفيان بن عيينة ......**"

(الضعفاء الکبیر ۴/۴۴۳، دوسرا نسخہ ۴/۱۵۴۷)

روایت مذکورہ میں صاف طور پر سماع کی تصریح موجود ہے، لہٰذا ظہور احمد کا اعتراض تلبیس و تدلیس ہے۔

ابتدائی سند کے بارے میں عرض ہے کہ حسن بن علی الحلوانی ثقہ حافظ ہیں اور احمد بن علی بن مسلم الابار بالاجماع ثقہ ہیں، ان پر حافظ ذہبی کی طرف سے کوئی جرح ثابت نہیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے میرا مضمون: امام احمد بن علی بن مسلم الابار رحمہ اللہ)

۱۰) ابو یوسف احمد بن جمیل المروزی البغدادی رحمہ اللہ کو جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔ مثلاً:

۱: امام محمد بن اسحاق الصاغانی نے فرمایا: ثقہ (صحیح ابی عوانہ ۲/ ۱۸ ح ۲۰۰۶، دوسرا نسخہ ۱/ ۵۲۶)

۲: امام ابو عوانہ نے صحیح ابی عوانہ میں روایت لی۔ (ایضاً)

۳: حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۸/ ۱۱)

۴: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "لیس بہ بأس" (الجرح والتعدیل ۲/ ۴۴)

۵: امام بوحاتم الرازی نے فرمایا: "صدوق" (کتاب الجرح والتعدیل ۲/ ۴۴)

۶: امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے ان سے روایتیں بیان کیں اور وہ اسی سے روایت بیان کرتے تھے جو ان کے والد کے نزدیک ثقہ ہوتا تھا۔

۷: ضیاء المقدسی نے المختارہ میں ان سے حدیث بیان کی۔

(۶/ ۲۵۷ ح ۲۲۷۶، ۱۰/ ۳۳۲ ح ۳۵۸۔ ۳۵۹)

۸: ابو نعیم الاصبہانی نے المستخرج علی صحیح مسلم میں اُن سے حدیث بیان کی۔

(۳/ ۱۴۳ ح ۲۳۸۶)

۹: ابن شاہین نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۱/ ۴۲ ت ۹۸)

۱۰: امام ابو زرعہ الدمشقی نے احمد بن جمیل کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں فرمایا:

"ھذا حدیث جلیل" (الفوائد المعللۃ ۱/ ۸۸ ح ۲۳ بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ)

۱۱: امام احمد بن حنبل نے ان سے احادیث لکھیں۔ (دیکھئے العلل للامام احمد: ۳۸۵۶)

جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں ظہور احمد نے لکھا ہے:

"تیسرے قول کی سند بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ عقیلی کا استاذ احمد بن جمیل الھروی المروزی ہے،

ان کے بارے میں امام یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ: صدوق لم یکن بالضابط.
یہ سچا ہے، لیکن روایت کو ضبط (اچھی طرح یاد) نہیں کر سکتا۔
لہٰذا اس کی روایت کا کیا اعتبار ہے؟'' (تلامذہ ص ۱۹۹، بحوالہ لسان المیزان ۱/ ۲۵۰)

ظہور احمد نے جمہور محدثین کے خلاف یہ جرح لسان المیزان سے نقل کی ہے، حالانکہ لسان المیزان میں ہی اس سے پہلے اور بعد میں لکھا ہوا ہے:

" وقال عبد الخالق بن منصور عن ابن معين: ثقة.....و وثقه عبد الله بن أحمد و ذكره ابن حبان في الثقات " (لسان المیزان ۱/ ۱۴۷، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۲۱ ت ۴۷۴ ز)

ایک کتاب سے جرح نقل کر کے اُسی کتاب میں جمہور کی توثیق چھپا لینا بہت بڑا دھوکا اور تلبیس ہے۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں، جن میں ظہور و نثار کے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں مثلاً:

نثار احمد نے لکھا ہے:

''مثلاً حضرت امام مسلم رحمہ اللہ صاحب صحیح مسلم نے مقدمہ مسلم میں اصولِ حدیث کے بیان اور رجالِ حدیث کی درجہ بندی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِذا جَاءَ الصَّوْفِيُّ فِي السَّنَدِ فَاغْسِلْ يَدَيْكَ۔

جب سندِ حدیث میں کوئی صوفی بزرگ آجائے تو اس سند سے ہاتھ دھو بیٹھ یعنی اس کا اعتبار نہ کرو۔'' (مقدمہ تلامذہ ص ۶۶)

مقدمہ صحیح مسلم میں ہمیں یہ عبارت نہیں ملی اور نہ کسی مستند کتاب میں امام مسلم رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ عبارت باسند صحیح و حسن ملی ہے، بلکہ نویں صدی ہجری تک کے کسی معتبر امام سے یہ عبارت نہیں ملی، لہٰذا نثار احمد کا مذکورہ بیان مقدمہ صحیح مسلم اور امام مسلم پر بہتان ہے۔

دوسرے یہ کہ تلبیس بھی ہے کیونکہ نثار احمد صاحب بذاتِ خود صوفی، ایک پیر کے مرید اور خانقاہ امدادیہ کے کرتا دھرتا ہیں، لہٰذا اگر صوفی نثار احمد صاحب کسی سند میں آجائیں تو کیا ہوگا؟! و ما علینا إلا البلاغ (۱۶/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۷/ جولائی ۲۰۱۲ء)

ظہور احمد حضروی کوثری اور موضوع روایات کی بھر مار

اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ کذاب اور متروک راویوں کی روایات بطورِ حجت و بطورِ استدلال بیان کرنا جائز نہیں، لیکن پھر بھی بہت سے بدنصیب اور غلط کار لوگ جھوٹی اور مردود روایات بطورِ جزم بیان کرتے رہتے ہیں، انھی میں سے ظہور احمد حضروی (ننھے کوثری) ہیں جن کی تحریرات موضوعات و اباطیل سے بھری پڑی ہیں۔

ان من گھڑت روایات کے خروارے (ڈھیر) سے دس (۱۰) روایتیں بطورِ نمونہ و مشتے از خروارے مع ردنیز برائے خیر خواہی پیشِ خدمت ہیں، تا کہ عام مسلمانوں کی اصلاح ہو اور ظہور و نثار دونوں بھی اپنے مرنے سے پہلے توبہ کرلیں:

۱) امام ابوحنیفہ کے بارے میں ظہور احمد نے بطورِ جزم لکھا ہے:

''آپ کے پوتے اسماعیل بن حماد (م ۲۱۲ھ) کا ہی بیان ہے:

أنا اسماعيل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن المرزبان من أبناء فارس الاحرار، و الله ما وقع علينا رق قط۔ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان (امام ابوحنیفہؒ) بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم فارسی النسل کے آزاد لوگوں میں سے ہیں۔ بخدا! ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا۔''

اس کے بعد ظہور احمد نے چودھویں صدی کے شبلی نعمانی تقلیدی (م ۱۳۳۲ھ) سے نقل کیا ہے کہ ''اسماعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے......''

(امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام ص ۲۵)

اسماعیل بن حماد ضعیف تھے یا مجروح، اس سے قطع نظر اُن کی طرف منسوب قول کا حوالہ دیتے ہوئے ظہور احمد نے تاریخ بغداد (۱۳/ ۳۲۷) تہذیب الکمال (۱۹/ ۱۰۵) تہذیب التہذیب (۵/ ۶۳۹) اور سیر اعلام النبلاء (۶/ ۵۳۱) کے نام لکھے ہیں۔ تہذیب

التہذیب میں تو یہ قول بلا سند ہے، البتہ تاریخ بغداد، تہذیب الکمال اور النبلاء میں اس کی سند درج ذیل ہے:

" مكرم بن أحمد القاضي: حدثنا أحمد بن عبيد الله بن شاذان المروزي قال: حدثني أبي عن جدي قال: سمعت إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة...."

احمد بن عبیداللہ (یا عبداللہ) اور اس کے والد دونوں نامعلوم (مجہول) ہیں اور نضر بن سلمہ عرف شاذان المروزی کذاب راوی تھا۔

امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: " كان يفتعل الحديث ولم يكن بصدوق " وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور سچا نہیں تھا۔

اسماعیل بن ابی اویس اور عبدالعزیز الاویسی دونوں اسے بہت برا سمجھتے تھے۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۴۸۰/۸)

حافظ ابن حبان نے فرمایا: " كان ممن يسرق الحديث، لا يحل الرواية عنه إلا للاعتبار. " وہ حدیثیں چوری کرتا تھا، اس سے روایت کرنا جائز نہیں، سوائے اعتبار (مختلف روایات، اسانید اکٹھی کر کے جانچنے) کے لئے۔

احمد بن محمد بن عبدالکریم الوزان نے فرمایا: " عرفنا كذبه....."

ہم نے اس کا جھوٹ معلوم کر لیا۔

انھوں نے مزید فرمایا: " فعلمنا أنه يضع الحديث " پس ہم نے جان لیا کہ وہ حدیثیں گھڑتا ہے۔ (المجروحین لابن حبان ۳/۵۱۔۵۲)

عبدان نے عباس العنبری سے شاذان کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے منہ کی طرف اشارہ کیا۔ ابن عدی نے فرمایا: " أراد أنـــه يـكـذب " ان کا مطلب ہے کہ وہ شاذان جھوٹ بولتا تھا۔ (الکامل لابن عدی ۷/۲۴۹۴، دوسرا نسخہ ۸/۲۷۱۔۲۷۲)

حافظ ابن عدی نے اس کے حافظے کے بارے میں طویل کلام کے بعد فرمایا: " وهو

ينسب إلى الضعف " اور وہ ضعف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (الکامل ۷/۲۴۹۵)

امام دارقطنی نے اسے الضعفاء والمتر وکون میں شمار کیا۔ (ص ۷۷ ت ۵۴۲)

حافظ ذہبی نے دیوان الضعفاء والمتر وکون میں ذکر کیا۔ (۲/۴۰۱ ت ۴۴۷۳)

امام ابوزرعہ الرازی نے اس کی روایت سننے کے بعد فرمایا:" راوي هذا الحديث مجنون، كم من كذاب يكون مجنونًا " اس حدیث کا راوی مجنون ہے، کتنے ہی جھوٹے مجنون ہوتے ہیں۔ (کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ۲/۴۰۳)

تنبیہ: یہ عبارت سعید بن عمرو البرذعی نے امام ابوزرعہ سے سنی تھی، جیسا کہ مذکورہ حوالے کے شروع میں صراحت ہے۔

جمہور کے نزدیک مجروح اور کذاب راوی کے بارے میں امام ابوعروبہ رحمہ اللہ کی تعریف مردود ہے۔

اس موضوع روایت کے برعکس عمر بن حماد بن ابی حنیفہ سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دادا ''زوطی'' کابل والوں میں سے تھے۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱، تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۴)

امام ابونعیم الکوفی رحمہ اللہ (م ۲۱۸ھ) نے فرمایا: ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی، آپ کی اصل کابل سے ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۴۔۳۲۵ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ فارس چوتھی اقلیم میں ہے اور کابل تیسری اقلیم میں ہے۔

(دیکھئے معجم البلدان ۴/۲۲۶، ۳/۴۲۶)

۲) ظہور احمد نے لکھا ہے: ''آپ کے دوسرے جلیل القدر شاگرد امام ابونعیم فضل بن دکینؒ (م ۲۱۹ھ) آپ کا حسن وجمال یوں بیان کرتے ہیں:

كان الامام ابو حنيفة حسن الوجه، حسن اللحية، حسن الثياب، حسن النعل، طيب الريح، حسن المجلس، هيوبا۔

امام ابوحنیفہؒ حسین چہرے، خوبصورت داڑھی، عمدہ کپڑے، اچھے جوتے، بہترین خوشبو، بھلی مجلس والے اور رُعب دار آدمی تھے۔''

(.....کا محمہ ثانہ مقام ص ۳۹ بحوالہ تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۳۱ وعقود الجمان ص ۴۳)

عقود الجمان میں یہ روایت بلا سند ہے اور دسویں صدی کے شافعی مولوی کی یہ کتاب بے سند اور باطل کتابوں میں سے ہے۔

تاریخ بغداد میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" اخبرنا التنوخي: حدثني أبي: حدثنا أبوبكر محمد بن حمدان بن الصباح النيسابوری بالبصرة : حدثنا أحمد بن الصلت بن المغلس الحماني قال: سمعت أبا نعيم يقول....." (۱۳/ ۳۳۰)

اس سند میں احمد بن مغلس الحمانی کذاب راوی ہے۔ اسے ابن عدی، ابن حبان، دارقطنی، ابن ابی الفوارس، حاکم اور ذہبی وغیرہم نے کذاب قرار دیا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: تلبیساتِ ظہور و نثار، فقرہ: ۱)

بلکہ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے اسے انتہائی کمزور اور جعل ساز راوی قرار دیا۔

(دیکھئے الکلام المفید ص ۲۲۵)

اس کذاب، انتہائی کمزور اور جعل ساز راوی کی روایت بیان کر کے ظہور و نثار دونوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ دونوں عدل و انصاف سے انتہائی دور ہیں، کذب نواز ہیں اور مسلمانوں کو جھوٹی روایات کے چکر میں پھنسانا چاہتے ہیں۔

تنبیہ: اس روایت کی باقی سند بھی مردود ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۵/ ۱۴۷، از محمد بن حمدان بن الصباح النیسابوری)

۴) ظہور احمد نے لکھا ہے:

"چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید (م ۱۹۳ھ) نے ایک دفعہ امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) سے درخواست کی کہ آپ میرے سامنے، امام ابوحنیفہ کے کچھ اوصاف بیان کیجیے۔

انہوں نے آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كان والله شديد الذب عن حرام الله، مجانبا لاهل الدنيا، طويل الصمت،

دائم الفكر لم [يكن] مهذرا ولا ثرثاراً، ان سئل عن مسئلة كان عنده منها علم اجاب فيها و ما علمته يا امير المومنين الاصائناً لنفسه و دينه مشتغلاً بنفسه عن الناس لا يذكر احدًا الاّ بخير۔

اللہ کی قسم! آپ حرام چیزوں سے بہت بچنے والے اور دنیا سے احتراز کرنے والے تھے۔ نہایت کم گو تھے اور ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔ زیادہ گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہاں! اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور آپ کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے (ورنہ خاموش رہتے)۔ امیر المؤمنین! یہاں تک میں جانتا ہوں، آپ اپنی ذات میں اور اپنے دین کی بہت حفاظت کرنے والے اور اپنے کو لوگوں کی برائی سے دور رکھنے والے تھے، اور جب کسی شخص کا تذکرہ کرتے تو صرف بھلائی کے ساتھ ہی کرتے تھے۔

ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا، **هذه اخلاق الصالحين.**

صالحین کے اخلاق اسی طرح ہوتے ہیں۔" (....محدثانہ مقام ص ۳۹، ۴۰ بحوالہ فضائل ابی حنیفہ لابن ابی العوام ص ۴۷ ومناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذھبی ص ۹)

مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی تو بے سند روایتوں کی ایک کتاب ہے اور ابن ابی العوام کی طرف منسوب کتاب فضائل ابی حنیفہ میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" ۱۳۔ حدثني أبي قال: حدثني أبيَ قال: حدثني محمد بن أحمد بن حماد قال: حدثني محمد بن المبارك قال: ثنا الحسن بن إسماعيل بن مجالد قال: سمعت أبي يقول........" (ص ۴۷)

اس سند کے راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: احمد بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن یحییٰ بن الحارث عرف ابن ابی العوام السعدی

اس کی کوئی توثیق محدثین کرام سے ثابت نہیں۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۳۲۰۔۳۲۱)

یہ شخص حاکم بامر اللہ مصری (رافضی) کا قاضی تھا۔ (دیکھئے الجواہر المضیہ ج۱ ص ۱۰۷)

حاکم بامر اللہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

عبیدی مصری رافضی بلکہ اسماعیلی زندیق، وہ رب ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ (النبلاء ۱۵/۱۷۳)

حافظ ذہبی نے مزید فرمایا:

وہ سرکش شیطان، متکبر، حق کا مخالف ہٹ دھرم، بڑے رنگ بدلنے والا، سفا کی سے (بے گناہوں کا خون بہانے والا) خبیث عقیدے والا....... اپنے زمانے کا فرعون تھا۔

(النبلاء ۱۵/۱۷۴)

اس فرعونِ وقت اور شیطان زندیق کے قاضی کی توثیق کہاں ہے؟!

۲: فرعونِ وقت کے قاضی ابن ابی العوام کا باپ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مجہول ہے۔

(مقالات ۴/۳۲۱۔۳۲۲)

عبدالقادر قرشی حنفی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس شخص کا تذکرہ آگے کرے گا، لیکن اس نے وعدہ خلافی کی اور آگے جا کر کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

ظہور وشار کو چاہئے کہ وہ اس قرشی کے وعدے کو خود زور لگا کر پورا کر لیں۔

۳: محمد بن عبداللہ کا باپ عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بھی مجہول ہے، اس کی کوئی توثیق نہیں ملی۔ (مقالات ۴/۳۲۲)

۴: محمد بن احمد بن حماد دولابی (تحقیق راجح میں) ضعیف ہے اور حسن بن اسماعیل بن مجالد کے حالات نہیں ملے۔

یاد رہے کہ اس سے حسن بن اسماعیل بن سلیمان بن مجالد مراد لینا صحیح نہیں، ورنہ اسماعیل بن سلیمان بن مجالد کے حالات پیش کرنا ہوں گے۔

مختصر یہ کہ یہ روایت فرعونِ وقت کے قاضی، اس کے باپ اور دادا کی وجہ سے موضوع ہے اور حافظ ذہبی کا مناقب میں اسے بے سند لکھ دینا اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں۔ ابوالوفاء الافغانی نے اس روایت کا ایک شاہد بھی تلاش کر لیا ہے، لیکن اس کی سند میں احمد بن محمد الحمانی کذاب ہے۔

۷) ظہور احمد نے لکھا ہے:

''امام ثوریؒ نے فرمایا: هو والله اعقل من ان يسلط على حسناته ما يذهب بها۔ اللہ کی قسم! امام ابوحنیفہؒ بڑے عقل مند ہیں، وہ غیبت کر کے اپنی نیکیوں پر وہ چیز مسلط نہیں ہونے دیتے جو نیکیوں کو برباد کردے۔'' (محدثانہ مقام ص ۴۰ بحوالہ تاریخ بغداد ۱۳/۳۶۱)

تاریخ بغداد میں اس روایت کی سند کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

" مكرم بن أحمد: حدثنا أحمد بن عطية : قال: حدثنا يحيى الحماني قال: سمعت ابن المبارك يقول...." (ج ۱۳ ص ۳۶۳)

اس سند میں یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی سخت مجروح ہے اور بوصیری نے فرمایا: " وضعفه الجمهور " اور جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(اتحاف الخیرۃ المھرۃ ج ۹ ص ۴۹۶ ح ۹۴۳۳)

یحییٰ الحمانی سے اس قول کا راوی احمد بن محمد الحمانی یعنی ابن عطیہ مشہور کذاب ہے، جس کا تذکرہ اس مضمون کے شروع میں گزر چکا ہے۔

مکرم بن احمد کے بارے میں عرض ہے کہ ثقہ امام ابوالقاسم الازہری رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ (امام) ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی سے میری موجودگی میں مکرم بن احمد کی (کتاب) فضائلِ ابی حنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"موضوع كله كذب، وضعه أحمد بن المغلس الحماني قرابة جبارة و كان في الشرقية " موضوع ہے، یہ ساری (کتاب) جھوٹ ہے، اسے جبارہ کے رشتے دار احمد بن مغلس الحمانی نے گھڑا تھا اور یہ شخص (بغداد کے محلے)) شرقیہ میں رہتا تھا۔

(تاریخ بغداد ۴/۲۰۹ ت ۱۸۹۶، وسندہ صحیح)

محمد بن عمران المرزبانی (ضعیف) راوی کا ظہور احمد نے دفاع کیا ہے اور سات محدثین سے اس کی توثیق نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ (دیکھئے تلامذہ ص ۳۲۲۔۳۲۳ حاشیہ)

لہٰذا عرض ہے کہ خطیب بغدادی نے صحیح سند کے ساتھ مرزبانی سے نقل کیا، اس نے عبدالباقی بن قانع (بغدادی حنفی، ضعیف) سے نقل کیا کہ شرقیہ میں رہنے والا ابن الصلت

"لیس بثقة" ثقہ نہیں۔ (تاریخ بغداد ۴۱/۲۰۹)

ظہور احمد کے اصول سے اس صحیح حوالے اور حنفی عالم کی جرح کے بعد بھی ابن الصلت الحمانی کی روایات سے استدلال ظہور و نثار جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

۵) ظہور احمد نے لکھا ہے:

"حافظ الحدیث امام علی بن عاصم الواسطیؒ (م ۲۱۰ھ) کا بیان ہے:

لو وزن عقل ابی حنیفة بعقل نصف اهل الارض لرجح بهم۔

اگر امام ابوحنیفہؒ کی عقل کا موازنہ نصف اہل زمین کی عقلوں سے کیا جائے تو پھر بھی آپ کی عقل ان سب پر بھاری ہو جائے۔"

(محدثانہ مقام ص ۱۴۱، بحوالہ اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۴۲ و سیر اعلام النبلاء ۶/۵۳۷)

سیر اعلام النبلاء میں یہ قول بے سند ہے، لیکن اخبار ابی حنیفہ (۳۰) اور تاریخ بغداد (۱۳/۳۶۳) میں محمد بن شجاع (الثلجی) کی سند سے یہ قول موجود ہے۔

محمد بن شجاع الثلجی کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا: وہ تشبیہ کے بارے میں حدیثیں گھڑتا تھا۔ امام عبیداللہ بن عمر بن میسرہ القواریری رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے دس دن پہلے اس ابن الثلجی کے بارے میں فرمایا: وہ کافر ہے۔

حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی دونوں نے اسے متروک قرار دیا اور دیگر محدثین نے بھی جرح کی۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۳۶۳)

ایسے کذاب راوی کی روایت پیش کر کے ظہور و نثار نے اپنی "علمی" ٹوکری لوگوں کے سامنے کھول کر بلکہ الٹ کر رکھ دی ہے۔ سبحان اللہ!

۶) ظہور احمد نے لکھا ہے کہ امام شعبی نے آپ (امام ابوحنیفہ) کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "تم غفلت نہ کرو اور علم کی طرف پوری توجہ دو اور علماء کی صحبت میں ضرور بیٹھا کرو کیونکہ مجھے تم میں علمی قابلیت اور بیداری نظر آ رہی ہے۔"

ظہور احمد نے مزید لکھا ہے:

''امام صاحبؒ فرماتے ہیں:.........امام شعبیؒ کی اس بات نے میرے دل میں گہرا اثر کیا اور میں نے بازار میں جانا چھوڑ دیا اور پوری طرح تحصیل علم میں لگ گیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے مجھے فائدہ پہنچایا۔''

(محدثانہ مقام ص ۱۴۲، بحوالہ مناقب ابی حنیفہ للموفق المکی وعقود الجمان ص ۱۶۰۔۱۶۱)

عقود الجمان تو بے سند ہے اور موفق المکی (ساقط العدالت) کی کتاب میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" و به قال (أبو محمد عبد الله بن محمد الحارثي) انبأ زيد بن يحيٰي الفقيه البلخي: انبأ يحيٰي بن موسى: سمعت يحيٰي بن أبي بكير يقول: كان أبو حنيفة يقول....." (ج ۱ ص ۵۹)

اس سند کا بنیادی راوی ابو محمد الحارثی کذاب ہے۔ اسے ابو احمد الحافظ اور حاکم وغیرہما نے کذاب قرار دیا ہے، نیز جمہور محدثین نے جرح کی ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے الحدیث: ۹۴ ص ۷۷۔۸۶)

نیز زید بن یحییٰ الفقیہ البلخی کے حالات نامعلوم ہیں۔

۷) ظہور احمد نے لکھا ہے:

''چنانچہ امام صیمریؒ (م ۴۳۶ھ) نے حضرت عطاءؒ کی مجلس کے حاضر باش حارث بن عبد الرحمٰنؒ (م ۱۴۶ھ) سے ان کا بیان نقل کیا ہے کہ:

كنا عند عطاء بعضنا خلف بعض، فاذا جاء ابو حنيفة اوسع له و ادناه .

ہم حضرت عطاء کے حلقہ درس میں ایک دوسرے کے پیچھے صفیں بنا کر بیٹھے ہوتے تھے، جب امام ابو حنیفہؒ آجاتے تو حضرت عطاءؒ آپ کے لیے جگہ بنواتے اور اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔'' (محدثانہ مقام ص ۱۸۳ بحوالہ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۸۹)

مناقب الصیمری میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" أخبرنا عبدالله بن محمد قال: ثنا مكرم: ثنا عبد الصمد بن عبيد الله عن

عبد اللّٰه بن محمد بن نوح قال: ثنا حفص بن يحيى قال: ثنا محمدِ بن أبان عن الحارث بن عبد الرحمٰن ...." (ص ۸۳)

اس روایت کا پہلا راوی عبداللہ بن محمد بن ابراہیم الحلوانی ابوالقاسم ابن الثلاج الشاهد ہے، جس کے بارے میں امام ازھری رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان يضع الحديث"

وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۱۰/ ۱۳۷ ت ۵۲۷۷، لسان المیزان ۳/ ۳۵۰)

اسے ابوالفتح ابن ابی الفوارس نے بھی کذاب قرار دیا اور حمزہ بن یوسف السہمی نے فرمایا:

"كان معروفًا بالضعف، سمعت أبا الحسن الدارقطني وجماعة من حفاظ بغداد يتكلمون فيه و يتهمونه بوضع الأحاديث و ترتيب الأسانيد"

وہ ضعف کے ساتھ مشہور تھا، میں نے ابوالحسن الدارقطنی اور بغداد کے حفاظِ حدیث کی ایک جماعت سے سنا، وہ اس پر کلام کرتے تھے اور اسے اسانید و احادیث گھڑنے کا متہم قرار دیتے تھے۔ (سوالات حمزہ السہمی للدارقطنی: ۳۲۹)

اس کذاب کے استاد مکرم القاضی کی کتاب ساری کی ساری جھوٹ کا پلندا ہے، جیسا کہ فقرہ نمبر ۴ کے تحت امام دارقطنی رحمہ اللہ کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

اس سند کے باقی چار راوی درج ذیل ہیں:

۱: عبدالصمد بن عبیداللہ (نامعلوم)

۲: عبداللہ بن محمد بن نوح (نامعلوم)

۳: حفص بن یحییٰ (نامعلوم)

۴: محمد بن ابان (نامعلوم)

ان چاروں کی توثیق مطلوب ہے۔

ایسی ظلمات قسم کی موضوع روایات کے بل بوتے پر ظہور و نثار سیاہ کو سفید اور رات کو دن ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

۸) ظہور احمد کوثری دیوبندی نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی توہین کرنے کے لئے ثقہ

امام ابو عاصم النبیل رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا کہ ان سے کسی نے پوچھا: امام سفیان ثوری بڑے فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ؟ انہوں نے جواب دیا:

''کسی بھی چیز کا موازنہ اس کی ہم مثل چیز سے کیا جاتا ہے، امام ابو حنیفہؒ تو پورے فقیہ ہیں، جبکہ سفیان ثوری بہ تکلف فقیہ ہیں۔'' (محدثانہ مقام ص ۲۵۸ بحوالہ تاریخ بغداد ۱۳/۳۴۲)

تاریخ بغداد (۱۳/۳۴۳) میں اس روایت کی سند میں احمد بن محمد بن مغلس یعنی ابن الصلت ہے، جو کہ مشہور کذاب تھا۔ (دیکھئے یہی مضمون فقرہ نمبر ۲)

۹) ظہور احمد نے ایک ضعیف عندالجمہور راوی قیس بن ربیع سے امام صاحب کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ''امام ابو حنیفہؒ اپنا سامانِ تجارت بغداد بھیجتے اور اس سے جو رقم حاصل ہوتی اس سے دیگر سامان خرید کر کوفہ لاتے۔ پھر اس سامان کو بیچ کر اس سے پورا سال جو نفع حاصل ہوتا اُس سے محدثین شیوخ کے لیے خوراک، لباس اور دیگر ضروری اشیاء خرید کر اُن کی طرف بھیجتے۔ باقی جو رقم بچ جاتی وہ بھی ان کو دے دیتے اور ان سے فرماتے، اس کو اپنی ضروریات میں خرچ کرو اور صرف اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرو، کیونکہ میں نے اپنی طرف سے تم کو کچھ نہیں دیا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے میرے اوپر فضل فرمایا ہے۔''

(محدثانہ مقام ص ۱۷ بحوالہ تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۵۸)

اس روایت کی سند میں احمد بن محمد الحمانی ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۶۰)

اور یہ ابن الصلت الحمانی مشہور کذاب اور وضاع تھا۔ (دیکھئے یہی مضمون، فقرہ سابقہ: ۲)

۱۰) ظہور احمد نے جمہور محدثین کے نزدیک مجروح، نیز متروک راوی عباد بن صہیب البصری سے نقل کیا ہے کہ محمد بن شجاع الثلجی نے اس سے کہا: آپ کے پاس امام ابو حنیفہ کی فقہ سے متعلق جو روایات ہیں وہ مجھ سے بیان کریں۔ انہوں (یعنی اُس) نے جواب میں فرمایا: ''میرے پاس امام ابو حنیفہؒ کی فقہی روایات کا صندوق بھرا ہوا موجود ہے، لیکن اس میں سے میں آپ کو کچھ نہیں سناؤں گا، البتہ امام ابو حنیفہؒ کی روایات کردہ احادیث آپ مجھ سے جس قدر سننا چاہتے ہیں، وہ میں بیان کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

(محدثانہ مقام ص ۳۰۰ بحوالہ فضائل ابی حنیفہ ص ۸۵ والجواہر المضیہ ۱/ ۲۶۷۔۲۶۸)

الجواہر المضیہ اور فضائل ابی حنیفہ (دونوں کتابوں) میں اس استوری کا راوی محمد بن شجاع الثلجی ہے جو کہ بہت بڑا کذاب تھا۔ (دیکھئے یہی مضمون، فقرہ نمبر ۵)

صاحبِ جواہر نے اسے حنفیہ کے ایک امام احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی سے نقل کیا ہے، حالانکہ طحاوی کی کسی کتاب میں یہ روایت موجود نہیں بلکہ فرعونِ مصر اور کافر زندیق حاکم بامر اللہ العبیدی کے قاضی (مجہول) کی مجہول سند والی کتاب میں یہ روایت بحوالہ طحاوی لکھی ہوئی ہے اور امام طحاوی تو اس موضوع روایت سے بری ہیں۔

یہاں ظہور احمد کی ایک بہت بڑی دوغلی پالیسی اور دورُخی کی وضاحت بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ظہور احمد نے عباد بن صہیب (متروک) کے بارے میں لکھا ہے:

''جو کہ بقول امام یحییٰ بن معینؒ، ابو عاصم نبیلؒ سے زیادہ پختہ کار محدث تھے''

(محدثانہ مقام ص ۳۰۰ بحوالہ لسان المیزان ۳/ ۲۸۰)

لسان المیزان (۳/ ۲۳۱، دوسرا نسخہ ۳/ ٦٦٨) اور الکامل لابن عدی (۴/ ۱۶۵۲، دوسرا نسخہ ۵/ ۵۵۷) میں اس روایت کی سند یہ ہے: '' ابن ابی داود: ثنا یحیی بن عبد الرحیم (الأعمش) قال: سمعت یحیی بن معین''

اس روایت کے پہلے راوی امام ابو بکر عبد اللہ بن ابی داود السجستانی رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث وحسن الحدیث راوی ہیں، لیکن ظہور احمد نے اپنی دوسری کتاب: ''تلامذہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام'' میں انھیں شدید جرح کا نشانہ بنایا ہے۔

ایک اہل حدیث عالم (مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ) کی ایک غلطی کو بنیاد بنا کر ظہور احمد نے لکھا ہے:

''اس قول کی سند میں ایک راوی امام ابو داودؒ کا بیٹا ابو بکر عبد اللہ بن ابی داودؒ باقرار مقلدین خود اپنے والد امام ابو داودؒ کے نزدیک کذاب اور کثیر الخطاء ہے، چنانچہ امام ابو داود صاحب

السنن فرماتے ہیں...... میرا بیٹا عبداللہ کذاب (بہت بڑا جھوٹا) ہے۔'' (تلامذہ ص۵۰۱)
حالانکہ امام ابوداود کی طرف منسوب یہ جرح قطعاً ثابت نہیں۔ (دیکھئے مقالات ۴/ ۳۷۹۔۳۸۰)
مولانا اثری کی اجتہادی خطا کو تمام اہل حدیث کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے۔
عرض ہے کہ حسن بن زیاد کذاب پر جرح میں ظہور صاحب نے ابن ابی داود پر شدید جرح کی اور ان پر کذاب کا غیر ثابت فتویٰ بھی لگا دیا اور جب یہ راوی ان کی اپنی مرضی والی روایت میں آئے تو آنکھیں بند کر کے ان کی روایت سے استدلال کر لیا۔
اسے دوغلی پالیسی اور دورُخی نہ کہیں تو کیا کہیں؟!
تنبیہ اول: یحییٰ بن عبدالرحیم کا تعین اور توثیق بھی مطلوب ہے۔
تنبیہ دوم: امام ابن ابی داود پر ظہور احمد کی نیش زنی کے جواب کے لئے دیکھئے'' جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راویوں پر ظہور احمد کی جرح'' (فقرہ نمبر ۶)
قارئین کرام! ظہور ونثار کی ٹوکری سے یہ دس (۱۰) موضوع روایتیں بطورِ نمونہ و مشتے از خروارے پیش کی گئی ہیں، ورنہ ان کی کتابوں میں بہت سی بے سند اور مردود روایتیں موجود ہیں، مثلاً:
۱: ''تمام شہروں اور ان پر بسنے والے لوگوں کو امام المسلمین (مسلمانوں کے امام) ابو حنیفہؒ نے زینت بخشی ہے۔'' (محدثانہ مقام ص ۳۶ بحوالہ تبییض الصحیفہ للسیوطی ص ۱۲۷)
تبییض الصحیفہ (ص ۱۱۴) النجوم الزاہرہ لابن تغری بردی (۲/ ۱۵) میں یہ روایت بے سند ہے، لیکن اخبار الصیمری (ص ۸۵) میں اس کی سند موجود ہے، جس میں اسحاق بن ابراہیم بن مقراض اور سوید بن سعید المروزی دونوں مجہول ہیں (یہ سوید المروزی صحیح مسلم کا راوی نہیں) اور احمد بن محمد المنصوری غیر موثق (مجہول الحال) ہے۔
۲: ''امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ میں فقہ، علم اور ورع، ہر اعتبار سے امام الدنیا تھے۔''
(محدثانہ مقام ص ۳۷ بحوالہ الانتقاء ص ۱۶۷)
سخت ضعیف و متروک راوی ابو مقاتل حفص بن سلم السمرقندی (دیکھئے مقالات

۳/۳۶۴۔۳۶۷) کی طرف منسوب اس روایت کی سند میں ابو یعقوب یوسف بن احمد مجہول ہے اور ابو عبداللہ محمد بن حزام الفقیہ، حزام الفقیہ اور محمد بن یزید کے حالات کی تلاش جاری ہے۔

۳: بہت سی بے سند روایتوں سے بھی ظہور احمد نے استدلال کیا ہے، مثلاً:

☆ ظہور احمد نے حافظ ذہبی کی چھتری تلے ابو معاویہ الضریر رحمہ اللہ سے منسوب کیا ہے:

''امام ابو حنیفہؒ سے محبت کرنا سنت ہے۔'' (محدثانہ مقام ص ۵۱ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۶/۵۳۶)

النبلاء (۶/۴۰۱) اور تاریخ الاسلام للذہبی (۹/۳۱۰) میں یہ قول بالکل بے سند ہے اور کسی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں ملی۔

☆ ظہور احمد نے بذریعہ حافظ ذہبی امام حفص بن غیاث رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''امام ابو حنیفہؒ کا کلام فقہ میں بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ اس میں عیب نکالنے والا صرف جاہل ہی ہوسکتا ہے۔'' (محدثانہ مقام ص ۲۴۷ بحوالہ النبلاء ۶/۵۳۷)

سیر اعلام النبلاء (۶/۴۰۳) میں یہ قول بالکل بے سند ہے اور کسی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں ملی۔

آخر میں عرض ہے کہ ممکن ہے ظہور و نثار دونوں یہ پروپیگنڈا کریں کہ اہلِ حدیث کو امام ابو حنیفہ کے فضائل و مناقب پسند نہیں ہیں تو عرض ہے کہ یہ بات ہرگز نہیں، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ احادیثِ رسول ہوں یا آثارِ صحابہ و تابعین، امام ابو حنیفہ کا معاملہ ہو یا امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام بخاری کا تذکرہ ہو، صرف صحیح و حسن لذاتہ روایات پیش کرنی چاہئیں اور ضعیف، مردود و بے سند روایات سے کلیتاً اجتناب کرنا چاہئے۔

ہماری نہ تو امام ابو حنیفہ سے کوئی دشمنی ہے اور نہ امام بخاری کا اندھا دھند دفاع مقصود ہے بلکہ ہمارا صرف ایک ہی مقصد و منہج ہے کہ صحیح روایات سے استدلال اور ضعیف روایات کا رد۔

ہم آلِ دیوبند کی طرح متعصب نہیں کہ جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق راویوں مثلاً عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، احمد بن جمیل المروزی، احمد بن علی بن مسلم الابار (ثقہ

بالاجماع) ہیثم بن خلف الدوری اور عبداللہ بن ابی داود السجستانی وغیرہم پر جرح شروع کر دیں اور جمہور کے نزدیک یا بالاجماع مجروح راوی مثلاً احمد ابن الصلت الحمانی، ابو محمد الحارثی، محمد بن شجاع الثلجی اور حسن بن زیاد اللؤلوی وغیرہم کی توثیق ثابت کرنا شروع کر دیں، بلکہ ہمارا منہج روشن اور واضح ہے اور وہ ہے:

تعارض کے وقت جمہور محدثین کو ہمیشہ ترجیح

اور اسی پر ہمارا عمل ہے اور اگر اس کے خلاف ہماری کوئی تحریر غلطی سے لکھی گئی ہے تو ہم اس سے علانیہ رجوع کرتے ہیں اور توبہ کا اعلان کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے جو فضائل صحیح سندوں سے ثابت ہیں، وہ بیان کریں مثلاً:

۱: امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے فرمایا: " أدركت الناس فما رأيت أحدًا أعقل ولا أفضل ولا أورع من أبي حنيفة ." میں نے لوگوں کو دیکھا تو ابوحنیفہ سے زیادہ عقل والا، افضل اور پرہیزگار کوئی نہیں دیکھا۔ (تہذیب الکمال قلمی ج ۳ ص ۱۴۱۷)

اس قول کی سند صحیح ہے۔

۲: امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ پر رحم کرے، وہ امام تھے۔

(الانتقاء لابن عبدالبر ص ۳۲)

اس قول کی سند حسن لذاتہ ہے۔

ہمارے ہاں کسی قسم کے تعصب یا جانبداری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بلکہ ہم اصولِ حدیث کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے اسماء الرجال میں ترجیح الجمہور پر ہمیشہ قائم و دائم ہیں اور یہی ہمارا منہج ہے۔ والحمد للہ

ظہور و نثار کی "خدمات کوثریہ" میں عرض ہے کہ ثقہ راویوں کو ضعیف و مجروح اور ضعیف و مجروح راویوں کو ثقہ و صدوق ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں اور مرنے سے پہلے توبہ کر لیں، ورنہ جان لیں کہ روزِ حساب قریب ہے۔ ان شاء اللہ

(۱۲/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۲/ جولائی ۲۰۱۲ء)

ظہور احمد دیوبندی کا ایک بہت بڑا جھوٹ

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوة والسّلام على رسوله الأمين ، أما بعد:

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جھوٹ بولنا حرام ہے، کبیرہ گناہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ صرف وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں، جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ (دیکھئے سورۃ النحل:۱۰۵)

رسول اللہ ﷺ نے منافق کی ایک نشانی یہ بتائی ہے کہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۶۰۹۵، صحیح مسلم:۱۰۷/۵۹)

ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا، جس کی باچھیں چیری جارہی تھیں۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۱۳۸۶)

یہ عذاب اس لئے ہو رہا تھا کہ وہ شخص جھوٹ بولتا تھا۔

دو جلیل القدر صحابیوں سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مومن کی طبیعت میں ہر عادت ہو سکتی ہے، لیکن خیانت اور جھوٹ نہیں ہو سکتا۔

(کتاب الایمان لابن ابی شیبہ: ۸۰۔۸۱ وسندہ صحیح)

ان تمام وعیدوں کے باوجود بہت سے بدنصیب لوگ دن رات جھوٹ بولتے رہتے ہیں اور انھیں آخرت کے عذاب سے ذرا بھی ڈر نہیں لگتا۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے: سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو بتایا کہ میں نے رمضان میں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائے، تو نبی ﷺ نے کوئی رد نہیں فرمایا بلکہ سکوت کیا، پس یہ سنت رضا مندی بن گئی۔ (مسند ابی یعلیٰ ج ۳ ص ۳۳۶ ح ۱۸۰۱، المعجم الاوسط للطبرانی ۴/ ۴۴۰۔۴۴۱ ح ۳۷۴۳، مجمع الزوائد ۲/ ۷۴ وقال: وإسناده حسن)

اس حسن لذاتہ حدیث کے بارے میں نثار احمد حضروی کے چہیتے ظہور احمد دیوبندی

نے لکھا ہے: ''اس حدیث کی سند بھی وہی ہے جو سابقہ حدیث کی تھی اور اس میں بھی تینوں ضعیف راوی (عیسیٰ بن جاریہ، یعقوب قمی اور محمد بن حمید رازی) موجود ہیں، بلکہ آخرالذکر راوی کو متعدد اماموں نے کذاب اور وضاع قرار دیا ہے۔''

(رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ طبع مئی ۲۰۱۲ء ص ۲۴۷، طبع جنوری ۲۰۰۷ء ص ۲۳۹)

اور اس سے دو صفحے پہلے ظہور احمد نے ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

''اگرچہ صحیح ابن خزیمہ وغیرہ کتب حدیث میں اس روایت کو ابن حمید رازی کے علاوہ دیگر راویوں نے بھی یعقوب قمی سے نقل کیا ہے لیکن مابعد آنے والی روایت جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس روایت کو نقل کرنے میں محمد بن حمید الرازی متفرد ہے۔''

(رکعاتِ تراویح طبع جدید ص ۲۴۵، طبع قدیم ص ۲۳۷)

اس عبارت میں ظہور احمد نے صریح جھوٹ بولا ہے، کیونکہ مابعد آنے والی حدیث بحوالہ مسند ابی یعلیٰ والمعجم الاوسط للطبرانی منقول ہے اور دونوں کتابوں میں اس حدیث کی سندوں میں محمد بن حمید راوی کا نام و نشان تک نہیں۔

۱: مسند ابی یعلیٰ کی سند یہ ہے: "حدثنا عبد الأعلٰی : حدثنا یعقوب عن عیسی بن جاریة :حدثنا جابر بن عبد اللّٰه ..." (ح ۱۸۰۱)

اس سند سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے، لہٰذا اس سند پر بعض الناس کی طرف سے انقطاع کا اعتراض باطل ہے۔

۲: الاوسط للطبرانی کی سند درج ذیل ہے:

"حدثنا عثمان بن عبید اللّٰه الطلحي قال: حدثنا جعفر بن حمید قال : حدثنا یعقوب القمي عن عیسی بن جاریة عن جابر ..."(ح ۴۷۴۳)

عبدالاعلیٰ بن حماد النرسی اور جعفر بن حمید الکوفی دونوں ثقہ وصدوق ہیں، اور ان دونوں سندوں میں محمد بن حمید الرازی موجود نہیں، لہٰذا ظہور احمد کی مذکورہ عبارتیں دروغ بے فروغ ہیں اور یاد رہے کہ جعفر بن حمید الکوفی اور محمد بن حمید الرازی دو علیحدہ علیحدہ شخص ہیں۔

ظہور ونثار کے کالے جھوٹ کا قلع قمع کرنے کے بعد چار اہم باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: عیسیٰ بن جاریہ اور یعقوب بن عبداللہ القمی ضعیف نہیں، بلکہ دونوں جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں۔

(دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۱ ص ۵۲۵۔۵۳۲، تعداد رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۹۔۲۰)

۲: یہ بات حق ہے کہ محمد بن حمید الرازی البغدادی پر جمہور محدثین کرام نے جرح کی ہے، لہٰذا اہلِ حدیث کے نزدیک جمہور کو ہمیشہ ترجیح ہونے کی وجہ سے محمد بن حمید الرازی ضعیف و مجروح راوی ہے، لیکن آلِ دیوبند کے قافلۂ باطل میں لکھا ہوا ہے کہ ''ابن حمید ثقہ ہے''

(جلد ۵ شمارہ نمبر ۱ ص ۵۵)

لہٰذا آلِ دیوبند کو چاہئے کہ وہ اپنی مرضی والی روایت میں محمد بن حمید کو ثقہ کہنا اور مرضی کے خلاف روایت میں اسے ہی کذاب و مجروح کہنا چھوڑ دیں۔

یہ دوغلی اور دورُخی والی پالیسی وہ کب تک اپناتے رہیں گے؟!!

۳: آلِ دیوبند کے ظفر احمد تھانوی کا ایک اصول ہے کہ ''وكذا إذا كان الراوي مختلفًا فيه: وثقه بعضهم و ضعفه بعضهم فهو حسن الحديث''

اور اسی طرح جب راوی مختلف فیہ ہو، بعض نے اسے ثقہ کہا ہو اور بعض نے اسے ضعیف قرار دیا ہو تو وہ حسن الحدیث ہوتا ہے۔ (اعلاء السنن ۱۹/۲۷، قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۶)

۴: چونکہ آلِ دیوبند نے بھی تسلیم کر رکھا ہے کہ آٹھ رکعات تراویح والی حدیث کو محمد بن حمید کے علاوہ دیگر راویوں نے بھی یعقوب قمی سے نقل کیا ہے، لہٰذا ان لوگوں کا عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے محمد بن حمید پر جرحیں نقل کرنا باطل و مردود ہے، نیز تلبیس بھی ہے۔

چونکہ عیسیٰ بن جاریہ اور یعقوب بن عبداللہ القمی دونوں مختلف فیہ راوی ہیں (اور جمہور محدثین نے بھی ان کی توثیق کر رکھی ہے) لہٰذا ظہور و نثار کا مسند ابی یعلیٰ اور الاوسط للطبرانی کی حدیث مذکور پر جرح کرنا باطل ہے اور دیوبندی اصول کی رُو سے بھی یہ حدیث حسن لذاتہ یعنی حجت ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۸/ شعبان ۱۴۳۳ھ ۲۹/ جون ۲۰۱۲ء)

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے!

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوة والسّلام على رسوله الأمين ، أما بعد:

ایک روایت میں آیا ہے کہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی ایک مجلس میں امام مالک نے قاضی ابو یوسف کی طرف دیکھا تک نہیں اور پھر قاضی صاحب نے امام صاحب سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا: اے فلان! اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں باطل لوگوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں تو وہاں آکر مجھ سے (مسئلے) پوچھنا۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/۴۴۱ وسندہ صحیح)

اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے نثار احمد حضروی اور آلِ دیوبند کے چہیتے ظہور احمد نے لکھا ہے: ''اس قول کی سند کو صحیح کہنا علی زئی کا دھوکا ہے، اس لیے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن احمد بن شبویہ کے متعلق سوائے امام ابن حبانؒ کے کسی کی توثیق معلوم نہیں ہے، اور...'' (تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام ص۲۰۵)

امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن محمد بن ثابت بن مسعود بن یزید المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۵ھ) سے بہت سے ثقہ اماموں نے احادیث بیان کی ہیں اور امام دارقطنی نے فرمایا: ''وهو مشهور'' اور وہ مشہور ہیں۔ (المؤتلف والمختلف ۳/۱۳۱۷)

حاکم نیشاپوری، خطیب بغدادی اور سمعانی تینوں نے فرمایا: اہلِ حدیث کے اماموں میں سے ہیں۔ (مختصر تاریخ نیشاپور ۱/۴۸ رقم ۸۹۵ شاملہ، تاریخ بغداد ۹/۳۷۱ ت ۴۹۴۶، الانساب ۳/۳۹۸)

ابن ابی حاتم نے فرمایا: ''حافظ حديث الزهري و مالك'' آپ (امام) مالک اور (امام) زہری کی حدیثوں کے حافظ ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۵/۶)

حافظ ابن الجوزی نے فرمایا: ''من أئمة الحديث الفضلاء الراسخين'' حدیث کے فاضل راسخ اماموں میں سے ہیں۔ (المنتظم ۱۲/۲۷۰)

ان سے امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے روایات بیان کیں۔ (مثلاً دیکھئے السنۃ: ۲۱۶)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے ایک راوی کے بارے میں لکھا ہے: "وقد تقدم أن عبداللّٰہ كان لا يكتب إلا عن ثقة عند أبيه" اور یہ گزر چکا ہے کہ عبداللہ (بن احمد بن حنبل) صرف اسی (راوی) سے حدیث لکھتے تھے جو اُن کے والد (امام احمد بن حنبل) کے نزدیک ثقہ ہوتا تھا۔ (تعجیل المنفعہ ج ۱ ص ۲۶۵ ترجمہ: ابراہیم بن ابی العباس ابراہیم بن محمد)

یعنی امام احمد کے نزدیک امام ابوالحسن ابن شبویہ المروزی ثقہ تھے۔

حافظ ضیاء المقدسی نے ابن شبویہ المروزی سے اپنی مشہور کتاب: المختارہ میں حدیث بیان کی۔ (دیکھئے المختارہ ج ۱۰ ص ۲۷۴ ح ۱۷۱، وسندہ صحیح)

ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات (۳۶۶/۸) میں ذکر کر کے فرمایا: "مستقيم الحديث"

حافظ ذہبی نے کہا: "الحافظ" (تاریخ الاسلام ۷۳/۱۹ ت ۲۶۹)

حافظ ابوسعد الادریسی (ف ۴۰۵ھ) نے فرمایا: "كان من أفاضل الناس ، ممن له الرحلة في طالب العلم" آپ افضل لوگوں میں سے تھے، ان میں سے تھے جنھوں نے علم حاصل کرنے کے لئے سفر کئے۔ (تاریخ بغداد ۳۷۱/۹)

حافظ ابن حبان، حافظ ضیاء المقدسی اور امام احمد بن حنبل کی توثیق اور حاکم نیشاپوری، ابوسعد الادریسی، خطیب بغدادی، سمعانی اور ابن الجوزی کی تعریف کے بعد بھی ظہور ونثار کا یہ کہنا کہ "سوائے ابن حبانؒ کے کسی کی توثیق معلوم نہیں ہے" بہت ہی غلط، باطل اور مردود ہے۔

ہمارے علم کے مطابق کسی ایک محدث نے بھی امام ابن شبویہ پر کوئی جرح نہیں کی، لہٰذا ظہور احمد کا یہ کہنا "اس قول کی سند کو صحیح کہنا علی زئی کا دھوکا ہے" باطل، جھوٹ اور مردود ہے۔

عجیب دیوبندی انصاف ہے کہ حسن بن زیاد جیسے کذاب اور ابن فرقد جیسے ضعیف ومجروح عندالجمہور راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش میں جُتے ہوئے ہیں اور امام ابوالحسن ابن شبویہ جن پر کوئی جرح نہیں اور جنھیں حافظ ضیاء مقدسی وحافظ ابن حبان وغیرہما نے ثقہ قرار دیا ہے، کو غیر صحیح الحدیث یعنی ضعیف ومجروح ثابت کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔!!

(۸/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۹/ جون ۲۰۱۲ء)

ظہور احمد کی دس (۱۰) دورُخیاں اور دوغلی پالیسیاں

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

مشہور ثقہ تابعی اور اہلِ حدیث عالم امام سلیمان بن طرخان التیمی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۳ھ) نے فرمایا: ''كان بالكوفة كذابان أحدهما الكلبي'' کوفے میں دو کذاب تھے، ان میں سے ایک کلبی ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۷ص ۲۷۰ وسندہ صحیح)

اسی طرح حضرو میں دو حیاتی دیوبندیوں کا ظہور ہوا ہے، ایک کا نام نثار احمد ہے اور دوسرے کا نام ظہور احمد ہے۔ جرح و تعدیل یعنی اسماء الرجال کے لحاظ سے ایک کذاب ہے تو دوسرا متروک ہے۔ (نیز دیکھئے سیف الجبار فی الرد علیٰ ظہور و نثار)

ظہور احمد دیوبندی (ننھے کوثری) نے ایک کتاب لکھی ہے: ''تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام'' اور نثار احمد افترا پرداز نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے، لہٰذا ظہور و نثار دونوں اس کتاب کے ذمہ دار ہیں۔

نثار احمد نے اس مقدمے میں اکاذیب، افتراءات، تلبیسات اور تدلیسات کے ساتھ ساتھ راقم الحروف کے بارے میں لکھا ہے: ''اوائل جوانی میں اپنے گھر کی ''مودودی جماعت اسلامی'' کے بانی مودودی صاحب کی طرح ڈاڑھی منڈاتے رہے'' (ص ۸۱)

نثار کی یہ بات کالا جھوٹ ہے اور ان شاء اللہ وقتِ حساب دور نہیں ہے۔

کئی آلِ دیوبند کا یہ طریقہ ہے کہ جب ضعیف و مردود روایت اپنی مرضی کی ہو تو اسے صحیح باور کراتے ہیں اور اگر صحیح و متفق علیہ حدیث بھی مرضی کے خلاف ہو تو اسے ضعیف و مردود قرار دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ہی راوی کی روایت جب مرضی کے مطابق ہو تو اس کی تعریف و توثیق کے ڈونگرے برسا دیتے ہیں اور اگر اسی راوی کی حدیث مرضی کے خلاف ہو تو اسے ضعیف، مجروح اور متشدد قرار دے کر اس کی روایت کو رد کر

دیتے ہیں۔ اہلِ حدیث کے نزدیک جرح وتعدیل میں اس طرح کی قلابازیاں اور مداری پن نہیں ہوتا، بلکہ ہر جگہ جمہور محدثین کو ترجیح دی جاتی ہے۔ والحمد للہ

کتاب وسنت میں ذوالوجہین شخص کی بڑی مذمت آئی ہے، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تجد من شرار الناس یوم القیامة عند اللّٰه ذا الوجهین الذي یأتي هؤلاء بوجه و هؤلاء بوجه .)) قیامت کے دن تم اللہ کے ہاں اس شخص کو سب سے زیادہ شریر پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس ایک چہرے سے آتا ہے اور دوسرے لوگوں کے پاس دوسرے چہرے سے آتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۰۵۸، صحیح مسلم: ۲۵۲۶ ترقیم دارالسلام: ۶۴۵۴)

معلوم ہوا کہ دوغلا اور دورُخا شخص شریر ترین شخص ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ((تجدون من شر الناس ذا الوجهین)) تم دورُخے شخص کو لوگوں میں سب سے بُرا پاؤ گے۔ (مسند الحمیدی تحقیقی: ۱۱۳۹، وسندہ صحیح وأصلہ عند مسلم: ۲۵۲۶ب)

اب ظہور ونثار کی دس (۱۰) دورُخیاں اور دوغلی پالیسیاں باحوالہ ودَ پیشِ خدمت ہیں:

۱) امام یحییٰ بن معین نے جب ابن فرقد شیبانی پر جرح کی اور فرمایا: "لیس بشيء" محمد بن الحسن کچھ چیز نہیں ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۷۰)

اس کے جواب میں ظہور احمد دیوبندی نے لکھا ہے:

"اور امام ابن معین جرح میں متشدد ومتعنت ہیں..." (تلامذہ... ص ۳۶۶)

اس طریقے سے امام ابن معین کی جرح کو کالعدم قرار دیا گیا۔

دوسرا رُخ: موثق عند الجمہور راوی عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں ظہور احمد نے لکھا ہے:

"امام الجروح والتعدیل یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیس بذاك. (تهذیب التهذیب: ۴/ ۴۴۸) یہ کچھ بھی (قوی) نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں: عندهٗ مناکیر..."

(رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ طبع مئی ۲۰۱۲ء ص ۳۹۲)

دوسری جگہ لکھا ہے: "امام یحییٰ ایک یگانہ روزگار محدث اور فن جرح وتعدیل کے مایہ نازسپوت ہیں۔" (تلامذہ ص ۲۹۸)

یہاں تو فن جرح وتعدیل کا مایہ ناز سپوت لکھا ہے اور ایک جگہ امام الجرح والتعدیل (تلامذہ ص ۲۶۳) قرار دیا ہے اور دوسری جگہ اپنی نفسانی خواہش کے خلاف امام ابن معین کی جرح پر انھیں متشدد ومتعنت قرار دیا۔ یہ ہے وہ دورُخی اور دوغلی پالیسی، جس کی بنا پر ظہور و نثار دونوں مل کر اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کے خلاف تلبیسات اور مداری پن سے بھرپور کتابیں لکھ رہے ہیں۔

۲) امام یحییٰ بن معین نے ابن فرقد کے بارے میں فرمایا: "لیس بشيء"

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۷۰)

چونکہ یہ جرح ظہور و نثار کی خواہشات ومرضی کے خلاف تھی، لہٰذا ظہور احمد نے لکھا:

''امام ابن معینؒ سے امام محمدؒ کے بارے میں جو "لیس بشیء" نقل کیا گیا ہے وہ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اقوال جرح میں سے نہیں ہے...'' (تلامذہ ص ۳۶۵)

یہاں اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کو غیر مقلدین کے قبیح لقب سے ذکر کر کے ظہور احمد نے "لیس بشئ" کو اقوالِ جرح سے باہر نکال دیا، لیکن دوسری طرف جمہور کے نزدیک موثق راوی پر اسی جرح کا استعمال کیا ہے۔

دوسرا رُخ: عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں جرح نمبر ا کے تحت ظہور احمد نے لکھا ہے:

''امام ابن الجنیدؒ نے امام ابن معینؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کے بارے میں فرمایا ہے:

''لیس بشیء'' (تلامذہ ص ۳۰۵)

اس عبارت پر ظہور احمد نے یہ وضاحت لکھی ہے: ''ائمہ حدیث ورجال نے عیسیٰ بن جاریہ پر جو جرح وتنقید کی ہے، ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔''

قارئین کرام! دیکھئے کہ ان کے نزدیک اپنے پسندیدہ راوی کے بارے میں ''لیس بشئ'' کے الفاظ جرح نہیں اور مخالف راوی پر یہی الفاظ جرح ہیں۔ سبحان اللہ!

ظہور احمد نے امام عبدالعزیز بن محمد الدراوردی پر بھی "لیس بشیء" والی جرح فٹ کر رکھی ہے۔ (دیکھئے رکعات تراویح... ص ۳۶۲)

۳) امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے حسن بن زیاد پر شدید جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا:
''امام ابو حاتمؒ کی جرح بھی کالعدم ہے کیونکہ امام موصوف بھی باقرار غیر مقلدین جرح میں انتہائی متشدد و متعنت ہیں...'' (تلامذہ ص ۴۹۲)

دوسری طرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ثقہ وصدوق عندالجمہور راوی امام عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کے بارے میں ظہور احمد کا بیان درج ذیل ہے:

دوسرا رُخ: ظہور احمد نے لکھا ہے: ''اس روایت سے استدلال باطل ہے کیونکہ اس روایت کے مرکزی راوی عبدالعزیز بن محمد الدراوردی پر ائمہ حدیث نے ایسی جرحیں کی ہیں جن کی وجہ سے خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ چنانچہ (۱) امام احمد بن زبیرؒ فرماتے ہیں: ''لیس بشیءٍ'' کہ یہ کچھ نہیں ہے.... (۵) امام ابو حاتم فرماتے ہیں: ''لا یحتج به'' کہ یہ قابل حجت نہیں ہے۔''

(رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۳۶۲)

مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی راوی ظہور احمد کی مرضی کے مطابق ہو تو اس پر امام ابو حاتم کی جرح کالعدم ہے اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو اسی راوی پر اپنے ہی متشدد و متعنت قرار دیئے ہوئے امام کی جرح مقبول ہے۔!! (نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۵ کا آخری حصہ)

۴) اصولِ آلِ دیوبند پر حسن الحدیث راوی عیسیٰ بن جاریہ (تابعی) رحمہ اللہ کے بارے میں ظہور احمد نے لکھا ہے:

''اور عیسیٰ روایت حدیث میں نہایت ضعیف اور مجروح راوی ہیں۔''

نیز ان کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

''کیونکہ یہ حدیث نہایت ضعیف سند سے مروی ہے...'' (رکعات تراویح ص ۳۰۵)

اس کے بعد ظہور احمد نے عیسیٰ بن جاریہ پر دس محدثین کی جروح نقل کی ہیں:

۱: ''امام الجرح والتعدیل حضرت یحیٰی بن معینؒ'' (ص ۳۰۵)

۲: ''امام ابوداودؒ'' (ص ۳۰۶) یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔

۳: ''امام نسائیؒ'' (ص ۳۰۶) یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔

۴: ''امام ابن عدیؒ'' (ص ۳۱۱)

۵: ''امام عقیلیؒ '' (ص ۳۱۲)

۶: ''امام ساجیؒ '' (ص ۳۱۳) یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔

۷: ''امام ابن الجوزیؒ '' (ص ۳۱۳)

۸: ''امام ابن رجب حنبلیؒ '' (ص ۳۱۳)

۹: ''مشہور محدث ناقد حافظ ذہبیؒ '' (ص ۳۱۳)

۱۰: ''شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی'' (ص ۳۱۳)

یہاں تو انھیں امام وغیرہ قرار دے کر ان کی جروح نقل کیں، لیکن جب اپنے پسندیدہ راوی کے خلاف ان کی جرح آئی تو کیا ہوا؟ درج ذیل دوُرخی پڑھ لیں:

دوسرا رُخ: ظہور احمد نے حافظ عقیلی رحمہ اللہ کی جرح رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جواب: حافظ عقیلیؒ باقرار غیر مقلدین جرح میں متعنت ومتشدد ہیں...لہٰذا یہاں بھی امام لؤلؤیؒ کے خلاف ان کی جرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔'' (تلامذہ ص ۵۰۷)

حسن بن زیاد اللؤلؤی پر تو امام عقیلی کی جرح کی کوئی حیثیت نہیں، لیکن عیسیٰ بن جاریہ پر جرح کی حیثیت ہے۔! سبحان اللہ!!

ظہور و نثار کا یہی دوغلا پن ہے، جن کی بنیاد پر وہ دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے کی کوشش میں جُتے ہوئے ہیں۔

۵) فیہ لین اور لین الحدیث کو ایک قرار دینے والے ظہور احمد نے عیسیٰ بن جاریہ پر حافظ ابن حجر کا کلام ''فیہ لین'' نقل کر کے لکھا ہے:

''عیسیٰ بن جاریہ روایت حدیث میں کمزور (یعنی ضعیف) ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''فیہ لین'' کو الفاظ جرح وتعدیل کے چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے۔''

(تلامذہ ص ۳۱۴)

یادرہے کہ فیہ لین کا ترجمہ ''کمزور یعنی ضعیف'' نہیں، بلکہ ''اس میں کمزوری ہے'' لہٰذا ظہور وشار کو کسی استاد سے عربی زبان سیکھنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا رُخ: دوسری طرف جب امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ نے ابن فرقد کو ضعیف کہا، تو ظہور احمد نے لکھا: ''امام فلاسؒ نے اگر بالفرض امام محمدؒ کو ضعیف کہا بھی ہے، تو بھی اس کا اعتبار نہیں کیونکہ امام نسائیؒ کی جرح کے جواب میں خود علی زئی کا بیان گزرا ہے کہ کسی کو ضعیف وغیرہ کہنا غیر مفسر جرح ہے۔ اور وہاں بحوالہ علمائے غیر مقلدین یہ بھی گزرا ہے کہ جرح غیر مفسر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔'' (تلامذہ ص ۳۹۲)

یعنی ظہور کے نزدیک عیسیٰ بن جاریہ پر جرح کا اعتبار ہے اور ابن فرقد پر اسی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔ سبحان اللہ!

تنبیہ: راویانِ حدیث کی دو اقسام ہیں:

اول: جو جمہور کے نزدیک مجروح ہیں، مثلاً ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی، ابن فرقد شیبانی اور حسن بن زیاد اللؤلؤی وغیرہم۔

دوم: جو جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں، مثلاً عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، عثمان بن احمد بن السماک اور عیسیٰ بن جاریہ وغیرہم۔

اول الذکر کے بارے میں ضعیف وغیرہ کے الفاظ والی جروح بھی قابلِ اعتبار ہیں، کیونکہ جمہور محدثین کو ہمیشہ ترجیح حاصل ہے، اِلا یہ کہ کسی خاص دلیل سے کسی بات کی تخصیص ثابت ہو جائے۔ تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ کی عبارت (ص ۶۵ فقرہ: ۵) کا یہی مطلب ہے۔ راقم الحروف نے ستمبر ۲۰۰۸ء میں علانیہ لکھا تھا: ''یہ کوئی قاعدہ وکلیہ نہیں کہ ہر محدث کی ہر بات ضرور بالضرور واجب القبول ہوتی ہے بلکہ اگر مقابلے میں جمہور کی توثیق ہو تو جرح مردود ہو جائے گی اور اگر مقابلے میں جمہور کی جرح ہو تو توثیق مردود ہو جائے گی۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟'' (تحقیقی مقالات ۲/۳۵۳)

نیز ۱۰/ جنوری ۲۰۰۹ء کو راقم الحروف نے درج ذیل عبارت لکھ کر الحدیث نمبر ۵۹ میں

شائع کروائی تھی:

'' فائدہ: ہمارے نزدیک بعض محدثین کو متساہل یا متشدد وغیرہ قرار دینے کے چکر سے یہ بہتر ہے کہ ہر راوی کے بارے میں تعارض اور عدم تطبیق کی صورت میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ترجیح دی جائے۔ اس طرح نہ تو کوئی تعارض واقع ہوتا ہے اور نہ اسماء الرجال کا علم بازیچۂ اطفال بنتا ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۰/ جنوری ۲۰۰۹ء) ''

(توضیح الاحکام ۱/ ۵۸۲، الحدیث: ۵۹ ص ۲۰)

کیا ظہور و نثار دونوں مل کر کوئی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ کسی ثابت شدہ موثق عند الجمہور راوی پر راقم الحروف نے صرف بعض کی عام جرح کو راجح قرار دیا ہے؟

۶) حافظ ابن حبان نے جب ابن فرقد کو مجروحین میں ذکر کر کے شدید جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا: ''امام ابن حبانؒ سے منسوب جرح کا جواب:''

پھر مبارکپوری وغیرہ کے حوالوں سے ابن حبان کو متعنت (متشدد) قرار دیا۔ (تلامذہ ص ۳۹۶)

دوسرا رُخ: ظہور احمد نے امام عبدالعزیز بن محمد الدراوردی رحمہ اللہ کے بارے میں شدید جرح کرتے ہوئے اور ان کی روایت سے استدلال کو باطل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

''امام ابن حبانؒ کتاب الثقات میں اس کو خطا کار بتلاتے ہیں۔''

(رکعاتِ تراویح ص ۲۵۰، دوسرا نسخہ ص ۳۶۲)

ظہور احمد نے دوسری من پسند جگہ لکھا ہے: ''امام ابن حبانؒ (م: ۳۵۴ھ) امام موصوف مشہور اور جلیل المرتبت محدث ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کو ''الحافظ، الامام، اور العلامہ'' کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔'' (تلامذہ ص ۴۷۰)

ایک جگہ تو متعنت و متشدد قرار دے کر حافظ ابن حبان کی جرح کو رد کر دیا اور دوسری جگہ جمہور بلکہ ابن حبان کے نزدیک بھی ثقہ وصدوق راوی امام دراوردی پر ان کی ایک جرح کو سینے سے لگا لیا۔

سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم یعنی مدین والوں کی طرح آلِ دیوبند کے لینے کے پیمانے

اور ہیں اور دینے کے پیمانے اور ہیں۔

ابن فرقد پر جب حافظ ابن حبان نے جرح کی تو ظہور احمد نے راقم الحروف کے حوالے سے بعض علماء کی ابن حبان پر جرح نقل کر دی اور سلیمانی سے نقل کیا کہ ابن حبان کذاب ہے۔ (تلامذہ ص ۲۹۷ بحوالہ ماہنامہ الحدیث شمارہ:۵۹ ص ۱۷)

حالانکہ اس حوالے کے متصل بعد راقم الحروف نے لکھا تھا:

''بعض کی اس جرح کے مقابلے میں جمہور کی توثیق درج ذیل ہے:'' (ص ۱۸)

اور آخر میں بطورِ خلاصہ لکھا تھا: ''اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن حبان ثقہ وصدوق تھے اور جمہور کی توثیق کے مقابلے میں اُن پر جرح مردود ہے۔'' (الحدیث حضرو:۵۹ ص ۲۰)

اس عبارت کو چھپا کر ظہور و نثار نے ان لوگوں کی یاد تازہ کر دی ہے، جنھیں خنزیر اور بندر بنا دیا گیا تھا۔

ظہور و نثار کے ایک مغالطے کا جواب: حافظ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں لکھا ہے: **''الحسن بن زیاد، یروي عن ابن جریج عن عکرمة بن عمار عن محمد بن عبید بن أبي قدامة عن عبد العزیز بن الیمان أخي حذیفة ابن الیمان قال: کان رسول اللّٰه ﷺ إذا حزبه أمر فزع إلی الصلٰوة . روی عنه إسماعیل بن موسی الفزاري''**

(ج ۸ ص ۱۶۸، واللفظ لہ، تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ کا محدثانہ مقام ص ۴۷۰ مختصراً)

ظہور احمد نے اس حسن بن زیاد سے لؤلؤی کوفی مراد لے رکھا ہے، حالانکہ یہ راوی ہمدانی ہے۔ دیکھئے اسد الغابۃ لابن الاثیر (ج ۳ ص ۳۳۰ ترجمہ عبدالعزیز بن الیمان) اور معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الاصبہانی (ج ۴ ص ۱۸۸۱ ح ۴۷۳۲ ب)

کیا حسن بن زیاد لؤلؤی ہمدانی بھی تھا؟ اگر نہیں تو پھر یہ کہنا باطل ہے کہ حافظ ابن حبان نے لؤلؤی کوفی کی توثیق کر رکھی ہے۔

۷) حافظ ابن الجوزی نے حسن بن زیاد اللؤلؤی کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا اور امام یحییٰ

بن معین وغیرہ سے اس پر شدید جرح نقل کی تو ظہور احمد نے مختلف تلبیسات وتدلیسات اور قلابازیوں کے بعد لکھا:

"بنابریں حافظ ابن الجوزیؒ کا امام لؤلؤیؒ کو بھی "کتاب الضعفاء" میں ذکر کرنا اس بات کی قطعاً دلیل نہیں کہ آپ ضعیف ہیں، اور آپ کی توثیق ثابت نہیں ہے۔" (تلامذہ ص ۵۱۲)

حالانکہ توثیق ثابت کا مسئلہ نہیں بلکہ جمہور کی جرح کے مقابلے میں بعض کی توثیق مردود ہے، کا مسئلہ ہے اور یہی اہم مسئلہ ہے، جسے ظہور و نثار نے مداری پن سے چھپانے کی کوشش کی ہے۔ ابن الجوزی کی بحث کے اختتام پر ظہور احمد نے لکھا ہے: "لہٰذا یہاں بھی حافظ ابن الجوزیؒ کی جرح غیر معتبر ہے۔" (تلامذہ ص ۵۱۳)

دوسرا رُخ: دوسری طرف اُنھی حافظ ابن الجوزی نے جب ثقہ وصدوق عند الجمہور سُنی راوی یعقوب بن عبداللہ القمی کو ضعفاء میں ذکر کیا تو ظہور احمد نے لکھا:

"(۲) امام ابن الجوزیؒ نے اس کو ضعیف اور متروک راویوں میں شمار کیا ہے۔"

(رکعات تراویح ص ۳۲۷ طبع جدید ۲۰۱۲ء)

ظہور و نثار دونوں سے عرض ہے کہ آپ دونوں کے پاس کون سی "گیدڑ سینگی" ہے، جس کی رُو سے حسن بن زیاد پر ابن الجوزی کی جرح غیر معتبر ہے اور یعقوب بن عبداللہ القمی وغیرہ پر معتبر ہے۔؟!

۸) ظہور احمد نے امام نسائی کی طرف منسوب غیر ثابت جرح کی وجہ سے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد عیسیٰ بن جاریہ تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا:

"امام نسائیؒ بھی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔" (رکعات تراویح ص ۳۰۶)

حالانکہ جمہور محدثین نے عیسیٰ بن جاریہ کی توثیق کر رکھی ہے۔

(دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۱ ص ۵۲۵۔۵۳۲)

دوسرا رُخ: یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ امام نسائی نے حسن بن زیاد اللؤلؤی پر شدید جرح کی ہے، بلکہ فرمایا: "کذاب خبیث"

اس کے جواب میں ظہور احمد نے بعض اہلِ حدیث علماء (گوندلوی، مبارکپوری اور رحمانی) کے ذریعے سے یہ لکھا کہ ''امام نسائی کا شماران لوگوں میں ہوتا ہے جو جرح میں متشدد ہیں۔''

نیز مبارکپوری اور رحمانی سے ان کے بارے میں متعنت کا لفظ نقل کر کے لکھا:

''لہٰذا امام نسائی'' کی جرح بھی خود غیر مقلدین کے اصولوں کی روشنی میں بھی کالعدم ہے۔''

(تلامذہ ص ۵۰۸)

''بھی'' کے لفظ سے ظاہر ہے کہ ظہور احمد کے نزدیک بھی یہ جرح کالعدم ہے اور وہ بعض اہل حدیث علماء کی طرح امام نسائی کو متشدد و متعنت سمجھتے ہیں۔

اگر امام نسائی متشدد و متعنت ہیں تو عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں ان کی جرح کیوں مقبول ہے اور اگر متشدد و متعنت نہیں (بلکہ جمہور کے موافق ہیں) تو حسن بن زیاد الکوفی کے بارے میں ان کی جرح کیوں کالعدم ہے؟!

تنبیہ: راقم الحروف کے خلاف ظہور احمد کی طرف سے اہلِ حدیث علماء کے جتنے اقوال پیش کئے گئے ہیں، وہ جمہور محدثین کی تحقیق راجح ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔

کیا ظہور و نثار یہ سمجھتے ہیں کہ ہر اہل حدیث عالم کا ہر قول ہر اہل حدیث پر ہر حال میں حجت ہے؟ اگر وہ ایسا سمجھتے ہیں تو انھیں کسی دماغی اسپتال سے اپنا علاج کروانا چاہئے۔

مولانا علی محمد سعیدی رحمہ اللہ (ایک اہل حدیث عالم) نے بہت خوب لکھا ہے:

''اصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افراد امت کے فتاویٰ، ان کے خیالات کو کتاب وسنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے، ورنہ ترک کرے، علماء حدیث کے فتاویٰ، ان کے مقالہ جات بلکہ دیگر علمائے امت کے فتاویٰ اسی حیثیت میں ہیں۔'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱ ص ۶)

اس اصول کی رُو سے ظہور و نثار کا حافظ گوندلوی، مولانا مبارکپوری اور مولانا رحمانی وغیرہم کے اقوال جمہور کی توثیق یا جرح کے مقابلے میں پیش کرنا غلط ہے، لہٰذا ہم ایسے اقوال کا جواب دینے کے پابند ہی نہیں ہیں۔

نیز ہمارے ہاں یہ مسئلہ ہرگز نہیں کہ فلاں امام متشدد و متعنت ہیں اور فلاں امام متساہل ہیں، بلکہ ہم ثبوتِ جرح میں تحقیق کرتے ہیں اور ثبوت کے بعد ہمیشہ جمہور محدثین کو ہی ترجیح دیتے ہیں، لہٰذا ظہوری و نثاری تلبیسات و تدلیسات تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور و باطل ہیں۔

۹) امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے حسن بن زیاد کو کذاب کہا تو ظہور احمد نے لکھا ہے:
''امام ابن معینؒ سے منسوب اس کلام میں امام لؤلؤیؒ کے کذاب ہونے کی کوئی دلیل مذکور نہیں ہے، اور خود غیر مقلدین حضرات ایسی صورت میں اس جرح کو قبول نہیں کرتے...''
(تلامذہ ص ۴۹۲)

دوسرا رُخ: ایک حدیث کی بہت سی سندوں میں سے ایک سند میں محمد بن حمید الرازی ہے، جس کے بارے میں ظہور احمد نے لکھا ہے:
''امام نسائیؒ اور امام ابن وارہؒ وغیرہ نے بھی اس کو کذاب قرار دیا ہے۔'' (تلامذہ ص ۳۴۵)

کیا ان علماء نے اس راوی کے کذاب ہونے کی دلیل بھی بیان کر دی تھی؟

ایک جگہ کذاب کا لفظ ظہور احمد کے نزدیک جرح ہے اور دوسری جگہ یہ جرح غیر مقبول ہے۔

ظہور احمد نے لکھا ہے: ''یہ بات بھی غیر مقلدین کو تسلیم ہے کہ کذاب صرف اسی شخص کو نہیں کہتے جو جھوٹ بولتا ہو بلکہ اس کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو کسی کلام میں غلطی کر جائے، چنانچہ...'' (تلامذہ ص ۴۹۱)

چونکہ اور چنانچہ کے بغیر عرض ہے کہ اگر جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی ہو تو اس پر بعض کی طرف سے کذاب کی جرح کا ایک جواب یہی ہے، لیکن اگر راوی جمہور کے نزدیک مجروح ہو تو یہاں ایسا جواب غلط ہے اور ہر حال میں جمہور محدثین کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

اگر ظہور و نثار دونوں کذاب کے لفظ کو جرح ہی نہیں سمجھتے تو عرض ہے کہ ظہور احمد سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں، مثلاً ظہور نے لکھا ہے: ''امام محمد بن یونس'' (تلامذہ ص ۱۹۳)

اور لکھا: ''امام محمد بن ادریسؒ '' (تلامذہ ص ۲۲۷)

نیز لکھا ہے: ''علی بن جنید'' (تلامذہ ص ۲۴۰، اور ص ۲۴۱)

حالانکہ صحیح: امام عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس، امام عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن جنید ہے۔ یہ واضح غلطیاں ہیں، لہٰذا ظہور و نثار دونوں درج ذیل عبارتیں اپنے قلم سے لکھ کر اور اپنے دستخط کر کے مکتبۃ الحدیث حضرو (ضلع اٹک) بھیج دیں:

۱: ظہور احمد کذاب ہے۔ نثار احمد بقلم خود

۲: نثار احمد کذاب ہے۔ ظہور احمد بقلم خود

اور اگر وہ ایسی عبارتیں لکھ کر نہیں بھیجتے تو دوغلی پالیسی اور دو رُخیوں سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

۱۰) امام ابن عدی نے جب جمہور محدثین کے نزدیک مجروح راوی حسن بن زیاد پر جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا:

''ثانیاً: یہ جرح اس لیے بھی مردود ہے کہ اس کے جارح حافظ ابن عدیؒ باقرار غیر مقلدین جرح میں متعنت و متشدد ہیں، چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانی ''غیر مقلد (جن کو علی زئی: مولانا المحقق الفقیہ قرار دیتے ہیں) ارقام فرماتے ہیں:

ابن عدی کا متعنتین میں شمار ہونا تو بالکل واضح ہے۔'' (تلامذہ ص ۵۱۷)

اس کے بعد ظہور احمد نے مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کا ایک قول لکھا ہے، جس میں حافظ ابن عدی کو نہ متعنت کہا گیا ہے اور نہ متشدد کہا گیا ہے۔

ظہور احمد نے رحمانی صاحب کی کوئی تردید نہیں کی بلکہ ان کا قول بطورِ حجت پیش کیا اور بطورِ الزام پیش کرنے کی صراحت نہیں کی۔

دوسرا رُخ: جمہور محدثین کے نزدیک موثق راوی عیسیٰ بن جاریہ پر جرح کرتے ہوئے ظہور احمد نے لکھا ہے:

''امام ابن عدی ''ابن جاریہ'' کی روایات کے متعلق فرماتے ہیں: كلها غير محفوظة۔''

(رکعات تراویح ص ۳۱۱ طبع جدید)

اپنی مرضی کے خلاف راوی پر ایک ہی امام کی جرح نقل کرنا اور مرضی کے مطابق راوی

پر اسی امام کی جرح کو متعنت و متشدد کے الفاظ استعمال کر کے رد کر دینا ظہور وشار کا اوڑھنا بچھونا اور بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

تنبیہ بلیغ: اگر غیر مقلدین سے ظہور وشار کی مراد اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت ہیں تو عرض ہے کہ اہلِ حدیث کے نزدیک امام ابن عدی متشدد نہیں بلکہ معتدل ہیں:

۱: حافظ ذہبی نے امام ابن عدی کو معتدل اور انصاف کرنے والا قرار دیا۔

۲: راقم الحروف نے حافظ ذہبی کے قول کو بطورِ استدلال پیش کیا ہے۔

(دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۴ ص ۱۸)

اور میں نے اپنی تحریروں میں بار بار حافظ ابن عدی رحمہ اللہ کے معتدل ہونے کی صراحت کی ہے۔

مولانا المحقق الفقیہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ نے حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کے اصولوں و عبارات کی روشنی میں امام ابن عدی وغیرہ کو بطورِ الزام متعنتین میں شمار کیا ہے اور ہمارے نزدیک مولانا رحمانی کی یہ بات غلط ہے۔

جب آلِ دیوبند کے خلاف ہم فقہ دیوبند (مثلاً عبدالشکور لکھنوی کی علم الفقہ) کے حوالے پیش کرتے ہیں تو یہ لوگ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ غیر مفتیٰ بہا مسائل ہیں، یہ ہمارے مفتیٰ بہا مسائل نہیں اور اس طریقے سے یہ لوگ اپنی ہی فقہ کے حوالے رد کر دینے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ دو رُخی کرتے ہوئے راقم الحروف اور تمام جماعت اہلِ حدیث کے خلاف بعض اہل حدیث علماء کے حوالہ جات میں کانٹ چھانٹ کر کے یا شاذ اور غیر مفتیٰ بہا اقوال و عبارات پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

یہ ہے آلِ دیوبند کا انصاف! اور دوغلی پالیسیاں!!

ہمارے خلاف شاذ اور غیر مفتیٰ بہا اقوال و عبارات پیش نہ کریں، بلکہ اگر کچھ پیش کرنا ہے تو درج ذیل اصول مدنظر رکھیں:

۱: قرآن مجید

۲: احادیث مرفوعہ صحیحہ

۳: ثابت شدہ اجماعِ اُمت

۴: زمانۂ خیر القرون، زمانۂ تدوینِ حدیث اور زمانۂ شارحینِ حدیث کے آثار سلف صالحین

نمبر۴ میں اختلاف کی صورت میں جمہور سلف صالحین (۹۰۰ھ تک) کو بعد کے تمام علماء پر ہمیشہ ترجیح حاصل ہے۔

ظہور احمد کی دورُخیوں اور دوغلی پالیسیوں کی ان دس (۱۰) مثالوں کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔ مثلاً:

حافظ ابن حبان نے عیسیٰ بن جاریہ (موثق عند الجمہور راوی) کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور صحیح ابن حبان میں ان سے روایت لی تو ظہور احمد نے لکھا:

''جواب: امام ابن حبان کے بارے میں زبیر علی زئی کے مزعومہ استاذ مولانا عبدالمنان نور پوری کا بیان گزرا ہے کہ امام ابن حبانؒ کا بھی تصحیح میں تساہل (کمزوری) مشہور ہے، ان کے علاوہ مولانا مبارکپوریؒ، مولانا گوندلویؒ، مولانا ارشاد الحق اثری، شیخ البانیؒ، مولانا رفیق اثری اور دیگر علمائے غیر مقلدین نے بھی تصریح کی ہے کہ امام ابن حبان توثیق اور تصحیح میں متساہل اور ناقابل اعتبار ہیں۔'' (رکعات تراویح طبع جدید ص ۴۰۵)

یہاں تو ظہور نے حافظ ابن حبان کی توثیق کو مردود قرار دیا، اب دوسرا رُخ پڑھ لیں:

دوسرا رُخ: نجیح بن ابراہیم ایک راوی ہے، جس کی توثیق سوائے ابن حبان کے کسی نے نہیں کی اور ابن حبان نے بھی ''یغرب'' یعنی غریب روایتیں بیان کرتا ہے، کے الفاظ لکھے ہیں۔ مسلمہ بن القاسم نے نجیح بن ابراہیم کو ضعیف کہا۔ (دیکھئے الحدیث: ۱۹ ص ۴۷)

اس تحقیق کو ظہور احمد نے توڑ مروڑ کر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''جواب: اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نجیح بن ابراہیمؒ کی امام ابن حبانؒ کے علاوہ کسی اور امام نے توثیق نہیں کی تو پھر بھی یہ کوئی مضر نہیں کیونکہ خود غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ صاحب (م:۱۳۵۲ھ) ... نے تصریح کی ہے کہ: ابن حبان کی توثیق عندالمحدثین معتبر ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف ابن حبان کی توثیق سے بھی جہالت مرتفع ہو جاتی ہے۔ (تحقیق الکلام: ۸۲/۱)

زبیر علی زئی کے امام مبارکپوری صاحبؒ کے اس بیان سے واضح ہو گیا، امام ابن حبانؒ نے نجیح بن ابراہیم کی جو توثیق کی ہے وہ عندالمحدثین معتبر ہے، اور اس سے نجیح بن ابراہیم کی جہالت مرتفع ہو گئی ہے۔ لہٰذا زبیر علی زئی کے اس اعتراض کا باطل ہونا خود ان کے اپنے امام کے قول سے ثابت ہو گیا۔ الحمد للہ!'' (تلامذہ ص۱۵۳۔۱۵۴)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ ظہور صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں حافظ ابن حبان کی توثیق ناقابلِ اعتبار قرار دے کر رد کر دی، حالانکہ جمہور محدثین نے عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ و صدوق قرار دیا ہے اور دوسری طرف صرف اکیلے ابن حبان کی توثیق قبول کر لی، جبکہ ظہور کے نزدیک ''نامور محدث ناقد'' مسلمہ بن قاسم سے نجیح بن ابراہیم پر جرح منقول ہے۔ مسلمہ کے بارے میں ظہور احمد نے لکھا ہے:

''امام مسلمہ بن قاسم القرطبیؒ (م:۳۵۳ھ)

موصوف ایک نامور محدث ناقد ہیں'' (تلامذہ ص۱۷۴)

مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ نے نافع بن محمود کی بحث کے تحت لکھا ہے کہ ''ابن حبان کی توثیق عندالمحدثین معتبر ہے''

اور یہ معلوم ہے کہ نافع بن محمود کی توثیق میں ابن حبان منفرد (اکیلے) نہیں، بلکہ امام دارقطنی، حاکم، ذہبی، بیہقی اور ابن حزم نے بھی نافع کو ثقہ قرار دیا ہے، لہٰذا یہ قول جمہور کے نزدیک موثق راوی کے بارے میں ہے۔

ظہور احمد نے اسی طرح کی بددیانتیاں کی ہیں کہ بعض متاخر اہلِ حدیث علماء کے بعض اقوال و تحقیقات توڑ مروڑ کر اور کانٹ چھانٹ کر سیاق و سباق کے بغیر پیش کئے ہیں اور عام مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ تحقیق الکلام کے صفحہ ۸۲ سے ظہور صاحب نے

عبارت نقل کی ہے اور ص ۸۱ پر صاف لکھا ہوا ہے کہ ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں مگر ساتھ اس کے ان کی وہ توثیق جس کی نسبت کسی ناقدِ فن نے کچھ کلام نہیں کیا ہے بلاشبہ مستند و معتبر ہے...''

نجیح بن ابراہیم پر ظہور کے مسلم ''ناقد و امام'' کی جرح لسان المیز ان میں مذکور ہے۔

یاد رہے کہ ہمارے نزدیک متشدد، متعنت اور متساہل وغیرہ کا چکر چلانا صحیح نہیں اور نہ ہم مولانا مبارک پوری کی تمام عبارات سے ہر وقت کلیتاً متفق ہیں، بلکہ جرح و تعدیل میں خاص کی تخصیص کے بعد، تطبیق نہ ہونے کی صورت میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ترجیح حاصل ہے اور اسی منہج پر ہمارا دل و جان سے عمل ہے۔

تنبیہ: ہدیۃ المسلمین کے مستند مطبوعہ نسخے میں ''امام مبارکپوری'' کے الفاظ نہیں، بلکہ ''اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ'' کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔

(دیکھئے ص ۴۰ ح ۱۴، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ)

ظہور احمد نے جس ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے، وہ غیر مستند ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے۔

(دیکھئے ہدیۃ المسلمین ص ۱۰، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ)

یہ دس (بلکہ گیارہ) حوالے مشتے از خروارے پیش کئے گئے ہیں کہ ظہور و نثار نے ایک ہی راوی یا بات کے بارے میں ایک جگہ کچھ لکھا ہے تو دوسری جگہ اس کے سراسر خلاف لکھا ہے اور اسے یہ لوگ الزامی جوابات کہہ کر بھی اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ الزامی جواب دو شرطوں کے ساتھ مقید ہوتا ہے:

۱: فریق مخالف اسے تسلیم کرے۔

۲: کوئی حقیقی جواب بھی موجود ہو۔

ہمارے نزدیک اسماء الرجال میں مختلف فیہ راوی کے بارے میں جارحین و معدلین کے ثابت شدہ اقوال جمع کر کے جمہور محدثین کو ہمیشہ ترجیح دی جاتی ہے اور خاص کو عام پر ہمیشہ مقدم کیا جاتا ہے۔ والحمد للہ

(۸/ شعبان ۱۴۳۳ھ ۲۹/ جون ۲۰۱۲ء)

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راویوں پر ظہور احمد کی جرح

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد:

راویانِ حدیث کی تین اقسام ہیں:

۱: جن کے ثقہ وصدوق ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔

۲: جن کے ضعیف ومجروح ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔

۳: جن کے ثقہ وصدوق یا ضعیف ومجروح ہونے پر محدثین کرام میں اختلاف ہے۔

اس تیسری قسم کے بارے میں ہمارا (اہلِ حدیث کا) موقف یہ ہے کہ ثبوتِ جرح و تعدیل کی تحقیق اور عام پر خاص کی تقدیم کے بعد ہمیشہ ہر حال میں جمہور محدثین کو ترجیح حاصل ہے اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

موثق عندالجمہور راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور مضعف و مجروح عندالجمہور راوی ضعیف ومجروح ہوتا ہے۔

ہم اس چکر میں نہیں پڑتے کہ فلاں امام متعنت ومتشدد ہے، لہٰذا اس کی جرح مقبول نہیں اور فلاں امام متساہل ہے، لہٰذا اس کی توثیق مقبول نہیں ، بلکہ جمہور محدثین کو ترجیح دیتے ہیں اِلا یہ کہ کسی مجہول الحال راوی کی توثیق میں کوئی ایک متساہل امام متفرد ہو۔

اگر ہماری قدیم تحریروں یا عبارات میں اس کے خلاف کچھ لکھا ہوا ہے تو وہ دو باتوں پر محمول ہے:

۱: یہ قول جمہور محدثین کی تحقیقات کے خلاف ہونے پر محمول ہے، یعنی جس راوی کی توثیق جمہور محدثین سے ثابت ہے، اس پر جارح کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے تھے اور اسی طرح جس راوی پر جرح جمہور محدثین سے ثابت ہے، اس کی توثیق اور موثق کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔

ہمارے نزدیک اولیٰ بلکہ صحیح یہ ہے کہ مختلف فیہ راوی کے بارے میں جرح وتعدیل کے مقابلے میں کسی ثقہ محدث کے بارے میں یہ الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔

۲: منسوخ ہے۔

زاہد کوثری (ترکی) کے پیروکار ظہور احمد دیوبندی حضروی نے بہت سے ثقہ وصدوق عند الجمہور راویوں پر جرح کی ہے، جن میں سے دس (۱۰) مثالیں بطورِ نمونہ و ردّ پیشِ خدمت ہیں، تاکہ عام مسلمان اس کوثری ٹولے کے شر و فساد سے محفوظ رہیں:

۱) احمد بن جمیل المرزوی رحمہ اللہ (م ۲۳۰ھ) جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث راوی ہیں، جیسا کہ لسان المیزان (۱/ ۱۴۷) اور تاریخ بغداد (۴/ ۷۷) وغیرہما سے ثابت ہے۔ (نیز دیکھئے میرا مضمون: تلبیساتِ ظہور وشار، فقرہ:۱)

ان کے بارے میں ظہور احمد نے لکھا ہے:

''تیسرے قول کی سند بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ عقیلیؒ کا استاد احمد بن جمیل الھروی المروزی ہے، اس کے بارے میں امام یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ: صدوق لم یکن بالضابط یہ سچا ہے، لیکن روایت کو ضبط (اچھی طرح یاد) نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اس کی روایت کا کیا اعتبار ہے؟'' (تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا محدثانہ مقام ص ۱۹۹)

جمہور محدثین کے نزدیک موثق راوی کا اعتبار نہیں لیکن ظہور وشار کا اعتبار ہے؟!

سبحان اللہ!

۲) امام احمد بن علی بن مسلم الابار البغدادی رحمہ اللہ بالاجماع ثقہ ہیں۔ انھیں حافظ ذہبی، امام دارقطنی اور خطیب بغدادی وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(دیکھئے میرا مضمون: امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار رحمہ اللہ، الحدیث حضرو: ۹۷)

ان کے بارے میں ظہور احمد (ننھے کوثری) نے لکھا ہے:

''زبیر علی زئی کا اس قول کی سند کو صحیح کہنا غلط ہے کیونکہ حافظ عقیلی کا استاذ احمد بن علی الأبار جو کہ خیوطی یا حنوطی سے مشہور ہے، ایک دروغ گو راوی ہے اور اس نے ایک جھوٹی روایت

بیان کر رکھی ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ اس کو "الضعفاء" (ضعیف راویوں) میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں...." (تلامذہ ص ۴۹۹)

امام ابوالعباس الابار پر ظہور احمد کی دیگر نیش زنیوں کے لئے دیکھئے تلامذہ (ص ۲۰۴، ۲۱۴، ۴۰۷، ۵۰۴)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار البغدادی رحمہ اللہ کو ہرگز کتاب الضعفاء میں ذکر نہیں کیا بلکہ انھوں نے ابار کو "الحافظ المتقن الإمام الرباني" یعنی حافظ، ثقہ، امام ربانی قرار دیا ہے۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۴۳)

اور ان کی بیان کردہ احادیث کو صحیح کہا ہے۔ (تلخیص المستدرک ۱/۲۲۷ ح ۸۲۶، ۴/۳۱۷ ح ۷۸۸۸)

نیز حافظ ذہبی نے فرمایا: "وله تاريخ مفيد رأيته و قد وثقه الدارقطني و جمع حديث الزهري" اور ان کی (کتاب) تاریخ مفید ہے، میں نے اسے دیکھا ہے اور انھیں دارقطنی نے ثقہ کہا ہے اور انھوں نے (امام) زہری کی احادیث جمع کی تھیں۔

(النبلاء ۱۳/۴۴۴)

ظہور احمد نے ایک مجہول الحال راوی ابوعبید الآجری کے بارے میں لکھا ہے:

"کیونکہ اگر وہ امام ابن کثیر اور حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک ثقہ نہیں ہیں تو پھر انہوں نے امام ابو داؤد سے جرح و تعدیل کی بابت جو سوالات کیے ہیں اور ان سے ان کے جو جوابات نقل کیے ہیں ان کا مفید ہونا اور ان کی نسبت امام ابوداؤد کی طرف ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟"

(رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۳۹۴)

آجری جو کہ آجڑی نہیں تھے بلکہ مجہول الحال تھے، کو ظہور احمد کا بجزم روایات اور "مفید" کے لفظ سے ثقہ ثابت کرنا اور امام احمد بن علی الابار پر جرح کرنا بہت بڑی دوغلی پالیسی ہے۔ ابار کی تاریخ کو حافظ ذہبی نے مفید قرار دیا، جیسا کہ ابھی باحوالہ گزرا ہے اور ان کے اقوال کو ذہبی و عسقلانی نے بطورِ جزم بیان کیا ہے۔ (مثلاً دیکھئے میزان الاعتدال ۱/ ۴۹۱ ت ۱۸۴۹، قول محمد بن رافع والضعفاء للعقیلی ۱/ ۲۲۷۔ ۲۲۸، لسان المیزان ۲/ ۲۰۹، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۹۰)

ہمارے نزدیک آجری مجہول ہے تو ہر جگہ مجہول الحال ہے اور اگر ظہور احمد کے نزدیک ثقہ ہے تو اسے ہر جگہ ثقہ تسلیم کرنا چاہئے۔

ظہور احمد نے جس طرح آجری کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے تو اسے مدنظر رکھتے ہوئے بادلِ نخواستہ آجری کی درج ذیل روایت پیشِ خدمت ہے:

"وقال أبو داود: سمعت أحمد بن یونس قال: رأیت أبا حنیفة رجلاً قبیح الوجه" اور (امام) ابوداود (السجستانی) نے فرمایا: میں نے احمد (بن عبداللہ) بن یونس (الیربوعی الکوفی) سے سنا، انھوں نے فرمایا: میں نے ابوحنیفہ کو دیکھا، وہ بدصورت چہرے والا انسان تھا۔ (سوالات الآجری ۵/ الورقہ ۳۹، جامع الجرح والتعدیل ۳/۲۱۴)

ہمارے نزدیک تو یہ روایت آجری (مجہول) کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن ظہور احمد کے اصول پر یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

امام ابوداود کا ثقہ ہونا تو اظہر من الشمس ہے اور احمد بن یونس الکوفی رحمہ اللہ کتبِ ستہ کے راوی اور ثقہ حافظ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۶۳)

نیز ترکِ رفع یدین میں اُن کی ایک روایت سے استدلال بھی کیا جاتا ہے، جو کہ دوسری وجہ سے وہم، باطل یعنی ضعیف و مردود ہے۔

۴) امام عبداللہ بن جعفر بن درستویہ الفارسی النحوی رحمہ اللہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں۔ انھیں امام ابن مندہ، بیہقی، حاکم، ذہبی اور ضیاء مقدسی وغیرہم نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔ (دیکھئے میرا مضمون: حسن بن زیاد اللؤلؤی پر محدثین کرام کی جرح، فقرہ: ۴، ضربِ حق سرگودھا: ۲۹)

ان کے بارے میں ظہور احمد نے بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"...اور اس کتاب کو امام یعقوب سے نقل کرنے والا عبداللہ بن جعفر بن درستویہ خود مجروح اور متکلم فیہ ہے۔ لہٰذا ایسے راوی کی سند سے مروی قول کو امام ابو یوسفؒ جیسے عظیم امام کے خلاف پیش کرنا اور اس کو صحیح السند قرار دینا پرلے درجے کی بددیانتی ہے۔" (تلامذہ ص ۱۹۷)

امام ابن درستویہ پر ظہور احمد کی دیگر نیش زنیوں کے لئے دیکھئے تلامذہ (ص ۲۰۹،

۲۳۱، ۴۰۶، ۵۰۵)

عرض ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کہاں گئی؟!

۴) ظہور احمد کوثری نے امام ہیثم بن خلف الدوری رحمہ اللہ (م ۳۰۷ھ) کے بارے میں لکھا ہے: ''نیز عقیلی کا استاذ ہیثم بن خلف بھی متکلم فیہ ہے، امام اسماعیلیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ **انه کان لا یخالف ما فی کتابه، و ان عمله خطأ**

''یہ اپنی کتاب کی مخالفت نہیں کرتا تھا (اگرچہ اس میں غلط لکھا ہو)، اور اس کا یہ عمل غلط تھا۔'' یعنی اس کی کتاب میں درج شدہ روایات میں غلطیاں ہونے کے باوجود یہ ان کو ویسا ہی روایت کر دیتا تھا اور ان کی تصحیح نہیں کرتا تھا۔

پھر امام اسماعیلیؒ نے اس کی مثال یہ پیش کی کہ ایک راوی جن کا نام محمود تھا لیکن ہیثم کی کتاب میں غلطی سے اس کا نام محمد بن الربیع لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ ہیثم نے اس سے جب روایت بیان کی تو اس کا غلط ہی نام لیا۔ زبیر علی زئی نے امام اسماعیلیؒ کی اس جرح کو مردود کہہ دیا۔ لیکن اگر ان میں کوئی دیانت داری ہوتی تو وہ امام اسماعیلیؒ کی جرح کو مردود کہنے کی بجائے اس متکلم فیہ راوی کی روایت جو اس نے امام ابو یوسف کے خلاف پیش کی ہے، کو مردود قرار دیتے، یا پھر ثبوت پیش کرتے کہ اس نے یہ روایت اپنی اس غلطیوں کی پلندہ کتاب سے نقل نہیں کی ہے۔'' (تلامذہ ص ۱۹۷۔۱۹۸)

اب ظہوری بیان کے بعد امام ابو محمد الہیثم بن خلف بن محمد بن عبد الرحمٰن بن مجاہد الدوری البغدادی رحمہ اللہ کی عظیم الشان توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**المتقن الثقة**'' (سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۲۶۱)

نیز دیکھئے تاریخ الاسلام (۲۳/ ۲۲۵) اور تذکرۃ الحفاظ (۲/ ۲۳۴)

۲: احمد بن کامل القاضی نے فرمایا: ''**و کان کثیر الحدیث جدًا، ضابطًا لکتابه.**''

وہ بہت زیادہ کثرت سے حدیثیں بیان کرنے والے تھے، اپنی کتاب کے حافظ تھے۔

(تاریخ بغداد ۱۴/ ۶۳ و سندہ صحیح إلیه)

۳: ابن الجوزی نے فرمایا: "وكان كثير الحديث ، حافظًا ثبتًا."
(المنتظم ۱۲/۱۹۳ ت ۲۱۶۵)

۴: امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں ان سے روایات بیان کیں۔
(مثلاً دیکھئے ح ۵۰۷۵، ۵۲۲۴، ۷۴۸۳)

۵: حاکم نے ان کی بیان کردہ حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۱/ ۴۶۵ ح ۱۷۰۷، ووافقہ الذہبی)

۶: ابونعیم الاصبہانی نے اُن سے المستخرج علیٰ صحیح مسلم میں روایات لیں۔
(مثلاً دیکھئے ۱/ ۲۹۷ ح ۵۵۳، ۲/ ۴۵۰ ح ۱۹۴۰، ۳/ ۴۶ ح ۲۱۶۵)

نیز دیکھئے حلیۃ الاولیاء (۶/ ۳۳۸)

۷: ضیاء المقدسی نے المختارۃ میں اُن سے حدیث بیان کی۔ (۴/ ۱۱۰ ح ۱۳۲۲)

۸: اُن سے عبداللہ بن احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ میں حدیثیں بیان کیں اور عبداللہ بن احمد صرف اسی سے روایت بیان کرتے تھے جو اُن کے والد (امام احمد) کے نزدیک ثقہ ہوتا تھا۔ (دیکھئے تعجیل المنفعہ ۱/ ۲۶۵ ترجمۃ: ابراہیم بن ابی العباس ابراہیم بن محمد، اور میرا مضمون: آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے، الحدیث حضرو: ۹۷)

۹: بغوی نے اُن سے شرح السنۃ میں ایک حدیث بیان کی اور امام ابوعیسیٰ الترمذی سے بغیر کسی رد کے نقل کیا: "هذا حديث حسن " إلخ (۱۴/ ۷۰۔۷۱ ح ۳۸۶۰)

۱۰: الشیخ الامام الصالح الواعظ المحدث محمد بن محمد بن علی الطائی الہمدانی (م۵۵۵ھ) نے ہیثم بن خلف کی حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: "هذا حديث حسن عال صحيح" (کتاب الاربعین فی ارشاد السائرین الی منازل المتقین ۱/ ۱۵۳ ح ۲۴، شاملہ)

ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں، جنھیں قائلین کے متاخر ہونے کی وجہ سے پیش کرنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں، مثلاً سیوطی (م۹۱۱ھ) نے کہا: "الحافظ الثقة"
(طبقات الحفاظ ص ۳۲۴ ت ۷۳۷)

ابن العماد الحنبلی (م۱۰۸۹ھ) نے کہا: "وكان ثقة"

(شذرات الذہب ۲/ ۲۵۱ وفیات ۳۰۷ھ)

دس محدثین کے مقابلے میں ظہور احمد نے صرف امام اسماعیلی کا قول پیش کیا ہے اور دیانت داری کا تذکرہ کیا ہے۔

دس محدثین کے مقابلے میں صرف ایک کی بات کون سنتا ہے اور یہ کون سی دیانت داری ہے؟! نیز یہاں بھی ظہور احمد نے ڈنڈی مارنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ لسان المیزان میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ "مع أن الإسماعيلي وصفه بأنه أحد الأثبات"

(ج ٦ ص ٢٠٦، دوسرا نسخہ ۷/ ۲۹۱)

حمزہ بن یوسف السہمی نے اسماعیلی سے نقل کیا: " حدثني الهيثم بن خلف الدوري أبو محمد و كان أحد الأثبات " (سوالات السہمی: ۴۷۵)

اثبات ثبت کی جمع ہے اور ثبت ثقہ کو کہتے ہیں۔

ابو عبدالرحمٰن السلمی (ان کے بارے میں مفصل تحقیق جاری ہے/ ان شاء اللہ) کی روایت میں صاف طور پر "ثقة" کا لفظ بحوالہ امام دارقطنی موجود ہے (۳۶۴) لیکن جب تک السلمی کی توثیق جمہور محدثین سے ثابت نہ ہو، اس روایت سے استدلال صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

حافظ ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "وعنه... و أبو بكر الإسماعيلي ووثقه.."

(تاریخ الاسلام ۲۳/ ۲۲۵)

ثابت ہوا کہ اسماعیلی کی جرح منسوخ ہے یا جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

یاد رہے کہ استاذوں سے سُنے ہوئے اصلی قلمی مخطوطے میں تغیر و تبدل کرنا علیحدہ مسئلہ ہے، جس کی تفصیل اصولِ حدیث یا آثارِ علماء میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہیثم بن خلف کا مخطوطے میں تغیر و تبدل نہ کرنا ان کی احتیاط کی دلیل ہے، نہ کہ ضعیف ہونے کی مگر آلِ کوثری جیسے اندھوں کو سب اندھیرا ہی محسوس ہوتا ہے۔

۵) مشہور راوی اور امام ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن محمد بن ثابت بن مسعود بن یزید

المروزی عرف ابن شبویہ رحمہ اللہ کو حافظ ابن حبان اور ضیاء مقدسی نے ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیا۔ ابوسعد الادریسی، حاکم، خطیب بغدادی اور سمعانی وغیرہم نے زبردست تعریف کی اور ابن الجوزی نے فرمایا: حدیث کے فاضل راسخ اماموں میں سے ہیں۔

(دیکھئے الحدیث حضرو: ۹۷، آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے، کا پہلا صفحہ)

ان کے بارے میں ظہور احمد نے لکھا ہے: ''اس قول کی سند کو صحیح کہنا علی زئی کا دھوکہ ہے، اس لیے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن احمد بن شبویہ کے متعلق سوائے امام ابن حبانؒ کے کسی کی توثیق معلوم نہیں ہے'' (تلامذہ ص ۲۰۵)

اس پر ہم یہی تبصرہ کر سکتے ہیں کہ آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے۔!!

۶) امام ابوبکر عبداللہ بن ابی داود السجستانی رحمہ اللہ (م ۳۱۶ھ) جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی ہیں۔ انھیں ابن حبان، دارقطنی، ابن عدی، ابوعوانہ، حاکم، ابونعیم الاصبہانی اور ذہبی وغیرہم نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۴ ص ۳۸۲۔۳۸۷)

اس جلیل القدر امام پر ظہور احمد کوثری نے درج ذیل الفاظ میں جرح کی ہے

''جواب: اس قول کی سند میں ایک راوی امام ابوداود کا بیٹا ابوبکر عبداللہ بن ابی داودؒ باقرار غیر مقلدین خود اپنے والد امام ابوداودؒ کے نزدیک کذاب اور کثیر الخطاء ہے، چنانچہ امام ابو داود صاحب السنن فرماتے ہیں: ابني عبد الله كذاب۔ میرا بیٹا عبداللہ کذاب (بہت بڑا جھوٹا) ہے۔'' (تلامذہ ص ۵۰۱)

یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ امام ابوداود کی طرف منسوب یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۳۸۰)

نیز جمہور محدثین کے مقابلے میں غیر جمہور کی جرح یا تعدیل ہمیشہ مرجوح ہوتی ہے، اگرچہ اس کا قائل راوی کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔

ظہور احمد نے ایک اہلِ حدیث عالم کی عبارت سے استدلال کیا ہے، جو کہ کئی لحاظ سے غلط ہے:

۱: ایک اہلِ حدیث عالم کی بات کو تمام اہلِ حدیث کا مسلک و مذہب قرار دینا ہرگز صحیح نہیں، بلکہ عین ممکن ہے کہ دوسرے علماء کو اُن سے اس بات میں اختلاف ہو۔
۲: راقم الحروف نے امام ابن ابی داود کے دفاع میں ایک تحقیقی مضمون لکھ کر شائع کیا ہے۔
۳: امام ابوداود کی طرف منسوب جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔ وغیر ذلک

۷) امام ابو عمر محمد بن عباس بن محمد بن زکریا بن یحییٰ بن معاذ الخزاز المعروف بابن حیویہ البغدادی رحمہ اللہ (م ۳۸۱ھ) کے خلاف نیش زنی کرتے ہوئے ظہور احمد نے لکھا ہے:
''نیز عبداللہ کا شاگرد محمد بن عباس الخزاز ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن ابی الفوارسؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں: و کان فیه تساهل کہ اس میں تساہل تھا۔
خود علی زئی نے متساہل راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔''

(تلامذہ ص ۵۰۲ بحوالہ لسان المیزان ۵/ ۲۱۹، الحدیث: ۲ ص ۳۵)

اب کھولئے لسان المیزان اور پڑھئے امام محمد بن عباس الخزاز کی توثیقات:
۱: خطیب بغدادی نے فرمایا: '' کان ثقة''
۲: ازہری نے تسامح کا ذکر کرنے کے باوجود کہا: ''و کان مع ذلك ثقة ''
۳: عتیقی نے ان کی بہت تعریف کی اور فرمایا: ''کان ثقة صالحًا، دینًا ذا مروء ة''
اور فرمایا: ''کان متیقظًا'' (لسان المیزان ج ۵ ص ۲۱۴۔ ۲۱۵، دوسرا نسخہ ۶/ ۲۱۴۔ ۲۱۵)
اب مزید حوالے بھی پیشِ خدمت ہیں:
۴: نیز حافظ ابن الجوزی نے فرمایا: '' و کان ثقة دینًا کثیر السماع...''
(المنتظم ۱۴/ ۳۶۴ ت ۲۸۹۱)
۵: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''الإمام المحدث الثقة المَسند ''(النبلاء ۱۶/ ۴۰۹)
۶: حافظ ابن کثیر نے فرمایا: ''و کان ثقة دینًا متیقظًا ذا مروء ة''
(البدایہ والنہایہ ۱۲/ ۳۳۱)

۷: ابن ناصر الدین نے فرمایا: "وكان ثقة مكثرًا" (توضیح المشتبہ ۲/۲۱۹)

۸: صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی (م ۷۶۴ھ) نے کہا: "وكان ثقة" (الوافی بالوفیات ۳/۱۶۳)

اس جم غفیر کے مقابلے میں اکیلے امام ابن ابی الفوارس کی جرح پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی، مگر افسوس ہے ظہور احمد کی عقل پر کہ جمہور کے مقابلے میں شاذ اقوال کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

۸) ظہور احمد کوثری نے امام ابو عمرو عثمان بن احمد بن السماک الدقاق رحمہ اللہ کے بارے میں زہر افشانی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس قول کی سند میں ایک راوی عثمان بن احمد بن السماک الدقاق متکلم فیہ ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اس نے بڑی جھوٹی حدیثیں روایت کی ہیں، اور حافظ ذہبیؒ نے اس کی روایت کردہ ایک موضوع حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

و ينبغي ان يغمز ابن السماك بروا ية لهذه الفضائح۔ یہ مناسب ہے کہ ابن السماک، کو مذکورہ عیوب روایت کرنے کی وجہ سے کمزور قرار دیا جائے۔

نیز حافظ موصوف اس کو ''ضعفاء'' (ضعیف راویوں) میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

موثق، لكنه راوية للموضوعات عن طيور. اس کی اگرچہ توثیق کی گئی ہے لیکن اس نے طیور (نامعلوم لوگوں) سے موضوع احادیث روایت کی ہیں۔'' الخ (تلامذہ ص ۳۹۱)

حافظ ذہبی کی ان عبارات کو نقل کرنے میں ظہور احمد نے تین خیانتیں کی ہیں:

ا: حافظ ذہبی نے صاف لکھا ہے: "صدوق في نفسه لكن روايته لتلك البلايا عن الطيور كوصية أبي هريرة رضي الله عنه فالآفة من فوق"

وہ (دقاق) بذاتِ خود ثقہ ہیں لیکن انھوں نے پرندوں (مجہول لوگوں) سے یہ مصیبتیں (موضوع روایتیں) بیان کی ہیں، جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وصیت، پس آفت (وجہِ ضعف) اس سے اوپر (یعنی دوسرے راویوں کی وجہ سے) ہے۔ (میزان الاعتدال ۳/۳۶)

حافظ ذہبی نے تو امام ابن السماک کو بری قرار دیا مگر ننھے کوثری صاحب اپنی نیش زنیوں میں سرگرداں ہیں۔

۲: حافظ ذہبی نے لکھا ہے: "أما هو فوثقه الدارقطني" رہے وہ (ابن السماک) تو انھیں دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ۳/۳۱)

یہ دو عبارات چھپا کر ظہور و نثار نے ان لوگوں کی تقلید کی ہے جنھیں مسخ کر دیا گیا تھا۔

۳: حافظ ابن حجر العسقلانی نے حافظ ذہبی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

" ولا ينبغي أن يغمز ابن السماك بهذا ولو فتح المؤلف على نفسه ذكر من روى خبرًا كذبًا آفته من غيره ما سلم معه سوى القليل من المتقدمين فضلاً عن المتأخرين ، و إني لكثير التألم من ذكره لهذا الرجل الثقة في هذا الكتاب بغير مستند ولا سلف ."

اور ابن السماک پر اس وجہ سے جرح نہیں کرنی چاہئے اور اگر مصنف (حافظ ذہبی) اپنے آپ پر وہ دروازہ کھولتے ہیں کہ جس نے بھی جھوٹی روایت بیان کی، جس کی وجہ ضعف دوسرے راویوں کی طرف سے ہوتی ہے کہ اسے اس کتاب (میزان الاعتدال) میں ذکر کیا جائے تو متاخرین کو چھوڑیں، متقدمین میں سے بھی بہت تھوڑے لوگ بچتے اور مجھے اس بات پر بہت تکلیف پہنچی ہے کہ اس ثقہ آدمی کو بغیر کسی دلیل اور اقوالِ سلف کے اس کتاب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ (لسان المیزان ۴/۱۳۱، دوسرا نسخہ ۴/۵۸۹)

یہاں تو اتنا صریح رد اور عظیم الشان دفاع ظہور احمد کو نظر نہ آیا، لیکن جب مرضی کی بات ہوئی (یعنی مسلمہ بن قاسم القرطبی ضعیف عند الجمہور کا معاملہ پیش آیا) تو ظہور احمد نے لکھا:

''حافظ ذہبیؒ نے اگرچہ ان کو ضعیف کہا... لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس پر حافظ ذہبیؒ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:'' (تلامذہ ص ۴۷۱)

ظہور احمد نے مزید لکھا ہے: ''علی زئی نے امام مسلمہؒ کے ضعیف ہونے پر بطورِ دلیل ''لسان المیزان'' کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن ان کے تعصب کی انتہاء ہے کہ وہاں ان کو حافظ

ذہبیؒ کا امام مسلمہؒ کو ضعیف کہنا تو نظر آیا لیکن ان کو حافظ ابن حجرؒ کا حافظ ذہبیؒ کی تردید کرنا اور امام مسلمہؒ کی توثیق کرنا نظر نہیں آیا..." (تلامذہ ص۴۷۲۔۴۷۳ حاشیہ)

کیا ظہور صاحب نے اپنا سر جھکا کر اپنے گریبان میں بھی دیکھا ہے یا نہیں؟ اور یاد رہے کہ حافظ ابن حجر سے مسلمہ بن قاسم کی صریح توثیق ہرگز ثابت نہیں اور کبیر القدر کے الفاظ توثیق نہیں کہلاتے۔

اب امام ابن السماک کی صریح توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: خطیب نے فرمایا: "كان ثقة"

۲: دارقطنی نے فرمایا: "وكان من الثقات"

۳: ابن شاہین نے فرمایا: "عثمان بن أحمد الدقاق الثقة المأمون"

۴: ابوالحسین بن ابن الفضل القطان نے فرمایا: "وكان ثقة صالحًا صدوقًا"

(بحوالہ لسان المیزان ۴/۱۳۲، تاریخ بغداد ۱۱/۳۰۲۔۳۰۳)

۵: حافظ ابن حجر نے فرمایا: "الثقة"

۶: حاکم نے فرمایا: "الثقة المأمون" (المستدرک ۱/۳۰۰ ح ۶۷۴)

۷: ابن الجوزی نے فرمایا: "وكان ثقة صدوقًا (ثبتًا) صالحًا"

(المنتظم ۱۴/۹۹ وفیات ۳۴۴ھ)

۸: حافظ ابن کثیر نے فرمایا: "وكان ثقة ثبتًا" (البدایہ والنہایہ ۱۲/۱۹۴، نسخہ محققہ)

۹: سمعانی نے فرمایا: "كان ثقة صدوقًا" (الانساب ۳/۲۹۰، السماک)

۱۰: ابن اثیر نے فرمایا: "بغدادي ثقة صدوق" (اللباب فی تہذیب الانساب ۱/۴۵۱)

اس جمِ غفیر کے مقابلے میں اکیلے حافظ ذہبی کی جرح کون سنتا ہے؟ نیز حافظ ذہبی کی جرح بھی تین دلیلوں کی رُو سے منسوخ ہے:

دلیل اول: حافظ ذہبی نے فرمایا:

"ابن السماك الشيخ الإمام المحدث المكثر الصادق" (النبلاء ۱۵/۴۴۴)

دلیل دوم: حافظ ذہبی نے ابن السماک کی بیان کردہ حدیثوں کو صحیح کہا ہے۔

(مثلاً دیکھئے تلخیص المستدرک ۱/۳۲۴ ح ۱۲۰۶)

دلیل سوم: خود حافظ ذہبی نے ابن السماک کو بری قرار دیا ہے، جس کا حوالہ دو صفحے پہلے گزر چکا ہے۔ (میزان الاعتدال ۳/۳۱)

ایسے جلیل القدر ثقہ امام پر کوثری اور ظہور و نثار کی جرح ظلم عظیم ہے اور ان ظہوری و نثاری کارروائیوں سے یہی ظاہر ہے کہ یہ دونوں اشخاص سبیل المؤمنین کو چھوڑ کر مخالف سمت پگڈنڈیوں پر گامزن بلکہ سرپٹ دوڑے جا رہے ہیں۔

۹) امام ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل بن یوسف السلمی رحمہ اللہ (م ۲۸۰ھ) کے بارے میں ظہور احمد کوثری نے لکھا ہے:

''اس قول کی سند کے ابتدائی حصہ سے قطع نظر امام احمدؒ سے اس قول کے ناقل ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل خود متکلم فیہ ہے، چنانچہ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازیؒ (م ۳۲۷ھ) اس کے بارے میں فرماتے ہیں: سمعت منه بمكه و تكلموا فيه۔ میں نے اس سے مکہ مکرمہ میں سماع کیا تھا، اور وہاں کے محدثین اس میں کلام کرتے تھے۔

لہٰذا ایسے متکلم فیہ راوی کی روایت کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین کو کیسے جروح ثابت کیا جا سکتا ہے؟'' (تلامذہ ص ۲۷۵)

اب غلط ترجمے سے قطع نظر ''ظہوری متکلم فیہ'' راوی کی توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: خطیب بغدادی نے فرمایا: ''و كان فَهِمًا متقنًا مشهورًا بمذهب السنة.''

اور آپ سمجھدار، ثقہ، اہلِ سنت کے مذہب کے ساتھ مشہور تھے۔ (تاریخ بغداد ۲/۴۲ ت ۴۳۵)

۲: امام دارقطنی نے فرمایا: ''ثقة صدوق'' (سوالات الحاکم: ۱۷۵)

۳: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۹/۱۵۰-۱۵۱)

۴: حافظ ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (۱/۱۱۶ ح ۲۳۲)

۵: حاکم نے ان کی بیان کردہ حدیث کو ''صحيح الاسناد'' کہا۔

(المستدرک ۱/ ۲۷ ح ۲۴۴ ووافقہ الذہبی)

۶: حافظ ذہبی نے فرمایا: "الإمام الحافظ الثقة" (النبلاء ۱۳/ ۲۴۲)

اور فرمایا: "قلت: انبرم الحال علٰی توثیقه و امامته" (النبلاء ۱۳/ ۲۴۳)

۷: بیہقی نے ثقہ قرار دیا۔ (السنن الکبریٰ ۲/ ۳۰۷، راقم کی کتاب نور العینین ص ۱۲۰)

۸: حافظ ابن حجر نے ثقہ قرار دیا۔ (التلخیص الحبیر ۱/ ۲۱۹ ح ۳۲۸، نور العینین ص ۱۲۰)

اور فرمایا: "ثقة حافظ، لم يتضح كلام ابن أبي حاتم فيه"

(تقریب التہذیب: ۵۷۳۸)

۹: امام ابو عوانہ نے صحیح ابی عوانہ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (مسند ابی عوانہ ۲/ ۳۱۲ ح ۱۸۱۸)

۱۰: حافظ ابن الجوزی نے فرمایا: "وكان ثقة فهما متقناً مشهوراً بمذهب السنة"

(المنتظم ۱۰/ ۱۹۴ وفیات ۲۰۸ھ!!)

جمہور کے نزدیک ثقہ امام پر امام ابن ابی حاتم یا امام ابو حاتم کی جرح کی حیثیت ہی کیا ہے؟! اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: وہ ثقہ حافظ ہیں، ان کے بارے میں ابن ابی حاتم کا کلام (تکلموا فیہ) واضح نہیں ہوا۔ (تقریب التہذیب: ۵۷۳۸)

حاکم نے فرمایا: "لم يتكلم فيه أبو حاتم" ابو حاتم نے اُن کے بارے میں کوئی کلام نہیں کیا۔ (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۱۷۵)

۱۰) ابو السائب سلم بن جنادہ بن سلم بن خالد الکوفی السوائی العامری رحمہ اللہ (م ۲۵۴ھ) کے بارے میں ظہور احمد نے تلبیس کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جواب: اس قول کی سند کے دیگر راویوں سے قطع نظر اس کے مرکزی راوی کہ جس نے امام وکیعؒ سے یہ قول نقل کیا ہے وہ ابو السائب سلم بن جنادہ ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ثقة ربما خالف (تقریب التہذیب: ۱/ ۳۷۳) یہ ثقہ ہے، لیکن بسا اوقات یہ (دیگر ثقہ راویوں کی) مخالفت کرتا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے بھی اس کو ضعفاء میں ذکر کر کے اس کے بارے میں امام ابو احمد حاکم کا قول نقل کیا ہے کہ: اس کی بعض احادیث میں

مخالفت پائی جاتی ہے۔ (المغنی فی الضعفاء: ۱/ ۴۲۵)

اور چونکہ اس کی یہ مذکورہ روایت بھی دیگر ثقہ راویوں کہ جنہوں نے امام وکیعؒ سے امام ابوحنیفہؒ کی تعریف نقل کی ہے، کی روایات کے مخالف ہے لہٰذا یہ شاذ اور مردود ہے۔'' (تلامذہ ص ۱۵۸)

اس ظہوری نیش زنی کے مقابلے میں سلم بن جنادہ رحمہ اللہ کی توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: امام برقانی نے فرمایا: ''وھو ثقة حجة لا یشك فیه ،یصلح للصحیح''
وہ ثقہ حجت ہیں، اس میں کوئی شک نہیں، وہ صحیح احادیث (یا صحیح) کے لئے مناسب ہیں۔
(تاریخ بغداد ۹/ ۱۴۸ ت ۴۷۵۹ وسندہ صحیح)

۲: ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۸/ ۲۹۸)

☆ ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''کوفي شیخ'' (کتاب الجرح والتعدیل ۴/ ۲۶۹)
چونکہ مجرد شیخ کا لفظ واضح طور پر کلماتِ توثیق میں سے نہیں، لہٰذا اس فقرے پر کوئی نمبر درج نہیں کیا گیا۔ (نیز دیکھئے تلامذہ... ص ۱۶۳، کا حاشیہ)

۳: امام ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں اُن سے حدیث بیان کی۔ (۱/ ۱۰۷ ح ۲۱۵)

۴: امام ترمذی نے ان کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''حسن صحیح غریب'' قرار دیا۔
(سنن ترمذی: ۱۸۸۱)

۵: حاکم نے ان کی بیان کردہ حدیث کو امام مسلم کی شرط پر (صحیح) کہا۔
(المستدرک ۱/ ۳۷۰ ح ۱۳۶۹، ووافقہ الذہبی)

۶: ضیاء المقدسی نے المختارہ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (۱/ ۲۲۵ ح ۱۲۰، ۱۱/ ۱۱۲ ح ۱۰۳)

۷: امام بخاری نے صحیح بخاری کے علاوہ دوسری کتابوں میں ان سے حدیث بیان کی ہے اور ظفر احمد تھانوی نے لکھا ہے: ''و كذا كل من حدّث عنه البخاري فهو ثقة فانه لا يروي إلا عن ثقة عنده لا في الصحيح و لا في غيره۔''
(اعلاء السنن ۱۹/ ۲۲۳، قواعد فی علوم الحدیث)

۸: حافظ ابن حجر نے انھیں ثقہ کہا اور ان کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''صحیح السند

غريب بعض المتن" قرار دیا۔ (نتائج الافکار ۲/ ۱۹۵)

لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک توثیق کے بعد "ربما خالف" یعنی بعض اوقات وہ دوسرے راویوں کی مخالفت کرتے تھے، کے الفاظ جرح نہیں کہ ان کی روایت کو ضعیف یا شاذ کہہ کر مردود قرار دیا جائے۔ جمہور کی اس جرح کے مقابلے میں حافظ ابن حجر کا غیر مضر قول اور المغنی فی الضعفاء کا حوالہ پیش کرنا غلط ہے اور دوسرے یہ کہ اس حوالے میں بھی ظہور احمد نے ہاتھ کی 'صفائی' دکھائی ہے، یعنی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔

حافظ ذہبی نے اگرچہ ابو احمد الحاکم کا قول: "يخالف في بعض حديثه" نقل کیا ہے، لیکن اس سے پہلے اپنا فیصلہ یہ لکھا ہے: "صدوق" (المغنی فی الضعفاء ۱/ ۴۲۵ ت ۲۵۱۹)

حافظ ذہبی نے اپنی مشہور کتاب الکاشف میں سلم بن جنادہ کے بارے میں لکھا ہے: "ثقة" اور کسی قسم کی کوئی جرح نقل نہیں کی۔ (۱/ ۳۰۳ ت ۲۰۲۹)

ظہور وشار دونوں سر جوڑ کر اور عینکیں لگا کر بیٹھیں اور یہ فیصلہ کریں کہ انھوں نے حافظ ذہبی کی عبارت اور توثیق چھپا کر کتنی بڑی خیانت کی ہے؟!

چونکہ ہمارا منہج اسماء الرجال میں جمہور محدثین کو ہمیشہ ترجیح دینا ہے، لہٰذا میں ظہور احمد کی طرح یہ نہیں کہتا کہ ابو احمد الحاکم الکبیر نے امام ابو حنیفہ النعمان بن ثابت رحمہ اللہ پر اپنی کتاب الکنیٰ میں جرح کی ہے، یعنی یہ لکھا ہے: "عامة حديثه خطاء" ان کی عام حدیثیں غلط ہیں۔ (الکنیٰ ج ۴ ص ۱۷۵ ت ۱۸۵۱)

قارئین کرام! یہ دس (۱۰) نمونے مشتے از خروارے ہیں، ورنہ ظہور احمد کوثری نے بہت سے ثقہ وصدوق عند الجمہور راویوں پر جرح کی ہے، یا متعصب وغیرہ کے الزامات لگائے ہیں، جن میں سے بعض کے نام باحوالہ درج ذیل ہیں:

۱: امام عبداللہ بن ادریس الکوفی رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۰۱)

من رجال الستة وقال الحافظ ابن حجر: "ثقة فقيه حافظ"

(تقریب التہذیب: ۳۲۰۷)

۲: عبیداللہ بن موسیٰ الکوفی رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۰۸)

من رجال الستة و وثقه الجمهور وقال الحافظ ابن حجر: "ثقة كان يتشيع"
(تقریب التہذیب: ۴۳۴۵)

۳: عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۲۰)

وثقه أبو الوليد الباجي والجمهور.

۴: امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۲۸)

من رجال الستة وقال ابن حجر: "ثقة حافظ" (تقریب التہذیب: ۵۰۸۱)

۵: ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (دیکھئے تذکرہ ص ۲۳۰)

وثقه الجمهور في روايته وقال ابن حجر: "ثقة حافظ رمي بالنصب"
(تقریب التہذیب: ۲۷۳۰)

قلت: وهذا لا يضر في روايته.

۶: امام مظلوم نعیم بن حماد رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۳۰)

وثقه الجمهور. (دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۱ ص ۴۳۹-۴۶۷)

امام نعیم کو ظہور احمد نے اپنی نیش زنیوں اور زہریلے تیروں کا نشانہ بنایا ہے، حالانکہ ظہور کے چہیتے عبدالقادر قرشی نے لکھا ہے:

"نعيم بن حماد الإمام الكبير" (الجواہر المضیہ ۲/۲۰۲)

عبدالقادر نے امام احمد بن حنبل سے امام نعیم کی توثیق نقل کی اور کسی قسم کی کوئی جرح نقل نہیں کی۔

۷: عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۴۸)

هو ثقة بالاجماع. (دیکھئے تحقیقی مقالات ۱/۴۳۹-۴۴۸)

۸: امام احمد بن سعد بن الحکم بن محمد بن سالم المصری عرف ابن ابی مریم رحمہ اللہ
(دیکھئے تلامذہ ص ۲۶۷، ۲۸۰)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "صدوق" (تقریب التہذیب:۳۶)

بقی بن مخلد نے ان سے روایت بیان کی اور بقی صرف اسی راوی سے بیان کرتے تھے جو ان کے نزدیک ثقہ ہوتا تھا۔

مسلمہ بن قاسم (ضعیف عند الجمهور) نے کہا: ثقة.

نسائی نے سنن نسائی میں روایت بیان کی اور ہمارے علم کے مطابق کسی محدث نے ان پر کوئی جرح نہیں کی۔

امام ابوداود نے بھی حدیث بیان کی اور ذہبی نے فرمایا:

"الإمام الحافظ" (النبلاء ۱۲/۲۱۱)

۹: علی بن احمد بن سلیمان عرف علان المصری رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۳۸۰)

ان کے بارے میں ابن یونس المصری نے فرمایا: "وكان ثقة" إلخ

حاکم نے ان کی حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۱/۵۵۲ ح ۲۰۲۷ ووافقہ الذہبی)

ذہبی نے فرمایا: "الإمام المحدث العدل" (النبلاء ۱۴/۴۹۶)

جمہور کی اس توثیق کے بعد "وفي خلقه زعارة" کے الفاظ مردود ہیں۔

۱۰: حسن بن موسیٰ الاشیب رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۴۷)

کتبِ ستہ کے راوی ہیں اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ثقة" (تقریب التہذیب:۱۲۸۸)

وغير ذلك كالدراوردي المدني و الدارقطني و عبد الله بن أحمد بن حنبل وغيرهم رحمهم الله أجمعين.

ان مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ ظہورؔ ونثار نے علم اسماء الرجال، اصول حدیث اور علم حدیث کو بازیچۂ اطفال اور کھیل کود بنا رکھا ہے۔ کوثری کی تقلید نے انھیں ایسا اندھا کر دیا ہے کہ سلف صالحین اور ثقہ راویوں کی گستاخیوں اور توہین میں جُتے ہوئے اور مست ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انھیں ان حرکات سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۱۸/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۹/ جولائی ۲۰۱۲ء)

ظہور احمد دیوبندی اور روایاتِ صحیحہ کی تکذیب

دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو سچی روایات کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور جھوٹی روایات کو سچا سمجھتے ہیں اور بطورِ حجت پیش کرتے رہتے ہیں، انھی میں سے حضرو شہر کے ظہور احمد دیوبندی کوثری کا ان دونوں باتوں پر دل وجان سے عمل ہے۔

۱: جھوٹی اور مردود روایات سے ظہور احمد کے استدلال کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون: ''ظہور احمد حضروی کوثری اور موضوع روایات کی بھرمار''

۲: روایاتِ صحیحہ یعنی سچی روایتوں کو جھوٹا قرار دینے والے باطل پرست لوگوں میں ظہور احمد بھی کسی سے پیچھے نہیں، جس کی فی الحال دس (۱۰) مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱) امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے حسن بن زیاد اللؤلؤی پر شدید جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا: ''امام ابن معینؒ سے اگر یہ جرح ثابت بھی ہو تو پھر بھی کئی وجوہ سے مردود ہے۔''

(تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام ص ۴۹۰)

عرض ہے کہ یہ جرح بالکل صحیح ثابت ہے۔ دیکھئے تاریخ ابن معین (روایۃ الدوری: ۱۷۶۵) کتاب الجرح والتعدیل (۳/ ۱۵، وسندہ صحیح) الکامل لابن عدی (۲/ ۷۳۱، دوسرا نسخہ ۳/ ۱۶۰) الضعفاء للعقیلی (۱/ ۲۲۸) اور اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف (۳/ ۱۸۹، وسندہ صحیح)

اصل تاریخ ابن معین اور چار دوسری کتابوں میں اصولِ حدیث واسماء الرجال کی رُو سے صحیح سند والی روایت اگر ثابت نہیں تو بتائیں کہ ثابت کیا ہوتا ہے؟!

۲) امام محمد بن رافع النیسابوری رحمہ اللہ نے حسن بن زیاد پر جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا: ''زبیر علی زئی کا اس قول کی سند کو صحیح کہنا غلط ہے.....'' (تلامذہ ص ۴۹۹)

عرض ہے کہ تین کتابوں (کتاب الضعفاء للعقیلی ۱/ ۲۲۷۔ ۲۲۸ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۷/ ۳۱۶ وسندہ صحیح، اخبار القضاۃ ۳/ ۱۸۹، وسندہ صحیح) میں موجود اس قول کی سند بالکل

صحیح ہے اور اس کے مرکزی راوی امام ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الا بار البغدادی رحمہ اللہ بالاجماع ثقہ ہیں۔ دیکھئے میرے دو مضمون: ''حسن بن زیاد اللؤلوی پر محدثین کرام کی جرح'' (فقرہ نمبر ۶) اور ''امام ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الا بار رحمہ اللہ'' (الحدیث: ۹۷)

۳) امام حسن بن علی الحلوانی رحمہ اللہ نے حسن بن زیاد پر شدید جرح کی۔

(تاریخ بغداد ۷/ ۳۱۶)

تو ظہور احمد نے لکھا:

''حسن بن علی الحلوانی'' سے منسوب ایک الزام کی حقیقت'' (تلامذہ ص ۵۰۱)

پھر ظہور احمد نے امام ابو بکر بن ابی داود اور امام محمد بن عباس الخزاز کو اپنی جرح کا نشانہ بنایا، حالانکہ یہ دونوں امام جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں اور ان کی بیان کردہ مرفوع حدیث بھی حجت ہوتی ہے۔ دیکھئے تحقیقی مقالات (۴/ ۳۷۸۔۳۹۱) اور ''حسن بن زیاد اللؤلوی پر محدثین کرام کی جرح'' (فقرہ نمبر ۷)

٤) امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے حسن بن زیاد پر شدید جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا:

''.....لہٰذا پھر اس قول کی سند صحیح کیسے؟'' (تلامذہ ص ۵۰۲)

عرض ہے کہ امام احمد بن علی بن مسلم الا بار بالاتفاق ثقہ ہیں۔ (دیکھئے فقرہ سابقہ: ۲)

اور اگر اس قول کی سند صحیح نہیں تو بتائیں کہ صحیح روایت کیا ہوتی ہے؟!

۵) امام یعلی بن عبید نے حسن بن زیاد پر جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا:

''اس قول کی سند میں حافظ عقیلیؒ کے استاذ قاسم بن خلف الدوریؒ کا ترجمہ ہمیں اسماء الرجال کی متداول کتب میں نہیں ملا، لہٰذا جب تک اس کی معتبر توثیق ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس قول کو صحیح کہنا فضول ہے۔'' (تلامذہ ص ۵۰۴)

عرض ہے کہ تدلیس نہ کریں، قاسم بن خلف کی تلاش میں فضول وقت ضائع نہ کریں کیونکہ یہ راوی قاسم بن خلف نہیں بلکہ ہیثم بن خلف الدوری ہیں۔

(دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۲۲۶ ت ۲۷۶، دوسرا نسخہ ۱/ ۵۸۲ ت ۲۷۸)

اور ہیثم بن خلف ثقہ ہیں۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۲۶۱، تاریخ بغداد ۱۴/ ۶۳)

تنبیہ: دوسرے مقام پر ظہور احمد نے امام ہیثم بن خلف رحمہ اللہ کو بھی اپنی نیش زنی کا نشانہ بنایا ہے، جس کے جواب کے لئے دیکھئے: ''جمہور محدثین کرام کے نزدیک ثقہ وصدوق راویوں پر ظہور احمد کی جرح'' (فقرہ نمبر ۴)

ماہنامہ الحدیث حضرو (شمارہ: ۹۹)

۶) امام یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب: ''المعرفۃ والتاریخ'' میں حسن بن زیاد اللؤلوی کو کذاب کہا تو ظہور احمد نے اس کتاب کے راوی امام عبداللہ بن جعفر بن درستویہ النحوی رحمہ اللہ پر ظالمانہ جرح کردی، حالانکہ انھیں سات محدثین نے ثقہ و صدوق قرار دیا اور دیگر بہت سے علماء نے ان کی تعریف کی اور حافظ ذہبی نے فرمایا:

کسی ایک نے بھی انھیں دلیل کے ساتھ ضعیف قرار نہیں دیا۔ (العبر فی خبر من غبر ۲/ ۷۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے: ''حسن بن زیاد اللؤلوی پر محدثین کرام کی جرح'' (فقرہ: ۳)

۷) امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ سے کہا گیا: اس سال بارش نہیں ہو رہی، قحط ہے۔ انھوں نے جواب میں فرمایا: قحط کیوں نہ ہو؟ حسن اللؤلوی اور حماد بن ابی حنیفہ جو قاضی بنے بیٹھے ہیں۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ۱/ ۲۲۸ وسندہ صحیح)

اس صحیح روایت پر ظہور احمد نے درج ذیل تلبیسانہ الفاظ میں حملہ کیا:

''اس قول کی سند سے قطع نظر قول کا متن ہی اس قول کے جھوٹ اور غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے....'' (تلامذہ ص ۵۰۸)

عرض ہے کہ اس روایت کے تینوں راوی امام عقیلی، امام ادریس بن عبدالکریم المقرئ اور امام اسحاق بن اسماعیل الطالقانی جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔ دیکھئے تحقیقی مقالات (۲/ ۳۳۸) اور ''حسن بن زیاد اللؤلوی پر محدثین کرام کی جرح'' (فقرہ: ۱۰)

لہٰذا منکرینِ حدیث کی طرح اپنا نام نہاد وخود ساختہ ''درایتی معیار'' پیش نہ کریں بلکہ اسے اپنے پاس ہی رکھیں۔!

ظہور احمد نے مزید لکھا ہے:

''معلوم ہوتا ہے کہ اس ناپاک قصے کو گھڑنے والا بھی.... انتہائی بے وقوف انسان تھا''

(تلامذہ ص۵۰۹)

حالانکہ بے وقوف بلکہ حق کا منکر و باطل پرست وہ شخص ہے جو کوثری وغیرہ کی تقلید میں اس صحیح و ثابت اور دیگر صحیح روایات کا انکار کرتا ہے اور ثقہ و صدوق اماموں پر ظالمانہ جرح کرتا ہے۔

۸) امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ نے ابن فرقد شیبانی پر جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا:

''اس قول کی سند میں ایک راوی عثمانی بن احمد بن السماک الدقاق متکلم فیہ ہے....''

(تلامذہ ص۳۹۱)

حالانکہ امام عثمان بن احمد السماک الدقاق رحمہ اللہ کو خطیب بغدادی، امام دارقطنی، امام ابن شاہین، امام ابوالحسین ابن الفضل القطان، حافظ ابن الجوزی، سمعانی اور حافظ ابن حجر العسقلانی وغیرہم جمہور علماء اور جم غفیر نے ثقہ کہا۔

دیکھئے: ''جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راویوں پر ظہور کی جرح'' (فقرہ:۸)

ظہور احمد نے مزید لکھا ہے:

''نیز اس کے استاذ سہل بن احمد الواسطیؒ کا ترجمہ ہمیں اسماء الرجال کی متداول کتابوں میں نہیں ملا۔ لہٰذا اس قول کی سند کو صحیح قرار دینا غلط ہے۔'' (تلامذہ ص۳۹۲)

عرض ہے کہ راقم الحروف نے کافی عرصہ پہلے درج ذیل عبارت لکھ کر شائع کی تھی:

''الفلاس کے شاگرد ابوالعباس سہل بن احمد الواسطی ثقہ ہیں۔ (تاریخ بغداد ۹/۱۱۹ ت ۴۷۳۱)'' (مقالات ۲/۳۵۱ نوشتہ ۳۰/ستمبر ۲۰۰۸ء)

اگر تاریخ بغداد اسماء الرجال کی متداول کتابوں میں سے نہیں تو بتائیں کہ متداول کتابیں کیا ہوتی ہیں؟

سہل بن احمد الواسطی سے اماموں کی ایک جماعت مثلاً امام اسماعیلی، امام ابن

الاعرابی اور امام طبرانی وغیرہم نے حدیث بیان کی۔
المستدرک للحاکم (۱/ ۱۱۶ ح ۳۹۶) میں ان کی بیان کردہ ایک حدیث موجود ہے۔
ضیاء المقدسی نے المختارہ میں اس کی حدیث درج کی۔ (۲/ ۲۸۸ ح ۶۷۴)
حافظ ذہبی نے تاریخ الاسلام میں ان کا تذکرہ کیا۔ (۲۲/ ۱۵۸ ت ۲۱۶ وفیات ۲۹۱ تا ۳۰۰ھ)
امام اسماعیلی نے انھیں ''حافظ بو اسط'' قرار دیا۔ (معجم الاسماعیلی ۲/ ۶۵۴ ت ۲۸۵)
اگر خطیب کی توثیق اور ان تمام باتوں کا ظہور احمد کو متداول کتابوں میں ثبوت کہیں نہیں ملا تو ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں: **آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے!**
۹) امام شافعی رحمہ اللہ نے جب ابن فرقد پر جرح کی تو ظہور احمد نے لکھا:
''اس قول کی سند میں ایک راوی احمد بن علی الابار ہے..... لہٰذا اس کی روایت نا قابلِ اعتماد ہے۔'' (تلامذہ ص ۴۰۷)
حالانکہ احمد بن علی بن مسلم الابار بالاتفاق ثقہ ہیں اور اُن پر حافظ ذہبی نے جرح نہیں کی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مضمون: ''امام ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الابار رحمہ اللہ'' اور ''جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راویوں پر ظہور احمد کی جرح'' (فقرہ: ۲)
۱۰) خطیب بغدادی نے لکھا ہے:
" قرأت علی الحسن بن أبي بكر عن أحمد بن كامل القاضي قال: أخبرني أحمد بن القاسم عن بشر بن الوليد قال قال أبو يوسف: قولوا لهذا الكذاب يعني محمد بن الحسن ـ هذا الذي يرويه عني سمعه مني؟"
(قاضی) ابو یوسف نے کہا: اس کذاب یعنی محمد بن حسن سے کہو: وہ یہ جو مجھ سے روایت کرتا ہے۔ کیا اس نے اسے مجھ سے سنا تھا؟! (تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۰ ت ۵۹۳)
اس روایت کی قاضی ابو یوسف تک سند حسن لذاتہ یعنی حجت ہے اور اس کے راویوں کا مختصر وجامع تذکرہ درج ذیل ہے:
۱: حسن بن ابی بکر: ابراہیم بن احمد بن الحسن بن محمد بن شاذان بن حرب بن مہران

البزار ثقہ ہیں۔ (تاریخ بغداد ۷/ ۲۷۹ ت ۳۷۷۲، تحقیقی مقالات ۲/ ۳۵۹)

۲: احمد بن کامل القاضی صدوق وثقہ الجمہور ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔ان شاءاللہ

۳: احمد بن القاسم بن محمد بن سلیمان الطائی البرتی ثقہ ہیں۔

(تاریخ بغداد ۴/ ۳۵۰ ت ۲۱۹۱، تحقیقی مقالات ۲/ ۳۵۸)

۴: بشر بن الولید الکندی جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۲/ ۳۵۸)

اب اس روایت پر ظہور احمد کی زہریلی جرح اور سوقیانہ عبارت پیشِ خدمت ہے:

''اس قول کی سند میں ایک راوی احمد بن کامل القاضیؒ نے جب امام ابو یوسفؒ کی توثیق کی تو جواب میں علی زئی نے ان کو ضعیف قرار دے دیا، اور ان کے بارے میں دعویٰ کیا کہ ان کی کسی قابلِ اعتماد محدث سے توثیق ثابت نہیں ہے۔

لیکن علی زئی کی بددیانتی ملاحظہ کریں کہ یہاں جب ان کو احمد بن کاملؒ کی روایت امام محمدؒ کے خلاف مل گئی تو انہوں نے فوراً پینترا بدل لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ عندالجمہور ثقہ ہیں، اور ان کے بارے میں جرح منسوخ ہے۔ یہ ہے علی زئی کا انصاف!

اور پھر علی کے دوغلا پن کی انتہا ہے کہ یہاں وہ یہ تو کہہ رہے ہیں کہ احمد بن کاملؒ کے بارے میں انہوں نے جو جرح کی تھی وہ منسوخ ہے، لیکن انہوں نے یہ اقرار کرنا گوارا نہیں کیا کہ اس جرح کے بل بوتے انہوں نے امام ابو یوسفؒ کے حق میں احمد بن کامل کی توثیق کو جو رد کیا تھا وہ بھی منسوخ ہے اور امام ابو یوسفؒ ثقہ ہیں۔

ثانیاً: خود امام ابو یوسفؒ کے خلاف زبیر علی زئی ایک تنقیدی مضمون لکھ چکے ہیں....''

(تلامذہ ص ۴۰۸)

ان اعتراضات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱: راقم الحروف نے آج سے تقریباً چار سال پہلے ۳۰/ ستمبر ۲۰۰۸ء کو درج ذیل اعلان

شائع کیا تھا:

"احمد بن القاسم کے شاگرد احمد بن کامل بن شجرہ القاضی البغدادی موثق عندالجمہور ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں۔ ابن رزقویہ نے ان کی زبردست تعریف کی اور حاکم و ذہبی (المستدرک وتلخیصہ ۵۲۴/۴ ح ۸۵۹۸) نے اُن کی حدیث کو صحیح کہا، لہٰذا امام دارقطنی کی جرح مرجوح ہے۔

تنبیہ: راقم الحروف نے احمد بن کامل کے بارے میں پہلے جہاں بھی ضعیف وغیرہ کے الفاظ لکھے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے الحدیث: ۱۹ص ۴۶، تحقیقی مقالات ج۱ص ۵۳۵)

جدید تحقیق کی رو سے وہ ساری جرح منسوخ ہے اور اب یہی تحقیق ہے کہ احمد بن کامل مذکور حسن الحدیث ہیں۔ والحمدللہ" (الحدیث حضرو: ۵۵ص ۳۰۔۳۱، تحقیقی مقالات ج۲ص ۳۵۸۔۳۵۹)

اس واضح اعلانِ رجوع کے بعد بھی ظہور احمد کا راقم الحروف کو مطعون کرنا اگر بددیانتی نہیں تو پھر کیا ہے؟ اور ظہور احمد نے جھوٹ بولتے ہوئے لکھا ہے:

"اور خود علی زئی نے لکھا ہے کہ

کسی مسئلہ پر کسی شخص کو مطعون کرنا بری بات، جس سے وہ رجوع اور توبہ کر چکے ہیں۔

نیز لکھتے ہیں: رجوع کرنے والے کے خلاف پروپیگنڈا جاری رکھنا اہل الرائے کی کس عدالت کا انصاف ہے؟۔

لیکن علی زئی جس چیز سے پرہیز کی دوسروں کو نصیحت کر رہے ہیں خود اس بری حرکت میں بری طرح مبتلا ہیں۔" (تلامذہ ص ۴۷۶)

خود مبتلا ہونے والی بات تو بالکل جھوٹ ہے اور اس عبارت میں ظہور احمد نے تسلیم کر لیا ہے کہ رجوع پر اعتراض کرنا بُری حرکت ہے اور آپ نے دیکھ لیا ہے کہ ظہور احمد نے رجوع پر بھی اعتراض جڑ دیا ہے۔

۲: ۳۰/ستمبر ۲۰۰۸ء سے پہلے ۸/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ (۱۵/مئی ۲۰۰۵ء) میں راقم الحروف نے صرف لسان المیزان پر اعتماد کرتے ہوئے احمد بن کامل کو "بذاتِ خود ضعیف"

لکھا تھا۔ (دیکھئے الحدیث: ۱۹ ص ۴۶)

اور بعد میں تحقیق ثانی کے بعد ۳۰/ستمبر ۲۰۰۸ء میں اس سے رجوع کیا اور دسمبر ۲۰۰۸ء کے ماہنامہ الحدیث حضرو میں اسے علانیہ شائع کیا۔ (ص ۳۰۔۳۱)

یہ سب کچھ ظہور احمد کے علم میں ہے اور اس کے باوجود ظہور احمد دیوبندی کوثری نے مئی ۲۰۱۲ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''امام احمد بن کامل قاضیؒ کے حق میں محدثین کے ان توثیقی اقوال کے باوجود ایک متعصب غیر مقلد زبیر علی زئی کی ہٹ دھرمی ملاحظہ کریں کہ ''احمد بن کامل القاضی بذات خود ضعیف ہے، کسی قابل اعتماد محدث سے اس کی معتبر توثیق ثابت نہیں ہے۔ (ماہنامہ الحدیث حضرو، ش ۱۹، ص ۴۶) گویا علی زئی کی نظر میں علامہ خطیب اور حافظ ذہبیؒ وغیرہ نا قابل اعتبار محدث ہیں اور ان کی توثیق غیر معتبر ہے۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست '' (تلامذہ ص ۱۳۹، حاشیہ)

اس زہریلی عبارت میں ظہور احمد نے تین بددیانتیاں اور خیانتیں کی ہیں:

اول: راقم الحروف کے رجوع کا یہاں اشارہ تک نہیں لکھا، حالانکہ یہ رجوع ظہور احمد کے علم میں ہے اور ایسا کام اگر بددیانتی اور خیانت نہیں تو پھر کیا ہے؟!

دوم: راقم الحروف کی منسوخ عبارت اپنے علم کی حد تک تھی اور اس کی بنیاد لسان المیزان تھی۔ میں نے ہرگز خطیب اور حافظ ذہبی کو نا قابلِ اعتبار قرار نہیں دیا، بلکہ تحقیق قدیم میں اپنی معلومات و فہم کے مطابق جمہور کو ترجیح دی اور جب بعد میں اس بات کا غلط ہونا ثابت ہوا تو علانیہ رجوع کر لیا۔ یہ نہیں کیا کہ ظہور احمد کی طرح چپکے سے اپنی عبارت اُڑا دی جائے اور کسی قسم کے رجوع کا اعلان شائع نہ کیا جائے۔ دیکھئے میرا مضمون:

''ظہور احمد حضروی کے بائیں ہاتھ کا کھیل: چپکے سے عبارت غائب کر دینا!!''

سوم: ظہور و نثار نے مجھے غیر مقلد لکھا ہے، حالانکہ میں ''مقلد و غیر مقلد'' نہیں بلکہ صحیح العقیدہ مسلمان یعنی اہلِ حدیث: اہلِ سنت ہوں۔ والحمد للہ

اور شریعت اسلامیہ میں تنابز بالالقاب ممنوع ہے۔ (دیکھئے سورۃ الحجرات:۱۱)

امام ابوبکر بن ابی داود رحمہ اللہ نے فرمایا: اور تُو اس قوم میں سے نہ ہونا جو اپنے دین سے کھیلتے ہیں (ورنہ) تو اہلِ حدیث پر طعن وجرح کر بیٹھے گا۔ (الشریعہ للآجری ص ۹۷۵)

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اہلِ حدیث کو بُرا کہتے ہیں وہ دین سے کھیلتے ہیں یعنی اہلِ بدعت ہیں اور یہ بھی ظاہر وباہر ہے کہ اہلِ بدعت صرف محدثین کرام سے ہی بغض نہیں رکھتے بلکہ اہلِ حدیث عوام سے بھی بہت زیادہ بغض رکھتے ہیں۔

امین اوکاڑوی دیوبندی نے ''غیر مقلد کی تعریف'' کے تحت لکھا ہے:

''لیکن جو شخص نہ امام ہو نہ مقتدی، کبھی امام کو گالیاں دے کبھی مقتدیوں سے لڑے یہ غیر مقلد ہے'' (تجلیات صفدر ۳/۳۷۷)

نیز اوکاڑوی نے دوسری جگہ لکھا ہے: ''اس لئے جو جتنا بڑا غیر مقلد ہوگا، وہ اتنا ہی بڑا گستاخ اور بے ادب بھی ہوگا'' (تجلیات صفدر ۳/۵۹۰)

اوکاڑوی نے مزید لکھا ہے: ''کہ ہر غیر مقلد اعجاب کل ذی رأی برأیه کا مجسمہ ہے اور موافق فرمان رسول اللہ ﷺ ایسے لوگوں پر توبہ کا دروازہ بند ہے۔''

(تجلیات صفدر ۶/۱۶۴)

یہ ہیں وہ عبارات اور اس طرح کے دوسرے حوالے، جن کی وجہ سے آلِ تقلید کا اہلِ حدیث کے خلاف غیر مقلد کا لفظ استعمال کرنا بالکل باطل ومردود ہے۔

امام احمد بن سنان الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا: دنیا میں کوئی ایسا بدعتی نہیں جو اہلِ حدیث سے بغض نہیں رکھتا۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۴)

اور یہ ظاہر ہے کہ ہر اہلِ حدیث سے چاہے محدث وعالم ہو یا عوام میں سے ہو، تمام اہلِ بدعت بغض رکھتے ہیں اور طرح طرح کے نام رکھ کر مثلاً غیر مقلدین وغیرہ کہہ کر اہلِ حدیث کا مذاق اڑاتے ہیں۔ أعاذنا الله من شرورهم

۳: اگر کوئی کہے کہ آپ نے پہلے کس بنیاد پر احمد بن کامل کو ضعیف لکھا تھا؟ تو عرض ہے کہ

لسان المیزان میں دو باتیں لکھی ہوئی ہیں:

اول: ابن رزقویہ نے فرمایا کہ میری آنکھوں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔

دوم: امام دارقطنی نے فرمایا: وہ (روایت میں) متساہل تھے، بعض اوقات اپنے حافظے سے ایسی حدیثیں بیان کرتے جو ان کی کتاب میں نہیں ہوتی تھیں، انھیں خود پسندی (اتراہٹ اور غرور) نے ہلاک کر دیا۔ الخ (ج ۱ ص ۲۴۹ دوسرا نسخہ ۱/ ۳۷۶)

نیز دیکھئے الحدیث: ۲ ص ۲۵

ظاہر ہے کہ صرف ابن رزقویہ کے مقابلے میں امام دارقطنی کو ہی ترجیح حاصل ہے، لیکن بعد میں جدید وسائل استعمال کرنے سے معلوم ہوا کہ حاکم اور ذہبی دونوں نے احمد بن کامل کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (المستدرک ۴/ ۵۲۴ ح ۸۵۹۸ وتلخیصہ)

لہٰذا موثقین تین ہو گئے اور چونکہ ہمارے نزدیک جرح و تعدیل میں تعارض وعدم تطبیق کی صورت میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ترجیح حاصل ہے، لہٰذا احمد بن کامل کی توثیق قبول کر کے علانیہ رجوع کیا اور اسی میں نجات ہے۔ ان شاء اللہ

۴: قاضی ابو یوسف کے بارے میں احمد بن کامل کی توثیقی روایت کے بارے میں عرض ہے کہ احمد بن کامل ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ (تاریخ بغداد ۴/ ۳۵۸ ت ۲۲۰۹)

اور امام یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ، امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ اور امام علی بن المدینی ۲۳۴ھ میں فوت ہوئے تھے، لہٰذا یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۵: ظہور احمد کا یہ کہنا کہ ''خود امام ابو یوسفؒ کے خلاف زبیر علی زئی ایک تنقیدی مضمون لکھ چکے ہیں'' تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ قاضی ابو یوسف کا قول بطورِ الزامی دلیل پیش کیا گیا ہے؟ جس طرح کہ قاضی ابو یوسف کے خلاف امام ابو حنیفہ کا قول بطورِ الزامی دلیل پیش کیا جاتا ہے اور یہ دونوں اقوال ان لوگوں پر حجت قاطعہ اور برہان ساطعہ بلکہ قاصمۃ الظہر اور قاطعۃ العنق ہیں جو اپنے آپ کو حنفی کہتے یا کہلواتے ہیں۔

الزامی دلیل کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ راقم الحروف نے ابن فرقد پر دس محدثین

کی جرح علیحدہ نمبروں کے ساتھ نقل کی ہے اور قاضی ابو یوسف کی جرح کو علیحدہ بطورِ فائدہ لکھا ہے۔

دیکھئے مقالات (ج ۲ ص ۳۴۱ تا ۳۵۶، الحدیث حضرو: ۵۵ ص ۱۲ تا ۲۸، اور ص ۲۹)

۶: ظہور احمد نے ۳۵۱ھ میں پیدا ہونے والے حسین بن علی بن جعفر الصیمری اور ۶۹۶ھ میں پیدا ہونے والے عبدالقادر القرشی سے اپنے الفاظ میں مفہوماً و مترجماً نقل کیا ہے کہ "بشر بن ولیدؒ، امام محمد بن حسنؒ پر زیادتی کرتے تھے اور ان سے مخالفت رکھتے تھے۔"

(تلامذہ ص ۴۰۹)

عرض ہے کہ بشر بن الولید الکندی ۲۳۸ھ میں فوت ہو گئے تھے، لہٰذا ان دونوں کی اُن سے یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور یہاں ظہور احمد کا حافظ ذہبی کے قول:

"لا یسمع قول العدو فی عدو" یعنی ایک مخالف کی دوسرے مخالف کے خلاف کوئی بھی بات نا قابلِ سماعت ہے/ پیش کرنا باطل ہے۔

یاد رہے کہ حافظ ذہبی کے قول کا تعلق مخالف کی رائے سے ہے اور ثقہ مخالف کی روایت سے نہیں، لہٰذا تلبیس و تدلیس کرنا جائز نہیں، نیز اگر یہ ظہوری اصول عام ہے تو اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ظہور و نثار دونوں اہلِ حدیث کے سخت دشمن ہیں۔ لہٰذا اس اصول کی رُو سے ان دونوں کی خصوصاً اور تمام آلِ دیوبند کی عموماً ہر بات جو اہلِ حدیث کے خلاف ہے نا قابلِ سماعت یعنی مردود ہے۔

کیا ظہور و نثار اپنے اصول کو اپنے آپ پر نافذ و لاگو کرنے کے لئے تیار ہیں؟!

قارئین کرام! ظہور احمد دیوبندی کی طرف سے روایات صحیحہ کی تکذیب کے یہ دس حوالے بطورِ نمونہ و مشتے از خروارے پیش کئے گئے ہیں ورنہ اس طرح کی مثالیں اور بھی ہیں۔ مثلاً:

۱: راقم الحروف نے امام عقیلی کی کتاب الضعفاء سے احمد بن محمد بن صدقہ کی سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معین کا قول پیش کیا تو ظہور احمد نے لکھا:

''لیکن ہمارے پاس تاریخ بغداد کا جو مطبوعہ نسخہ (طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت) ہے اس میں ہمیں احمد بن محمد بن صدقہ کا ترجمہ نہیں ملا، البتہ اس میں امام عقیلیؒ کے ایک استاذ احمد بن محمد بن صعصقہ کا ترجمہ موجود ہے،
ممکن ہے کہ صدقہ صعصقہ کی، یا صعصقہ صدقہ کی تصحیف ہو۔ بہر حال جو بھی ہو علامہ خطیب نے اس کی توثیق نہیں کی اور نہ ہی اس کے متعلق کسی اور محدث سے توثیق نقل کی ہے۔
اسماء الرجال کی دیگر متداول کتب میں بھی ہمیں اس کی توثیق نہیں ملی۔ لہٰذا جب تک اس کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہو علی زئی کا اس کی روایت کو صحیح کہنا فضول ہے۔'' (تلامذہ ص ۳۶۹)

عرض ہے کہ ابو العباس احمد بن محمد بن صعصعہ القرزاز البز از دوسرے آدمی ہیں اور امام ابوبکر احمد بن محمد بن عبداللہ بن صدقہ الحافظ اس سے علیحدہ شخص ہیں۔ انھیں امام دارقطنی، خطیب بغدادی، امام ابو الحسین ابن المنادی اور حافظ ذہبی نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(دیکھئے الحدیث: ۵۵ ص ۱۴)

اتنی زبردست توثیق بلکہ الاجماع علی التوثیق کے بعد بھی یہ کہنا کہ ''ترجمہ نہیں ملا'' یا ''ہمیں اس کی توثیق نہیں ملی'' فضول ہے اور صحیح روایت کو ضعیف قرار دینا مردود ہے۔
تاریخ بغداد (ج ۵ ص ۴۱ ترجمہ ۲۳۹۵) میں احمد بن محمد بن (عبداللہ بن) صدقہ کے حالات صاف طور پر موجود ہیں، لیکن اگر آنکھیں ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے!!

۲: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے جب قاضی ابو یوسف پر کلام کیا۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/ ۷۹۱ وسندہ صحیح)

تو ظہور احمد نے لکھا:

''امام ثوریؒ سے اس واقعہ کا راوی عبید اللہ (بن) موسیٰ متکلم فیہ ہے، امام احمد بن حنبلؒ، امام عثمان بن ابی شیبہؒ، امام یعقوب بن سفیانؒ، امام ابو مسلم بغدادیؒ، اور دیگر محدثین نے اس پر جرح کی ہے، خاص کر اس کی ان احادیث پر جو امام سفیان ثوری سے روایت کی ہیں، اور یہ روایت بھی اس کی امام ثوریؒ سے ہے۔

اسی طرح یہ متکلم فیہ ہونے کے ساتھ شیعہ اور رافضی بھی ہے....'' (تلامذہ ص ۲۰۸)

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے اس مرکزی راوی کی کچھ توثیق درج ذیل ہے:

۱: امام بخاری نے اُن سے صحیح بخاری میں بہت سی روایات بیان کیں، مثلاً:

۸، ۱۲۷، ۳۵۴، ۵۲۰ وغیرذلک

تفصیل کے لئے دیکھئے مفتاح صحیح بخاری (ص ۱۱۴، ب)

۲: امام مسلم نے اُن سے صحیح مسلم میں بہت سی احادیث بیان کیں۔

۳: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''عبید اللہ بن موسی ثقة''

(کتاب الجرح والتعدیل ۵/۳۳۴)

۴: امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''وھو ثقة'' (ایضاً ص ۳۳۵ ملخصاً)

۵: امام عجلی نے فرمایا: ''(کوفی ثقة کان عالمًا بالقرآن) صدوق و کان یتشیع و کان صاحب قرآن رأسًا فیه شجی القراۃ''

(التاریخ المشہور بالثقات للعجلی: ۱۱۷۱)

۶: ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا: ''و کان یتشیع'' (۷/۱۵۲)

اور انھوں نے صحیح ابن حبان میں ان کی بہت سی احادیث درج کیں۔

۷: ابن شاہین نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (ص ۱۶۵ ت ۹۵۷)

۸: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''ثقة'' (الکاشف ۲/۲۶۹ ت ۳۵۸۳)

۹: حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''ثقة کان یتشیع ''الخ (تقریب التہذیب: ۴۳۴۵)

۱۰: امام ترمذی نے عبید اللہ بن موسیٰ کی بیان کردہ حدیث کو ''حسن صحیح'' کہا۔

(مثلاً دیکھئے سنن ترمذی: ۳۷۶۵)

اور سفیان ثوری سے ان کی حدیث کو بھی ''حسن صحیح'' کہا۔ (ح ۲۶۳۲)

۱۱: امام ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں ان کی احادیث بغیر کسی جرح کے درج کیں۔

(مثلاً دیکھئے ح ۲۴۰۶)

۱۲: ابوعوانہ نے صحیح ابی عوانہ میں ان کی احادیث بیان کیں۔
۱۳: ابن الجارود نے المنتقیٰ میں اُن کی احادیث لکھیں۔

(مثلاً دیکھئے ح ۴۸ وسندہ ضعیف لعلۃ اُخریٰ)

۱۴: حاکم نے المستدرک میں عبیداللہ بن موسیٰ کی عن سفیان والی حدیث کے بارے میں فرمایا: " ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ "

(ج ۲ ص ۱۶۰ ح ۲۶۷۴ ووافقہ الذھبی)

اتنی زبردست توثیق کے بعد پانچ چھ اماموں کی جرح مرجوح اور غلط ہے۔
نیز یہ کہنا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ان کی روایت میں خاص کلام ہے، یہ بھی یہاں قوی اعتراض نہیں کیونکہ صحیح بخاری (قبل ح ۶۳) میں عبیداللہ بن موسیٰ عن سفیان کی روایت موجود ہے اور ایسی سند کو حاکم وذہبی وغیرہما نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔
جن راویوں کی روایات ہم صحیحین اور احادیث صحیحہ مرفوعہ میں تسلیم کرتے ہیں، اسماء الرجال کی روایات میں ان راویوں کی روایات کیوں مردود ہیں؟
حقیقت یہ ہے کہ آلِ دیوبند کا یہ طرزِ عمل ہے کہ جب کوئی روایت اُن کی مرضی کے مطابق ہو تو وہ اسے صحیح اور راوی کو ثقہ قرار دیتے ہیں اور اگر کوئی مرضی کے خلاف ہو تو (بعض اوقات اسی) راوی کو ضعیف قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ بڑی دوغلی پالیسی اور دورُخی ہے۔
نیز دیکھئے میرا مضمون: ''ظہور احمد کی دس (۱۰) دورُخیاں اور دوغلی پالیسیاں''
ماہنامہ الحدیث حضرو (شمارہ: ۹۸)

ہمارے نزدیک اسماء الرجال میں اصل مسئلہ صرف یہ ہے کہ سب سے پہلے: راوی کے بارے میں ثابت شدہ توثیق اور جرح کے اقوال جمع کر لئے جائیں، غیر ثابت اقوال کو چھوڑ دیا جائے اور تطبیق نہ ہونے کی صورت میں ہمیشہ جمہور محدثین کرام کو ترجیح دے دی جائے اور اسی میں نجات ہے۔ والحمد للہ
(۲۵/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۶/ جولائی ۲۰۱۲ء)

ظہور احمد حضروی کوثری اور موضوع روایات کی بھرمار

اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ کذاب اور متروک راویوں کی روایات بطورِ حجت و بطورِ استدلال بیان کرنا جائز نہیں، لیکن پھر بھی بہت سے بدنصیب اور غلط کار لوگ جھوٹی اور مردود روایات بطورِ جزم بیان کرتے رہتے ہیں اور انھی میں سے ظہور احمد حضروی (ننھے کوثری) کی تحریرات موضوعات واباطیل سے بھری پڑی ہیں۔

ان من گھڑت روایات کے خروارے (ڈھیر) سے دس (۱۰) روایتیں بطورِ نمونہ و مشتے از خروارے مع رد نیز برائے خیر خواہی پیشِ خدمت ہیں، تاکہ عام مسلمانوں کی اصلاح ہو اور ظہور و نثار دونوں بھی اپنے مرنے سے پہلے توبہ کر لیں:

۱) امام ابو حنیفہ کے بارے میں ظہور احمد نے بطورِ جزم لکھا ہے:

''آپ کے پوتے اسماعیل بن حماد (م۲۱۲ھ) کا ہی بیان ہے:

آنا اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن المرزبان من أبناء فارس الاحرار، و اللّٰه ما وقع علینا رق قط۔ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان (امام ابوحنیفہؒ) بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم فارسی النسل کے آزاد لوگوں میں سے ہیں۔ بخدا! ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا۔''

اس کے بعد ظہور احمد نے چودھویں صدی کے شبلی نعمانی تقلیدی (م۱۳۳۲ھ) سے نقل کیا ہے کہ ''اسماعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے.......''

(امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام ص ۲۵)

اسماعیل بن حماد ضعیف تھے یا مجروح، اس سے قطع نظر اُن کی طرف منسوب قول کا حوالہ دیتے ہوئے ظہور احمد نے تاریخ بغداد (۱۳/ ۳۲۷) تہذیب الکمال (۱۹/ ۱۰۵) تہذیب التہذیب (۵/ ۶۳۹) اور سیر اعلام النبلاء (۶/ ۵۳۱) کے نام لکھے ہیں۔ تہذیب

التہذیب میں تو یہ قول بلا سند ہے، لیکن تاریخ بغداد، تہذیب الکمال اور النبلاء میں اس کی درج ذیل ہے:

" مکرم بن أحمد القاضي: حدثنا أحمد بن عبيد الله بن شاذان المروزي قال: حدثني أبي عن جدي قال: سمعت إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة...."

احمد بن عبید اللہ (یا عبد اللہ) اور اس کے والد دونوں نامعلوم (مجہول) ہیں اور نضر بن سلمہ عرف شاذان المروزی کذاب راوی تھا۔

امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا:" كان يفتعل الحديث ولم يكن بصدوق" وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور سچا نہیں تھا۔

اسماعیل بن ابی اویس اور عبد العزیز الاویسی دونوں اسے بہت برا سمجھتے تھے۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۸/۴۸۰)

حافظ ابن حبان نے فرمایا:" كان ممن يسرق الحديث، لا يحل الرواية عنه إلا للاعتبار ." وہ حدیثیں چوری کرتا تھا، اس سے روایت نہیں سوائے اعتبار (مختلف روایات، اسانید اکٹھی کر کے جانچنے) کے لئے۔

احمد بن محمد بن عبد الکریم الوزان نے فرمایا:" عرفنا كذبه....."

ہم نے اس کا جھوٹ معلوم کرلیا۔ الخ

انھوں نے مزید فرمایا:" فعلمنا أنه يضع الحديث " پس ہم نے جان لیا کہ وہ حدیثیں گھڑتا ہے۔ (المجروحین لابن حبان ۳/۵۱۔۵۲)

عبدان نے عباس العنبری سے شاذان کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے منہ کی اشارہ کیا۔ ابن عدی نے فرمایا:" أراد أنه يكذب " ان کا مطلب ہے کہ وہ شاذان جھوٹ بولتا تھا۔ (الکامل لابن عدی ۷/۲۴۹۴، دوسرا نسخہ ۸/۲۷۱۔۲۷۲)

حافظ ابن عدی نے اس کے حافظے کے بارے میں طویل کلام کے بعد فرمایا:" وھو

ینسب إلی الضعف " اور وہ ضعف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (الکامل ۷/۲۴۹۵)

امام دارقطنی نے اسے الضعفاء والمتر وکون میں شمار کیا۔ (ص ۷۷ت ۵۴۲)

حافظ ذہبی نے دیوان الضعفاء والمتر وکون میں ذکر کیا۔ (۲/۴۰۱ت ۴۳۷۳)

امام ابوزرعہ الرازی نے اس کی روایت سننے کے بعد فرمایا:" راوی ھذا الحدیث مجنون، کم من کذاب یکون مجنوناً " اس حدیث کا راوی مجنون ہے، کتنے ہی جھوٹے مجنون ہوتے ہیں۔ (کتاب الضعفاء لابی زرعہ الرازی ۲/۴۰۳)

تنبیہ: یہ عبارت سعید بن عمرو البرذعی نے امام ابوزرعہ سے سنی تھی، جیسا کہ مذکورہ حوالے کے شروع میں صراحت ہے۔

جمہور کے نزدیک مجروح اور کذاب راوی کے بارے میں امام ابوعردبہ رحمہ اللہ کی تعریف مردود ہے۔

اس موضوع روایت کے برعکس عمر بن حماد بن ابی حنیفہ سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دادا ''زوطی'' کابل والوں میں سے تھے۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱، تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۴)

امام ابونعیم الکوفی رحمہ اللہ (م ۲۱۸ھ) نے فرمایا: ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی، آپ کی اصل کابل سے ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۴۔۳۲۵ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ فارس چوتھی اقلیم میں ہے اور کابل تیسری اقلیم میں ہے۔

(دیکھئے معجم البلدان ۴/۲۲۶، ۳/۴۲۶)

۲) ظہور احمد نے لکھا ہے: ''آپ کے دوسرے جلیل القدر شاگرد امام ابونعیم فضل بن دکینؒ (م ۲۱۹ھ) آپ کا حسن و جمال یوں بیان کرتے ہیں:

کان الامام ابو حنیفة حسن الوجه، حسن اللحية، حسن الثياب، حسن النعل، طيب الريح، حسن المجلس، هيوبا۔

امام ابوحنیفہؒ حسین چہرے، خوبصورت داڑھی، عمدہ کپڑے، اچھے جوتے، بہترین خوشبو، بھلی مجلس والے اور رُعب دار آدمی تھے۔''

(.....کا محدثانہ مقام ص ۳۹ بحوالہ تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۳۱ و عقود الجمان ص ۴۳)

عقود الجمان میں یہ روایت بلا سند ہے اور دسویں صدی کے شافعی مولوی کی یہ کتاب بے سند اور باطل کتابوں میں سے ہے۔

تاریخ بغداد میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" اخبرنا التنوخي: حدثني أبي: حدثنا أبوبكر محمد بن حمدان بن الصباح النيسابوری بالبصرة : حدثنا أحمد بن الصلت بن المغلس الحماني قال: سمعت أبا نعيم يقول....." (۱۳/ ۳۳۰)

اس سند میں احمد بن مغلس الحمانی کذاب راوی ہے۔ اسے ابن عدی، ابن حبان، دارقطنی، ابن ابی الفوارس، حاکم اور ذہبی وغیرہم نے کذاب قرار دیا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: تلبیساتِ ظہور و نثار، فقرہ: ۱)

بلکہ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے اسے انتہائی کمزور اور جعل ساز راوی قرار دیا۔

(دیکھئے الکلام المفید ص ۲۴۵)

اس کذاب، انتہائی کمزور اور جعل ساز راوی کی روایت بیان کر کے ظہور و نثار دونوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ دونوں عدل و انصاف سے انتہائی دور ہیں، کذب نواز ہیں اور مسلمانوں کو جھوٹی روایات کے چکر میں پھنسانا چاہتے ہیں۔

تنبیہ: اس روایت کی باقی سند بھی مردود ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۵/ ۱۴۷، از محمد بن حمدان بن الصباح النیسابوری)

۳) ظہور احمد نے لکھا ہے:

''چنانچہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ (م ۱۹۳ھ) نے ایک دفعہ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) سے درخواست کی کہ آپ میرے سامنے، امام ابوحنیفہؒ کے کچھ اوصاف بیان کیجیے۔

انہوں نے آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كان والله شديد الذب عن حرام الله، مجانبا لاهل الدنيا، طويل الصمت،

دائم الفکر لم [یکن] مهذرا و لا ثرثارًا، ان سئل عن مسئلة کان عنده منها علم اجاب فیها و ما علمته یا امیر المومنین الاصائنًا لنفسه و دینه مشتغلاً بنفسه عن الناس لا یذکر احدًا الاّ بخیر۔

اللہ کی قسم! آپ حرام چیزوں سے بہت بچنے والے اور دنیا سے احتراز کرنے والے تھے۔ نہایت کم گو تھے اور ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔ زیادہ گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہاں! اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور آپ کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے (ورنہ خاموش رہتے)۔ امیر المؤمنین! یہاں تک میں جانتا ہوں، آپ اپنی ذات میں اور اپنے دین کی بہت حفاظت کرنے والے اور اپنے کو لوگوں کی برائی سے دور رکھنے والے تھے، اور جب کسی شخص کا تذکرہ کرتے تو صرف بھلائی کے ساتھ ہی کرتے تھے۔

ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا، **هذه اخلاق الصالحین.**

صالحین کے اخلاق اسی طرح ہوتے ہیں۔" (....محدثانہ مقام ص ۳۹، ۴۰ بحوالہ فضائل ابی حنیفہ لابن ابی العوام ص ۴۷ ومناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی ص ۹)

مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی تو بے سند روایتوں کی ایک کتاب ہے اور ابن ابی العوام کی طرف منسوب کتاب فضائل ابی حنیفہ میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" ۱۳۔ حدثني أبي قال: حدثني أبي قال: حدثني محمد بن أحمد بن حماد قال: حدثني محمد بن المبارك قال: ثنا الحسن بن إسماعيل بن مجالد قال: سمعت أبي يقول....... " (ص ۴۷)

اس سند کے راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: احمد بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن یحییٰ بن الحارث عرف ابن ابی العوام السعدی

اس کی کوئی توثیق محدثین کرام سے ثابت نہیں۔ (دیکھئے تحقیق مقالات ۴/ ۳۲۰۔۳۲۱)

یہ شخص حاکم بامر اللہ مصری (رافضی) کا قاضی تھا۔ (دیکھئے الجواہر المضیہ ج ۱ ص ۱۰۷)

حاکم بامر اللہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

عبیدی مصری رافضی بلکہ اسماعیلی زندیق، وہ رب ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ (النبلاء ۱۵/۱۷۳)

حافظ ذہبی نے مزید فرمایا:

وہ سرکش شیطان، متکبر، حق کا مخالف ہٹ دھرم، بڑے رنگ بدلنے والا، سفا کی سے (بے گناہوں کا خون بہانے والا) خبیث عقیدے والا....... اپنے زمانے کا فرعون تھا۔

(النبلاء ۱۵/۱۷۴)

اس فرعونِ وقت اور شیطان زندیق قاضی کی توثیق کہاں ہے؟!

۲: فرعونِ وقت کے قاضی ابن ابی العوام کا باپ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مجہول ہے۔

(مقالات ۴/ ۳۲۱۔۳۲۲)

عبدالقادر قرشی حنفی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس شخص کا تذکرہ آگے کرے گا لیکن اس نے وعدہ خلافی کی اور آگے جا کر کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

ظہور ونثار کو چاہئے کہ وہ اس قرشی کے وعدے کو خود زور لگا کر پورا کرلیں۔

۳: محمد بن عبداللہ کا باپ عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بھی مجہول ہے، اس کی کوئی توثیق نہیں ملی۔ (مقالات ۴/۳۲۲)

۴: محمد بن احمد بن حماد دولابی (تحقیق راجح میں) ضعیف ہے اور حسن بن اسماعیل بن مجالد کے حالات نہیں ملے۔

یاد رہے کہ اس سے حسن بن اسماعیل بن سلیمان بن مجالد مراد لینا صحیح نہیں، ورنہ اسماعیل بن سلیمان بن مجالد کے حالات پیش کرنا ہوں گے۔

مختصر یہ کہ یہ روایت فرعونِ وقت کے قاضی، اس کے باپ اور دادا کی وجہ سے موضوع ہے اور حافظ ذہبی کا مناقب میں اسے بے سند لکھ دینا اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں۔ ابوالوفاء الافغانی نے اس روایت کا ایک شاہد بھی تلاش کرلیا ہے لیکن اس کی سند میں احمد بن محمد الحمانی کذاب ہے۔!

٤) ظہور احمد نے لکھا ہے:

''امام ثوریؒ نے فرمایا: **هو والله اعقل من ان يسلط على حسناته ما يذهب بها۔**
اللہ کی قسم! امام ابوحنیفہؒ بڑے عقل مند ہیں، وہ غیبت کر کے اپنی نیکیوں پر وہ چیز مسلط نہیں ہونے دیتے جو نیکیوں کو برباد کر دے۔'' (محدثانہ مقام ص۴۰ بحوالہ تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۶۱)

تاریخ بغداد میں اس روایت کی سند کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

" مكرم بن أحمد: حدثنا أحمد بن عطية : قال: حدثنا يحيى الحماني قال: سمعت ابن المبارك يقول....." (ج ۱۳ ص ۳۶۳)

اس سند میں یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی سخت مجروح ہے اور بوصیری نے فرمایا:
" وضعفه الجمهور " اور جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(اتحاف الخیرۃ المھرۃ ج ۹ ص ۲۹۶ ح ۹۴۳۳)

یحییٰ الحمانی سے اس قول کا راوی احمد بن محمد الحمانی یعنی ابن عطیہ مشہور کذاب ہے، جس کا تذکرہ اس مضمون کے شروع میں گزر چکا ہے۔

مکرم بن احمد کے بارے میں عرض ہے کہ ثقہ امام ابوالقاسم الازہری رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ (امام) ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی سے میری موجودگی میں مکرم بن احمد کی (کتاب) فضائلِ ابی حنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

" موضوع كله كذب، وضعه أحمد بن المغلس الحماني قرابة جبارة و كان في الشرقية " موضوع ہے، یہ ساری (کتاب) جھوٹ ہے، اسے جبارہ کے رشتہ احمد بن مغلس الحمانی نے گھڑا تھا اور یہ شخص (بغداد کے محلے) شرقیہ میں رہتا تھا۔

(تاریخ بغداد ۴/ ۲۰۹ ت ۱۸۹۶، وسندہ صحیح)

محمد بن عمران المرزبانی (ضعیف) راوی کا ظہور احمد نے دفاع کیا ہے اور سات محدثین سے اس کی توثیق نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ (دیکھئے تلامذہ ص ۳۳۲۔۳۳۳ حاشیہ)

لہٰذا عرض ہے کہ خطیب بغدادی نے صحیح سند کے ساتھ مرزبانی سے نقل کیا، اس نے عبدالباقی بن قانع (بغدادی حنفی، ضعیف) سے نقل کیا کہ شرقیہ میں رہنے والا اطہلات ''لیس

بثقة "" ثقہ نہیں۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۰۹)

ظہور احمد کے اصول سے اس صحیح حوالے اور حنفی عالم کی جرح کے بعد بھی ابن الصلت الحمانی کی روایات سے استدلال ظہور وشار جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

۵) ظہور احمد نے لکھا ہے:

"حافظ الحدیث امام علی بن عاصم الواسطیؒ (م ۲۱۰ھ) کا بیان ہے:

لو وزن عقل ابی حنیفة بعقل نصف اهل الارض لرجح بهم۔

اگر امام ابوحنیفہؒ کی عقل کا موازنہ نصف اہل زمین کی عقلوں سے کیا جائے تو پھر بھی آپ کی عقل ان سب پر بھاری ہو جائے۔"

(محدثانہ مقام ص ۴۱، بحوالہ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۴۲ وسیر اعلام النبلاء ۶/۵۳۷)

سیر میں یہ قول بے سند ہے، لیکن اخبار ابی حنیفہ (۳۰) اور تاریخ بغداد (۱۳/۳۶۳) میں محمد بن شجاع (الثلجی) کی سند سے یہ قول موجود ہے۔

محمد بن شجاع الثلجی کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا: وہ تشبیہ کے بارے میں حدیثیں گھڑتا تھا۔ امام عبید اللہ بن عمر بن میسرہ القواریری رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے دس دن پہلے اس ابن الثلجی کے بارے میں فرمایا: وہ کافر ہے۔

حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی دونوں نے اسے متروک قرار دیا اور دیگر محدثین نے بھی جرح کی۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۳۶۳)

ایسے کذاب راوی کی روایت پیش کر کے ظہور وشار نے اپنی "علمی" ٹوکری لوگوں کے سامنے کھول کر بلکہ الٹ کر رکھ دی ہے۔ سبحان اللہ!

۶) ظہور احمد نے لکھا ہے کہ امام شعبی نے آپ (امام ابوحنیفہ) کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "تم غفلت نہ کرو اور علم کی طرف پوری توجہ دو اور علماء کی صحبت میں ضرور بیٹھا کرو کیونکہ مجھے تم میں علمی قابلیت اور بیداری نظر آرہی ہے۔"

ظہور احمد نے مزید لکھا ہے:

''امام صاحبؒ فرماتے ہیں:........امام شعبیؒ کی اس بات نے میرے دل میں گہرا اثر کیا اور میں نے بازار میں جانا چھوڑ دیا اور پوری طرح تحصیل علم میں لگ گیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے مجھے فائدہ پہنچایا۔''

(محدثانہ مقام ص ۱۴۲، بحوالہ مناقب ابی حنیفہ للموفق المکی وعقود الجمان ص ۱۶۰۔۱۶۱)

عقود الجمان تو بے سند ہے اور موفق المکی (ساقط العدالت) کی کتاب میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" و به قال (أبو محمد عبد الله بن محمد الحارثي) انبأ زيد بن يحيٰي الفقيه البلخي: انبأ يحيٰي بن موسى: سمعت يحيٰي بن أبي بكير يقول: كان أبو حنيفة يقول....." (ج۱ص۵۹)

اس سند کا بنیادی راوی ابو محمد الحارثی کذاب ہے۔ اسے ابو احمد الحافظ اور حاکم وغیرہما نے کذاب قرار دیا ہے، نیز جمہور محدثین نے جرح کی ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے الحدیث: ۹۴ ص ۷۷۔۸۶)

نیز زید بن یحییٰ الفقیہ البلخی کے حالات نامعلوم ہیں۔

۷) ظہور احمد نے لکھا ہے:

''چنانچہ امام صمیریؒ (م ۴۳۶ھ) نے حضرت عطاءؒ کی مجلس کے حاضر باش حارث بن عبد الرحمٰنؒ (م ۱۴۶ھ) سے ان کا بیان نقل کیا ہے کہ:

كنا عند عطاء بعضنا خلف بعض، فاذا جاء ابو حنيفة اوسع له و ادناه.

ہم حضرت عطاء کے حلقہ درس میں ایک دوسرے کے پیچھے صفیں بنا کر بیٹھے ہوتے تھے، جب امام ابو حنیفہؒ آجاتے تو حضرت عطاءؒ آپ کے لیے جگہ بنواتے اور اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔'' (محدثانہ مقام ص ۱۸۳، بحوالہ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۸۹)

مناقب الصیمری میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" أخبرنا عبدلله بن محمد قال: ثنا مكرم: ثنا عبد الصمد بن عبيد الله عن

عبد اللہ بن محمد بن نوح قال: ثنا حفص بن یحیی قال: ثنا محمد بن أبان عن الحارث بن عبد الرحمٰن ...." (ص۸۳)

اس روایت کا پہلا راوی عبداللہ بن محمد بن ابراہیم الحلوانی ابوالقاسم ابن الثلاج الشاہد ہے، جس کے بارے میں امام ازہری رحمہ اللہ نے فرمایا: "کان یضع الحدیث"

وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۱۰/۱۳۷ ت ۵۲۷۷، لسان المیزان ۳/۳۵۰)

اسے ابوالفتح ابن ابی الفوارس نے بھی کذاب قرار دیا اور حمزہ بن یوسف السہمی نے فرمایا:

"کان معروفًا بالضعف، سمعت أبا الحسن الدارقطني وجماعة من حفاظ بغداد يتكلمون فيه و يتهمونه بوضع الأحاديث و ترتيب الأسانيد"

وہ ضعف کے ساتھ مشہور تھا، میں نے ابوالحسن الدارقطنی اور بغداد کے حفاظِ حدیث کی ایک جماعت سے سنا، وہ اس پر کلام کرتے تھے اور اسے اسانید و احادیث گھڑنے کا متہم قرار دیتے تھے۔ (سوالات حمزہ السہمی للدارقطنی: ۳۲۹)

اس کذاب کے استاد مکرم القاضی کی کتاب ساری کی ساری جھوٹ کا پلندا ہے، جیسا کہ فقرہ نمبر ۴ کے تحت امام دارقطنی رحمہ اللہ کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

اس سند کے باقی چار راوی درج ذیل ہیں:

۱: عبدالصمد بن عبیداللہ (نامعلوم)

۲: عبداللہ بن محمد بن نوح (نامعلوم)

۳: حفص بن یحییٰ (نامعلوم)

۴: محمد بن ابان (نامعلوم)

ان چاروں کی توثیق مطلوب ہے۔

ایسی ظلمات قسم کی موضوع روایتوں کے بل بوتے پر ظہور و نثار ساہ کو سفید اور رات کو دن ثابت کرنے کی کوشش پر تُلے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ

۸) ظہور احمد کوثری دیوبندی نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی توہین کرنے کے لئے ثقہ

امام ابوعاصم النبیل رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا کہ ان سے کسی نے پوچھا: امام سفیان ثوری بڑے فقیہ ہیں یا ابوحنیفہ؟ انہوں نے جواب دیا:

''کسی بھی چیز کا موازنہ اس کی ہم مثل چیز سے کیا جاتا ہے، امام ابوحنیفہؒ تو پورے فقیہ ہیں، جبکہ سفیان ثوری بتکلف فقیہ ہیں۔'' (محدثانہ مقام ص ۲۵۸ بحوالہ تاریخ بغداد ۱۳/۳۴۲)

تاریخ بغداد (۱۳/۳۴۳) میں اس روایت کی سند میں احمد بن محمد بن مغلس یعنی ابن الصلت ہے، جو کہ مشہور کذاب تھا۔ (دیکھئے یہی مضمون فقرہ نمبر ۲)

۹) ظہور احمد نے ایک ضعیف عند الجمہور راوی قیس بن ربیع سے امام صاحب کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ''امام ابوحنیفہؒ اپنا سامانِ تجارت بغداد بھیجتے اور اس سے جو رقم حاصل ہوتی اس سے دیگر سامان خرید کر کوفہ لاتے۔ پھر اس سامان کو بیچ کر اس سے پورا سال جو نفع حاصل ہوتا اُس سے محدثین شیوخ کے لیے خوراک، لباس اور دیگر ضروری اشیاء خرید کر اُن کی طرف بھیجتے۔ باقی جو رقم بچ جاتی وہ بھی ان کو دے دیتے اور ان سے فرماتے، اس کو اپنی ضروریات میں خرچ کرو اور صرف اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرو، کیونکہ میں نے اپنی طرف سے تم کو کچھ نہیں دیا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے میرے اوپر فضل فرمایا ہے۔''

(محدثانہ مقام ص ۷۱ بحوالہ تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۵۸)

اس روایت کی سند میں احمد بن محمد الحمانی ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۶۰)

اور یہ ابن الصلت الحمانی مشہور کذاب اور وضاع تھا۔ (دیکھئے یہی مضمون، فقرہ سابقہ: ۲)

۱۰) ظہور احمد نے جمہور محدثین کے نزدیک مجروح، نیز متروک راوی عباد بن صہیب البصری سے نقل کیا ہے کہ محمد بن شجاع الثلجی نے اس سے کہا: آپ کے پاس امام ابوحنیفہ کی فقہ سے متعلق جو روایات ہیں وہ مجھ سے بیان کریں۔ انہوں (یعنی اُس) نے جواب میں فرمایا: ''میرے پاس امام ابوحنیفہؒ کی فقہی رویات کا صندوق بھرا ہوا موجود ہے، لیکن اس میں سے میں آپ کو کچھ نہیں سناؤں گا، البتہ امام ابوحنیفہؒ کی روایات کردہ احادیث آپ مجھ سے جس قدر سننا چاہتے ہیں، وہ میں بیان کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

(محدثانہ مقام ص ۳۰۰ بحوالہ فضائل ابی حنیفہ ص ۸۵ والجواہر المضیہ ۱/ ۲۶۷۔۲۶۸)

الجواہر المضیہ اور فضائل ابی حنیفہ (دونوں کتابوں میں اس اسٹوری کا راوی محمد بن شجاع الثلجی ہے جو کہ بہت بڑا کذاب تھا۔ (دیکھئے یہی مضمون، فقرہ نمبر ۵)

صاحبِ جواہر نے اسے حنفیہ کے ایک امام احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی سے نقل کیا ہے، حالانکہ طحاوی کی کسی کتاب میں یہ روایت موجود نہیں بلکہ فرعونِ مصر اور کافر زندیق حاکم بامر اللہ العبیدی کے قاضی (مجہول) کی مجہول سند والی کتاب میں یہ روایت بحوالہ طحاوی لکھی ہوئی ہے اور امام طحاوی تو اس موضوع روایت سے بری ہیں۔

یہاں ظہور احمد کی ایک بہت بڑی دوغلی پالیسی اور دورُخی کی وضاحت بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ظہور احمد نے عباد بن صہیب (متروک) کے بارے میں لکھا ہے:

''جو کہ بقول امام یحییٰ بن معینؒ، ابو عاصم نبیلؒ سے زیادہ پختہ کار محدث تھے''

(محدثانہ مقام ص ۳۰۰ بحوالہ لسان المیزان ۳/ ۲۸۰)

لسان المیزان (۳/ ۲۳۱، دوسرا نسخہ ۳/ ۶۶۸) اور الکامل لابن عدی (۴/ ۱۶۵۲، دوسرا نسخہ ۵/ ۵۵۷) میں اس روایت کی سند یہ ہے: '' ابن ابی داود: ثنا یحیی بن عبد الرحیم (الأعمش) قال: سمعت یحیی بن معین ''

اس روایت کے پہلے راوی امام ابو بکر عبداللہ بن ابی داود السجستانی رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث وحسن الحدیث راوی ہیں، لیکن ظہور احمد نے اپنی دوسری کتاب: ''تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام'' میں انھیں شدید جرح کا نشانہ بنایا ہے۔

ایک اہلِ حدیث عالم (مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ) کی ایک غلطی کو بنیاد بنا کر ظہور احمد نے لکھا ہے:

''اس قول کی سند میں ایک راوی امام ابوداود کا بیٹا ابو بکر عبداللہ بن ابی داودؒ باقرار مقلدین خود اپنے والد امام ابوداودؒ کے نزدیک کذاب اور کثیر الخطاء ہے، چنانچہ امام ابوداود صاحب

السنن فرماتے ہیں...... میرا بیٹا عبداللہ کذاب (بہت بڑا جھوٹا) ہے۔" (تلامذہ ص ۵۰۱)
حالانکہ امام ابوداود کی طرف منسوب یہ جرح قطعاً ثابت نہیں۔ (دیکھئے مقالات ۴/ ۳۷۹۔۳۸۰)
مولانا اثری کی اجتہادی خطا کو تمام اہل حدیث کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے۔
عرض ہے کہ حسن بن زیاد کذاب پر جرح میں ظہور صاحب نے ابن ابی داود پر شدید جرح کی اور ان پر کذاب کا غیر ثابت فتویٰ بھی لگا دیا اور جب یہ راوی ان کی اپنی مرضی والی روایت میں آئے تو آنکھیں بند کر کے ان کی روایت سے استدلال کر لیا۔
اسے دوغلی پالیسی اور دورُخی نہ کہیں تو کیا کہیں؟!
تنبیہ اول: یحییٰ بن عبدالرحیم کا تعین اور توثیق بھی مطلوب ہے۔
تنبیہ دوم: امام ابن ابی داود پر ظہور احمد کی نیش زنی کے جواب کے لئے دیکھئے "جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راویوں پر ظہور احمد کی جرح" (فقرہ نمبر ۶)
قارئین کرام! ظہور و نثار کی ٹوکری سے یہ دس (۱۰) موضوع روایتیں بطورِ نمونہ و مشتے از خروارے پیش کی گئی ہیں، ورنہ ان کی کتابوں میں بہت سی بے سند اور مردود روایتیں موجود ہیں، مثلاً:

۱: "تمام شہروں اور ان پر بسنے والے لوگوں کو امام المسلمین (مسلمانوں کے امام) ابو حنیفہؒ نے زینت بخشی ہے۔" (محدثانہ مقام ص ۳۶ بحوالہ تبییض الصحیفہ للسیوطی ص ۱۲۷)

تبییض الصحیفہ (ص ۱۱۴) النجوم الزاھرہ لابن تغری بردی (۲/ ۱۵) میں یہ روایت بے سند ہے، لیکن اخبار الصیمری (ص ۸۵) میں اس کی سند موجود ہے، جس میں اسحاق بن ابراہیم بن مقراض اور سوید بن سعید المروزی دونوں مجہول ہیں (یہ سوید المروزی صحیح مسلم کا راوی نہیں) اور احمد بن محمد المنصوری غیر موثق (مجہول الحال) ہے۔

۲: "امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ میں فقہ، علم اور ورع، ہر اعتبار سے امام الدنیا تھے۔"
(محدثانہ مقام ص ۳۷ بحوالہ الانتقاء ص ۱۶۷)

سخت ضعیف و متروک راوی ابو مقاتل حفص بن سلم السمرقندی (دیکھئے مقالات

۳/۳۶۴۔۳۶۷) کی طرف منسوب اس روایت کی سند میں ابو یعقوب یوسف بن احمد مجہول ہے اور ابو عبداللہ محمد بن حزام الفقیہ، حزام الفقیہ اور محمد بن یزید کے حالات کی تلاش جاری ہے۔

۳: بہت سی بے سند روایتوں سے بھی ظہور احمد نے استدلال کیا ہے، مثلاً:

☆ ظہور احمد نے حافظ ذہبی کی چھتری تلے ابو معاویہ الضریر رحمہ اللہ سے منسوب کیا ہے:

''امام ابو حنیفہؒ سے محبت کرنا سنت ہے۔'' (محدثانہ مقام ص ۵۱ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۶/۵۳۶)

النبلاء (۶/۴۰۱) اور تاریخ الاسلام للذہبی (۹/۳۱۰) میں یہ قول بالکل بے سند ہے اور کسی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں ملی۔

☆ ظہور احمد نے بذریعہ حافظ ذہبی امام حفص بن غیاث رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''امام ابو حنیفہؒ کا کلام فقہ میں بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ اس میں عیب نکالنے والا صرف جاہل ہی ہوسکتا ہے۔'' (محدثانہ مقام ص ۲۴۷ بحوالہ النبلاء ۶/۵۳۷)

سیر اعلام النبلاء (۶/۴۰۳) میں یہ قول بالکل بے سند ہے اور کسی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں ملی۔

آخر میں عرض ہے کہ ممکن ہے ظہور و نثار دونوں یہ پروپیگنڈا کریں کہ اہلِ حدیث کو امام ابو حنیفہ کے فضائل و مناقب پسند نہیں ہیں تو عرض ہے کہ یہ بات ہرگز نہیں، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ احادیثِ رسول ہوں یا آثارِ صحابہ و تابعین، امام ابو حنیفہ کا معاملہ ہو یا امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام بخاری کا ذکر ہو، صرف صحیح و حسن لذاتہ روایات پیش کرنی چاہئیں اور ضعیف، مردود و بے سند روایات سے کلیتاً اجتناب کرنا چاہئے۔

ہماری نہ تو امام ابو حنیفہ سے کوئی دشمنی ہے اور نہ امام بخاری کا اندھا دھند دفاع مقصود ہے بلکہ ہمارا صرف ایک ہی مقصد و منہج ہے کہ صحیح روایات سے استدلال اور ضعیف روایات کا رد۔

ہم آلِ دیوبند کی طرح متعصب نہیں کہ جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق راویوں مثلاً عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، احمد بن جمیل المروزی، احمد بن علی بن مسلم الابار (ثقہ

بالاجماع)، ہیثم بن خلف الدوری اور عبداللہ بن ابی داود السجستانی وغیرہم پر جرح شروع کر دیں اور جمہور کے نزدیک یا بالاجماع مجروح راوی مثلاً احمد ابن الصلت الحمانی، ابو محمد الحارثی، محمد بن شجاع الثلجی اور حسن بن زیاد اللؤلوی وغیرہم کی توثیق ثابت کرنا شروع کر دیں، بلکہ ہمارا منہج روشن اور واضح ہے اور وہ ہے:

تعارض کے وقت جمہور محدثین کو ہمیشہ ترجیح

اور اسی پر ہمارا عمل ہے اور اگر اس کے خلاف ہماری کوئی تحریر غلطی سے لکھی گئی ہے تو ہم اس سے علانیہ رجوع کرتے ہیں اور توبہ کا اعلان کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے جو فضائل صحیح سندوں سے ثابت ہیں، وہ بیان کریں مثلاً:

۱: امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے فرمایا: "أدركت الناس فما رأيت أحدًا أعقل ولا أفضل ولا أورع من أبي حنيفة." میں نے لوگوں کو دیکھا تو ابوحنیفہ سے زیادہ عقل والا، افضل اور پرہیزگار کوئی نہیں دیکھا۔ (تہذیب الکمال قلمی ج ۳ ص ۱۴۱۷)

اس قول کی سند صحیح ہے۔

۲: امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ پر رحم کرے، وہ امام تھے۔

(الانتقاء لابن عبدالبر ص ۳۲)

اس قول کی سند حسن لذاتہ ہے۔

ہمارے ہاں کسی قسم کے تعصب یا جانبداری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بلکہ ہم اصولِ حدیث کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے اسماء الرجال میں ترجیح الجمہور پر ہمیشہ قائم ودائم ہیں اور یہی ہمارا منہج ہے۔ والحمدللہ

ظہور وشارکی ''خدمات کوثریہ'' میں عرض ہے کہ ثقہ راویوں کو ضعیف و مجروح اور ضعیف و مجروح راویوں کو ثقہ وصدوق ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں اور مرنے سے پہلے توبہ کر لیں۔ ورنہ جان لیں کہ روزِ حساب قریب ہے۔ ان شاء اللہ

(۱۲/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۲/ جولائی ۲۰۱۲ء)

ظہور احمد حضروی کے بائیں ہاتھ کا کھیل: چپکے سے عبارت غائب کر دینا!!

ظہور احمد دیوبندی حضروی نے مشہور تبع تابعی امام عبد العزیز بن محمد المدنی الدراوردی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۷ھ) کے بارے میں جھوٹ بولتے ہوئے لکھا تھا:

''امام سعد بن سعدؒ فرماتے ہیں: فیہ لین۔ یہ روایت حدیث میں کمزور ہے۔''

(رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۰ طبع جنوری ۲۰۰۷ء بحوالہ میزان الاعتدال ۲/ ۶۳۳، ۶۳۴)

راقم الحروف نے اس عبارت کا رد کیا اور لکھا: ''اس ایک حوالے سے ہی صاف ثابت ہو گیا کہ ظہور احمد مذکور عربی زبان سے پکا جاہل ہے، جو ایک عام عبارت کا صحیح ترجمہ بھی نہیں کر سکتا۔ عرض ہے کہ اس جہالت کے باوجود اسے کس ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کتابیں لکھنا شروع کر دو۔!؟'' (الحدیث حضرو: ۶۹ ص ۴۷ تحریر ۹/ نومبر ۲۰۰۹ء)

قارئین کرام کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ظہور احمد نے اپنی اس کتاب کے جدید ایڈیشن سے عبارت مذکورہ مردودہ کو چپکے سے نکال دیا ہے اور کسی قسم کے رجوع کا نام و نشان تک نہیں لکھا۔ (دیکھئے رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۶۳ طبع مئی ۲۰۱۲ء)

(۹/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۳۰/ جون ۲۰۱۲ء)



متفرق مضامین



ائمہ کرام سے اختلاف، دلائل کے ساتھ

غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے:

''بعض جمود پسند لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ سب مجتہد تھے ان کا ایک دوسرے سے اختلاف جائز ہے ہم مقلد ہیں، ہمارا ائمہ اور اکابر علماء سے اختلاف جائز نہیں، میں کہتا ہوں کہ دلائل کی بناء پر ہمارے فقہاء نے امام ابوحنیفہ سے بھی اختلاف کیا ہے، مثلاً علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے خواہ متفرق رکھے جائیں یا متصلاً اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ روزے متصلاً رکھنا مکروہ ہیں لیکن عام متاخرین کے نزدیک ان میں کراہت نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ)

اور علامہ شرنبلالی نے لکھا ہے کہ شوال کے چھ روزے رکھنا مستحب ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کے بعد متصل چھ روزے رکھے اس کو دائماً روزہ رکھنے کا اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹)

(مراقی الفلاح ص ۳۸۷، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ)

اسی طرح عقیقہ کو امام ابوحنیفہ نے مباح کہا ہے لیکن ہمارے فقہاء نے حدیث کی بناء پر کہا یہ سنت ہے اور کار ثواب ہے۔ بہر حال قرآن اور حدیث سب پر مقدم ہیں اور قرآن اور حدیث کے دلائل کی وجہ سے اکابر علماء سے اختلاف کرنا جائز ہے اور میری زندگی کا یہی مشن ہے کہ قرآن اور حدیث کی بالادستی بیان کروں۔'' (تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۸۴، طبع ۲۰۰۵ء)

سعیدی صاحب کی زندگی کا مقصد تو اللہ جانتا ہے اور اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث سب پر مقدم ہیں۔ قرآن اور حدیث کے دلائل کے ساتھ اکابر علماء سے ادب و احترام کے ساتھ اختلاف کرنا جائز ہے اور اسی میں خیر ہے۔ (۸/ نومبر ۲۰۱۲ء)

لوگ کون ہیں؟

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ''من الناس''؟ لوگ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ''ماالناس إلا من قال: حدثنا و أخبرنا''

لوگ تو صرف وہی ہیں جو حدثنا اور اخبرنا کہتے ہیں۔ (مشیخۃ الصید اوی ص ۱۱۷ ح ۳۴ وسندہ صحیح)

امام احمد کے اس سنہری قول سے معلوم ہوا کہ لوگوں میں بہترین لوگ صرف محدثین کرام ہیں، احادیث بیان کرنے اور ان پر عمل کرنے والوں کے سوا باقی تمام لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ (۱۹/ جنوری ۲۰۱۳ء)

چند شبہات کا ازالہ

۱) کفایت اللہ سنابلی صاحب کی طرف سے حسین بن ابراہیم الجورقانی کی کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح والشاہیر (۱/ ۱۲۶ ح ۱۲۲) سے ایک روایت پیش کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۲/ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے:

۱: محمد بن طاہر المقدسی کے بارے میں خود کفایت اللہ صاحب نے ''کان کثیر الوهم'' وغیرہ کی جرح نقل کی ہے۔

۲: جورقانی پر بھی شدید جرح ہے۔

۳: عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ کی توثیق مع تعین مطلوب ہے۔

سوال یہ ہے کہ اہلِ بدعت صرف اسی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں؟

امام المغازی محمد بن اسحاق نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد سوموار والے دن (یعنی ۱۲/ ربیع الاول کو) پیدا ہوئے۔

(سیرت ابن ہشام ۱/ ۱۶۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۷۴)

کیا اس قدیم ترین قول کے مقابلے میں کوئی حدیث یا صحابی و تابعی کا کوئی اثر ہے؟

۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ ''والمعروف'' والے الفاظ امام بخاری کا قول ہے اور اس قول کا صرف یہی مطلب ہے کہ امام بخاری کے نزدیک مشہور بات یہ ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام میں تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا شام جانا مشہور نہیں۔

یہ واقعہ چونکہ امام بخاری کی پیدائش سے پہلے ہوا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ امام بخاری سے ابوذر رضی اللہ عنہ تک صحیح سند پیش کی جائے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام نہیں گئے تھے۔

اگر صحیح سند موجود نہیں تو پھر امام بخاری کا یہ قول اس صحیح (حسن لذاتہ) حدیث کے خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ ''كان أبو ذر بالشام زمن يزيد بن أبي سفيان''

یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان کے زمانے میں شام میں تھے۔

ظاہر ہے کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں امام بخاری ہوں یا کوئی اور امام، ان کا قول حجت نہیں رہتا اور صحیح حدیث حجت رہتی ہے۔ سفیان ثوری کے بارے میں ابوزرعہ ابن العراقی کا قول ''مشہور بالتدلیس'' کئی وجہ سے صحیح ہے۔ مثلاً:

۱: سفیان ثوری کا مدلس ہونا ثابت ہے اور غیر مدلس ہونا ثابت نہیں۔

۲: سفیان ثوری کے شاگردوں سے بھی ان کا مدلس ہونا ثابت ہے۔

۳: یہ قول کسی حدیث یا کسی دلیل کے خلاف نہیں۔

تنبیہ: امام بخاری کی طرف منسوب یہ قول کہ ''**ولا أعرف لسفیان ... تدلیسًا ، ما أقل تدلیسه .**'' باسند صحیح ثابت نہیں جیسا کہ الفتح المبین کے جدید نسخے میں اصلاح کر دی گئی ہے اور یہ نسخہ چھپنے کے لئے مکتبہ اسلامیہ پہنچ چکا ہے۔

العلل الکبیر کا بنیادی راوی ابو حامد التاجر مجہول الحال ہے۔ (الحدیث: ۲۸ ص ۳۱، شمارہ ۱۰۲ ص ۲۷)

لہٰذا یہ کتاب ہی ثابت نہیں۔

ولید بن عتبہ الدمشقی مشہور ثقہ راوی ہیں۔ ان سے ابوداود، بقی بن مخلد، یعقوب بن سفیان الفارسی اور ابوزرعہ الرازی نے روایت بیان کی اور یہ سب اپنے نزدیک صرف ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔ ابن حبان اور ابن حجر نے توثیق کی اور ذہبی نے فرمایا: **صدوق** . لہٰذا یہ واقعی معروف الحدیث اور ثقہ وصدوق ہیں۔

الحارث بن عمرو تو مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

یزید بن عمرو الاسلمی (مجہول الحال) عن عبدالعزیز بن عقبہ بن سلمہ (مجہول الحال) کے بارے میں اگر امام بخاری نے ''**غیر معروف سماعه**'' فرمایا تو دوسری جگہ اس کے برعکس بھی فرمایا: ''**یزید بن عمرو الأسلمي (سمع عبد العزیز) بن عقبة بن سلمة.**'' (التاریخ الکبیر ۸/ ۳۵۰ ت ۳۲۸۷)

ان دونوں باتوں میں سے کون سی صحیح ہے؟

ہمارے نزدیک تو التاریخ الکبیر والی یہ روایت یزید بن عمرو اور عبد العزیز دونوں مجہولوں یا مجروحوں کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

۳) شدید نکارت والے متن پر مشتمل روایت کا موضوع ہونا۔

ایسی روایت کی سند صحیح نہیں بلکہ مردود ہوتی ہے، نیز محدثین کرام اسے صحیح نہیں بلکہ موضوع کہتے ہیں۔ جبکہ أول یغیر سنتي والی روایت کے متن میں کوئی نکارت نہیں، سند بھی حسن لذاتہ یعنی صحیح ہے اور کسی محدث نے اسے ہرگز موضوع قرار نہیں دیا۔

نبی ﷺ کا غیب کی خبریں بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی وحی سے تھا اور اس بات میں کسی قسم کی نکارت نہیں۔

۴) خودساختہ عقلی قرائن کا اصل جواب یہ ہے کہ صحیح حدیث کے بارے میں ہر قسم کے ڈھکوسلے مردود ہوتے ہیں۔

یہ کہنا کہ فلاں موقع پر کیوں حدیث پیش نہیں کی؟ تو اس طرح سے بہت سی صحیح احادیث کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً: سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے کہا: اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو؟ مراد یہ ہے کہ اگر آپ فوت ہو گئے تو میں کس کے پاس (اپنے کام کے بارے میں) جاؤں گی؟

آپ نے فرمایا: " إن لم تجديني فأتي أبا بكر. " اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس جانا۔ (صحیح البخاری: ۳۶۵۹، صحیح مسلم: ۲۳۸۶)

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اگر یہ صحیح ہوتی تو سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر اسے کیوں پیش نہ کیا گیا؟ تو کیا اس عقلی ڈھکوسلے سے اس حدیث کو موضوع قرار دیا جائے گا؟!

اس طرح کے عقلی اعتراضات اہلِ حدیث کا منہج نہیں بلکہ اہل الرائے کا وطیرہ ہے۔

یزید بن معاویہ کے بادشاہ بننے سے بہت پہلے ۳۲ھ میں سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ

وفات پا گئے تھے، جبکہ اس وقت یزید پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔

کیا سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے بعد ساٹھ ہجری میں دوبارہ زندہ ہو گئے تھے کہ یزید کے دربار میں یہ حدیث سناتے؟

ابومسلم الجذمی کا بھی دربارِ یزید میں حاضر ہونا کسی سند سے ثابت نہیں اور کیا یہ ضروری ہے کہ ہر صحیح حدیث ہر متعلقہ موقع پر ضرور بیان کی گئی ہو؟

۵) ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ سے دو برتن یاد کئے، ایک تو پھیلا دیا اور اگر دوسرا پھیلاؤں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے۔ (صحیح بخاری: ۱۲۰)

اس حدیث سے باطنیہ کسی علم لدنی وغیرہ اباطیل پر استدلال کرتے ہیں، جبکہ حافظ ابن حجر نے علماء سے نقل کیا کہ اس سے مراد بُرے حکمرانوں کے نام، احوال اور زمانہ ہے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: **" و قد كان أبو هريرة يكني عن بعضه ولا يصرح به خوفًا علٰی نفسه منهم "** ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) بعض کے بارے میں اشارہ کرتے تھے اور اپنی جان کے خوف کے وجہ سے صراحت نہیں کرتے تھے۔

حافظ صاحب نے مزید لکھا ہے: **" كقوله أعوذ بالله من رأس الستين وإمارة الصبيان يشير إلٰی خلافة يزيد بن معاوية لأنها كانت سنة ستين من الهجرة واستجاب الله دعاء أبي هريرة فمات قبلها بسنه... "** جس طرح کہ اُن (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کا ارشاد ہے کہ اے اللہ! میں ساٹھ (ہجری) کے شروع اور لونڈوں کی حکمرانی سے پناہ چاہتا ہوں۔ وہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف اشارہ کر رہے تھے کیونکہ وہ ساٹھ ہجری میں تھی اور اللہ تعالیٰ نے ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی دعا قبول فرمائی اور آپ اس سے ایک سال پہلے فوت ہو گئے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۶)

اس حدیث کا مذاق اڑاتے ہوئے معترض نے جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

نفس کی رذالتیں اوران کا علاج

کتاب وسنت سے ہٹے ہوئے اور نفس پرستی سے لبریز شریر نفس کے بارے میں حافظ ابن القیم نے فرمایا:

"سُبْحَانَ الله فِي النَّفس كِبر إِبْلِيس وحسد قابيل وعتو عَاد وطغيان ثَمُود وجرأة نمْرُود واستطالة فِرْعَوْن وبغي قَارون وقحة هامان وَهوى بلعام وحيل أَصْحَاب السبت وتمرد لوليد وَجَهل أبي جهل وفيهَا من أَخْلَاق الْبَهَائِم حرص الْغُرَاب وشره الْكَلْب ورعونة الطاووس ودناءة الْجعل وعقوق الضَّب وحقد الْجمل ووثوب الفهد وصولة الْأسد وَفسق الْفَأْرَة وخبث الْحَيَّة وعبث القرد وَجمع النملة ومكر الثَّعْلَب وخفة الْفراش ونوم الضبع غير أَن الرياضة والمجاهدة تذْهب ذَلِك فَمن استرسل مَعَ طبعه فَهُوَ من هَذَا الْجند."

سبحان اللہ! نفس میں ابلیس کا تکبر، قابیل کا حسد، قومِ عاد کی سرکشی، قومِ ثمود کی طغیانی، نمرود کی جراءت، فرعون کی حد سے تجاوز ودست درازی، قارون کی ہٹ دھرمی اور تریاہٹ، ہامان کی بےشرمی، بلعام کی خواہش پرستی، سبت والوں کی حیلہ سازی، ولید (بن مغیرہ) کی اکڑ اور ابو جہل کی جہالت موجود ہے۔

اس نفس میں درندوں کی صفات میں سے، کوے کی حرص، کتے کی طمع اور لالچ، مور کی بددماغی اور ناسمجھی، گندگی خور کیڑے کی رذالت وکمینگی، سوسمار کی بدسلوکی، اونٹ کا کینہ، چیتے (تیندوے) کی حملہ آوری، شیر کی خون خواری، چوہے کا فسق، سانپ کی خباثت، بندر کی فضول وبیہودہ اچھل کود، چیونٹیوں کی حرص کہ بہت کچھ اکٹھا ہو جائے، لومڑی کا مکر، پروانوں کا ہلکاپن اور بجو کی نیند (بھی) موجود ہے۔

سوائے اس کے کہ (ایمان کے ساتھ) محنت اور مجاہدے سے یہ سب چیزیں ختم ہو سکتی ہیں۔

پس جس نے اپنے نفس کو کھلا چھوڑ دیا تو وہ اسی مذکورہ گروہ میں سے ہے۔

(الفوائد ص ۴۶۳۔۴۶۴، مجموع رسائل علمیہ ودعویہ للشیخ محمد بن عبداللہ الامام الیمنی حفظہ اللہ ص ۲۲۸)

کامیاب ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور مذکورہ تمام برائیوں سے بچتا ہوا کتاب وسنت کے راستے پر گامزن رہا۔ (دیکھئے سورۃ الشمس: ۹)

اور جو شخص اپنے نفس کا غلام بنا، اسے کھلا چھوڑ دیا تو یہ شخص دنیا اور آخرت میں رسوا ہے۔ و نعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا

اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا کر دے اور اس کا بہترین تزکیہ فرما، تو ہی اس کا ولی و نگہبان ہے۔ (آمین)

فہرست مقالات (۱ تا ۶)

[قارئین کرام! درج ذیل فہرست میں مقالات ۱ تا ۶ کے وہ تمام عناوین حروفِ تہجی کے اعتبار سے یکجا کر دیئے گئے ہیں جو مقالات کی مختلف جلدوں میں صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں تا کہ ایک ہی نظر میں مطلوبہ مضمون تک بآسانی رسائی ہو سکے۔

آپ سے التماس ہے کہ جب بھی محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے علم و فنون سے خوشہ چیں ہوں تو ان کے لئے ضرور دعا کیجئے گا۔ اللّٰھم اغفر له و ارحمه (ندیم)]



ضروری یادداشت